المعروف
جواہرِ قرآنیہ

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (القرآن)

الیواقیتُ الحِسان فی علومِ القرآن ١٤٣٩ھ

علومِ قرآنیہ کا نایاب تحفہ ١٤٣٩ھ

جلد چہارم

حضرت مولانا کریم بخش صاحب مدظلہ
مدیر جامعہ عمرؓ بن الخطاب ملتان

مکتبہ عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب
نئی چوک شاہ رکنِ عالم کالونی ملتان موبائل: 0301-7574977

Marfat.com

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (القرآن)

الیواقیت الحسان فی علوم القرآن

علوم قرآنیہ کا نایاب تحفہ

جلد چہارم

(۱) فطرتِ انسانی اور اسلام کا لائحہ عمل۔ (۲) اسلام اور فریضہ تبلیغ۔ (۳) دعوت وتبلیغ کے متعلق اہم فتویٰ۔ (۴) عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام۔ (۵) ختم نبوت اور تین کذاب جھوٹے دعوے دار۔ (۶) شانِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (۷) خلافتِ راشدہ کا بیان۔ (۸) اقتدار وحکومت موعود ہے یا مقصودِ اصلی۔ (۹) حدیث اور سنت میں فرق۔ (۱۰) ستر (70) مشہور موضوع روایات۔ (۱۱) حضرات سلفؒ اور موجودہ سلفیوں میں فرق۔ (۱۲) متفرق جواہر ولؤلؤ۔ (۱۳) انساب و کفاءت کی شرعی حیثیت۔ (۱۴) دلچسپ مفید معلومات۔ (۱۵) فوائدِ متفرقہ، اور ان جیسے اور بہت سارے فوائد ونکات''۔

حضرۃ مولانا کریم بخش صاحب دامت فیوضہم

ناشر

مکتبہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا عمر فاروق چوک شاہ رکن عالم کالونی ملتان پاکستان

0301-7574977, 0300-7345151 , 061-6775251

Muaaz5151@gmail.com

M-33792

Marfat.com

جملہ حقوقِ طباعت بحق مکتبہ عمر بن الخطاب ؓ مُلتان محفوظ ہیں

عرضِ ناشر: الحمدللہ اگرچہ مکتبہ عمر بن الخطاب ؓ مُلتان نے

اَلیَواقِیتُ الحِسَانُ فِی عُلُومِ القُرآن (جلد چہارم)

کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔

اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہِ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

297.11
142484

مکتبہ عمر بن الخطاب ؓ ملتان
E-Mail: maktabaumerbinalkhattab@gmail.com

نام کتاب: اَلیَواقِیتُ الحِسَانُ فِی عُلُومِ القُرآن (جِلد چہارم)

تالیف: مولانا کریم بخش صاحب عفا اللہ الکریم عنہ

ضبط وترتیب: مولانا محمد ابوبکر لودھروی عفا اللہ عنہ
(ضبط وترتیب، شعبہ تصنیف جامعہ عمر بن الخطاب، ملتان 0300-3662063)

کمپیوٹر کمپوزنگ: عبدالرحمٰن رضا (0321-6343499)، افضال احمد (0312-4995576)

ناشر: مکتبہ عمر بن الخطاب ؓ مُلتان

فون: 061-6775251
0301-7574977, 0300-7345151

ای میل: Muaaz5151@gmail.com

ملنے کے پتے

☆...... مکتبہ حقانیہ، ملتان
☆...... مکتبہ امدادیہ، ملتان
☆...... مکتبہ مجیدیہ، ملتان
☆...... مکتبہ اشاعت الخیر، ملتان
☆...... تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان
☆...... مکتبہ ادارہ اسلامیات، لاہور
☆...... مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ، لاہور
☆...... مکتبہ قاسمیہ، لاہور
☆...... مکتبہ الحسن، لاہور
☆...... مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
☆...... قدیمی کتب خانہ، کراچی
☆...... مکتبہ لدھیانوی، کراچی
☆...... مکتبہ عمر فاروق ؓ، کراچی
☆...... مکتبہ شیخ، کراچی
☆...... مکتبہ اسلامیہ، لاہور / فیصل آباد
☆...... جامعۃ الحبیب، فیصل آباد
☆...... مکتبہ عمر فاروق، راولپنڈی
☆...... مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی
☆...... مکتبہ الحرمین، سرگودھا
☆...... مکتبہ حرمین، سرگودھا
☆...... مکتبہ علمیہ، اکوڑہ خٹک
☆...... مکتبہ رشیدیہ، اکوڑہ خٹک
☆...... مکتبہ فاروقیہ، وہاڑی
☆...... مکتبہ دارالمطالعہ، حاصل پور

Marfat.com

حرفِ آغاز

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَللّٰهُمَّ لَكَ الۡحَمۡدُ، اَنۡتَ الۡمَلِكُ لَا شَرِيۡكَ لَكَ، وَ الۡفَرۡدُ لَانِدَّ لَكَ، كُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَكَ، لَنۡ تُطَاعَ اِلَّا بِاِذۡنِكَ، وَلَنۡ تُعۡصٰى اِلَّا بِعِلۡمِكَ، تُطَاعُ فَتَشۡكُرُ، تُعۡصٰى فَتَغۡفِرُ، اَقۡرَبُ شَهِيۡدٍ، اَدۡنٰى حَفِيۡظٍ، حُلۡتَ دُوۡنَ النُّفُوۡسِ وَاَخَذۡتَ بِالنَّوَاصِیۡ، كَتَبۡتَ الۡاٰثَارَ، وَنَسَخۡتَ الۡاٰجَالَ، اَلۡقُلُوۡبُ لَكَ مُفۡضِيَةٌ، اَلسِّرُّ عِنۡدَكَ عَلَانِيَةٌ، اَلۡحَلَالُ مَا اَحۡلَلۡتَ، وَالۡحَرَامُ مَا حَرَّمۡتَ، وَالدِّيۡنُ مَا شَرَعۡتَ، وَالۡاَمۡرُ مَا قَضَيۡتَ، وَالۡخَلۡقُ خَلۡقُكَ، وَالۡعَبۡدُ عَبۡدُكَ، وَ اَنۡتَ اللهُ الرَّءُوۡفُ الرَّحِيۡمُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَحَبِيۡبِنَا وَشَفِيۡعِنَا وَمَوۡلَانَا وَقَائِدِ غُرِّ الۡمُحَجَّلِيۡنَ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَاَزۡوَاجِهٖ وَاَتۡبَاعِهٖ وَاَشۡيَاعِهٖ وَمُحِبِّيۡهِ اَبَدَ الۡاٰبِدِيۡنَ وَدَهۡرَ الدَّاهِرِيۡنَ

اَمَّا بَعۡدُ!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے کہ ایک عرصہ سے اس نے فجر کی نماز کے بعد درسِ قرآن کی توفیق سے نوازا ہوا ہے، بعض احباب نے مخلصانہ مشورہ دیا کہ یہ درس تحریری شکل میں آنے چاہییں، تا کہ جو لوگ براہِ راست نہیں سُن سکتے وہ بھی مُستفید ہو سکیں اور اس طرح یہ ایک صدقہ جاریہ بن جائے۔

چنانچہ اس پر کام شروع کیا گیا اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر "تفسیر ھٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ" کے نام سے ایک ضخیم کتاب کی شکل میں مرتب ہوگئی اور بحمد اللہ اب چھپ بھی چکی ہے، مزید سلسلہ جاری ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

بعد ازاں دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا اور کچھ احباب نے بھی خیال ظاہر فرمایا کہ کچھ اور جہات سے بھی قرآن مجید کی خدمت کی سعادت حاصل کرنی چاہئے، یوں ایک طویل مدت کے بعد ایک معتد بہ ذخیرہ معلومات جمع ہو گیا، جس میں قرآن کریم کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی گئی ہے، اور اس کو "اَلۡيَوَاقِيۡتُ الۡحِسَانُ فِیۡ عُلُوۡمِ

Marfat.com

القُرْآن" المعروف (جواہرِ قرآنیہ) کے نام سے چار جلدوں میں مرتب کیا گیا ہے، جلد اوّل و دوم اور سوم چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہے، جلد چہارم اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، جو درج ذیل فوائد و نکات پر مشتمل ہے:

(۱) فطرتِ انسانی اور اسلام کا لائحہ عمل۔ (۲) اسلام اور فریضۂ تبلیغ۔ (۳) دعوت و تبلیغ کے متعلق اہم فتویٰ۔ (۴) عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام۔ (۵) ختمِ نبوت اور تین کذاب جھوٹے دعوے دار۔ (۶) شانِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (۷) خلافتِ راشدہ کا بیان۔ (۸) اقتدار و حکومت موعود ہے یا مقصودِ اصلی۔ (۹) حدیث اور سنت میں فرق۔ (۱۰) ستر (70) مشہور موضوع روایات۔ (۱۱) حضرات سَلَفؒ اور موجودہ سَلَفیوں میں فرق۔ (۱۲) متفرق جواہر ولؤلؤ۔ (۱۳) انساب و کفاءت کی شرعی حیثیت۔ (۱۴) دلچسپ مفید معلومات۔ (۱۵) فوائدِ متفرقہ، اور ان جیسے اور بہت سارے فوائد و نکات"۔

اُمید ہے کہ اس سے بہت سی دینی معلومات میں اضافہ ہوگا، علمی نکات سامنے آئیں گے، بہت سی گمراہ کن باتوں سے نجات حاصل ہوگی، مُبہم امور کی وضاحت ہوگی، ایسی باتیں جو اہم ہیں لیکن عموماً اُن کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اور اس کے برعکس بہت سی غیر اہم باتوں کو اہم بنا کر پیش کیا جاتا ہے، ان کی حقیقت آشکار ہوگی، اسی طرح بہت ساری وہ موضوع، من گھڑت احادیث جو بعض دینی حلقوں میں بھی مشہور ہو چکی ہیں، ان کی بھی اپنی ناقص علمی بساط کے مطابق نشاندہی کی گئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں التجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر تمام مسلمانوں کے لئے مفید و نافع بنائے، اور میرے لیے اور میرے والدین، اور تمام معاونین و محسنین کے لئے ذریعہ نجات بنائے، آمین۔

PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY

کریم بخش عفا الکریم عنہ
مدیر جامعہ عمرؓ بن الخطاب، ملتان
۲۰ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ

Marfat.com

فہرست مضامین الیواقیتُ الحِسان (جلد چہارم)

عنوان	صفحہ
حرفِ آغاز	3
فہرست مضامین	5
فطرتِ انسانی اور اسلام کا لائحہ عمل	20
اللہ نے ہر چیز کو فطرت کے ایک خاص ڈھانچے میں ڈھالا	20
انسان کی پیدائش کس غرض کے لئے عمل میں آئی؟	21
انسان کی فطرت میں امتحان و آزمائش کا عنصر	21
اسلام کا لائحہ عمل	22
ہوا پرست سدِّراہ ہوتے ہیں	22
اربابِ ثروت کی طرف سے نبیوں کی مخالفت کی وجہ؟	22
اللہ کا نبی انقلاب کا داعی نہیں ہوتا	23
اللہ کا نبی بشیر و نذیر ہوتا ہے، کسی تحریک کا لیڈر نہیں ہوتا	23
انبیاء کرام علیہم السلام کا درد	24
نبی کے ہاں پروپیگنڈے کیلئے کوئی چیز نہیں ہوتی	25
نبی مکارمِ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہوتا ہے	25
اللہ کا نبی فکرمند ہوتا ہے کہ لوگ آگ سے بچ جائیں	25
تعلیم و تزکیہ صاحبِ نبوت کا فرضِ منصبی	26
انسان کی خودرائی و خودنمائی کا مرض لاعلاج	27
نبی میدانِ جنگ میں بھی اترتا ہے تو انتقام نہیں لیتا	28
اللہ جل جلالہ کا نبی کسی نظام کو چیلنج نہیں کرتا	28
دیگر تحاریک اور اسلام کا تقابلی خاکہ	29
اسلام اور فریضۂ تبلیغ	32
فریضۂ تبلیغ کیوں ضروری ہے؟	32
عمومِ تبلیغ میں مسلمانوں کی خصوصیت	35
اشاعتِ اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار	37
اسلام کیلئے جبر و اکراہ نہیں ہے	38
اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا	39
شاہِ وقت کی ایک خفیہ وصیت	40
حقانیتِ اسلام کی تاثیر	42
دعوت و تبلیغ کے متعلق اہم فتویٰ	43
جواب سوال نمبر ۱	43
قاعدہ	52
آیات کی طرح احادیث بھی عموم پر دال ہیں	52
جواب سوال نمبر ۲	55

Marfat.com

جواب سوال نمبر ۳	56
عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام	59
عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق اہلِ حق کا اجماعی عقیدہ	59
عصمت کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ	60
معصوم کسے کہتے ہیں؟	61
عصمت کا ماحصل	62
ایک عمدہ مثال	63
فائدہ	64
عصیان اور معصیت کے معنی	64
زَلّت کی تعریف	65
حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھا لینے کا واقعہ	65
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی خطاء کا معنیٰ	66
نبوت سے پہلے	67
قبل از نبوت ارہاصات کا ظہور	68
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں عصمت کا اعتقاد	68
سوال و جواب	69
نکتہ	70
انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب و احترام	70
حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں من گھڑت روایات	71
حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ	72
متعلقاتِ عصمت	73
قسم اوّل عقائد	73
قسم دوم تبلیغ احکام	73
قسم سوم فتویٰ اور اجتہاد	74
قسم چہارم افعال و عادات	75
سعادت و شقاوت کا افتتاح	77
تمام تائبین و مستغفرین کے قدوہ و پیشوا	78
گریہ وزاری رفعتِ شان کا باعث بن گیا	78
کیا معصیت سے قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے؟	79
ولی اور رسول میں فرق	81
فائدہ	82
عصمتِ انبیاء اور حفاظتِ اولیاء میں فرق	82
دلائل عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام	83
تمام گناہوں سے معصوم	86
انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کی سزا	87
توہین انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل	87
حضرت نوح علیہ السلام کی طرف جاہلیت کے جذبے کا انتساب	88
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف گناہ کا انتساب	88
حضرت یونسؑ کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی توضیح	89
مغاضبًا کی صحیح تفسیر	89

Marfat.com

آیتِ کریمہ کی ایک عمدہ تفسیر	91
شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ عصمتِ انبیاء	91
ختمِ نبوت اور تین کذاب	92
اَسْوَدِ عَنْسِی	92
حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی	92
اَسودِ عَنسِی کے ابتدائی حالات اور دعوائے نبوت	93
فرقان حمید کی نقالی	93
حکومتِ یمن کی مختلف افراد میں تقسیم	94
اسود کی ملک گیری اور اس کا فوری عروج و اقبال	94
اسود کا غرور وانانیت	95
اسود کے قتل کے مشورے	96
اسود کی جان ستانی میں آزاد کا شریک ہونا	97
نقب لگا کر محل میں گھس جانے کا مشورہ	98
اسود کی جان ستانی	100
فضائے یمن پر اسلامی پرچم	101
طُلَیحہ اَسَدی	103
طلیحہ کی شریعت	103
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طُلَیحی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت	103
قبائلِ عرب کا ارتداد	104
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال اور اسکے دردناک نتائج وعواقب	105
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی پر اصرار	106
جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی	107
زکوۃ دینے سے انکار	108
امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بینظیر استقلال	108
امیر المومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پہلی فتح	110
امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فاتحانہ یلغار	111
جیشِ اسلامی کی تقسیم گیارہ دستوں میں	112
طلیحہ سے بنوطے کی علیحدگی اور قبولِ اسلام	112
آتشکدۂ حرب کی شعلہ زنی اور طلیحہ کا انتظارِ وحی	113
طلیحہ کا کلام وحی	114
طلیحہ کا قبولِ اسلام	114
مُسَیلمہ کذّاب	115
مسیلمہ دربارِ نبوی میں	115
دعوائے نبوت کا محرک اور اس کا آغاز	115
تیس میں سے ایک دجال	116
مسیلمہ کا مکتوب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور اس کا جواب	116
مسیلمی شریعت کے احکام	117
مسیلمی صوم وصلوٰۃ	118
مسیلمہ کا کلام وحی	119

Marfat.com

مسیلمہ کے معجزات	120
مسیلمہ کذّاب کا ایک عقلی معجزہ	122
محاربات مسیلمہ کذّاب	112
اسلام اور کفر کی آویزش	123
حضرات ثابت، زید اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنہم کی رجز خوانی	124
حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہلہ بول دیا	125
خالدی کارنامے	125
حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جانثاری	126
مسیلمہ کا قتل	127
لشکرِ اسلام کی فتح	128
حضرت سیف اللہ رضی اللہ عنہ کفار مقتولین کی لاشوں پر	128
تمام بالغ مسیلمی بجرم ارتداد قتل کئے جائیں	129
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عتاب فرزند گرامی پر	129
سجاح تمیمیہ کا دعوائے نبوت	130
عروج و اقبال کا دور	130
سجاح کا مہر	132
سجاح کا قبول اسلام	132
شانِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین	133
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل و توثیق کا دعویٰ قرآنی	133
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ	133
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ ایمان ہیں	134
مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم، احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینے میں	135
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و شان کے کیا کہنے؟	137
انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے بہتر مخلوق	138
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد	140
دنیا سے سب سے اخیر میں رخصت ہونے والے صحابی	141
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت کروانے والے صحابی	141
وہ صحابی جنہوں نے بہت طویل نماز پڑھائی	141
خلافتِ راشدہ کا بیان	142
خلافت کی اقسام	142
۱۔ خلافتِ راشدہ خاصّہ	142
۲۔ خلافتِ راشدہ مطلقہ	142
۳۔ خلافتِ عادلہ	143
خلافتِ خاصہ کیلئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے	143
خلافتِ راشدہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں فرق	143
خلافتِ راشدہ اور ملوکیت کے درمیان کیا فرق ہے؟	144
اعتراض	146
جواب	146
مناقب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	149
صلح پر کدورت کا الزام	150

Marfat.com

جواب	151
سلطنت وفرمانروائی کے لائق	152
ان کے بعدان کا مثل نہیں آئے گا	152
ایک تاریخی جائزہ	153
کثرتِ اعتراض کی وجوہات	154
امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی	155
خلافتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیثِ نبویہ کے آئینے میں	158
بنی اُمیہ کے اہلِ بیت کے ساتھ نسبی تعلقات	162
غیر نسبی تعلقات	163
اقتدار وحکومت موعود ہے یا مقصودِ اصلی	164
اسلام میں سیاست کا مقام	164
فائدہ جلیلہ	165
پہلا نقصان	165
دوسرا نقصان	166
اسلام کا طرز حکومت اور جمہوریت	169
''کثرتِ رائے'' کے نقصانات	171
فائدہ	172
شخصی حکومت	174
جمہوری سلطنت اور اسلام	176
سلطنت مقصود بالذات نہیں	177
مسلمانوں کی بہبود اور فلاح کی صورت	178
سیاسی جدوجہد اور تزکیہ اخلاق	179
عظیم بات	182
سیاسی تدابیر	183
پبلسٹی کے مروجہ ذرائع	185
اسلام نے ہر حال میں شریعت کی اتباع پر زور دیا ہے	186
بادشاہوں کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت	187
غیر شرعی قوانین واقدامات کے خلاف چارہ کار	189
کفار حکمران ہم پر کیوں مسلط کر دیئے گئے؟	192
ایک شبہ اور اس کا جواب	193
حکام کی برائی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں	195
فتح وترقی کا مدار	195
پریشانیوں کی جڑ اور ہماری قوت کا سر چشمہ	196
میں تو اسلامی احکام نافذ کروں گا چاہے کچھ بھی ہوجائے	196
اتباعِ شریعت کی ضرورت	197
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کمالِ اتباعِ سُنّت	197
کفار کی دنیوی ترقی اور اس کی وجوہات	200
دفعیہ اشکال	202
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ سے سرِ مُوتجاوز ہلاکت ہے	203
افسوس صد افسوس	203

Marfat.com

لمحۂ فکریہ	205
علماء کا مقام و مرتبہ	206
علماء سے دشمنی و بغض، باعثِ ہلاکت و بربادی	207
اُمتِ محمدیہ پر چار قسم کے عذاب اور اُن کی وجوہات	208
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سبق آموز مکتوب گرامی	209
مسلمانوں کی کامیابی کا راز	210
مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی اصل وجہ	211
آپس کے اختلاف کا نقصان	212
نظم و اتحاد باقی رکھنے کی اہمیت	212
اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا مومن کی شان نہیں	213
فائدہ	213
ظاہری قوت کے اعتبار سے جب ہم کچھ نہ کر سکتے ہوں	214
اگر حکومت ظلم کرے تو ظالم نہ بنو	214
مقابلہ کیلئے قدرت کی شرط اور شرعی قدرت کی تعریف	215
بہادری دکھانا ہر موقع پر کمال نہیں	216
موت سے نہ ڈرنا کب قابلِ تعریف ہے؟	217
محض جان دے دینا کوئی کمال نہیں	217
جان ہماری مِلک نہیں کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں	218
جہاد غلبہ کی علت ہے، شرط نہیں	218
جہاد کی بنیادی شرائط	219
کافر کا مال لینا، مسلمان کا مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے	219
صلاح و فساد کے ذمہ دار حکماء و علماء ہیں	220
حکومت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے	220
حجاج بن یوسف کی عبادت اور اُمیدِ مغفرت	221
رعایا کو حکومت سے مقابلہ نہیں کرنا چاہئے	221
حدیث اور سنت میں فرق	223
حدیث اور سنّت میں فرق	223
حدیث کی تعریف	223
قولی حدیث کی مثال	224
فعلی حدیث کی مثال	225
تقریرِ نبوی کی مثال	225
بیع سلم کے جواز کی حکمت	226
اوصافِ نبوی کی مثال	227
سنّت کے معنی	227
قرآنِ کریم میں سنّت کے معنی	228
حدیث میں سنّت کے معنی	229
نسخ شریعتوں میں ہوتا ہے، دین میں نہیں ہوتا	229
ایک شریعت کے اندر بھی نسخ ہوتا ہے	230
دوسری مثال	231
شراب چار مرحلوں میں حرام ہوئی ہے	231
کوئی ایسی آیت نہیں جو اپنے تمام مواد میں منسوخ ہو	233

Marfat.com

حدیث کی کتابوں میں منسوخ حدیثیں بھی ہیں	233
حدیث کی پہلی قسم	234
وہ روایتیں جو صرف حدیث ہیں، سنت نہیں	234
پہلا مادۂ افتراقی	234
حدیث کی دوسری قسم	236
وہ حدیثیں جو نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہیں	236
حضور ﷺ کیلئے غیر محدود اور اُمت کیلئے محدود تعداد کیوں؟	236
اللہ جل جلالہ نے عورتوں پر بھاری ذمہ داری نہیں رکھی	237
نبی کا خواب وحی ہوتا ہے اور اس کی بھی تعبیر ہوتی ہے	239
حدیث کی تیسری قسم	241
پہلی مثال، مغرب سے پہلے نفلیں پڑھنا سنت نہیں	241
دوسری مثال، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا سنت نہیں	242
ایک لطیفہ	242
تیسری مثال، حیض کے زمانے میں بیوی کو ساتھ لٹانا سنت نہیں	243
حالتِ حیض میں بیوی سے کتنا قریب ہو سکتے ہیں؟	243
چوتھی مثال، بچے کو گود میں لے کر نماز پڑھنا سنت نہیں	245
ناسمجھ بچوں کو مسجد میں لانا ممنوع ہے	246
سنت کی کسوٹی صحابہ کرام کا عمل ہے	246
پانچویں مثال، زور سے آمین کہنا سنت نہیں	246
خلفائے راشدین کی سنّت کی پیروی کا حکم	248
خلفائے راشدین کی سنتوں کو مضبوط پکڑنے کا حکم کیوں ہے؟	250
وہ روایتیں جو حدیثیں بھی ہیں اور سنّت بھی	250
ضعیف روایات اور موضوعات کا حکم ایک نہیں	251
البانی صاحب کا کارنامہ	252
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنّت	254
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنتیں	255
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنتیں	255
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت	256
حدیث یا سنت کا فیصلہ کون کرے گا؟	256
خلاصہ کلام	257
سنت کے حجت ہونے پر دلیل	257
قیاس محض آلہ استنباط ہے	258
آخری بات	258
چند مشہور موضوع روایات	259
روایات کے موضوع ہونے کا مطلب	259
جرح کے الفاظ و مراتب	260
احکام مراتب مذکورہ	261
ناقدینِ رجال کے مختلف اقسام	261
جعلی روایت نقل کرنا گناہ کبیرہ ہے	261
حدیثِ موضوع کی تعریف	262
ستر (۷۰) موضوع روایات	262

Marfat.com

۱۔ اذان سے متعلق موضوع واقعہ	262
۲۔ سورج سے متعلق موضوع واقعہ	262
۳۔ نماز قضا ہونے کے متعلق موضوع روایت	263
۴۔ فجر کی اذان میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہنا	265
۵۔ نماز مومنین کی معراج ہے	265
۶۔ حدیث: کُنْ فَیَکُوْنُ	266
۷۔ اپنے نفس کی پہچان سے رب کی پہچان	266
۸۔ موضوع حدیثِ قدسی	266
۹۔ عقل کے سو حصوں میں سے ننانوے حصے	267
۱۰۔ خَلَقَ اللہُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَہٗ اَقْبِلْ...الخ	267
۱۱۔ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب کون ہے؟	268
۱۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی روایات	269
۱۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پرندے کا پانی ڈالنا	269
۱۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بوڑھی عورت کی گٹھڑی اٹھانا	270
۱۵۔ سب فرشتوں نے ٹاٹ کا لباس پہنا ہوا ہے	270
۱۶۔ ایک عورت کی وجہ سے چار آدمیوں کا جہنم میں جانا	271
۱۷۔ میری اُمت کے علماء	271
۱۸۔ عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے	272
۱۹۔ عالم کی نیند عبادت ہے	272
۲۰۔ علماء کرام کے پیچھے چلو	272
۲۱۔ عالم کی زیارت کی گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی	273
۲۲۔ حسین چہرے کو دیکھنے سے نظر تیز ہوتی ہے	273
۲۳۔ استخارہ کے بارے میں روایت	273
۲۴۔ بے نمازی کی نحوست	274
۲۵۔ مسلمان کے جھوٹے میں شفاء	274
۲۶۔ ناخن کاٹنے کا کوئی خاص طریقہ ثابت نہیں	275
۲۷۔ دنیا کی مذمت	275
۲۸۔ وطن سے محبت ایمان کی علامت	275
۲۹۔ اٹھارہ ہزار مخلوقات	276
۳۰۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف کا اہل مدینہ کی دعوت کرنا	276
۳۱۔ جہینہ قبیلہ کا آدمی	277
۳۲۔ ابراہیم علیہ السلام کا آخری کلمہ	277
۳۳۔ چوپاؤں، کیڑے مکوڑوں کی مدت حیات تسبیح ہے	277
۳۴۔ قتلِ ہابیل کے وقت سمندر کا پانی کھاری اور نمکین ہو گیا	278
۳۵۔ تین چیزیں دین کیلئے آفت ہیں	278
۳۶۔ احمد و محمد نام والے کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا	279
۳۷۔ محمد نام رکھنے پر اللہ تعالیٰ بیٹا دیں گے	279
۳۸۔ نیکی کا حکم کرنے والا	279
۳۹۔ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر	280
۴۰۔ تیس ابدال	280
۴۱۔ موذنین اور قیامت کا دن	280

Marfat.com

۴۲۔ باب الصبر	281
۴۳۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما زمین و آسمان کی تمام مخلوق سے بہتر	281
۴۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے پر حد قائم کرنا	282
۴۵۔ جنت کا حلوہ	283
۴۶۔ جبرائیل علیہ السلام کے پروں پر بیٹھنا	283
۴۷۔ یَا مُحَمَّدُ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ	283
۴۸۔ جمعہ کا دن اور مقبول گھڑی	284
۴۹۔ ایک گنہگار عورت کا واقعہ	285
۵۰۔ تہمت کی جگہوں سے بچو	287
۵۱۔ دو بہتر ہیں ایک سے	287
۵۲۔ سورۃ الحشر کی فضیلت کے متعلق موضوع روایات	288
۵۳۔ "باغ جنت" اور "انیس الواعظین" غیر معتبر ہیں	288
۵۴۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ	289
۵۵۔ کھانے کی ابتداء و انتہاء نمک پر	289
کھانے کی ابتداء و انتہاء نمک پر کرنے کی مزید تحقیق	290
نمک پر استدلال والی احادیث و روایات کی تحقیق	292
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث	293
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث	294
۵۶۔ اِنَّ اللّٰهَ يُرِيْدُ الْعَذَابَ... الخ	294
۵۷۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَنْظُرُ اِلٰی وَجْهِ الشَّيْخِ... الخ	295
۵۸۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ	295
اوّل المخلوقات	296
۵۹۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ	297
۶۰۔ خُلِقَتِ النَّخْلَةُ... مِنْ فُضْلَةِ طِيْنَةِ آدَمَ	297
۶۱۔ صبح کا کھانا کھانے کے بعد لیٹنا	298
۶۲۔ کیا سیدہ عائشہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم "یا حُمیراء" سے پکارتے تھے؟	299
۶۳۔ عصر کے بعد لکھائی سے گریز	299
۶۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوجہل سے کشتی لڑنا	299
۶۵۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ	300
۶۶۔ خیبر کے دروازے کو اُکھیڑنا	300
۶۷۔ نہار منہ پانی پینے سے متعلق احادیث کی تحقیق	300
۶۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث	302
۷۰۔ نہار منہ پانی پینے سے متعلق اہلِ علم کے اقوال	302
خلاصہ بحث	303
چند احادیثِ صحیحہ کی تحقیق	303
جَزَى اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	304
اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ	305
نو حصے رزق تجارت میں	306
عاشوراء کے دن توسع علی العیال میں علماء کا اختلاف	306
مرد اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے	306

Marfat.com

حضرات سلفؒ اور موجودہ سلفیوں میں فرق	307
دین اور شریعت	307
عقائد میں اختلاف، صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہوا	308
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اختلاف کی وجوہ	309
صفتِ کلام کی بحث	310
اصل سلف اور بعد کے سلف میں اختلاف	312
استواء علی العرش کا مسئلہ	315
استواء علی العرش میں سلف کا مذہب	316
سلفی، اشعری اور ماتریدی، سب اہلِ حق ہیں	318
ہندوستان کے غیر مقلد، سلفی کب سے بنے اور کیوں بنے؟	318
متفرق جواہر ولؤلؤ	320
آمین بالجہر یا بالسر؟	320
آمین بالسر سنت ہے	320
عقلی دلیل	322
حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	322
ایک سبق آموز واقعہ	323
حدیث اور سنت میں فرق کی ایک مثال	323
قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ	324
تورک کی دو صورتیں ہیں	325
دلائل	325
فائدہ	326
عورت کے لئے قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ	326
فائدہ	326
حدیث	327
تشریح	327
تشہد میں اشارہ کرنے کا بیان	327
ایک سلام پھیرے یا دو؟	329
سلام کا حذف سنت ہے	330
مغرب سے پہلے نماز نفل کا بیان	331
اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ کی تشریح	332
انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت	334
نسبی تفاضل کی شرعی حیثیت	335
کیا شرافت واخلاق نسلوں میں منتقل ہوتے ہیں؟	338
ذریّتِ ابراہیمی میں نبوت کے انحصار کی حقیقت؟	339
نسب میں کمتر وبرتر کی تفریق کا ابطال نصوص سے	340
تنبیہ	343
ایک حنفی فقیہ کی شہادت	343
مسئلہ کفاءت	343
فائدہ	345

Marfat.com

غیر عربی برادریوں میں نسبی کفاءت کا بالکل اعتبار نہیں	348
پیشہ کے لحاظ سے کفاءت کے اعتبار کی صحیح تشریح	348
فقہ میں جولاہے اور دھنئے سے کون مراد ہے؟	348
بعض پیشہ وروں کی مذمت کی حدیثیں	350
عالم ہونے کی صورت میں پیشہ کی کفاءت کا قطعاً اعتبار نہیں	351
نسبی کفاءت کی شرعی حیثیت یا اعتبار کفاءت کا مطلب	352
ولی اور عورت کفاءت کا لحاظ نہ کریں تو کوئی باز پرس نہیں	352
اعتبار کفاءت درجہ جواز میں ہے	353
کفاءت، صحت نکاح کیلئے معتبر ہے، یا لزوم نکاح کیلئے	354
بالغہ لڑکی اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے تو نکاح صحیح ہے	355
تنبیہ	357
غیر کفو میں نکاح کی چند مثالیں	358
۱۔ مقداد وضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح	358
۲۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے	359
۳۔ فاطمہؓ بنت قیس کا نکاح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے	359
۴۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے	359
۵۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نکاح	359
۶۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہن کا نکاح اشعث رضی اللہ عنہ سے	360
۷۔ حضرت ابوہند حجام کا نکاح بنو بیاضہ میں	360
شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا نکاح فاروقی گھرانے میں	361
ایک اور ستم ظریفی	361
ایک شبہہ اور اس کا ازالہ	364
غلط فہمی یا کسی اور سبب سے ادعائے شرافت کی چند مثالیں	365
تبدیل نسب کی حرمت	370
شناخت کیلئے کسی کی طرف نسبت تبدیلِ نسب نہیں ہے	371
کسی قوم کی تنقیص	374
مومنوں کو رذیل کہنے والوں کے لئے تازیانۂ عبرت	381
سارے پیشے اباحت میں یکساں ہیں	385
شرفاء پاک وہند کے شجرہائے نسب	386
دلچسپ مفید معلومات	391
سب سے پہلے	391
سب سے پہلے کس نبی نے کون سی نماز ادا کی؟	398
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں	399
حیرت انگیز معلومات	401
جہنم کے طبقات	404
نیت وعزم پر بادشاہ کی بخشش	404
پہلے زمانے کے بادشاہ	405
مختلف اقوال	405
پورے شہر کی خواتین قرآن کریم کی حافظات	406
دینی سیاست عجم میں	407

Marfat.com

چار جانوروں کی خاصیت کی وجہ	409
دس جنتی جانور	409
اَبْجَدْ هَوَّزْ کے معانی	410
تفسیر حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ	411
قرآنِ کریم میں اعداد	411
آلِ رسول میں حضرت حسن و حسین داخل ہیں	413
انبیاءِ کرام علیہم السلام اور دیگر حضرات کی عمریں	415
مُجَدِّدِیْن، پہلی صدی سے پندرہویں صدی تک	416
اَلْأَرْبَعَةُ	417
انسان	418
رحمت کی ہوائیں	419
عذاب کی چار ہوائیں	419
مدنی، مدینی اور مدائنی میں فرق	420
شعبہائے ایمان	420
زبان سے متعلق سات شعبے	422
دل سے متعلق چوبیس شعبے	422
اعضاء سے متعلق اڑتیس شعبے	423
فوائدِ متفرقہ	425
قرآنِ کریم کی طاقت	425
قرآن نے مالِ حلال کو فضل، خیر، حسنہ اور رحمت کہا ہے	426
دوزخ میں سب سے پہلے کون داخل ہوگا؟	426
حجر اسود کا کرشمہ اور محدث عبداللہ کی عالمانہ بصیرت	427
سومنات کا بُت	428
فوائدِ مہمہ	429
جواہرات کے بارے میں معلومات	430
پانچ نادر ہیرے	431
سب سے بڑا نایاب ہیرا	433
ہیروں کے کنوئیں	433
مصنوعی ہیرے	433
دیوارِ چین	434
غیرت ایمانی کا ایمان افروز واقعہ	435
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے قصیٔ کا تذکرہ خیر	436
قصیٔ کا ایک عجیب کارنامہ	436
قصیٔ کی سربراہی اور عظمت	436
قریش کا پارلیمانی ادراہ	438
سردارانِ قریش کے مخصوص اور امتیازی حقوق	438
عرب میں بُت پرستی کا آغاز کب اور کیسے؟	439
بتوں سے تقرب کی مختلف تدبیریں	439
جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں	440

Marfat.com

نبی ءرحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	443
محبوبیت اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	443
یہ نورانی چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہوسکتا	444
یہ تھی محبت	444
رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	444
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ	445
سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صدیق اکبرؓ کی کمالِ مشابہت	446
لطیفہ	449
صدیق اکبرؓ کے انتقال پر علی المرتضیٰؓ کے تاثرات	449
صدیق اکبرؓ کی تدفین کیلئے روضہ اقدس سے اجازت ملنا	450
اوّلیاتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ	450
حضرت علی المرتضیٰؓ کی عقل وذہانت کے چند ایک واقعات	452
حاضر جوابی	454
حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حکیمانہ اقوال	455
آپ رضی اللہ عنہ کے علمی جوابات	455
فوائدِ عظیمہ	456
زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا	456
اللہ تعالیٰ کے نام پر داد ودہش	456
قبلہ کی طرف تھوکنا بے ادبی ہے	457
انگلی اُٹھا کر اجازت لینا	457
کھجور کی چپل پہننے والے حقیقی مسلمان	458
کھجور کی گٹھلی میں چار چیزیں	458
کھجور کے سات اطوار	460
انسان کی عمر کے چار مراتب	460
ایک عجیب نسب نامہ	461
زمین محشر	462
اکل وشربِ مؤمن	462
مسکن آدم آسمانی جنت تھی	463
ذوالقرنین	464
ثبوت باری اور دلائل قدرت باہرہ	467
نزولِ باری تعالیٰ کی حقیقت	468
تجلی وتدلی کا فرق	470
فائدہ	470
دوسری بحث	471
حدیث خَلَقَ اللّٰہُ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کا معنی ومفہوم	471
صورت سے مراد صورت روحانیہ ہے	472
جمال روح آدم علیہ السلام	473
ایک اشکال کا جواب	473
ختمِ نبوت	474
لفظ خاتم النبیین اور مفسرین کرام	474

Marfat.com

تحریفات وشیطانی وساوس کا ازالہ	477
پہلی تحریف	477
تحریف دوم	477
تحریف سوم	478
تحریف چہارم	478
تحریف پنجم	478
ختمِ نبوت کی دلیلِ کمالی	478
دلیل میثاقی	480
دلیل بعثتِ عمومی	481
ختم النبوۃ احادیث کی روشنی میں	481
دار العلوم دیوبند کے عظیم محدث	482
کاملین کا ذکر خیر	483
نیک بندوں کے ساتھ محبت کرنے کا انعام	486
اصحاب کہف کے ناموں کی برکت	486
فائدہ	487
کام کی درستگی اور مالی تنگی دور کرنے کے وظائف	487
ایک اہم غلطی کی اصلاح	488
لفظِ طاغوت کے معنی کی وضاحت	488
چند اہم اور خاص مسائل	488
قلم کی تاثیر تلوار سے بھی زیادہ	491
اسے کہتے ہیں کمال انصاف	491
افشاء راز	492
شیخ محمد بن عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان افروز واقعہ	492
زبیدہ بیگم کا عجیب وغریب خواب دیکھنا	495
کیا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سر کے بال کٹاتی تھیں؟	495
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہندہ رضی اللہ عنہا کا حیران کن واقعہ	496
جامع اُموی دمشق	498
علم حدیث	502
ائمہ محدثین اور حفظِ حدیث	502
امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری وقت کا عجیب واقعہ	502
احادیث کی کثرتِ تعداد کی وجہ	503
صحیح احادیث کی کل تعداد	504
یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ	504
قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مرض الوفات میں علمی مذاکرہ	505
پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ حدیثوں کا انتخاب	506
چار ہزار آٹھ سو احادیث میں سے چار کا انتخاب	507
فقہ کی کتاب مختصر القدوری کے متعلق اہم واقعہ	508
چند ایک خاص مسائل	508
چند ایک خاص باتیں	509

Marfat.com

اسلام چہار دانگ عالم میں	510
سب سے پہلے اسلام مالا بار میں	513
غلام، تختِ سلطنت پر؟	515
سلطنتِ غلاماں کی چند خصوصیات	515
سلطان غیاث الدین بلبن	518
سو سالہ اسلامی سلطنت	519
مغولانِ چنگیزی کا فتنہ تاتار	520
صرف غلاموں کی دو سلطنتیں بچ سکیں	522
پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے	523
فوائدِ مہمہ	527
فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ	527
وہ تین حالات جن میں آدمی کی دعا قبول نہیں ہوتی	527
خاموش رہنا دانائی ہے	528
تین سیاہ فام آدمی	528
سورہ یٰسین کی برکت	528
صدقہ کی برکت	529
عطاء خداوندی	530
بادشاہوں کے القابات	530
مسبب الاسباب اللہ کی ذات ہے	531
ملتا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہو	532
تقوے کی برکت	534
دعوت و تبلیغ کا ایک زرّیں اُصول	534
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چمگادڑ	535
عجائب تواریخ	536
انبیاء کرام اور صدیقین کے ساتھ معیت کے کیا معنی؟	538
بلا ضرورت قرض کی مذمت	538
دعاء ادائے قرض	540
عمل میں کیفیت دیکھی جاتی ہے نہ کہ کمیت	541
فائدہ	541
اولاد اور ماں باپ میں سے کس کا حق مقدم ہے؟	542
ماں باپ کا حق	543
فائدہ	543
عہدِ نبوت کے چند ماہ و سال	545
اہل بیت کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت	548
رکعاتِ نماز میں اضافہ	549
زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ولادت	549
غزوۂ بدر	550
غزوۂ اُحد	550
شہداء احد کی نماز جنازہ	551
حضرت مولانا کریم بخش صاحب کی دیگر تصنیفات	556

Marfat.com

فطرتِ انسانی اور اسلام کا لائحہ عمل

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ، اَنْتَ الْمَلِکُ لَا شَرِیْکَ لَکَ، وَ الْفَرْدُ لَا نِدَّ لَکَ، کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَکَ، لَنْ تُطَاعَ اِلَّا بِاِذْنِکَ، وَلَنْ تُعْصٰی اِلَّا بِعِلْمِکَ، تُطَاعُ فَتَشْکُرُ، تُعْصٰی فَتَغْفِرُ اَقْرَبُ شَھِیْدٍ، اَدْنٰی حَفِیْظٍ، حُلْتَ دُوْنَ النُّفُوْسِ وَاَخَذْتَ بِالنَّوَاصِیْ، کَتَبْتَ الْاٰثَارَ وَنَسَخْتَ الْاٰجَالَ، اَلْقُلُوْبُ لَکَ مُفْضِیَۃٌ، اَلسِّرُّ عِنْدَکَ عَلَانِیَۃٌ، اَلْحَلَالُ مَا اَحْلَلْتَ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمْتَ، وَالدِّیْنُ مَا شَرَعْتَ، وَالْاَمْرُ مَا قَضَیْتَ، وَالْخَلْقُ خَلْقُکَ، وَالْعَبْدُ عَبْدُکَ، وَ اَنْتَ اللّٰہُ الرَّءُوْفُ الرَّحِیْمُ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَحَبِیْبِنَا وَشَفِیْعِنَا وَمَوْلَانَا وَ قَائِدِ غُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَاَشْیَاعِہٖ وَمُحِبِّیْہِ اَبَدَ الْاٰبِدِیْنَ وَدَھْرَ الدَّاھِرِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ [1]

اسلام کے معنی ومفہوم تک پہنچنے کے لئے ہمیں کسی ڈکشنری اور لغت کی کتاب کھولنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، کیونکہ اسلام کا مفہوم ہمیں اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتا دیا کہ ''فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا'' یعنی جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے اس فطرت کا نام اسلام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو فطرت کے ایک خاص ڈھانچے میں ڈھالا

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو فطرت کے ایک خاص ڈھانچے میں ڈھالا ہے اور وہ اپنی زندگی میں اسی دائرے کی

[1] الروم: ۳۰۔

Marfat.com

پابند ہیں جو دائرہ اس کی فطرت کے لئے مخصوص ہے، کوا، کبوتر کا سا بھولپن نہیں دکھا سکتا اور کبوتر، کوے کی سی مکاری کا مظاہرہ نہیں کرسکتا، کوئل، کوے کی طرح کائیں کائیں نہیں چیخ سکتی اور کوا، کوئل کی طرح خوش گلو نہیں بن سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی فطرت کا ایک خاص سانچہ عطا کیا ہے، ایسا سانچا جس سے انسان کی پیدائش کا مقصد پورا ہو سکے۔

انسان کی پیدائش کس غرض کے لئے عمل میں آئی؟

انسان کی پیدائش کس غرض کے لئے عمل میں آئی ہے؟ وہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتادی، فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ [1] ''جن وانس کو میں نے محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں''، پیدائش کی غرض وغایت معلوم ہوجانے کے بعد فطرت کی نشاندہی خود ہی ہوگئی یعنی اس کی ساخت میں وہ تمام خصوصیات رکھی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ایک عبادت گزار بندے کے شایانِ شان ہونی چاہئیں۔

انسان کی فطرت میں امتحان وآزمائش کا عنصر

فرشتوں کی پیدائش بھی عبادت ہی کی غرض سے ہوئی ہے لیکن وہاں امتحان وآزمائش کا عنصر شامل نہیں ہے، انسان کی چونکہ آزمائش مطلوب ہے اس لحاظ سے فطرت میں خواہش، اختیار، عقل اور تدبیر وغیرہ، وہ خصوصیات بھی عطا کی گئیں ہیں جن کی مقتضی شانِ ابتلا ہوئی اور آزمائش کا پہلو اس وقت مزید نازک تر بن گیا جب ابلیس جیسا مکار و سیاہ کار دشمن پیدائش کے وقت ہی سے میدان میں آگیا، اب صورتِ حال یہ بنی کہ انسان کی پیدائش عبادت کی خاطر ہوئی لہٰذا اس کی ساخت کو عبادت گزاری کے شایان شان ہونا چاہیے، یعنی پاک دِل، پاک نفس، پاک عمل، پاک جسم، یہ گویا فطرتِ انسانی کا حدود اربعہ ہے، اس دائرہ کے اندر جو کام بھی ہوگا، وہ فطرت کے لئے جانا پہچانا ہوگا، اس لئے وہ ''معروف'' کہلائے گا۔

فطرت چونکہ اپنے دائرے کے اندر کی باتوں کو جانتی ہے اور پہچانتی ہے، وہ اس کیلئے ''معروف'' ہیں، لیکن

---

[1] الذاریات:۵۶۔

Marfat.com

دائرے کے باہر خواہش کی کارستانیوں سے فطرت مانوس نہیں ہے، وہ اس کیلئے اجنبی ہیں، اس لئے "منکر" ہیں، لہٰذا اللہ جل جلالہ نے انبیا علیہم السلام کو اپنی ہدایت دے کر بھیجا کہ انسان کو سیدھی راہ دکھائیں جو اس کی فطرت کی اپنی راہ ہے کہ وہ صرف ایک اللہ رب العالمین کی عبادت کرے اور دائرہ معروف کا پابند ہو کر چلے اور "منکر" سے اجتناب کرے، جس سے فطرت اِباء کرتی ہے، کیونکہ وہ ہلاکت و بربادی کی راہ ہے، اس ہدایتِ الٰہی کا نام اسلام ہے۔

اسلام کا لائحہ عمل

اسلام نظام کے بجائے فرد کو مخاطب کرتا ہے، کیونکہ جب اسلام فطرت کا نام ہے تو لازم ہے کہ فطرت کو جھنجھوڑے، جگائے اور بیدار کرے اور ظاہر ہے کہ فطرت کسی اجتماعی ڈھانچے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر فرد کی فطرت ایک مستقل اکائی ہے، البتہ وہ افراد کو مخاطب کرنے میں کوئی امتیاز نہیں برتتا۔

فرعون کو بھی وہ اسی طرح دائرہ فطرت میں لوٹ آنے کی دعوت دیتا ہے جیسے کسی ادنیٰ ترین آدمی کو، نیز وہ ہر شخص کو اس کے دائرہ کار و دائرہ اختیار کا ذمہ دار قرار دیتا ہے، اس لحاظ سے جس کا دائرہ اختیار جتنا محدود ہے اس کی ذمہ داری اتنی کم، اور جس کا دائرہ اختیار جتنا زیادہ وسیع ہے اس کی ذمہ داری اتنی زیادہ وسیع اور اہم ہے۔

ہوا پرست سدِّراہ ہوتے ہیں

ہوا پرست سدِّراہ ہوتے ہیں، اس لئے نہیں کہ اللہ جل جلالہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اقتدار کو چیلنج کیا ہے، بلکہ اس لئے کہ عشق و مستی میں بسی ہوئی ان کی دنیا کا سہاگ اس دعوت کے ہاتھوں لٹ جائے گا، لوگ سنورنے لگ گئے تو خواہش کی چراگاہیں اجڑ جائیں گی اور اس کے ارمان بے موت مرجائیں گے۔

اربابِ ثروت کی طرف سے نبیوں کی مخالفت کی وجہ؟

پس حدودِ فطرت پھلانگنے والی منہ زور خواہش نفس ہی وہ حقیقی رکاوٹ ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے راستے میں سدِراہ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے، خواہشِ نفس کی خرمستیوں کی تسکین کا سامان غریبوں کو میسر نہیں ہوا کرتا، لہٰذا ان

۱۶۲۴۸۴
Marfat.com

کے لئے فطرت کے بلاوے پر لبیک کہنا آسان ہوتا ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے متبعین بیشتر یہی لوگ ہوا کرتے ہیں، اربابِ ثروت کے پاس خواہش کی ہولنا کیوں کے لئے دولت کا عشرت کدہ موجود ہوتا ہے، وہ بھلا نبی کی آواز، آوازِ فطرت پر کیسے کان دھریں، یہ اصل سبب ہوتا تھا سردارانِ قوم کی طرف سے نبیوں کی مخالفت کا۔

اللہ کا نبی انقلاب کا داعی نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے

اللہ جل جلالہ کا نبی انقلاب کا داعی نہیں ہوتا، بلکہ اللہ جل جلالہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے، بھٹکے ہوئے انسان کو اس کی اپنی فطرت کی طرف پکارتا ہے، فطرت میں چونکہ قبولیتِ حق کا خود ایک داعیہ موجود ہے، اس لئے نبی کو کسی بناوٹ، تصنع اور سخن سازی کی ضرورت پیش نہیں آتی، وہ سچی سچی بات، صاف اور سیدھے انداز میں کہہ دیتا ہے، وہ کسی خیالی نظام کا سپنا نہیں دکھاتا بلکہ وہ ''معروف'' اور ''منکر'' کو واضح کر کے پیش کرتا ہے، معروف کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، اسلئے کہ یہی فطرت کا مطالبہ ہے، اور منکر کے ارتکاب سے روکتا ہے کیونکہ یہ ہلاکت وتباہی کا راستہ ہے۔

اللہ جل جلالہ کا نبی بشیر ونذیر ہوتا ہے وہ کسی قوم یا تحریک کا لیڈر نہیں ہوتا

اللہ جل جلالہ کا نبی بشیر ونذیر ہوتا ہے وہ کسی قوم یا تحریک کا لیڈر نہیں ہوتا، کیونکہ لیڈر خالصتاً ایک سیاسی اصطلاح ہے اور لیڈر بالعموم دو طرح کے ہوتے ہیں: ''نظریاتی'' اور ''قومی''۔

نظریاتی لیڈر وہ ہوتے ہیں جو اپنے فکر وخیال کے مطابق نظامِ حکومت کا ڈھانچہ تیار کرنا چاہتے ہیں، ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم کی امنگوں، آرزوؤں اور خواہشات وجذبات کی روشنی میں فوز وفلاح کا ایک خیالی خاکہ تیار کرتے ہیں، لہٰذا ان کے گرد ہم خیالوں اور ہم مشربوں کی ایک بھیڑ جمع ہو جاتی ہے۔

قومی اور جمہوری لیڈر وہ ہوتے ہیں جو کسی خاص نظریہ وخیال کے موجد نہیں ہوتے، بلکہ اپنی قوم کے احساسات اور ضروریات وحوائج کے ترجمان بن کر میدان میں آتے ہیں، قوم کے مسائل کا حل اور قوم کی فلاح وبہبود ان کا مطمع نظر اور نصب العین ہوتا ہے، اس لئے وہ کلیۃً قوم کے رجحانات، احساسات اور مسلمات کے

Marfat.com

تابع ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی سی تعریف بھی نبی اور رسول پر صادق نہیں آتی، نیز دنیا میں آپ نے کبھی کسی ایسے شخص کے نام کے ساتھ لیڈر کا لفظ نہیں سنا ہوگا جو لوگوں کے ارمانوں، خواہشوں اور احساسات سے قطع نظر مطلقۃً بھلائی کی دعوت دیتا ہے، چنانچہ لوگوں میں سے کوئی شخص اس کا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی روش، لوگوں کی مرضی و خواہش کا ساتھ نہیں دیتی، ایسے شخص کو مفکر اور مصلح وغیرہ سب کچھ کہا جا سکتا ہے، لیکن کوئی شخص بھی اسے لیڈر بہر حال نہیں کہے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بہت سے انبیا علیہم السلام ایسے ہوں گے جن کے ساتھ ایک آدمی بھی بطور اُمتی موجود نہیں ہوگا، گویا دنیا میں ان پر کوئی ایمان لایا ہی نہیں اور وہ اپنے فریضہ رسالت سے کماحقہ عہدہ برآ ہوتے ہوئے دنیا سے تنہا رخصت ہو گئے۔ بتائیے کس معنیٰ کی رو سے آپ انہیں لیڈر کہیں گے؟

انبیاء کرام علیہم السلام کا درد

انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کے رجحانات اور خواہشات کے ساتھ ساتھ نہیں دوڑتے بلکہ وہ صرف پیغامِ الٰہی کے مبلغ اور ترجمان ہوتے ہیں، اس لئے صبح و شام، رات دن، خلوت و جلوت میں ایک ہی کام اور ایک ہی مشغلہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچایا جائے بذریعہ تبلیغ و بذریعہ عمل، زندگی بھر کیلئے بے قراری قرار سے ہمکنار نہیں ہوتی، انہیں زمانہ سازی نہیں آتی، وہ تو وحی کی اتباع کرتے ہیں اور بس۔

وحی سے جو حکم ملا ہے اس کیلئے ماحول میں نفسیاتی فضا کیسی ہے؟ عملی امکانات کیا ہیں؟ یہ سوالات وہاں خارج از بحث ہوتے ہیں، اس راہ پر چلتے ہوئے ٹھیک اسی راہ پر کامیابی کیونکر ممکن ہوگی؟ اس سوال کی بھی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہوتی، یہاں ایک ہی بات اہم ہے یعنی اللہ جل جلالہ کی بات کو ٹھیک ٹھیک پہنچا دینا، لوگوں کی خواہشات اور آرزوئیں، جذبات اور احساسات اکثر و بیشتر ان کے پیغام اور ان کی دعوت سے ٹکراتے ہیں، وہ اس ٹکراؤ کا حل مصالحت یا طلبِ حمایت میں نہیں ڈھونڈتے جو ایک لیڈر کا شیوہ ہوتا ہے، بلکہ وہ اپنی روش پر

Marfat.com

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ کہہ کر سختی سے قائم رہتے ہیں۔

لیڈر حمایت کا محتاج ہوتا ہے اور حامیوں کا گروہ میسر آنے کے بعد ہی اس کا لیڈر نام پڑتا ہے، جبکہ نبی بجز اللہ جل جلالہ کے کسی کا قطعاً کوئی محتاج نہیں ہوتا، لہٰذا اللہ جل جلالہ کے نبی کی اس سے زیادہ توہین اور کیا ہوگی کہ اسے لیڈر کے نام سے موسوم کیا جائے؟

نبی کے ہاں پروپیگنڈے کیلئے کوئی چیز نہیں ہوتی

نبی کے ہاں پروپیگنڈے کیلئے کوئی چیز نہیں ہوتی، جو بات ہے سچی ہے، سیدھی اور اٹل ہے، حقیقت کی صحیح عکاس ہے، اسے اپنے دشمنوں کے خوفناک مستقبل کا غم گھلائے جا رہا ہوتا ہے، اس کا جی چاہتا ہے کہ لوگ حقیقت کو میری آنکھوں سے دیکھ لیں اور ہلاکت و تباہی سے بچ جائیں۔

مکارمِ اخلاق

نبی کے دل میں کسی کے لئے کوئی کینہ نہیں ہوتا، وہ اپنے حامیوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف مشتعل نہیں کرتا، ان کے جذبات سے نہیں کھیلتا، دشمن کی برائیوں کے دفتر نہیں کھولتا، ان پر الزام نہیں لگاتا، وہ مطلقاً کفر کی مذمت کرتا ہے، شرک کی مذمت کرتا ہے، ظلم و عدوان کی مذمت کرتا ہے، کفر کی تباہ کاریاں بتاتا ہے، شرک کی ہلاکت آفرینیاں بتاتا ہے، ظلم و جور کی بدانجامیاں بتاتا ہے۔ پھر جب دشمنانِ نبی اپنے عدوان و طغیان سے عذابِ الٰہی کی گرفت میں آجاتے ہیں تو اللہ جل جلالہ کا نبی ہلاک شدہ دشمنوں پر حسرت بھری نگاہ ڈالتا ہے اور جنہوں نے جینا دوبھر کر دیا تھا انہیں پکار کر کہتا ہے کہ اے کافرو! میں تم پر کیا غم کروں، تم نے میری ایک نہ مانی، میں نے چاہا تھا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ، درحقیقت میں تمہارا خیر خواہ تھا، لیکن تم تو خیر خواہوں کے ہی دشمن ثابت ہوئے۔

اللہ جل جلالہ کا نبی بے حد فکر مند ہوتا ہے کہ لوگ آگ سے بچ جائیں

اللہ جل جلالہ کا نبی اس بارے میں تو بے حد فکر مند ہوتا ہے کہ لوگ آگ سے بچ جائیں، جو انتہائی خوفناک

Marfat.com

عذاب ہے، اور اللہ جل جلالہ کی رحمت و نعمت کے حقدار بن جائیں، لیکن اسے اپنے ساتھی بڑھانے کی قطعاً کوئی فکر نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بات میں کوئی ادنیٰ سی لچک بھی گوارا نہیں کرتا، کیونکہ لچک پیدا کرنے سے بلاشبہ حامیوں کی تعداد میں اضافہ کی امید ہے جو کسی تحریک کے لئے نتیجہ خیز اور کسی لیڈر کی شخصیت کے لئے کارآمد ہوسکتی ہے، لیکن جو مقصد اللہ جل جلالہ کے نبی کے پیش نظر ہے اسے اس اضافہ سے کیا فائدہ ہوگا؟ یعنی لوگوں کو نارِ جہنم سے بچانا، یہ تو تبھی ہوسکتا ہے کہ وحی الٰہی پر ٹھیک ایمان لایا جائے۔

ایسے ہی نبی کو جماعت سازی یا جتھا بنانے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی، کیونکہ نبی کی اتباع خود ہی ایمان لانے والوں کو ایک جماعت کی صورت بخش دیتی ہے، نبی کا توکل صرف اللہ جل جلالہ پر ہوتا ہے، جماعت یا جماعت کی طاقت و تعداد پر نہیں ہوتا، بایں ہمہ وہ اہل ایمان کو اسباب سے بالاتر نہیں بناتا بلکہ جہاں ان کے ایمان و عمل کو توکل علی اللہ پر استوار کرتا ہے، وہاں وسائل و اسباب کا استعمال سکھاتا بھی ہے اور بھرپور استعمال کی تلقین و تاکید بھی کرتا ہے۔ وہ مخالف کی خوبیوں کا تو کھلے دل سے اعتراف کرتا ہے اور اس میں تعاون کرتا ہے لیکن اس کی برائیوں کو اربابِ تحریک کی طرح اچھالنے اور تشہیر کرنے کی بجائے ان کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے، البتہ فی ذاتہ برائی کی مذمت و قباحت نہایت کھول کر بیان کرتا ہے اور پوری دلسوزی کے ساتھ اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔

تعلیم و تزکیہ صاحبِ نبوت کا فرضِ منصبی

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عبادت کے لئے دل پاک چاہئے، نفس پاک چاہیے، عمل پاک چاہیے اور جسم بھی پاک چاہیے، اس لئے تعلیم و تزکیہ صاحب نبوت کا فرضِ منصبی ہے، وہ دل کی دنیا بدل دیتا ہے، ایمان باللہ، توکل علی اللہ، اللہ جل جلالہ کی محبت اور رضائے الٰہی کی طلب، ان چار عناصر سے دل کی دنیا آباد ہوتی ہے، کینہ، حسد، دولت پرستی اور جذبہ انتقام کی آلودگیوں سے دل کی تختی کو نورِ ایمانی کے آبِ مصفا سے دھو دیا جاتا ہے، دعوے روک دیئے جاتے ہیں، حسن عمل کی تربیت کی جاتی ہے، خوبی سیرت کی عمارت صفائی نیت پر استوار کی جاتی ہے،

Marfat.com

دکھاوا شرک ہے، حسن کردار مظاہرہ کرنے کی چیز نہیں اور نہ لوگوں کو متاثر کرکے اپنے گروہ کی تعداد یا اہمیت بڑھانے کے لئے ہے، جیسے تحریک چلانے والوں کا طریقہ ہوتا ہے بلکہ یہ صرف اپنے اللہ جل جلالہ کو خوش کرنے کے لئے ہے، جس نے اپنی عبادت کے لئے تمہیں پیدا فرما کر لاتعداد نعمتوں سے مالا مال کیا ہے، جو بات تمہارے اپنے عمل میں نہیں ہے، اس کی تلقین لوگوں کو کرنے سے پہلے خود اپنے آپ کو کرو، لوگوں میں برائیوں کی ٹوہ لگانے کی بجائے اپنی برائیوں پر توجہ دو، اپنی اصلاح کی فکر کرو۔

زبان کو جھوٹ، غیبت، بدکلامی، عیب چینی، چغل خوری، تہمت، استہزا، طعن و تشنیع، مبالغہ آرائی اور برائی کی تشہیر ایسی گندگیوں سے پاک رکھو، اخلاق کو ہوا و ہوس سے، حرص و آزار سے، بخل و بزدلی سے، خود غرضی و خود پسندی سے، نفاق و بداندیشی سے، زشت روئی و تند خوئی سے، فحشاء و منکر سے پاک رکھا جائے۔

انسان کی خودرائی وخودنمائی کا مرض لاعلاج

اللہ جل جلالہ کا نبی ایک طرف اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی بے نیازی و صمدیت کی صفت کو نمایاں فرما کر انسان کو خودرائی و خودنمائی کے مرضِ لاعلاج سے بچاتا ہے، دوسری طرف اس کی رحمتِ بے پایاں، اس کے عفو و مغفرت کی وسعت دامانیاں سامنے لا کر حسنِ عمل کے ذوق وشوق کو مہمیز کرتا ہے، ایک طرف انسان پر اس کی کوتاہ عملی کی حقیقت واضح کرکے احساسِ ندامت کو ابھارتا ہے، دوسری طرف توبہ و انابت کا سہارا دے کر امیدوں کی شاہراہ پر کھڑا کر دیتا ہے، وہ کسی کا دشمن نہیں ہوتا، اس کے خواہ سارے دشمن بن جائیں، وہ کسی سے انتقام نہیں لیتا نہ انتقام کی اجازت دیتا ہے، اس کے ہاں انتقام کی جگہ احسان، نفع و خیر خواہی ہے، عفو و درگزر ہے، وہ کہتا ہے کہ میرے رب کا مجھے حکم ہے کہ میں اسے معاف کردوں جس نے مجھ پر ظلم کیا، میں اس کے ساتھ ملوں جو مجھ سے کٹا اور میں اسے دوں جس نے مجھے محروم کیا اور تو اور وہاں توحق رسی اور انسدادِ ظلم کے باب میں بھی انتقام کی کوئی گنجائش نہیں ہے، بلکہ اس کی جگہ قصاص ہے، یعنی برابری کہ جتنی زیادتی تم پر کی گئی ہے، بس اتنی ہی کرنے کی اجازت ہے، اس پر بھی اگر بالکل معاف کردو تو حسن عمل کا تقاضا یہی ہے۔

Marfat.com

نبی میدانِ جنگ میں بھی اترتا ہے تو انتقام نہیں لیتا

اللہ جل جلالہ کا نبی جب میدانِ جنگ میں بھی اترتا ہے تب بھی انتقام کے لئے نہیں اور اپنی طاقت کا سکہ جمانے کے لئے نہیں، بلکہ ظلم وجور کا قلع قمع کرنے کے لئے، استحصال وحق تلفی کی جڑ کاٹ دینے کے لئے، اللہ جل جلالہ کی زمین پر سے بگاڑ وفساد ختم کر کے اصلاح وامن کا دور دورہ کرنے کے لئے، وہ زبردست کو روک دیتا ہے اور پیچھے ہٹاتا ہوا اس کو اپنے حدود کا پابند کر دیتا ہے، وہ زیردست کو اٹھاتا ہے اور آگے بڑھاتا ہوا سعی وعمل کی پر امن راہوں پر رواں دواں کر دیتا ہے۔

اللہ جل جلالہ کا نبی کسی نظام کو چیلنج کر کے اس کی جگہ کسی متبادل نظام کا منشور پیش نہیں کرتا

اللہ جل جلالہ کا نبی کسی نظام کو چیلنج کر کے اس کی جگہ کسی متبادل نظام کا منشور پیش نہیں کرتا بلکہ وہ فرد، فرد کو سنوارتا چلا جاتا ہے اور یہ سنوارے ہوئے افراد خود ہی منشور بنتے چلے جاتے ہیں، جب وہ اجتماعی طاقت بن جاتے ہیں تو خود ہی ایک نظام وجود میں آجاتا ہے، جس کا منشور پہلے ہی سے نافذ العمل ہوتا ہے، وہ قیصر روم کو بھی مخاطب کرتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ اَسْلِمْ تَسْلَمْ ''اسلام لے آؤ تو بچ جاؤ گے''۔ یہاں منشور کاغذوں میں، دعووں میں، وعدوں میں اور انتظار کے لمحوں میں نہیں ہوتا بلکہ فرد، فرد کے عمل میں ہوتا ہے اور عمل کا لمحہ صداقت و اخلاص میں ڈوبا ہوتا ہے۔

یہاں قول ودعوے کو عمل سے پیچھے رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے، آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا، یہ فطرت کا بلاوا ہے، یہ فطرت کی پکار ہے، یہاں کسی بناوٹ، تصنع، مبالغے، مظاہرے اور دام فریب بچھانے کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش، پروپیگنڈے کا منصوبہ اس کی معتدل آب وہوا میں کملا جاتا ہے، کیونکہ وہ تحریک کی گرم فضاؤں کا پودا ہے جو یہاں برگ وبار نہیں لاسکتا۔

Marfat.com

دیگر تحاریک اور اسلام کا تقابلی خاکہ

موجودہ زمانے کی تحریک	اسلام اور طرز انبیاء علیہم السلام
معنی و مفہوم: نظامِ غالب کے خلاف شدید قسم کا ردِّ عمل	معنی و مفہوم: فطرتِ انسانی کا تقاضا جس کے بغیر فطرت تسکین نہیں پا سکتی۔
نصب العین: اقتدار و انقلاب	نصب العین: ایک اللہ جل جلالہ کی عبادت، انسانوں کو اللہ جل جلالہ کی طرف جھکانا۔
غرض و غایت: مفادات	غرض و غایت: رضائے الٰہی
رُوح: حرکت پذیری کے تقاضے	رُوح: تقرب الی اللہ
منشور: ایک تخیلاتی، طلسماتی اور آفاقی نظامِ حکومت	منشور: سبیل المومنین
ماخذ: احساسات، رجحانات، جذبات اور خواہشاتِ نفس	ماخذ: اللہ جل جلالہ کی کتاب، حدیثِ نبوی اور صحابہ کا عمل
انجام: فساد و بگاڑ	انجام: اصلاح و امن
طریق کار: پروپیگنڈہ	طریق کار: امر بالمعروف و نہی عن المنکر
سوسائٹی کے جذبات سے کھیلنا	وقار اور سنجیدگی کو شعار بنانا
خواہشات کی انگیخت سے ابتری پھیلانا	حکمت و بصیرت کی دولت لٹانا
سیاسی فضا کو مغالطہ آمیز بنانا اور معاملات و مسائل میں الجھاؤ پیدا کرنا	خیر و شر کی راہیں کھول کر واضح کر دینا اور بھلے بُرے کی تمیز و شعور پیدا کرنا۔
جی کھول کر بلند بانگ دعوے کرنا	دعوے کی بجائے عمل کو نمونہ اور معیار بنانا اور ایمان کو صداقت کی دلیل بنانا
حریف میں کوئی واقعی خوبی موجود ہو تو اس سے چشم پوشی کرنا بلکہ اس کا انکار کرنا۔	حریف میں اگر کوئی خوبی ہے تو پوری فراخدلی سے اس کا اعتراف کرنا بلکہ اس میں تعاون کرنا اور حقیقی خوبی یعنی ایمان باللہ کے لئے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑنا اور اس کے خوابیدہ شعور کو جگا دینا۔

Marfat.com

کارکنانِ تحریک کے جرم و معصیت اور کردار و سیرت کی خامیوں، کوتاہیوں اور بدعنوانیوں کو انفرادی غلطی کہہ کر مطمئن رہنا اور اصلاحِ حال کو آئندہ پر ٹالنا اور تاویلات و الزامی قسم کے جوابات سے اعتراض کرنے والوں کا منہ بند رکھنے کی کوشش کرنا۔	حسنِ عمل و کمالِ سیرت کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے بھی کوتاہی عمل کا معترف رہنا اور احساسِ ندامت کو زندہ رکھنا، استغفار و انابت کے آبِ حیات سے خوبیٔ سیرت کو سیراب کرتے رہنا اور غرورِ نفس کے سر پر اعتراف تقصیر کا کوڑا لہراتے رہنا۔
حریف کو شرِ محض تصور کر کے اسے مٹا ڈالنے کو اوّلین مقصد قرار دینا اور اس کی طرف کسی خوبی کی نسبت کو جرم قرار دینا۔	حریف کی اصلاح کر کے اسے ہلاکت و تباہی سے بچانے کے لئے ہر ممکن ذریعہ کو بروئے کار لانا۔
حریف کی برائیوں کو اچھالنا اور بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا اور اسے مجسمہ بُرائی باور کرانے کی خاطر کتنی ہی من گھڑت برائیاں اس کی طرف منسوب کرنا۔	حریف کی برائیوں کا تذکرہ اور ان کی قباحت اس کی اصلاح و خیر خواہی کی غرض سے اور اس کے احساسِ ندامت اور اس کے ضمیر کو جگانے کے لئے صرف ناگزیر حد تک کرنا اور کوئی سی غلط بات اس کی طرف منسوب کرنے سے کلیۃً باز رہنا۔
مفادات پر اصولوں کا بدل جانا۔	حمایتِ حق پر ہر چہ باداباد۔
میدانِ جنگ میں اُتریں گے حریف کو ملیامیٹ کر ڈالنے کے لئے اور اپنا اقتدار جمانے کے لئے۔	میدانِ جنگ میں اُتریں گے حریف کی اصلاح کے لئے، روئے زمین پر فتنہ ختم کر ڈالنے کے لئے اور فساد مٹا کر اللہ جل جلالہ کی زمین کو عدل و امن کا گہوارہ بنانے کے لئے۔
اگر حریف شکست مان لے یا صلح پر آمادہ ہو جائے تو موقع غنیمت جانو اور بس کچل دو، ہرگز مہلت نہ دو۔ صلح کی صورت میں صریحاً منافقت برتو اور حریف کو بلیک میل کر کے اپنا اُلو سیدھا کرو۔	اگر حریف شکست مان لے تو جو رعایت بھی دی جا سکتی ہے، وہ پوری فراخدلی اور وسعت ظرفی سے پورے مومنانہ وقار کے ساتھ دی جائے اور اگر صلح کرنی پڑے تو شرائطِ صلح کی پوری احتیاط سے پابندی کرو اور آدابِ صلح کو مجروح نہ ہونے دو۔

Marfat.com

ایک حریف کا بظاہر حامی بن جانا اور اسے کسی دوسرے سے ٹکرا دینا، اس طرح ایک فریق کو ختم اور دوسرے کو کمزور کر دینا، پھر کسی دوسرے موقع پر کسی اور کے ساتھ مل کر اسے ختم کرنا، اسی طرح تمام حریفوں سے یکے بعد دیگرے نمٹ لینا۔	ہر مخالف کے مقابلے میں جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (ان سے بحث و جدال میں وہ طریقہ اپناؤ جو بہتر سے بہتر اور اچھے سے اچھا ہو) کی روش پر سختی اور صبر و استقامت سے کاربند رہنا۔ کسی کو اپنی حمایت کا مغالطہ نہیں دینا جو بھی بتلائے کفر ہے اس کی برابر مخالفت کی جائے گی اور صراطِ مستقیم کی طرف برابر دعوت دی جائے گی اور کسی سے اگر کوئی عہد کیا ہے تو اسے پورے خلوص و وفا سے نبھایا جائے گا۔
قوتِ عمل سے تہی داماں ہونے کے باعث حریفانہ کشاکش کی بیساکھی کے علاوہ دوسری کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جس کے سہارے آگے بڑھا جاسکے۔	اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ (اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ) کی زبردست روحانی و عملی طاقت لے کر فاتحانہ بڑھتے چلے جانا۔
تحریک کلیتہً ایک ردعمل ہے جو کہ فی نفسہ اپنے اندر کوئی دعوت یا بلاوا نہیں رکھتی۔ پروپیگنڈے کی آکسیجن اس کی حرکتِ قلب کو جاری رکھتی ہے اور ''مہم'' کی اسٹیم سے اس کا انجن اسٹارٹ ہوتا ہے۔	اسلام دین فطرت ہے سراپا دعوت ہے، اس بلاوے اور دعوت میں فطرتِ انسانی کے لئے خود ایک کشش موجود ہے اسے اپنے وجود کو پروپیگنڈے یا مہم بازی کے مصنوعی طریقوں سے پرکشش بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔
نعرۂ انقلاب سے مدمقابل کو ملیامیٹ کرنا مقصود تھا سو کر دیا، نتیجہ نظام بدل گیا، انقلاب آ گیا لیکن فساد کو نہ مٹنا تھا نہ مٹا۔	امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے مدمقابل کی اصلاح کرنا مقصود تھا، نتیجۃً نظام بدل گیا، اصلاح ہوگئی، جس کے بعد فساد کو مٹ جانا تھا سو مٹ گیا۔

اس تقابل سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تحریک کا چہرہ انتہائی قبیح چہرہ ہے، خواہ وہ ''میک اَپ'' سے اسے سنوارنے، نکھارنے اور دلکش و دِلربا بنانے کے کتنے ہی جتن کیوں نہ کر ڈالے، مگر اس کی بدصورتی، خوبصورتی میں تبدیل نہیں ہو سکتی اور یہ چڑیل حورِ جناں نہیں بن سکتی۔

Marfat.com

اسلام اور فریضہ تبلیغ

(از شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ . بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [1] وَقَالَ تَعَالٰى : كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ [2]

فریضہ تبلیغ کیوں ضروری ہے؟

پہلی وجہ: دنیا کے تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر انسان کا اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ اگر کسی دوسرے انسان کو کسی سخت نقصان سے دوچار ہوتا ہوا دیکھے تو اس کی مدد کرے اور حتی الوسع اس کی دستگیری کرتا ہوا مصائب و آفات کے پنجہ سے نجات دلوائے، اسی بناء پر گڑھے اور کنوؤں میں گرنے والوں، درندوں اور زہریلے جانوروں کا شکار ہونے والوں اور ظالم اور خونخوار حیوانوں کے پنجوں میں پھنسنے والوں، فاقہ اور افلاس و امراض میں مبتلا ہونے والوں وغیرہ وغیرہ کی مدد ہر قوم اور ہر مذہب میں ضروری خیال کی جاتی ہے، جبکہ دنیاوی چندروزہ مصائب اور فنا ہونے والے جسم کو تکالیف سے بچانا انسانی فریضہ شمار کیا جاتا ہے تو اخروی دائمی مصائب اور ہمیشہ باقی رہنے والی روح کو تکلیف سے بچانا کیا اس سے بدرجہا زائد لزوم والا فریضہ شمار نہیں کیا جائے گا؟ اس لئے ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کی اخروی زندگی اور روحانی امراض سے شفاء یابی کی طرف توجہ کرے۔

دوسری وجہ: جبکہ حسب تعلیمات اسلامیہ تمام افراد انسانی ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں اور

---

[1] آل عمران: ۱۰۴۔ [2] آل عمران: ۱۱۰۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ مقتضیات طبعیہ اور صورت وسیرت میں سب ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، اس لئے جس طرح اپنے حقیقی بھائی کے ہم پر حقوق ہیں اور انہیں کی بناء پر ہمارا طبعی اور عقلی فرض ہوگا کہ اپنے ہر انسانی بھائی کی ہمدردی کریں اور اس کو آخرت کے عذاب سے نجات دلانے کی، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی خوشنودی تک پہنچانے کی، نعم ابدی اور روحانی زندگی کے حاصل کرانے کی ہر ممکن کارروائی سے دریغ نہ کریں۔

تیسری وجہ: اگر ہر ڈاکٹر، ہر حکیم ہر وید کا فرض ہے کہ کسی مبتلائے امراض جسمانی کو دیکھ کر اس کا علاج کرے تو ہر حکیمِ روحانی کا فرض ہوگا کہ روحانی مریضوں کے علاج معالجہ میں کوتاہی نہ کرے مگر جس طرح جسمانی امراض کے مراتب کی حیثیت سے جسمانی ڈاکٹروں اور حکیموں وغیرہ کے فرائض میں فرق مراتب ہوتا ہے اسی طرح روحانی امراض کے مراتب کی حیثیت سے روحانی حکیموں کے فرائض میں فرق ہوگا، جو روحانی امراض روحانی زندگی کو فنا کرنے میں ویسا ہی مرتبہ رکھتے ہیں جو کہ طاعون، ہیضہ، سل وغیرہ جسمانی امراض مہلکہ جسمانی زندگی کے فنا کرنے میں رکھتے ہیں ان کے دفع کرنے میں ان کا فریضہ نہایت ہی اکید اور شدید ہو جائے گا۔ اسی طرح سے اسلام جو کہ حقیقی معنوں میں کامل اور مکمل مذہب ہے اس اعلیٰ درجہ کی عام ہمدردی کا بہت زور وشور سے مؤید ہے، فرمایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ [1]

چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت (ہمیشہ کیلئے) ہو جائے جو کہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور عمدہ باتوں کا لوگوں کو حکم کرے اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

---

[1] آل عمران: ۱۰۴۔

Marfat.com

وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ [1]

تم لوگ (اُمت محمدیہ) ان تمام امتوں میں بہتر ہو جو کہ لوگوں میں پیدا کی گئی ہیں کیونکہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے رہو۔

اس قسم کے احکام قرآن شریف میں متعدد مقامات میں ذکر فرمائے گئے ہیں، احادیث میں بھی اس پر نہایت پرزور الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے، کہیں فرماتے ہیں:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

تم میں سے کوئی مومن (کامل) نہیں ہوگا جب تک اپنے بھائی کیلئے ویسی چیز پسند نہ کرے جیسی اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

کہیں علامات ایمان بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"آدمیوں سے صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے دوستی رکھے" یعنی یہ کہ وہ خدا کی مخلوق ہیں اور اس کے پیارے۔

اسی ہمدردی کی بناء پر فرمایا جاتا ہے:

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ [2]

لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو کہ سب لوگوں کو نفع پہنچائے۔

حسبِ ارشاد سابق جبکہ خیریت کا مدار لوگوں کو نفع پہنچانے پر ہوا تو جس قدر نفع عظیم الشان ہوگا خیریت بھی ویسی ہی عظیم الشان ہوگی، پس عذابِ آخرت سے نجات دلانا، روحانی ابدی زندگانی حاصل کرنا، امراض روحانی کا دور کر دینا وغیرہ وغیرہ چونکہ نہایت اعلیٰ درجہ کے منافع ہیں جن کے برابر کوئی شخصی یا کوئی مادی نفع نہیں ہوسکتا، اس لئے جو شخص جیسے انبیاء علیہم السلام تمام افراد انسانی میں اعلیٰ اور اکمل ہوتے ہیں ان کی نظر ہمیشہ عموم پر ہوتی ہے خصوص سے وہ بالاتر ہوا کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات وہ اپنی ذات اور اعزہ و اقارب کو بھی طرح طرح کی

[1] آل عمران: ۱۱۰۔ [2] تفسیر الرازی: جز ۲۳ص ۵ ۳ وتفسیر السمرقندی: ج ۱ص ۲۳۸ تحت تفسیر سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۱۔

Marfat.com

تکالیف میں عام خلائق کے نفع کیلئے مبتلا کر دیتے ہیں اور پھر پرواہ تک نہیں کرتے اور جس طرح وہ عموم کے منافع کے درپے ہوا کرتے ہیں اسی طرح وہ کم نفع دینے والی چیزوں اور بے قدر امور کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے ان کا نصب العین روحانی زندگی، روحانی شفاء، اخلاقی تہذیب، آخرت کی بھلائیاں، خداوند عالم کا قرب، اس کی خوشنودی، قومی ترقیات وغیرہ وغیرہ اعلیٰ درجے کے امور ہوتے ہیں۔

البتہ انبیاء علیہم السلام میں بھی عموم کے درجات متفاوت ہیں، کوئی نبی فقط اپنی قوم کا مصلح اور طبیب ہوتا ہے، کوئی اپنے تمام ملک کا ہمدرد اور ریفارمر ہوتا ہے اور کوئی تمام عالمِ انسانی اور عام خلائق کا حکیم اور بہی خواہ بنایا جاتا ہے، جس پیغمبر میں یہ آخری درجہ عموم کا ہوگا اور جس کی نظر رأفت وشفقت اس طرح عام فیض رساں ہوگی بلا شک وشبہ وہ تمام پیغمبروں میں اعلیٰ اور سب کا خاتم ہوگا، اس کے مرتبہ کو نہ کوئی پیغمبر پہنچ سکے گا اور نہ اس کے حکم سے کسی کو روگردانی کی اجازت ہوگی وہ تمام پیغمبروں میں ایسا عہدہ رکھتا ہوگا جیسا تمام ملازمانِ شاہی میں صدر اعظم کا عہدہ ہوتا ہے جو کہ تمام شاہی قلمرو پر اور تمام شعبہ ہائے حکومت پر حکمران ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کا زمانہ بھی تمام پیغمبروں کے زمانہ سے اسی طرح آخر میں ہوگا جیسے کہ اپیل صدر اعظم کے دربار میں سب سے آخر میں ہوتی ہے اور اس کے بعد اگر کوئی مرتبہ اپیل کا رہ جاتا ہے تو فقط شہنشاہ کی بارگاہ میں اپیل کا رہا کرتا ہے۔

عمومِ تبلیغ میں مسلمانوں کی خصوصیت

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انسانی، طبعی، عقلی، شرعی، جملہ حیثیتوں سے ضروری ہے کہ عام خلائق کی بہبودی کی فکر کی جائے اور پھر اس بہبودی اور ہمدردی کو سب سے زیادہ پیش نظر رکھا جائے جو کہ نہایت گراں قدر ہو اور جس قدر ان دونوں امور میں اضافہ ہوگا اسی قدر خیریت بڑھے گی اور اسی قدر پروردگار عالم کے یہاں اس کیلئے انعام اور اجر کا استحقاق ہوگا اور یہ فریضہ مسلمانوں ہی کا سب سے بڑا فریضہ ہے کیونکہ جس طرح آخری گورنر اور آخری وائسرائے کے حکم سے سرتابی کرنے والا امپائر (شہنشاہیت) کا باغی شمار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ گزشتہ گورنروں کی تابعداری کا دم بھرتا ہو، اسی طرح نبی آخرالزماں کے آنے کے بعد پہلے پیغمبروں کے تمام احکام منسوخ ہوں

Marfat.com

گے، اس کے حکم سے سرتابی کرنے والا خداوند کا باغی اور مجرم قرار دیا جائے گا، اگرچہ وہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں پرانے پیغمبر کا تابعدار ہوں۔ لہٰذا مسلمان چونکہ اس پیغمبر آخر الزماں کے تابعدار ہیں اس لئے حقیقی اصلاح اور واقعی شفاء فقط ان کے پاس ہے، ان کا فریضہ تمام اقوام سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ وہ اقوام عالم اور تمام بنی نوع انسانی کی اصلاح اور شفاء میں سب سے زیادہ اسی طرح کوشش کریں جس طرح ڈاکٹر اور حکیم کا سب حکیموں سے قوی فریضہ ہوتا ہے جو کہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ اس زمانہ میں موجود امراض میں صرف میری ہی دوا نفع دینے والی ہے، دوسرے ڈاکٹروں اور حکیموں کی دوائیں ان امراض کیلئے شفاء بخش نہیں۔

اس لئے مسلمانوں کے آقائے نامدار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ [1]

جو لوگ میری مجلس میں موجود ہیں وہ غائب ہونے والوں کو (یعنی جو موجود نہیں ہیں ان کو) میری تعلیمات پہنچادیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً [2]

میری طرف سے لوگوں کو (احکام اور شریعت حقہ) پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔

تیسری جگہ فرماتے ہیں:

يَا عَلِيُّ لِأَنْ يَهْدِيَ اللهُ عَلَى يَدَيْكَ رَجُلًا خَيْرٌ لَكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ [3]

اے علی! (رضی اللہ عنہ) اگر تمہارے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایک مرد کو بھی ہدایت کردے تو وہ تمہارے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے یعنی دنیا اور اس کے خزانوں وغیرہ سے بہتر ہے۔

[1] صحیح بخاری: ج ۱، ص ۳۳، رقم الحدیث: ۱۰۵۔ [2] صحیح بخاری: ج ۴، ص ۱۷۰، رقم الحدیث ۳۴۶۱۔ [3] المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۶۹۰، رقم الحدیث: ۶۵۳۷۔

Marfat.com

قرآن شریف میں فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ [1]

اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے پیغمبر کو سچا دین اور ہدایت دے کر اس لئے بھیجا کہ وہ تمام دینوں پر اس کو غالب کردے، اگرچہ کافر اس کو پسند نہ کریں۔

اشاعتِ اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار

یہی وہ فرائض تھے جنہوں نے مسلمانوں کو بے چین کر دیا تھا اور جس کی وجہ سے ان کی نینداور آرام حرام ہو گیا تھا، ان کو اپنے پیارے اوطان میں ٹھہرنا اور اپنی زندگانی کی خدمتیں کرنی وبال جان ہوگئی تھیں اسی عام خیر خواہی نے ان کو اہل وعیال، زن وفرزند، عزیز واقارب، تن، من دھن سب سے جدا کر دیا، اسی حقیقی اصلاح کے وجوب نے ان کو مجبور کر دیا کہ وہ اطرافِ عالم میں سچی روشنی کی مشعلیں لے کر پھیل پڑیں اور کوئی قوت خواہ کتنی ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو اگر مانع آئے تو اس سے ٹکر کھا جائیں، تبلیغ سے منع کرنے والے، لوگوں کو اصلی مداواۃ اور حقیقی شفاء سے روکنے والے، خدا کی عام مخلوق کو گمراہی میں پڑے رکھنے کی کوشش کرنے والے یا تو اپنے اعمالِ قبیحہ سے باز آجائیں ورنہ پھر قوت کا قوت سے مقابلہ کرنا ضروری ہوگا۔

جس وقت مسلمان اپنی اس سچی روشنی کو لے کر نکلے ہیں ان کے پاس مکمل فوجیں نہ تھیں، مکمل ہتھیار نہ تھے، مکمل خزانے نہ تھے، ان کے پاس کوئی ایسی ظاہری قوت نہ تھی جو کہ قیصر اور کسریٰ اور مقوقس کا انفرادی طور پر بھی مقابلہ کرسکتی چہ جائیکہ اجتماعی طور پر کرتی، مگر چونکہ دنیا مطلوب نہ تھی، حکومت کی ہوس نہ تھی، خزانوں کا لالچ نہ تھا، اقوامِ عالم کی تجارت اور دستکاری کی خواہش نہ تھی، جوع الارض کی بیماری نہ تھی، اقوام عالم کو غلام بنانے کی آرزو نہ تھی، فقط حقیقی اصلاح اور خوشنودی پروردگار کی آگ ان کے سینوں میں بھڑک رہی تھی جس کیلئے تقویٰ اور زہد نے دھونکنی کا کام دے رکھا تھا، اس لئے جو بھی ان کے سامنے آیا خواہ وہ پہاڑ ہی کیوں نہ تھا پاش پاش ہو

[1] التوبہ: ۳۳۔

Marfat.com

گیا اس کی ہستی مٹ گئی اور خدا کی سچی روشنی اطراف عالم میں پھیل گئی، رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تیس ہی برس کے عرصہ میں بحر اٹلانٹک کے کنارے سے ہمالیہ کی چوٹیوں تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ڈنکا بجنے لگا، افریقہ کے صحرائے اعظم سے لے کر ایشیا اور یورال کے دامنوں تک اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔

اسلام کیلئے جبر و اکراہ نہیں ہے

اگرچہ ایک ماہر ڈاکٹر اور حاذق حکیم کا فرض یہ بھی ہے کہ اگر نادان مریض اپنے مرض پر اصرار کرے اور دوا کے استعمال سے جان چرائے یا عناداً اس کو استعمال نہ کرے تو وہ اس کو جبراً اسی طرح دوا پلا دے جس طرح ماں باپ بچے کو ہاتھ پیر پکڑ کر منہ کھول کر دوا پلا دیتے ہیں اور اس بناء پر وہ مستحق ملامت نہیں قرار دیئے جاتے بلکہ ہر طرح قابل ستائش قرار دیئے جاتے ہیں بلکہ ملامت ان مریضوں پر عائد ہوتی ہے، اور جس طرح حاذق جراح کا فرض ہے کہ وہ دنبل میں نشتر لگا کر فاسد مادہ نکال دے اگرچہ مریض چیختا چلاتا رہے، اسی طرح اگر اسلام جبراً لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش بناتا اور ان کی روحانی اور جسمانی، انفرادی اور اجتماعی اصلاحات اپنے قوانین تریاقیہ سے کرتا تو ہرگز مستحق ملامت نہ ہوتا مگر اس نے آزادی خیالات اور انسانی اختیارات پر پانی نہیں پھیرا، اور جبر، تعدی، اکراہ اور بے اختیاری کی اجازت نہیں دی، اس نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا [1]

کہہ دو (اے محمد ﷺ) حق بات تمہارے پروردگار کی طرف سے (ظاہر ہو چکی) اب جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے، ہم نے ظالموں کے واسطے عذاب تیار کر رکھا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ

[1] الکہف: ۲۹۔

Marfat.com

اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ﴿۱﴾

دین میں کوئی اکراہ اور جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے کھل گئی اور ظاہر ہوگئی، اب جو شخص بتوں کو چھوڑے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا اس نے نہایت مضبوط ذریعہ حاصل کرلیا۔

تیسری جگہ فرماتے ہیں:

اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲﴾

(انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں) اے محمد ﷺ کیا تم لوگوں پر اکراہ کروگے تاکہ مومن بن جائیں۔

چوتھی جگہ فرماتے ہیں:

اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ لَّسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ﴿۳﴾

تم اے محمد (ﷺ) لوگوں کو صرف یاد دلانے والے اور سمجھانے والے ہو، تم ان پر گماشتہ اور جبر کرنے والے نہیں ہو۔

اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا

خلاصہ یہ کہ ایمان اور اسلام کیلئے جبر و اکراہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اگرچہ یہ حکم دینا بھی قرین قیاس تھا، ہاں جو لوگ فریضہ تبلیغ اور اصلاح حقیقی سے مانع ہوئے یا مانع ہونے کی تیاری کرنے لگے ان کے سامنے آنا اور مقابلہ کرنا ناگزیر تھا، یہی وجہ ہے کہ جن خطوط کو رسول اللہ ﷺ نے بادشاہانِ عجم کے پاس بھیجا اور ان کو اسلام کی طرف بلایا تھا کسی میں تلوار اور لڑائی کی دھمکی نہیں دی گئی، اور یہی وجہ تھی کہ جزیہ کی مشروعیت غیر مسلموں کیلئے قرار دی گئی، اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلتا جیسا کہ پادری یا آریہ اپنے پروپیگنڈوں میں اسلام سے نفرت پھیلانے کیلئے کہہ رہے ہیں تو آج صنعاء اور یمن میں ہزاروں کی تعداد میں یہودی نظر نہ آتے، اسی طرح عراق (ماسوپوٹامیا) شام (سیریہ) فلسطین، مصر وغیرہ میں لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم جو کہ کئی نسلوں سے یہاں بستے ہوئے چلے آرہے ہیں، پائے نہ جاتے۔

خود ہندوستان کے ان مقامات پر غور کیجئے جو کہ صدیوں مسلمانوں کی قوتوں کی جولانگاہ رہے ہیں غیر مسلموں

﴿۱﴾ البقرۃ:۲۵۶۔ ﴿۲﴾ الیونس:۹۹۔ ﴿۳﴾ الغاشیۃ:۲۱،۲۲۔

Marfat.com

سے بھرے ہوئے ہیں، ضلع دہلی میں جو کہ پایۂ تخت شاہان اسلام رہا ہے اور جہاں فوجی قوتوں کا ہر قسم کا مکمل مظاہرہ رہتا تھا سولہ فیصد مسلمان اور باقی غیر مسلم ہیں، صوبہ یوپی میں جو کہ تقریباً ایک ہزار برس سے مسلمانوں کے قبضہ میں رہا ہے پندرہ فیصد مسلمان ہیں، بہار میں جو کہ بختیار خلجی کے زمانہ سے ہیسٹنگز کے زمانہ تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا دس فیصد مسلمان ہیں، اگر جبر واکراہ سے مسلمان کیا جاتا، جبکہ مسلمانوں کی فوجی قوتیں انتہائی عروج پر تھیں، تو کون سی قوت ان کو بجز مسلمان بنانے سے روک سکتی تھی، ہاں عیسائیت اپنی سیاہ تاریخ اٹھا کر دیکھے کہ اس نے یہودی مذہب کو یورپ کے ممالک سے کس طرح فنا کیا اور پھر اسپین، سسلی، مالٹا، یونان، کریٹ، بلغاریہ وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا کر رہی ہے، آرین قومیں اپنے گزشتہ کارناموں پر غور کریں کہ انہوں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں بھیلی، گونڈ، کولی، چمار وغیرہ اچھوت قوموں کے ساتھ کیا معاملات کئے اور اب تک کیا کر رہے ہیں؟

چین میں آج سات کروڑ سے لے کر دس کروڑ تک مسلمانوں کی مردم شماری بتائی جاتی ہے وہاں کس روز مسلمان حکومت قائم ہوئی تھی؟ جزائر، سماٹرا، جاوا، وغیرہ میں پانچ کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کی مردم شماری مذکور ہے وہاں کون سا عالمگیرؒ یا تیمور لنگ یا محمود غزنویؒ حملہ آور ہوا تھا؟ ابتدائے اسلام میں جن لوگوں نے تلوار اٹھائی تھی ان کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا؟ یہ سب محض غلط اتہامات ہیں جو کہ دشمنوں نے اسلام کو بدنام کرنے کیلئے لگائے ہیں، ہمیشہ بادشاہانِ اسلام اس کے خلاف احکام جاری کرتے رہے اور انہوں نے رواداری اور بے تعصبی کا ثبوت دینے میں نہایت روشن پوزیشن پیش کی ہے، جھوٹ اور افتراء کا تو کوئی جواب نہیں۔

شاہِ وقت کی ایک خفیہ وصیت

ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولھاپور نے مندرجہ ذیل فارسی زبان کی ایک قدیم تحریر تلاش کر کے پائی تھی جس سے مخالفین کی ہرزہ سرائی کا پورا پتہ چلتا ہے، ظہیر الدین محمد بابر شاہ غازی اپنے بیٹے شہزادہ نصیر الدین ہمایوں کو اپنی خفیہ وصیت میں لکھتا ہے:

Marfat.com

اے پسر! سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے، الحمد للہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی، تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصّبات مذہبی کو لوح دل سے دھوڈالو اور عدل و انصاف کرنے میں ہر مذہب وملت کے طریق کا لحاظ رکھو، جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کرسکتے۔ اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطافِ شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے، جو قوم یا ملت قوانینِ حکومت کی فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں، عدل وانصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے، ظلم وستم کی نسبت احسان اور لطف سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے، شیعہ وسنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا، جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد واتفاق سے کام کررہے ہیں اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا کر رکھو اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو تا کہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ ومامون رہے، سرگزشت تیمور کو جو اتفاق واتحاد کا مالک تھا ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھو تا کہ نظم ونسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو۔[1]

شاہ جہانگیر نے اپنے تمام قلمرو میں جو احکام امراء اور سرداروں پر نافذ فرمائے تھے ان میں سے مندرجہ ذیل احکام بھی تھے:

جھروکے میں نہ بیٹھا کریں، ہاتھی نہ لڑایا کریں، سیاست کے واسطے آنکھیں نہ پھوڑا کریں، ناک کان نہ کاٹیں، بزور کسی کو مسلمان نہ کریں الخ۔[2]

اورنگزیب مرحوم کا مندرجہ ذیل فرمان فارسی زبان میں راجہ نرجن سین نے ایشاٹک سوسائٹی کے ایک جلسہ میں پیش کیا تھا جو کہ جون ۱۹۱۱ء میں اردو اخبار میں شائع ہوا تھا، فرمان مذکورہ کا مضمون حسب ذیل ہے:

ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیمی مندروں کو گرایا جائے، ہماری اطلاع میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بعض حاکم بنارس اور اس کے گردونواح کے

---

[1] اگست ۱۹۲۶ء۔ [2] ترجمہ: تزک جہانگیری، ص: ۸۲۔

Marfat.com

ہندوؤں پر ظلم وستم کرتے ہیں اور انکے مذہبی معاملات میں دخل دیتے اور ان برہمنوں کو جن کا تعلق پرانے مندروں سے ہے ان کو انکے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے کوئی شخص ہندوؤں اور برہمنوں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کریں اور نہ ان پر کسی قسم کا ظلم کریں۔[1]

حقانیتِ اسلام کی تاثیر

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی سچائی اور حقانیت اور اپنے اصولوں اور تعلیم کی خوش اسلوبی وغیرہ کمالات کی بناء پر قلوب اور دماغوں پر ہمیشہ سے مقناطیسی اثر کرتا رہا، رسول اللہ ﷺ نے باوجود اپنی تنگدستی اور بے سروسامانی کے اسلام کی دعوت شروع فرمائی اور تمام اہل عرب خصوصاً اہل مکہ اور قریش آپ کے سخت درپے آزار ہو گئے، ظاہری کوئی سبب ایسا نہ تھا جس سے یہ امید کی جاسکتی کہ آپ کی کوششیں بارآور ہوں گی مگر یہ اسلام کی حقانیت اور اس کی آسمانی طاقت ہی تھی جس سے قلوب کا مسخر ہونا شروع ہو گیا اور جوق در جوق لوگ قرب وجوار اور دور دراز ملکوں سے آ آ کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے، تیرہ برس اسلام مکہ معظّمہ کے جو کہ نان وائلنس (عدم تشدد) میں گزرے کئی سو آدمیوں کو اسلام کے دلدادہ بنا چکے تھے حالانکہ اس مدت میں مخالفین اسلام نے انتہائی مظالم اسلام اور مسلمانوں پر ڈھا رکھے تھے، پھر مدینہ منورہ پہنچے اور امن وسلامتی حاصل ہونے کے بعد تو ترقی کی کوئی انتہاء ہی نہیں رہی، اہل مدینہ جنہوں نے آخری دم تک انتہائی سرفروشی کا ثبوت دیا ہے خود بخود اسلام کی حقانیت معلوم کر کے اسلام کے پروانے بنے اور دوسروں کو بناتے رہے باوجود یہ کہ ابتداء میں لڑائی قریش اور ان کے حامیوں سے ان کے مظالم کی بنا پر رہی مگر دور دراز کے قبائل سے خود بخود لوگ آتے اور مسلمان ہوتے جاتے تھے۔

وفد عبدالقیس کا بحرین سے آنا، ثمامہ بن اثال حنفی کا اسلام لانا، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا خود بخود یمن سے کشتیوں میں سفر کرنا، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی کا اپنے تمام کاروبار کو چھوڑتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچنا، وائل بن حجر حضرمی کندی رضی اللہ عنہ کا حضرموت سے قصد کرنا وغیرہ وغیرہ اتنے واقعات ہیں کہ خود ان کی تفصیلات بہت زیادہ طول کی محتاج ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے اور فریضہ تبلیغ کی ادائیگی احسن طریقے سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

---

[1] دستخط اور مہر شہنشاہ اورنگزیب) (حمایت اسلام خلافت نمبر ۱۹۰ ص: ۱۸۵، اگست ۱۹۲۶ء۔

Marfat.com

دعوت وتبلیغ کے متعلق اہم فتویٰ

آج سے تقریباً تیس (۳۰) سال قبل جب میں ساہیوال میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہا تھا، اس وقت استاذِ محترم حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دعوت وتبلیغ کے متعلق استفسار کیا گیا تھا، وہ من وعن آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ علماء، خواص اور عوام الناس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو اور وہ دلجمعی کے ساتھ فریضہ تبلیغ کی ادائیگی میں لگے رہیں، وہ سوال وجواب درج ذیل ہے:

۱۔ زید کہتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر حکام کا کام ہے، عوام الناس کی ذمہ داری نہیں، کیونکہ امر ونہی کی اصل "اِفْعَلْ وَلَا تَفْعَلْ" ہے علیٰ سبیل الاستعلاء، اور اس طریق پر امر ونہی حکام ہی کر سکتے ہیں، پس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت مولانا احتشام الحسن رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات نے اپنی کتب میں عام لوگوں کے لئے جو اس قسم کی حدیثیں تحریر کی ہیں، صحیح نہیں، کیونکہ عوام اس کے اہل نہیں۔ کیا زید کی یہ بات قابل قبول ہے؟ اگر نہیں تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مامور کون ہیں؟

۲۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے علم شرط ہے، لہٰذا یہ فریضہ صرف علماءِ کرام سے متعلق ہوگا۔

۳۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے کا خود عامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ "دیگراں را نصیحت وخود میاں فضیحت" تو صحیح نہیں، لہٰذا جماعت میں چلنے والے ایسے افراد کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کہاں تک جواز ہے؟

جواب سوال نمبر ۱

پہلا جواب: امر ونہی کا علیٰ سبیل الاستعلاء ہونا (یعنی بڑا آدمی حاکم، امیر وغیرہ ماتحتوں کو کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں حکم دے)، یہ اصطلاحِ اہل اصول ہے، اہل عربیہ کی اصطلاح نہیں، جیسا کہ اصولِ فقہ کی مشہور کتاب التلویح سے یہ بات معلوم ہوتی ہے:

Marfat.com

أُرِيْدَ اصْطِلَاحُ الْعَرَبِيَّةِ فَالتَّعْرِيْفُ غَيْرُ جَامِعٍ لِاَنَّ صِيْغَةَ اِفْعَلْ عِنْدَهُمْ اَمْرٌ سَوَاءٌ كَانَ عَلٰى طَرِيْقِ الْاِسْتِعْلَاءِ اَوْغَيْرِهٖ [1]

لہٰذا کارِ خیر کے لئے التماس اور دعا بھی اس لحاظ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہوں گے، حالانکہ التماس کی تعریف "طَلَبُ الْفِعْلِ مَعَ التَّسَاوِیْ" اور دعا "دعوۃ" کی تعریف "طَلَبُ الْفِعْلِ مَعَ الْخُضُوْعِ"۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تفاسیر میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دعوت الی الخیر کی دو نوعیں قرار دیا گیا ہے، نیز ان کو ترغیب سے تعبیر کیا گیا ہے کہ مناسب امور کرنے کی ترغیب امر بالمعروف ہے اور نامناسب امور چھوڑنے کی ترغیب نہی عن المنکر ہے، چنانچہ تفسیر خازن میں ہے:

اَلدَّعْوَةُ اِلٰى فِعْلِ الْخَيْرِ يَنْدَرِجُ تَحْتَهَا نَوْعَانِ اَحَدُهُمَا: اَلتَّرْغِيْبُ فِيْ فِعْلِ مَايَنْبَغِيْ وَهُوَ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالثَّانِيْ: اَلتَّرْغِيْبُ فِيْ تَرْكِ مَالَا يَنْبَغِيْ وَهُوَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ [2]

چونکہ دعوت الی الخیر جنس ہے، لہٰذا جہاں بھی دعوت الی الخیر اور دعوت الی اللہ کا بیان ہے، وہاں اس کے تحت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ضمناً بطور انواع مطلوب ہیں:

كَمَا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ [3]

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: "یہ میرا راستہ ہے، میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ [4]

اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو۔

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ [5]

---

[1] التلویح علی التوضیح ،ص:۳۲۴۔ [2] تفسیر خازن، ج:۱،ص:۲۳۴۔ [3] الیوسف:۱۰۸۔ [4] النحل:۱۲۵۔ [5] حم السجدہ:۳۳۔

Marfat.com

اور اُس شخص سے بہتر بات کسی کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے، اور نیک عمل کرے، اور یہ کہے کہ میں فرماں برداروں میں ہوں۔

آخرالذکر آیت کی تشریح تفسیرِ عثمانی میں یوں کی گئی ہے:

پہلے اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا میں ان مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف اللہ کی ربوبیت پر اعتماد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا، یہاں ان کے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں، یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے، اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے، اسی کی پسندیدہ روش پر چلے اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے، اس کا قول وفعل بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچنے میں مؤثر ہو، جس نیکی کی طرف بلائے بذات خود اس پر عامل ہو، اللہ تعالیٰ کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے، اس کا طغرائے قومیت صرف اسلام ہو اور ہر قسم کی تنگ نظری، فرقہ وارانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے، اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے، جس کی دعوت دینے کیلئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی عمریں بھی صرف کی تھیں۔

وَفِیۡ رُوۡحِ الۡمَعَانِیۡ:

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَا اِلَی اللّٰہِ اَیۡ اِلٰی تَوۡحِیۡدِہٖ تَعَالٰی وَطَاعَتِہٖ وَالظَّاہِرُ الۡعُمُوۡمُ فِیۡ کُلِّ دَاعٍ اِلَیۡہِ تَعَالٰی وَاِلٰی ذَالِکَ ذَھَبَ الۡحَسَنُ وَمُقَاتِلٌ وَجَمَاعَۃٌ [1]

اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی اس کی توحید اور اطاعت کی طرف بلائے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ ہر داعی الی اللہ کے بارے میں عام ہے، حسن رحمۃ اللہ علیہ، مقاتل رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔

---

[1] تفسیر ال آلوسی، روح المعانی، ۱۲/۳/۷۳۔

Marfat.com

وَفِي الْمَدَارِكِ:

هُوَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا إِلَى التَّوْحِيْدِ إِلَى أَنْ قَالَ أَوْ أَصْحَابُهُ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ أَوِ الْمُؤَذِّنُوْنَ أَوْ جَمِيْعُ الْهُدَاةِ وَالدُّعَاةِ إِلَى اللهِ

داعی الی اللہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، موذنین اور تمام رہنمائی کرنے والے دعاۃ الی اللہ ہیں۔

اور یہ دعوت الی اللہ فی الجملہ فرض ہے، احکام القرآن للجصاص رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

فِيْهِ بَيَانُ أَنَّ ذٰلِكَ أَحْسَنُ قَوْلٍ وَدَلَّ بِذٰلِكَ عَلٰى لُزُوْمِ فَرْضِ الدُّعَاءِ إِلَى اللهِ إِذْ لَا جَائِزَ أَنْ يَّكُوْنَ النَّفْلُ أَحْسَنَ مِنَ الْفَرْضِ فَلَوْلَمْ يَكُنِ الدُّعَاءُ إِلَى اللهِ فَرْضًا وَقَدْ جَعَلَهُ مَنْ أَحْسَنِ قَوْلٍ اقْتَضٰى ذٰلِكَ أَنْ يَّكُوْنَ النَّفْلُ أَحْسَنَ مِنَ الْفَرْضِ وَذٰلِكَ مُمْتَنِعٌ [1]

اس میں اس بات کا بیان ہے کہ دعوت الی اللہ احسن القول ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوت الی اللہ فرض ہے، اس لئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ نفل فرض سے احسن ہو، لہٰذا اگر دعوت الی اللہ فرض نہ ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو احسن القول قرار دیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نفل فرض سے احسن ہو جائے اور یہ محال ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اگر اصطلاحِ اہل اصول ہی مراد ہو تب بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ان کے ساتھ اختصاص ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اِفْعَلْ وَلَا تَفْعَلْ کا علیٰ سبیل الاستعلاء کہنا قائل کے اعتبار سے ضروری نہیں، بلکہ اصل آمر کے اعتبار سے ضروری ہے، جیسے کسی اعلیٰ کی طرف سے پیغام رسانی کرتے ہوئے کہ ادنیٰ کسی اعلیٰ کو جو اِفْعَلْ وَلَا تَفْعَلْ کہتا ہے، یعنی امر و نہی کرتا ہے، حالانکہ ادنیٰ ہونے کی وجہ سے اس کا یہ قول علیٰ سبیل الاستعلاء نہیں، اس کے باوجود وہ آمر کہلاتا ہے، کیونکہ عرف میں اس جیسی کلام اس

[1] احکام القرآن للجصاص، ج:۳، ص:۳۸۵۔

ادنیٰ درجہ کے قائل کی شمار نہیں ہوتی، بلکہ جس کی طرف سے پیغام رسانی کی جارہی ہے یہ کلام اس کی سمجھی جاتی ہے، اور چونکہ آمر مُستعلی ہے، لہٰذا اس کے استعلاء کا اثر قائل میں بھی آجائے گا، بعینہٖ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حال ہے کہ اگرچہ امر و نہی کرنے والا ادنیٰ ہو لیکن چونکہ اس کی حیثیت مُبلّغ (پیغام رساں) کی ہے، اس لئے اس میں استعلاء کا نہ ہونا اس کے قول کو امر و نہی کہنے میں مضر اور مانع نہیں ہے، کیونکہ اصل ''آمر'' اور ''ناہی'' تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ ہیں، جن میں بدرجہ اتم علو موجود ہے بلکہ وہ تو سرچشمہ ہیں۔

وَهٰذَا الْجَوَابُ مُسْتَفَادٌ مِنْ هٰذِهِ الْعِبَارَةِ: "وَيَرِدُ عَلٰى عَكْسِ التَّعْرِيْفِ قَوْلُ الْاَدْنٰى لِلْاَعْلٰى تَبْلِيْغًا اَوْ حِكَايَةً عَنِ الْاٰمِرِ الْمُسْتَعْلِيْ فَاِنَّهٗ اَمْرٌ وَلَيْسَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِسْتِعْلَاءِ مِنَ الْقَائِلِ قُلْنَا مِثْلُهٗ لَا يُعَدُّ فِي الْعُرْفِ مَقُوْلُ هٰذَا الْقَائِلِ الْاَدْنٰى بَلْ مَقُوْلُ الْمُبَلِّغِ عَنْهُ وَفِيْهِ اِسْتِعْلَاءٌ مِنْ جِهَتِهٖ". [1]

ان اصولی دو جوابوں کے بعد ہم اپنے موقف کی تائید میں قرآن و حدیث اور جزئیات فقہ کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں، جن سے اس فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مسلمانوں کے تمام اشخاص سے علی العموم متعلق ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

1- قرآن مجید میں امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی دیگر اُمم پر فضیلت اور خیریت کا سبب اور باعث ،فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ [2]

تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

---

[1] تلویح علی التوضیح ص: ۳۲۴۔ [2] آل عمران: ۱۱۰۔

Marfat.com

اس آیت کے تحت تفسیر خازن میں ہے کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے لیکن حکم عام ہے، یعنی پوری امت کو شامل ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ [1] كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ [2] ان میں الفاظ کے اعتبار سے خطاب، حاضرین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے لیکن روزے اور قصاص کا حکم پوری امت پر لاگو ہے، ایسے ہی یہاں ہے:

قَالَ الزُّجَاجُ قَوْلُهٗ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اَلْخِطَابُ فِيْهِ مَعَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنَّهٗ عَامٌ فِيْ حَقِّ الْكُلِّ كَذَا هٰهُنَا۔ [3]

۲۔ نیز لفظِ امت بھی عموم پر دال ہے، کیونکہ ہر ایماندار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہے۔

اَصْلُ الْاُمَّةِ الطَّائِفَةُ الْمُجْتَمِعَةُ عَلَى الشَّيْءِ الْوَاحِدِ فَاُمَّةُ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمُ الْجَمَاعَةُ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالْاِقْرَارِ بِنُبُوَّتِهٖ [4]

۳۔ اس کی تائید حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکورہ ذیل ارشادات سے بھی ہوتی ہے:

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ [5]

وَرُوِيَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ [6]

۴۔ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [7] آل عمران: ۱۱۰۔ کے تحت تفسیر کبیر میں ہے کہ اس سے حکم سابق یعنی اس کی خیریت کی علت اور سبب کا بیان مقصود ہے، کیونکہ اصولِ فقہ میں یہ بات طے ہے کہ حکم کو اگر اس کے مناسب وصف کے ساتھ ذکر کیا جائے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف اس حکم کیلئے علت ہے، جیسے کہتے ہیں زید معزز آدمی ہے، لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور انہیں کپڑا پہناتا ہے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے، تو گویا زید کا معزز ہونا، اس کے کھانا کھلانے، کپڑا پہنانے اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنے کی بنا پر ہے، اگر یہ اوصاف نہ ہوں تو اسے یہ اعزاز حاصل نہ ہوگا، یہاں

---

[1] بقرۃ: ۱۸۳۔ [2] بقرۃ: ۱۷۸۔ [3] خازن، ج: ۱، ص: ۳۳۸۔ [4] تفسیر الخازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل، ۱/ ۲۸۵۔ [5] سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۱۶۷۔ [6] صحیح البخاری، باب کلام الرب عز وجل یوم القیامۃ مع الأنبیاء وغیرھم۔

Marfat.com

بھی اللہ تعالیٰ نے پہلے کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ [1] ارشاد فرما کر اس امت کے بہتر اور افضل ہونے کا حکم لگایا، اور اس کے متصل یہ تین اوصاف امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور ایمان باللہ، ذکر کیں، معلوم ہوا کہ اس امت کی افضلیت انہیں اوصاف کی مرہونِ منت ہے۔

وَلَفْظُهٗ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذَا كَلَامٌ مُسْتَأْنَفٌ وَالْمَقْصُوْدُ مِنْهُ بَيَانُ عِلَّةِ تِلْكَ الْخَيْرِيَّةِ كَمَا تَقُوْلُ زَيْدٌ يُطْعِمُ النَّاسَ وَيَكْسُوْهُمْ وَيَقُوْمُ بِمَصَالِحِهِمْ وَتَحْقِيْقُ الْكَلَامِ اَنَّهٗ ثَبَتَ فِيْ اُصُوْلِ الْفِقْهِ اَنَّ ذِكْرَ الْحُكْمِ مَقْرُوْنًا بِالْوَصْفِ الْمُنَاسِبِ لَهٗ يَدُلُّ عَلٰى كَوْنِ ذٰلِكَ الْحُكْمِ مُعَلَّلًا بِذٰلِكَ الْوَصْفِ فَهٰهُنَا حُكْمُهٗ تَعَالٰى بِثُبُوْتِ وَصْفِ الْخَيْرِيَّةِ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ ثُمَّ ذَكَرَ عَقِيْبَهٗ هٰذَا الْحُكْمَ وَهٰذِهِ الطَّاعَاتُ اَعْنِيْ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْاِيْمَانَ فَوَجَبَ كَوْنُ تِلْكَ الْخَيْرِيَّةِ مُعَلَّلَةً بِهٰذِهِ الْعِبَادَاتِ۔[2]

بلکہ تینوں اوصاف میں سے بنیادی اور حقیقی علتیں صرف پہلی دو ہیں یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر، کیونکہ ایمان باللہ تو تمام حق پرست امتوں میں مشترک ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سب پر فضیلت دی، ظاہر ہے کہ اس خیریت و فضیلت کا باعث ایمان باللہ تو نہیں ہوسکتا، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس خیریت کے حصول میں موثر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اسی بناء پر صفت ایمان کو موخر ذکر کیا ہے، البتہ ایمان باللہ اس موثر کی تاثیر کے لئے شرط ہے، جب تک یہ نہ ہو تو کوئی عمل اور عبادت بھی اس صفتِ خیریت میں موثر نہ ہوگی:

اَنَّ الْاِيْمَانَ بِاللّٰهِ اَمْرٌ مُشْتَرَكٌ فِيْهِ بَيْنَ جَمِيْعِ الْاُمَمِ الْمُحِقَّةِ ثُمَّ اَنَّهٗ تَعَالٰى فَضَّلَ هٰذِهِ الْاُمَّةَ عَلٰى سَائِرِ الْاُمَمِ الْمُحِقَّةِ فَيَمْتَنِعُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُؤَثِّرُ فِيْ حُصُوْلِ هٰذِهِ الزِّيَادَةِ هُوَ كَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَقْوٰى حَالًا فِي الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَمَّا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ فَهُوَ شَرْطٌ لِتَأْثِيْرِ هٰذَا الْمُؤَثِّرِ فِيْ هٰذَا الْحُكْمِ لِاَنَّهٗ مَالَمْ يُوْجَدِ

---

[1] آل عمران:۱۱۰۔ [2] تفسیر کبیر، ج:۸، ص:۱۹۱۔

Marfat.com

الْاِيْمَانُ لَمْ يَصِرْ شَيْءٌ مِنَ الطَّاعَاتِ مُؤَثِّرًا فِيْ صِفَةِ الْخَيْرِيَّةِ فَثَبَتَ اَنَّ الْمُوْجِبَ بِهٰذِهِ الْخَيْرِيَّةِ هُوَ كَوْنُهُمْ آمِرِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ نَاهِيْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَمَّا اِيْمَانُهُمْ فَذَاكَ شَرْطُ التَّاْثِيْرِ وَالْمُؤَثِّرُ اَلْصَقُ بِالْاَثَرِ مِنْ شَرْطِ التَّاْثِيْرِ فَلِهٰذَا السَّبَبِ قَدَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذِكْرَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ عَلٰى ذِكْرِ الْاِيْمَانِ۔[1]

۵۔ چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس پوری خیریت اور فضیلت کا باعث ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ودیگر اسلاف رحمہم اللہ نے اپنے اپنے انداز میں اس کی اہمیت بیان فرمائی ہے:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَمَرَ الْمَعْرُوْفَ وَنَهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ كَانَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ وَخَلِيْفَةُ رَسُوْلِهٖ وَخَلِيْفَةُ كِتَابِهٖ

''جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ اللہ کی زمین میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی کتاب کا نائب ہے''۔

۶۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. اَفْضَلُ الْجِهَادِ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ

افضل جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

۷۔ رَوَى الْحَسَنُ عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِئْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ تَعِيْشُوْا بِخَيْرٍ۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے خیریت کے ساتھ رہو گے''۔

۸۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ بِقَلْبِهٖ مَعْرُوْفًا وَلَمْ يُنْكِرْ مُنْكَرًا نُكِسَ وَجُعِلَ اَعْلَاهُ اَسْفَلَهٗ. وَعَنِ الثَّوْرِيِّ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ مُحَبَّبًا فِيْ جِيْرَانِهٖ مَحْمُوْدًا عِنْدَ اِخْوَانِهٖ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ مُدَاهِنٌ - (وَهٰذِهٖ كُلُّهَا فِي الْكَبِيْرِ)

---

[1] تفسیر کبیر، ج:۸، ص:۱۹۱۔

Marfat.com

۹۔ قرآن مجید کی دوسری آیت جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تمام مسلمانوں کے افراد سے متعلق ہونے کی دلیل ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ [1]

اس آیت میں بھی مذکورہ بالا اوصاف تمام مومنین کے بیان کئے گئے ہیں، بلکہ مومنات کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے، نیز اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، اللہ و رسول کی اطاعت، ان اوصاف کا تعلق تمام مومنین سے ہے، جس میں کچھ بھی خفا نہیں، ان کے قرینے سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا تعلق بھی تمام مومنین سے ہوگا نہ کہ صرف حکام سے:

۱۰۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [2]

اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جس کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں اور برائی سے روکیں، ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

۱۱۔ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۔ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ [3]

بنی اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت بھیجی گئی تھی، یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی تھی، اور وہ حد سے گزر جایا کرتے تھے، وہ جس بدی کا ارتکاب کرتے تھے، اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اُن

[1] التوبہ: ۷۱۔ [2] آل عمران: ۱۰۴۔ [3] المائدہ: ۷۸، ۷۹۔

Marfat.com

کا طرزِ عمل نہایت بُرا تھا۔

۱۲۔ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ [۱]

بیٹا! نماز قائم کرو، اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو، اور بُرائی سے روکو، اور تمہیں جو تکلیف پیش آئے اس پر صبر کرو، بے یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

قاعدہ

اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب اللہ ورسول سابقہ شرائع کو بغیر کسی انکار کے بیان فرمائیں، تو وہ ہمارے لئے بھی واجب العمل ہیں، کَمَا هُوَ مُقَرَّرٌ فِيْ كُتُبِ الْاُصُوْلِ۔

آیات کی طرح احادیث بھی عموم پر دال ہیں

۱۔ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ. وَفِي الْمِرْقَاةِ قَوْلُهٗ مِنْكُمْ اَيْ فِيْ غَيْرِهٖ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْخِطَابُ لِلصَّحَابَةِ اِصَالَةً وَلِغَيْرِهِمْ مِنَ الْاُمَّةِ تَبَعًا [۲]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم میں سے برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے، پس اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے، اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے (اس کو بُرا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

مرقات میں ہے کہ مِنْكُمْ کا مطلب ہے کہ جو شخص دوسرے مسلمان میں برائی دیکھے، اور یہ خطاب اصالۃً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے اور تبعاً ساری امت کو ہے۔

[۱] القمان: ۱۷۔ [۲] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، رقم الحدیث: ۵۱۲۷۔

Marfat.com

مرقات کی مذکورہ عبارت سے ایک تو اس فریضے کا عموم ثابت ہوا کہ تمام مسلمان اس کے اہل ہیں، ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تعلق صرف مومنین سے ہے، انہیں کو ہی نیکی کی ترغیب اور برائی سے روکا جائے گا، کیونکہ کفار تو شریعت کے فروعی احکام کے مکلّف ہی نہیں۔

۲۔ عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْلَيُوْشِكَنَّ اللهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ [1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم اور برائی سے روکتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا کوئی عذاب بھیج دیں، پھر تم دعا کرو گے تو قبول نہیں ہوگی۔

۳۔ كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهٗ اِلَّا اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهْیٌ عَنْ مُنْكَرٍ اَوْ ذِكْرُ اللهِ اَوْ كَمَا قَالَ

ابنِ آدم کا ہر کام اس کے لئے مضر ہے نہ کہ مفید، سوائے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ذکر اللہ کے۔

ان کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں۔

۴۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

اَنَّ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ عَلٰى وُجُوْهٍ اِنْ كَانَ يَعْلَمُ بِاَكْبَرِ رَأْيِهٖ اَنَّهٗ لَوْ اَمَرَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ يَقْبَلُوْنَ ذٰلِكَ وَيَمْتَنِعُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاجِبٌ عَلَيْهِ وَلَا يَسَعُهٗ تَرْكُهٗ وَلَوْ عَلِمَ بِاَكْبَرِ رَأْيِهٖ اَنَّهٗ لَوْ اَمَرَهُمْ بِذٰلِكَ قَذَفُوْهُ فَتَرْكُهٗ اَفْضَلُ

امر بالمعروف کی مختلف صورتیں ہیں، اگر آدمی کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر وہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرے گا تو وہ اس کو قبول کر لیں گے اور برائی سے رک جائیں گے تو امر بالمعروف اس پر

[1] رواہ الترمذی، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، رقم الحدیث: ۵۱۴۰۔

Marfat.com

واجب ہے، اور ترک کی اس کو گنجائش نہیں ہے، اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر وہ امر بالمعروف کرے گا تو وہ اس کو سب وشتم کریں گے تو ترک افضل ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ امر بالمعروف حکام کے ساتھ خاص نہیں، کیونکہ حکام کے ساتھ تو قذف وشتم کا معاملہ نہیں ہوتا۔

۵۔ شامی میں ہے:

لَوْ كَانَ مَعَ اِمْرَأَتِهٖ وَهُوَ يَزْنِيْ بِهَا اَوْمَعَ مَحْرَمِهٖ وَهُمَا مُطَاوِعَانِ قَتَلَهُمَا جَمِيْعًا مُطْلَقًا۔ لِاَنَّهٗ لَيْسَ مِنَ الْحَدِّ بَلْ مِنَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ قُلْتُ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ اَنَّ الْحَدَّ لَا يَلِيْهِ اِلَّا الْاِمَامُ

کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا محرم کے ساتھ کسی کو زنا کرتے دیکھے اور وہ دونوں اس پر راضی ہوں تو وہ دونوں کو قتل کردے، کیونکہ یہ حد نہیں بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کا امر بالمعروف ہونا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حد قائم کرنا تو صرف امام کا کام ہے۔

۶۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حکام کے ساتھ خاص نہ ہونے پر صراحت موجود ہے:

وَلَا يَخْتَصُّ ذٰلِكَ بِاَصْحَابِ الْوِلَايَاتِ بَلْ هُوَ ثَابِتٌ عَلٰى اٰحَادِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنَّ السَّلَفَ الصَّالِحَ كَانُوْا يَاْمُرُوْنَ الْوُلَاةَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ مَعَ تَقْرِيْرِ الْمُسْلِمِيْنَ اِيَّاهُمْ وَتَرْكِ تَوْبِيْخِهِمْ عَلَى التَّشَاغُلِ بِهٖ [1]

یعنی یہ فریضہ حکام کے ساتھ نہیں بلکہ مسلمانوں کے تمام افراد پر ثابت ہے، سلف صالحین حکام کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے تھے۔

---

[1] مرقاۃ، ج:۵، ص:۲۔

Marfat.com

جواب سوال نمبر ۲

فریضہ تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو علماء کیساتھ خاص کر لینا بھی درست نہیں، کیونکہ علماء کا کام راہِ حق بتانا اور سیدھا راستہ دکھانا ہے، پھر اس کے موافق عمل کرانے اور مخلوقِ خدا کو اس پر چلانے میں دوسرے لوگ بھی برابر کے شریک ہیں، بلکہ زیادہ تر یہی مکلّف ہیں، حدیث شریف میں ہے:

اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ فَالْاَمِيْرُ الَّذِىْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِىَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ [1]

خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے، اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے سوال ہوگا، پس وہ امیر جو لوگوں پر نگران ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا، اور مرد اپنے اہل خانہ پر نگران ہے، اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا، اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگران ہے، اس سے ان کے متعلق پوچھ ہوگی، غلام اپنے آقا کے مال پر نگران ہے، اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا، پس تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔

نیز علماء نے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے علم کو شرط قرار دیا ہے وہ بھی صرف ان افعال واقوال کے بارہ میں ہے، جو باریک قسم کے ہوں اور اجتہاد کے متعلق ہوں، لیکن واجباتِ ظاہرہ اور محرماتِ مشہورہ جیسے نماز، روزہ، زنا، شراب وغیر ذالک اس قسم کے جتنے احکام ہیں تو ان کو تمام مسلمان جانتے ہیں، لہٰذا ان جیسے امور میں یہ فریضہ ان پر ثابت ہوگا، چنانچہ مرقاۃ میں ہے:

---

[1] بخاری، باب الجمعۃ فی القری والمدن۔۔۔، رقم الحدیث: ۸۹۳۔

Marfat.com

ثُمَّ اِنَّهٗ اِنَّمَا يَأْمُرُ وَيَنْهٰى مَنْ كَانَ عَالِمًا بِمَا يَأْمُرُ بِهٖ وَيَنْهٰى عَنْهُ وَذٰلِكَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الشَّيْئِ فَاِنْ كَانَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ الظَّاهِرَةِ وَالْمُحَرَّمَاتِ الْمَشْهُوْرَةِ كَالصَّلٰوةِ وَالصِّيَامِ وَالزِّنَا وَالْخَمْرِ وَنَحْوِهَا فَكُلُّ الْمُسْلِمِيْنَ عَالِمٌ بِهَا وَاِنْ كَانَ مِنْ دَقَائِقِ الْاَفْعَالِ وَالْاَقْوَالِ وَ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْاِجْتِهَادِ فَلَمْ يَكُنْ لِلْعَوَامِ مُدْخَلٌ فِيْهِ لِاَنَّ اِنْكَارَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لِلْعُلَمَاءِ [1]

جواب سوال نمبر ۳

اگرچہ بعض نے ایسے شخص یعنی فاسق کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مجاز قرار نہیں دیا، لیکن اکثر علماء کے نزدیک یہ فریضہ اس کی طرف بھی متوجہ ہے، کیونکہ دو چیزیں الگ الگ واجب ہیں: (۱) خود نیکی پر چلنا، برائی سے بچنا (۲) دوسروں کو نیکی پر چلانا اور برائی سے بچانا۔ تو کسی بناء پر ایک واجب کے چھوٹ جانے کی وجہ سے دوسرا واجب کیونکر چھوڑا جاسکتا ہے؟ نہ تو ایک کا چھوٹنا دوسرے کے چھوڑنے کو مستلزم ہے اور نہ اس کے لئے مبیح ہے۔

۱۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے:

اَلْعُلَمَاءُ قَالُوْا الْفَاسِقُ لَهٗ اَنْ يَأْمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ لِاَنَّهٗ وَجَبَ عَلَيْهِ تَرْكُ ذٰلِكَ الْمُنْكَرِ وَوَجَبَ عَلَيْهِ النَّهْيُ عَنْ ذٰلِكَ الْمُنْكَرِ فَبِاَنَّ تَرْكَ اَحَدِ الْوَاجِبَيْنِ لَايَلْزَمُهٗ تَرْكُ الْوَاجِبِ الْاٰخَرِ۔ [2]

۲۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

وَفِي الْمَرْقَاةِ شَرْحُ الْمِشْكٰوةِ: وَلَا يُشْتَرَطُ فِي الْاٰمِرِ وَالنَّاهِيْ اَنْ يَّكُوْنَ كَامِلَ الْحَالِ مُمْتَثِلًا مَا يَأْمُرُ بِهٖ مُجْتَنِبًا مَّا يَنْهٰى عَنْهُ بَلْ يَجِبُ عَلَيْهِ مُطْلَقًا لِاَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ شَيْئَانِ اَنْ يَّاْمُرَ نَفْسَهٗ وَيَنْهَاهَا وَيَأْمُرَ غَيْرَهٗ وَيَنْهَاهُ فَاِذَا اَخَلَّ بِاَحَدِهِمَا كَيْفَ

---

[1] مرقاۃ، ج:۵، ص:۳۰۔ [2] تفسیر کبیر، ج:۸، ص:۱۷۹۔

Marfat.com

يُبَاحُ لَهُ الْإِخْلَالُ بِالْآخَرِ؟ [1]

۳۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

وَقَرِيْبٌ مِنْ هٰذَا فِي الْهِنْدِيَّةِ ۔ [2]

۴۔ اسی مضمون کی تصریح حدیث میں بھی موجود ہے:

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَا نَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ حَتّٰى نَعْمَلَ بِهٖ كُلِّهٖ وَلَا نَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى نَجْتَنِبَهٗ كُلَّهٗ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَاِنْ لَّمْ تَعْمَلُوْا بِهٖ كُلِّهٖ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاِنْ لَّمْ تَجْتَنِبُوْهُ كُلَّهٗ اَوْ كَمَا قَالَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک کہ خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک کہ خود تمام برائیوں سے نہ بچیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔

۴۔ تفسیر کبیر میں ہے:

عَنِ السَّلَفِ مُرُوْا بِالْخَيْرِ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کہ بھلائی کا حکم کرو اگرچہ خود نہ کرسکو۔

۵۔ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّهٗ سَمِعَ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ لَا اَقُوْلُ مَالَا اَفْعَلُ فَقَالَ وَاَيُّنَا يَفْعَلُ مَا يَقُوْلُ؟ وَدَّ الشَّيْطَانُ لَوْ ظَفَرَ بِهٰذِهِ الْكَلِمَةِ مِنْكُمْ فَلَا يَاْمُرُ اَحَدٌ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا يَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ [3]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے

[1] ج:۵،ص:۳۰۔ [2] فتاوی ہندیہ، ج۴،ص:۱۱۱۔ [3] تفسیر کبیر، ج:۸،ص:۱۷۹۔

Marfat.com

(میں ایسی بات نہیں کہتا جس پر میں عمل نہیں کرتا) سن کر ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے کون ہے جو اپنی ہر کہی ہوئی بات پر عمل کرتا ہو، شیطان پسند کرتا ہے کہ کاش وہ تمہاری اس بات میں کامیاب ہوجائے، پھر نہ کوئی امر بالمعروف کرے اور نہ نہی عن المنکر۔

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ خود عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یا بے عملی میں کوئی حرج نہیں، عمل بہر حال ضروری ہے، دوسروں کو امر و نہی کرتے ہوئے اپنے سے غافل نہ رہو، بلکہ جس قدر دوسروں کی اصلاح کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی حدیثوں میں بہت زیادہ اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرتا پھرے اور خود مبتلائے معاصی رہے۔

قرآن مجید میں ہے: اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ الآية [1] ’’کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا، اور بھولتے ہو اپنے آپ کو‘‘۔

بہر کیف اپنی طرف سے پوری کوشش کر کے عمل کرتا رہے، اپنے اختیار سے عمل میں کوئی کمی نہ آنے دے، لیکن اگر سستی یا کسی عذر کی بناء پر ایک بات پر خود عمل نہیں کر سکا تو دوسروں کو اس کی دعوت دینے سے نہ ہچکچائے، یہی دعوت خود اس کو عمل پر ڈالنے کا پیش خیمہ بنے گی، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

الحاصل: مذکورہ بالا دلائل قویہ صحیحہ سے محقق ہو گیا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کا فریضہ علی الاطلاق ہے نہ حکام کے ساتھ خاص ہے، نہ علماء سے اور نہ متقین سے، بلکہ مسلمانوں کے تمام افراد اس کے مکلّف ہیں۔

بندہ عبد الرحمان عفی عنہ

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

(سابق رئیس دار الافتاء جامعہ خیر المدارس، ملتان)

---

[1] البقرة: ۴۴۔

Marfat.com

عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام

عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق اہلِ حق کا اجماعی عقیدہ

اہلِ حق کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں، صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں، قصداً وارادۃً ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں، اگر قصداً ان سے حکمِ الٰہی کی مخالفت ممکن ہوتی تو حق جل شانہ مخلوق کو ان کی بے چوں وچرا اطاعت اور متابعت کا حکم نہ دیتا اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت نہ قرار دیتا اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا نہ قرار دیتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [1]

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ [2]

''تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے''۔

اور ظاہر ہے کہ یہ اتباعِ نبوی اور اقتداءِ مطلق کا حکم جو آیات قرآنیہ سے ثابت ہے وہ کسی خاص امر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عقائد سے لیکر اعمال تک کوئی عقیدہ اور کوئی خلق اور کوئی حال اور کوئی عمل کیوں نہ ہو، سب میں اقتداءِ نبوی ضروری ہے، جیسا کہ مقتضائے اطلاق یہی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات بابرکات، قدسی صفات اور ملکی سمات ہوتی ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام کی اصل فطرت وہی ہوتی ہے جو ملائکہ کی ہوتی ہے، فطرت کے اعتبار سے انبیاء اور ملائکہ ایک ہوتے ہیں، فرق فقط لباسِ بشری کا ہوتا ہے اور عصمت ملائکہ کا خاصہ لازمہ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ اس پر شاہد

---

[1] النساء:۸۰۔ [2] الفتح:۱۰۔

Marfat.com

عدل ہے، ابلیس لعین اسی وجہ سے ملعون اور مطرود ہوا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت اور برتری کو تسلیم نہیں کیا، جس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام ملائکہ معصومین سے افضل اور برتر ہیں اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم، معصوم سے افضل نہیں ہوسکتا۔

المیہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت اور ادب و احترام کا مسئلہ جتنا اہم ہے اور ضروریات دین میں سے ہے اور مدار دین وایمان ہے، اتنا ہی لوگ اس سے غفلت برت رہے ہیں، حتیٰ کہ بعض خواص اور ذی علم اشخاص تک اس مسئلے کی اہمیت کے کما حقہ احساس سے عاری ہیں، بلکہ وہ اس مسئلے کو ایسے انداز میں پیش کر رہے ہیں گویا یہ اسلام کا کوئی بنیادی مسئلہ ہے ہی نہیں، جس سے اہل اسلام کے عقائد کو نقصان پہنچ رہا ہے، اس لئے یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت اور ادب و احترام کے مسئلہ پر قرآن و حدیث اور علوم دینیہ کی روشنی میں نہایت محققانہ اور ناقدانہ بحث کی جائے اور مسلمانوں خصوصاً ہمارے تعلیمی اداروں کی نئی پود پر اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کو خوب اُجاگر کیا جائے اور ان کی صحیح رہنمائی کی جائے۔

عصمت کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ

لغت عربی میں عصمت کے معنی امساک یعنی بندش اور روکنے کے ہیں مگر اصطلاحی اور شرعی اعتبار سے اس کے مفہوم میں دو چیزیں شامل ہیں:

(الف) یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام فطرتِ سلیمہ اور جبلتِ نفیسہ و مطہّرہ پر پیدا ہوئے، جس علیم و حکیم نے انہیں اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے منتخب فرمایا، اسی نے ان کے قوائے بشریہ کو قوائے ملکیہ کے تابع کر دیا تھا جس سے ان کا نفس ان کو بے جا خواہشوں اور اللہ کی نافرمانی کی طرف ابھار سکتا تھا، نہ بشریت کے ظلمات ان پر غالب آسکتے تھے، انہیں اپنی قوت نظریہ اور قوت عملیہ دونوں میں عصمت حاصل تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی بشری قوتیں سلب کر لی گئی تھیں اور انہیں معاصی پر سرے سے قدرت حاصل ہی نہیں تھی، بلکہ قدرت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے طبائع میں ایک ایسا ملکہ ودیعت فرمایا تھا جس کی بدولت وہ معاصی سے کلی طور پر

Marfat.com

مجتنب رہتے تھے۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اس مقصد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"عصمت ایک ایسا ملکہ ہے جو پیغمبر کو قدرت کے باوجود معاصی سے روکتا ہے"۔

(ب) عصمت کے مفہوم میں دوسری چیز یہ شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے معاصی سے ان کی عصمت اور حفاظت فرمائی ہے۔

گویا کہ عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہوں، اور نفس اور شیطان یہی دو چیزیں مادۂ معصیت ہیں اور مادۂ معصیت سے پاک ہونے کا نام عصمت ہے۔

معصوم کسے کہتے ہیں؟

معصوم وہ شخص ہے جو اپنے تمام اعتقادات و نیّات، ارادات و مقامات، اخلاق و عادات، عبادات و معاملات اور اقوال و افعال میں نفس اور شیطان کی مداخلت سے محفوظ ہو، اور حفاظت غیبی اس کی محافظ اور نگہبان ہو کہ اُس سے کوئی ایسی شیٔ سرزد نہ ہو جائے کہ اُس کے دامنِ عصمت کو آلودہ کر سکے، حق جلّ شانہٗ کی نظر عنایت اور فرشتوں کی محافظت ان کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہو، جو کشاں کشاں ان کو راہ راست پر چلاتی ہو اور خلافِ حق کے میلان سے بھی اُن کے لئے مانع ہو۔

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کو مرتضیٰ، مصطفین الاخیار اور عباد مخلصین فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ عِبَادَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ. اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ. وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ [1]

جس سے من کل الوجوہ ارتضاء، اصطفاء اور اخلاص کامل مراد ہے اور مخلص وہ ہے کہ جو خالص اللہ کا ہو، غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو، یعنی مادۂ شیطانی سے بالکلیہ پاک ہو، لہٰذا ضروری ہوا کہ نبی صغائر اور کبائر دونوں سے

[1] ص: ۴۵، ۴۶، ۴۷۔

Marfat.com

معصوم ہو، اس لئے کہ مادۂ شیطانیہ ہی صغائر اور کبائر کا منشاء ہے اور حق جل شانہٗ کے اس ارشاد اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ [1] میں لفظِ مِنْ بیانیہ ہے اور لفظِ رَسُوْلٍ نکرہ لایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ ہر رسول کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور برگزیدہ بندہ ہو، یعنی تمام اخلاق و عادات، افعال و ملکات اور احوال و مقامات میں مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہ حق تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہو اور بلا شرکت غیرے خالص اللہ کا بندہ ہو۔

اور ظاہر ہے کہ ان آیات میں بعض وجوہ سے پسندیدگی مراد نہیں اس لئے کہ بعض وجوہ سے تو ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اصطفاء، اجتباء اور ارتضاء سے من کل الوجوہ پسندیدگی اور برگزیدگی مراد ہے، اور من کل الوجوہ پاک وصاف، اللہ کا پسندیدہ اور بلا شرکت غیر خالص حق تعالیٰ کا بندہ وہی ہوسکتا ہے جس کا ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی بندگی اور اطاعت سے بالکلیہ پاک ہو اور اسی مادۂ معصیت سے بالکلیہ طہارت اور نزاہت کا نام عصمت ہے۔

عصمت کا ماحصل

اصطفاء اور ارتضاء باب افتعال کے مصدر ہیں جو اپنے لئے ہوتا ہے، اس قاعدہ لغویہ کی بناء پر اصطفاء اور ارتضاء کے معنٰی اپنے لئے پسندیدہ اور برگزیدہ بنانے کے ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ [2] پس عصمت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام تمام اخلاق و ملکات، عادات و حالات، اقوال و افعال اور عبادات و معاملات میں سرتا پا پسندیدۂ خداوندی اور برگزیدۂ ایزدی ہوتے ہیں اور ظاہراً اور باطناً دخل شیطانی اور عوارض نفسانی سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی عنایت ربّانی وحمایت یزدانی سے علیحدہ نہیں ہوتے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بے چوں وچرا اطاعت فرض ہے اور اُن کا ہر قول اور ہر فعل قابلِ قبول ہے اور اُن کی اطاعت سے انحراف شقاوتِ ابدی اور خسرانِ دارین کا موجب ہے۔

---

[1] الجن: ۲۷۔ [2] طٰہٰ: ۴۱۔

Marfat.com

ایک عمدہ مثال

حضرات انبیاء کرام سے اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت کوئی لغزش بطور سہو ونسیان صادر ہو جاتی ہے تو وہ باہر سے آتی ہے اندر سے نہیں آتی۔ جیسے گرم پانی میں حرارت خارجی اثر سے آتی ہے، باقی پانی میں مادۂ حرارت کا نام ونشان نہیں، پانی کی طبیعت میں سوائے برودت کے کچھ بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ پانی کتنا ہی گرم ہو اگر آگ پر ڈال دیا جائے تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے، اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا باطن مادۂ معصیت (نفس وشیطان) سے بالکل پاک ہوتا ہے، البتہ کبھی خارجی اثر سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے لیکن فوراً ہی دستِ قدرت اُس باہر سے آئے ہوئے غبار کو چہرۂ عصمت سے صاف کر دیتا ہے اور چہرۂ نبوت پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہو جاتا ہے، سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں حق جل شانہٗ کا ارشاد

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ [1]

"(اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے خالص بندوں کے ساتھ) ایسا ہی ہوتا ہے تاکہ (یوسف علیہ السلام) سے برائی اور بے حیائی (یعنی صغیرہ اور کبیرہ) سے دور رکھیں، کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے"۔

اسی طرف مشیر ہے، کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ فرمایا کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ سوء اور فحشاء کو یوسف علیہ السلام سے دور رکھیں اور یہ نہیں فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو سوء اور فحشاء سے دور رکھیں، پھیرنا، ہٹانا اور دور رکھنا اُس کے حق میں ہوتا ہے جو آنا چاہتا ہو، معلوم ہوا کہ سوء اور فحشاء حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف آنا چاہتا تھا، جس کو حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی طرف آنے سے روک دیا۔

معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام تو سوء والفحشاء سے بھاگ رہے تھے مگر سوء اور فحشاء اُن کے پیچھے لگا ہوا تھا جس کو دستِ قدرت نے دھکے دیدیئے اور یوسف علیہ السلام کو بالکل بچا لیا، کیونکہ یوسف علیہ السلام تو خالص اللہ کے بندے تھے، اُن کا قلب مادۂ معصیت سوء اور فحشاء سے بالکلیہ پاک تھا، زلیخا کی طرف سے یہ سوء اور فحشاء چلا مگر حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت نے اس کو اللہ کے مخلص اور برگزیدہ بندہ تک پہنچنے نہ دیا۔

---

[1] الیوسف: ۲۴۔

Marfat.com

فائدہ

خارجی اثر کی بناء پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بطریقِ سہو ونسیان جو لغزش ہو جاتی ہے تو محض صورت کے اعتبار سے اس پر عصیان یا معصیت کا اطلاق ہو جاتا ہے یا اُن کے مقامِ عالی اور مرتبہ علیا کے لحاظ سے اس کو عصیان کہہ دیا جاتا ہے۔

عصیان اور معصیت کے معنی

عصیان اور معصیت (گناہ) مطلق مخالفتِ حکم کا نام نہیں، بلکہ معصیت اس مخالفت کو کہتے ہیں جو عملاً اور قصداً ہو، بوجہ نسیان اور غلطی نہ ہو۔ اَلْعِصْیَانُ اِتْیَانُ الذَّنْبِ عَمَدًا ''عصیان اس گناہ کو کہتے ہیں جو قصداً کیا جائے''۔

اور عاصی کی تعریف یہ ہے:

مَنْ اَتَی الْکَبَائِرَ عَمَدًا طَائِعًا جو قصد ورغبت کے ساتھ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے۔

مثلاً: ماہ رمضان میں قصداً روزہ توڑنا گناہ کبیرہ ہے اور اس سے کفارہ یعنی ساٹھ روزے پے در پے رکھنا لازم آتا ہے، اور روزے کی قضا بھی، لیکن اگر قصد ونیت کے بغیر سہو ونسیان سے کھا پی لیا تو اس سے نہ روزے کی قضا لازم آتی ہے نہ کفارہ، کیونکہ سہو ونسیان سے روزہ توڑنا گناہ کبیرہ تو کجا، گناہ صغیرہ بھی نہیں، اور اس صورت میں روزہ توڑنے والا نہ گنہگار ہے نہ قابل مواخذہ، اسی طرح ناحق قتل گناہ کبیرہ اور قصاص کو واجب کرتا ہے لیکن قتل خطا میں قاتل سے قصاص معاف ہے، البتہ دیت دینا لازم آتا ہے، اور اس میں کچھ مصالح ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، جب گناہ کبیرہ کا یہ حال ہے تو گناہ صغیرہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ قصد وارادے کے بغیر صادر ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ مطلق مخالفت کا نام معصیت نہیں بلکہ معصیت اُس مخالفت کو کہتے ہیں جو عمداً ہو، اور جو مخالفت سہو اور نسیان کی بناء پر ظہور میں آئے یا بتقاضائے عظمت یا بتقاضائے محبت کوئی مخالفت سرزد ہو جائے تو اس کو معصیت اور گناہ نہیں کہتے بلکہ اس کو زَلّت اور لغزش کہتے ہیں۔

Marfat.com

زَلَّتْ کی تعریف

اَلزَّلَّۃُ اِسْتِرْسَالُ الرِّجْلِ مِنْ غَیْرِ قَصْدٍ ''زلت لغت میں بے اختیار پاؤں پھسلنے کو کہتے ہیں''۔

زَلَّتْ کی اس تعریف سے واضح ہوا کہ زلت سہواً یا عمداً گناہ صغیرہ وکبیرہ کا نام نہیں، کیونکہ باتفاق علمائے امت یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کبائر وصغائر قصداً یا سہواً صادر نہیں ہوتے۔

علمائے اصول نے زَلَّتْ کا مفہوم سمجھانے کے لئے کئی باتیں کی ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ زلت یعنی لغزش اپنے اختیار سے نہیں ہوتی۔

۲۔ دوسری یہ کہ صاحبِ لغزش کے لئے لغزش مقصود اصلی نہیں ہوتی۔

۳۔ تیسری یہ کہ صاحبِ لغزش ایک مباح فعل کا قصد کرتا ہے مگر بے اختیار ایک ترک اولیٰ فعل میں واقع ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھی یہ کہ صاحب لغزش کو اس فعل کا غیر مباح ہونا پہلے سے معلوم نہیں ہوتا جس میں بے اختیار واقع ہو گیا ہے۔

۵۔ پانچویں یہ کہ لغزش کے بعد وہ اس حالت میں قائم نہیں رہتا اور فوراً متنبہ ہو کر سنبھل جاتا، اور اس حالت سے الگ ہو جاتا ہے۔ زلت کے اس دقیق مفہوم کو علماءِ اصول نے "زَلَّۃُ الْمَاشِیْ فِی الطِّیْنِ" سے مشابہت دی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھا لینے کا واقعہ اور عصمت

حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھا لینا بھول چوک کی بناء پر تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا [1] حضرت آدم علیہ السلام حق جل شانہٗ کی ممانعت لَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ [2] کو بھی بھول گئے اور شیطان کی عداوت سے بھی ذہول ہو گیا، اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد اِنَّہٗ عَدُوٌّ لَّکُمَا فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ

---

[1] طٰہٰ: ۱۱۵۔ [2] البقرۃ: ۳۵۔

Marfat.com

فَتَشْقٰی [۱] یہ بھی یاد نہ رہا، سو یہ ماجرا بھولے سے ہوگیا اور بھول چوک کو گناہ اور جرم قرار دینا سراسر غلط ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حواء دونوں جنت پر شیدا اور فریفتہ تھے، اس لئے ابلیس کی قسم سے دھوکہ میں آگئے اور یہ سمجھے کہ اللہ کا نام لیکر کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا، نیز حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کو کھالینا بتقاضائے محبت خداوندی تھا، خلود اور قربِ خداوندی کے شوق میں تھا، جیسا کہ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ [۲] اس پر دلالت کرتا ہے، نیز بتقضائے عظمت بھی تھا، اس لئے کہ جب شیطان نے یہ قسم کھائی وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ [۳] تو حضرت آدم علیہ السلام کو یہ شبہ بھی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر کوئی جھوٹ بولے گا، وہ یہ سمجھے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔

پس معلوم ہوگیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ فعل بارادۂ مخالفت نہ تھا اور نہ بتقاضائے ہوائے نفسانی تھا، بلکہ بتقاضائے محبت وعظمتِ خداوندی تھا، لہٰذا اس کو معصیت اور گناہ نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ از قسم زلت ولغزش ہے، یعنی ارادہ تو اطاعت اور قربِ خداوندی کا تھا مگر دشمن نے ایسا دھوکہ دیا کہ قدم پھسل کر دوسری جانب جا پڑا، اسی کو لغزش کہتے ہیں، قرآن کریم میں فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ [۴] اور فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ [۵] میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ لغزش تھی جو بھولے سے ہوگئی، ارادہ نافرمانی کا نہ تھا۔

پس جن آیات قرآنیہ میں اس فعل پر معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے وہ محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں، یا ان کے مقامِ بلند اور رتبہ عالیہ کی نسبت سے اس کا نام عصیان رکھا گیا۔ [۶]

اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں ترکِ اولیٰ ایسا ہے جیسا کہ دوسروں کے حق میں خطاء۔ [۷]

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی خطاء کا معنیٰ

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی خطاء کے معنی یہ ہیں کہ افضل اور اولیٰ سے چوک گئے اور بھولے سے غیر اولیٰ اور غیر افضل کے مرتکب ہوئے، اور اوروں کی خطاء کے معنیٰ یہ ہیں کہ حق اور ہدایت سے چوک گئے اور باطل اور

---

[۱] طٰہٰ: ۱۱۷۔ [۲] اعراف: ۲۰۔ [۳] اعراف: ۲۱۔ [۴] اعراف: ۲۲۔ [۵] بقرۃ: ۳۶۔ [۶] مباحثہ شاہجہان پور، ص: ۳۷۔ [۷] حاشیہ ملا عبد الحکیم علی الخیالی، ص: ۲۶۱۔

Marfat.com

ضلالت میں مبتلا ہو گئے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باجماعِ امت ایسی خطاء سے معصوم ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام کی خطاءِ اجتہادی کے یہ معنی ہیں کہ کسی وقت بھول چوک سے اولیٰ و افضل کے بجائے خلافِ اولیٰ امر اُن سے صادر ہو جاتا ہے، اور بجائے عزیمت کے رخصت پر عمل کر لیتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی زَلّت اور لغزش کو اس معنی پر محمول کرنا چاہئے اور یہ معلوم رہنا چاہئے اگر بالفرض والتقدیر انبیاء کرام علیہم السلام معاذ اللہ ہماری طرح اسیر حرص وشہوت ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم پر ان کی بے چوں و چرا اطاعت اور متابعت فرض نہ کرتا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خلاصہ موجودات اور زبدۂ کائنات ہیں، کو انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتداء کا حکم نہ دیتا اور یہ ارشاد نہ فرماتا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ [1]

نبوت سے پہلے

ابوشکور سالمی ''تمہید'' میں لکھتے ہیں:

''نبی وحی اور ظہورِ نبوت سے پہلے لوگوں کے نزدیک ولی ہوتا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی ہوتا ہے، اور اس کیلئے نبوت کے ظہور سے پہلے کرامت کا اثبات جائز ہے''۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ القصص کی آیت ۵۱ کی تشریح کرتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو قبل از نبوت الہام بھی ہوتا ہے اور وہ ولی ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قبطی کے نادانستہ قتل کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''انبیاء کرام علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک وصاف اور ان کی استعداد اِس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے ذرّہ ذرّہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی تقصیرات کا اعتراف کر کے معافی چاہی جو دے دی گئی اور غالباً اس معافی کا علم ان کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہوگا، آخر پیغمبر لوگ نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں''۔

---

[1] کذا فی المعتمد فی المعتقد للتوربشتی۔

Marfat.com

قبل از نبوت ارہاصات کا ظہور

علامہ سیالکوٹی ارہاص کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''ارہاصات ارہاص کی جمع ہے اور ارہاص وہ خارق عادت فعل ہے جو نبی کی بعثت سے پہلے ظہور پذیر ہوتا ہے، ارہاص دیوار کی بنیاد رکھنے کو کہتے ہیں اور قبل از نبوت نبی کی کرامت کو اس لئے ارہاص کہتے ہیں کہ یہ نبوت کی دیوار کے لئے بنیاد کا کام دیتا ہے''۔

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے بلندی اخلاق اور پاکیزگی وتقویٰ کے لحاظ سے ایک منفرد اور ممتاز مقام پر فائز ہوتے ہیں، چنانچہ صاحب تمہید لکھتے ہیں:

قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ قَبْلَ الْوَحْيِ كَانُوْا اَنْبِيَاءَ مَعْصُوْمِيْنَ وَاجِبَ الْعِصْمَةِ

''انبیاء کرام علیہم السلام نزولِ وحی سے پہلے بھی انبیاء اور معصوم اور واجب العصمت تھے''۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں عصمت کا اعتقاد

امام اہلِ سنت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ ''المعتمد فی المعتقد'' میں عصمتِ انبیاء کے بارے میں فرماتے ہیں:

فکر ونظر کا تقاضہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں عصمت کا واجب ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو ملائکہ کے حق میں ہے، کیونکہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی متابعت پر مامور ہیں، ملائکہ کی متابعت پر مامور نہیں۔[1]

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی اس قسم کی ایمان افروز تصریحات سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کی عصمت سے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کا درجہ بلند ہے، کیونکہ ان کی متابعت پر لوگ مامور ہیں اور ملائکہ کی متابعت واطاعت پر مامور نہیں اور یہ متابعت انبیاء علیہم السلام کے تمام اقوال وافعال میں واجب ہے، الا یہ کہ شریعت سے ان کے کسی قول وفعل کا غیر

---

[1] المعتمد فی المعتقد للتوربشتی۔

Marfat.com

مقتدا ہونا معلوم ہو جائے، اور اقوال و افعال میں متابعت تب واجب ہوگی کہ وہ ہر قسم کے معاصی کی آمیزش سے پاک ہوں، کیونکہ گناہوں سے غیر محفوظ شخص کی زندگی اور اقوال و افعال لوگوں کے لئے واجب الاتباع نہیں ہو سکتے، امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اساس پر عصمت انبیاء علیہم السلام کو عصمت ملائکہ پر فوقیت دی ہے۔

سوال

اہلِ حق کے ہاں پیغمبر معصوم ہیں صغیرہ سے بھی کبیرہ سے بھی، پھر سورۃ المؤمن میں یہ کیوں کہا وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ اور حدیث میں کیوں آتا ہے کہ میں ستر دفعہ اور ایک حدیث میں سو دفعہ ہے، استغفار کرتا ہوں، تو جب معصوم ہیں تو یہ استغفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں کیا؟

جواب

جواب یہ ہے کہ یہاں گناہ صغیرہ و کبیرہ مراد نہیں، بلکہ وہ زلۃ (زَلّت بمعنی لغزش، فتح زاء کے ساتھ ہے، جس کے معنی بلا ارادہ اور اختیار قدم پھسل جانے کے ہیں، یہ لفظ زا کے ساتھ ہے، ذال کے ساتھ نہیں، ذال کے ساتھ لفظ ذِلّت بکسر ذال ہے جو عزت کی ضد ہے) مراد ہے جس کو رائے کی اجتہادی غلطی کہتے ہیں، جیسے بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ کی رائے تھی، عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھانے میں آپ کی ایک رائے تھی، شہید کی حرمت کے بارے میں آپ کی ایک رائے تھی، لیکن جتنا مقام بلند ہوتا ہے اتنی پابندی زیادہ ہوتی ہے۔

صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> یہاں ذنب سے مراد ترکِ اولیٰ ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام عالی کے اعتبار سے وہ ذنب ہے اگرچہ حقیقت میں ذنب (گناہ) نہیں، اس قبیل سے ہے کہ نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں، یا وہ امر مراد ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نظر میں ذنب سمجھتے تھے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقت میں نہ گناہ تھا اور نہ خلاف اولیٰ۔ [1]

---

[1] روح المعانی، ج:۲۶، ص:۹۱۔

Marfat.com

نکتہ

اثم اور ذنب کے معنوں میں فرق ہے اس طور پر کہ ذنب مطلق جرم ہے، خواہ وہ قصداً صادر ہو یا سہواً، برخلاف اثم کے، کیونکہ اس کا فاعل عذاب کا مستحق ہوتا ہے، پس یہ قصد کے ساتھ مخصوص ہے، اور حنث ذنب سے زیادہ بلیغ ہے اور حنث کا اطلاق کبیرہ پر، اور جرم کا اطلاق صرف شدید گناہ پر ہوتا ہے۔

استغفار کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث جس کو امام شعرانی نے اپنی تشریح کے ساتھ نقل کیا ہے:

إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ فَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ تَعَالٰى فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً، وَإِنَّ الْمُرَادَ بِذَالِكَ أَنَّهُ كَانَ دَائِمَ التَّرَقِّيْ فَكَانَ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مِنْ كُلِّ مَقَامٍ تَرَقّٰى عَنْهُ فَإِنَّهُ ثَمَّ مَقَامٌ رَفِيْعٌ وَّمَقَامٌ أَرْفَعُ [1]

''میرے دل پر رقیق ابر جیسا آجاتا ہے پس میں دن رات میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں''۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اور ہر آن ترقی کرتے جاتے تھے، پس آپ ہر اس مقام سے استغفار کرتے تھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترقی فرماتے کیونکہ بلند مقام سے بلند ترین مقام کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عروج جاری رہتا تھا''۔

اس کا ایک مطلب یہ لیتے ہیں کہ جو اجتہادی غلطیاں تھیں ان پر استغفار کی، اور ایک مطلب یہ ہے کہ تعلیماً استغفار کرتے تھے تاکہ امت کے لئے تعلیم ہو۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب واحترام

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کے ساتھ ساتھ ان کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، سارے کے سارے انبیاء برحق، سچے اور برگزیدہ ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' میں فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ، رقم الحدیث: ۲۷۰۲۔

Marfat.com

وَالْحُكْمُ فِي سَبِّ سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ كَالْحُكْمِ فِي سَبِّ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ [1]

''تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سوءادبی کا حکم وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوءِ ادبی کا ہے''۔

اور حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے:

وَحُكِيَ عَنْ بَعْضِ الْمُنَافِقِيْنَ اَنَّهٗ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ لَا يَقْرَءُ اِلَّا سُوْرَةَ عَبَسَ لِمَا فِيْهَا مِنَ الْعِتَابِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَمَّ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَتْلَهٗ وَرَاٰى فِعْلَهٗ حَرَامًا لِّمَا فِيْهِ مِنَ الْاِضْلَالِ [2]

''ایک منافق کی حکایت کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کی امامت کرتا تھا اور وہ ہمیشہ سورۂ عبس کے سوا کچھ نہیں پڑھا کرتا تھا، کیونکہ اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب باری کی طرف سے عتاب ہے، پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کے قتل کا قصد کیا اور اس کے اس فعل کو حرام (بمعنی کفر) سمجھا کیونکہ یہ لوگوں کے گمراہ کرنے کا ذریعہ بنتا تھا''۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کے بارے میں من گھڑت روایات

حضرت داوٗد علیہ السلام کے بارے میں ایک من گھڑت قصہ مشہور ہے، جس کو اسلام نے بیان کرنے کی ممانعت کی ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان فرمایا تھا:

مَنْ حَدَّثَكُمْ بِحَدِيْثِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى مَا يَقُصُّهُ الْقُصَّاصُ جَلَدْتُّهٗ مِائَةً وَّسِتِّيْنَ جَلْدَةً وَهُوَ حَدُّ الْفِرْيَةِ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ [3]

''جو شخص حضرت داوٗد علیہ السلام کے بارے میں وہ قصہ بیان کرے گا جسے قصہ گو لوگ بیان کرتے ہیں تو میں اس کو ایک سو ساٹھ درے ماروں گا، جو انبیاء علیہم السلام پر بہتان باندھنے کی سزا ہے''۔

---

[1] الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ص:۵۶۵۔ [2] عقائد نظامیہ، ص:۵۷۔ [3] مدارک التنزیل، ج:۲، ص:۲۹، روح المعانی، ج:۲۳، ص:۱۸۵۔

Marfat.com

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

حضرت یونس علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں، وہ اپنی قوم کو مدت مدید تک تبلیغ اور احکامِ الٰہی پہنچاتے رہے، مگر جب قوم ایمان نہ لائی تو انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تین دن کے بعد عذاب آنے کی وعید سنائی، پھر عذاب کے آخری دن سے پہلے اپنی قوم سے نکل گئے، اس خیال سے کہ جب عذابِ خداوندی لازمی آنے والا ہے تو اب قوم کو میری موجودگی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

الغرض حضرت یونس علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی قسم کا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا تھا اور جو کچھ صادر ہوا تھا وہ صرف یہ تھا کہ قوم کو وعیدِ عذاب سنانے کے بعد دلیل قطعی سے معلوم نہ ہونے کی بناء پر اپنے ظن واجتہاد سے کام لے کر قوم سے ہجرت فرما گئے۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ ان کے مخصوص پیغمبرانہ مقام کی وجہ سے تھا، اگرچہ انہوں نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جس کو گناہ اور معصیت کہا جاتا ہے، اور کسی پیغمبر سے اس کا امکان نہیں کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں، لیکن پیغمبر کے مقامِ بلند کے مناسب نہ تھا کہ کسی جگہ بغیر اِذن خداوندی منتقل ہوجائیں، اس خلافِ شان عمل پر بطور عتاب یہ معاملہ کیا گیا''۔

حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں قرار پکڑا تو یہ خیال کیا کہ میں مرگیا ہوں، پھر اپنے سر، پاؤں اور جسم کے دوسرے حصوں کو ہلایا تو معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں، پھر وہ بطن الحوت میں کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی اور ان کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی:

يَا رَبِّ! اِتَّخَذْتُ لَكَ مَسْجِدًا فِيْ مَوْضِعٍ لَمْ يَبْلُغْهُ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ [1]

[1] ابن کثیر، سورۃ الصّفّت، ج:۱، ص:۴۰۔

Marfat.com

''میرے ربّ! میں نے تیرے لئے ایک ایسی جگہ مسجد بنائی جس تک بندوں میں سے کوئی نہیں پہنچ سکا ہے''۔

متعلقات عصمت

امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ عصمت کا تعلق چار چیزوں سے ہے اوّل عقائد، دوم تبلیغ احکام، سوم فتوی اور اجتہادات، چہارم افعال وعادات وسیرت وکردار۔

قسم اوّل عقائد

عقائد کے متعلق اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ابتداء ہی سے توحید اور ایمان پر مفطور ہوتے ہیں، جب سے پیدا ہوتے ہیں اسی وقت سے ان کے قلوب کفر اور شرک سے پاک اور منزہ اور ایقان وعرفان سے لبریز ہوتے ہیں اور ان کے مبارک چہرے معرفت اور قرب الٰہی کے انوار وتجلیات سے ہر وقت جگمگاتے رہتے ہیں، آج تک کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوا کہ حق جل شانہٗ نے اپنی نبوت ورسالت کے لئے کسی وقت بھی ایسے شخص کو منتخب فرمایا ہو جو اس عظیم الشان منصب کی سرفرازی سے پہلے کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث اور آلودہ ہو چکا ہو، ہرگز نہیں ہرگز نہیں، اور حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ قبل از بعثت نبی نہیں ہوتے مگر خدا کے ولی اور مقرب ترین ضرور ہوتے ہیں اور ایسے ولی اور مقرب ہوتے ہیں کہ دوسرے اولیاء اور مقربین کی ولایت اور قرب کو ان کی ولایت اور قرب کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں ہوتی کہ جو قطرہ کو دریائے عظیم کے ساتھ ہوتی ہے۔

قسم دوم تبلیغ احکام

اس بارہ میں بھی تمام امت محمدیہ کا اتفاق ہے کہ احکام الٰہیہ کی تبلیغ میں انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، دربارۂ تبلیغ اُن سے نہ قصداً کوئی غلطی ہوسکتی ہے اور نہ سہواً، تبلیغ کے بارہ میں جھوٹ اور تحریف سے بالکلیہ پاک، معصوم اور منزہ ہوتے ہیں، کسی طور اور کسی صورت سے کذب اور تحریف کا اُن سے سرزد ہونا محال ہے،

Marfat.com

تندرست ہوں یا مریض، خوش ہوں یا ناراض، کوئی حالت ہو مگر یہ ناممکن ہے کہ وحی الٰہی کے پہنچانے میں اُن سے کسی قسم کی سہواً یا عمداً کوئی غلطی ہو جائے، ورنہ پھر وحی الٰہی پر وثوق اور اطمینان کی کوئی صورت نہ رہے گی، اور نبی کی تبلیغ سے وثوق اور اعتماد بالکل جاتا رہے گا، یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ وحی الٰہی، شیطان وغیرہ کی مداخلت سے بالکلیہ محفوظ رہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۔ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا [1]

وہی عالم الغیب ہے، اپنے خزانہ غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مگر اپنے برگزیدہ یعنی رسول کو بقدر حکمت و مصلحت، بذریعہ وحی کے کچھ بتلا دیتا ہے، اور نزولِ وحی کے وقت اس رسول کے آگے اور پیچھے فرشتوں کا پہرہ لگا دیتے ہیں کہ شیطان اور نفس اس میں کسی قسم کا دخل نہ کرنے پائے اور یہ انتظام اس لئے کیا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے اپنے ربّ کے پیام ٹھیک پہنچا دیئے ہیں، غلطی سے پاک اور مبرّا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کے محیط ہیں اور ہر چیز ایک ایک ان کو معلوم ہے۔

قسم سوم فتویٰ اور اجتہاد

فتویٰ اور اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ انتظارِ وحی کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کبھی کبھی امور غیر منصوصہ میں اجتہاد فرماتے ہیں، اگر کسی وقت کوئی اجتہادی خطا ہو جاتی ہے تو فوراً بذریعہ وحی کے متنبہ کر دیئے جاتے ہیں، یہ ناممکن ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے کوئی اجتہادی خطا واقع ہو اور من جانب اللہ ان کو مطلع نہ کیا جائے۔

---

[1] الجن: ۲۶، ۲۷، ۲۸۔

Marfat.com

قسم چہارم افعال وعادات

سو ان کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء کبائر سے تو بالکلیہ پاک ہوتے ہیں البتہ خلاف اولیٰ امور کبھی کبھی سہواً اور نسیاناً اُن سے صادر ہو جاتے ہیں، ظاہراً وہ معصیت معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان سے کسی حکم کی تشریع مقصود ہوتی ہے، مثلاً قصہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظہر یا عصر کی نماز میں سہو کا پیش آنا، بظاہر غفلت معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں سجدہ سہو کا حکم بتلانا مقصود تھا، اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز میں سہو نہ پیش آتا تو امت کو سجدۂ سہو کا حکم کیسے معلوم ہوتا؟

اسی طرح قصہ بلال رضی اللہ عنہ میں، اگر لیلۃ التعریس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہ فوت ہوتی تو قضاء فوائت یعنی فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا مسئلہ کیسے معلوم ہوتا؟ اس اعتبار سے یہ سہو اور نسیان عین رأفت اور عین رحمت ہے، اسی وجہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ سَهْوَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ [1]

"کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہو ہو جاتا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہو میری یاد سے کہیں بہتر ہے"۔

اور حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ [2] بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر کا نسیان حقیقت میں کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بمقتضائے بشریت سہو اور نسیان ضرور پیش آتا ہے، اس لئے کہ انسان جب تک جامہ بشریت میں ہے خواص بشریہ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا، بھوک بھی ہے اور پیاس بھی ہے، مسرت اور فرحت بھی ہے اور رنج وغم بھی، ضحک اور تبسم بھی ہے، ناراضی اور غصہ بھی، اور حق تعالیٰ شانہٗ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے:

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ [3] 'آپ کہہ دیجئے کہ جز ایں نیست کہ میں تم جیسا بشر ہوں'۔

یعنی باوجود نبوت و رسالت کے پھر میں بشر ہوں فرشتہ نہیں، تمہاری طرح کھاتا اور پیتا ہوں، اپنی حوائج

---

[1] تفسیر روح المعانی، ۲/۷۰۲۔ [2] سورۃ الاعلیٰ۔ [3] الکہف: ۱۱۰۔

Marfat.com

ضرور یہ کے لئے بازاروں میں بھی آتا جاتا ہوں، یہ سب بشریت کے لوازم اور خواص ہیں، نبوت ورسالت کے منافی نہیں۔

بہر حال سہو اور نسیان انسانیت کے لوازم میں سے ہے، جس طرح دوسرے لوازم انسانیت مثلاً بھوک اور پیاس وغیرہ نہ نبوت ورسالت کے منافی ہیں اور نہ عصمت کے، اسی طرح افعال وعادات میں سہو اور نسیان بھی نبوت اور عصمت کے منافی نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سہو اور نسیان کو دوام اور قرار، بقاء اور استمرار نہیں، کبھی کبھی بمقتضائے بشریت سہو ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی نبی کو جب کبھی کوئی سہو ہوا تو وہ ایک ہی مرتبہ ہوا یعنی اس نوع کا سہو پھر اس کو مدت العمر کبھی پیش نہیں آیا، جیسا کہ حدیث میں ہے:

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ [1] ''یعنی مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا''۔

جن کے قلوب ایمان کی حلاوت اور شیرینی چکھ چکے ہیں، وہ شیطان سے دو مرتبہ نہیں ڈسے جاتے، ہاں جو حقیقۃً مومن نہیں محض نام کے مومن ہیں، وہ دو مرتبہ نہیں بلکہ صدہا مرتبہ نفس اور شیطان سے ڈسے جاتے ہیں، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا اس درخت کو کھالینا بھی اسی مقتضائے بشریت اور خاصہ انسانیت یعنی سہو اور نسیان کا ثمرہ اور نتیجہ تھا، چنانچہ خود حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا [2] آدم علیہ السلام بھول گئے، حق تعالیٰ شانہٗ کی ممانعت اور شیطان کی عداوت کا اس وقت استحضار نہ رہا، معصیت اور نافرمانی کا بالکل ارادہ نہ تھا، فقط شیطان کی قسم سے دھوکہ میں آگئے۔

حدیث میں ہے:

اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ ''مومن دھوکہ میں آہی جاتا ہے''۔[3]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ [4]

---

[1] بخاری، رقم الحدیث: ۶۱۳۳۔ [2] طٰہٰ: ۱۱۵۔ [3] سنن أبي داود، بَابٌ فِي حُسْنِ الْعِشْرَةِ، رقم الحدیث: ۴۷۹۰۔ [4] الاحزاب: ۵۔

Marfat.com

''تم پر بھول چوک میں کوئی گناہ نہیں، لیکن گناہ اس میں ہے جس کا تمہارے دل پختہ ارادہ کرلیں''۔

اس آیت کے مطابق جب خطا اور نسیان میں کوئی گناہ ہی نہیں تو وہ پھر عصمت کے منافی کیسے ہوگا، یہی وجہ ہے کہ حالت صوم میں بھول کر کھالینا مفسد صوم بھی نہیں، حضرت آدم علیہ السلام کا قلب مطہر اور سینہ مبارک چونکہ حق جل وعلاء کی عظمت اور جلال سے بھرا ہوا تھا، اس لئے جب شیطان نے اللہ کی قسم کھا کر یہ کہا کہ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ [1] (میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں) تو حضرت آدم علیہ السلام کو یہ وہم بھی نہ ہوا کہ کوئی بے حیا اور گستاخ حق تعالیٰ شانہٗ کا نام لے کر جھوٹی قسم کھائے گا، اس فریب کے ساتھ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو لغزش میں ڈالا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ [2] (یعنی شیطان نے ان کو دھوکہ اور فریب کے ساتھ پھسلا دیا) غرور کے لفظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ یہ معصیت دھوکہ سے ہوگئی ورنہ حضرت آدم علیہ السلام کا ارادہ نہ تھا، وہ تو مزید قرب الٰہی کے متمنی اور متلاشی تھے، دشمن نے طاعت کے بہانہ سے معصیت میں مبتلا کردیا۔

مگر یہ معصیت فقط ظاہراً اور صورۃً معصیت تھی حقیقت میں عظیم الشان نعمت اور بے پایاں رحمت تھی، مقصود یہ تھا کہ گنہگاروں کو توبہ اور استغفار کا طریقہ معلوم ہو، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سہو سے سجدۂ سہو کا حکم بتلانا مقصود تھا، اگر آپ کو نماز میں سہو نہ پیش آتا تو امت کو سجدۂ سہو کا حکم کیسے معلوم ہوتا، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے سہو سے توبہ اور استغفار کا طریقہ بتلانا مقصود تھا کہ جب کبھی کسی سے کوئی گناہ صادر ہو تو فوراً اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح تضرّع اور زاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں رجوع کرے، شیطان کی طرح معارضہ اور مقابلہ نہ کرے، بالفرض اگر حضرت آدم علیہ السلام سے یہ معصیت نہ سرزد ہوتی تو ہم گنہگاروں کو توبہ اور استغفار کا طریقہ کیسے معلوم ہوتا۔

سعادت وشقاوت کا افتتاح

عارف ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

اللہ کے علم میں سعادت اور شقاوت دونوں ہی مقدر تھیں، اس کی حکمت اس کو مقتضی ہوئی کہ

---

[1] اعراف: ۲۱۔ [2] اعراف: ۲۲۔

Marfat.com

سعادت کا بھی افتتاح ہو، اور شقاوت کا بھی، اس لئے سعادت کا افتتاح حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھ سے کرایا اور شقاوت کا افتتاح ابلیس کے ہاتھ سے کرایا۔

تمام تائبین و مستغفرین کے قدوہ و پیشوا

حدیث میں ہے کہ جو شخص سنت حسنہ جاری کرتا ہے تو جتنا اجر اور ثواب اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اسی قدر اجر و ثواب اس سنت کے جاری کرنے والے کو بھی ملتا ہے، جب تک وہ سنت جاری رہے گی اس شخص کے اجر میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام نے اس عالم میں توبہ اور استغفار، تضرع اور ابتہال اور بارگاہ خداوندی میں گریہ وزاری کی مبارک سنت جاری فرمائی، تا قیام قیامت جس قدر بھی تائبین اور مستغفرین توبہ اور استغفار کرتے رہیں گے اسی قدر حضرت آدم علیہ السلام کے درجات میں اضافہ ہوتا رہے گا، اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہی تمام تائبین اور مستغفرین کے امام اور تمام متضرعین اور خاشعین کے قدوہ اور پیشوا ہیں۔

اور ابلیس نے اِباء اور استکبار کی سنت سیئہ کو جاری کیا، قیامت تک جو شخص بھی حکم خداوندی سے اعراض و انکار کرے گا، اس سے ابلیس کی ملعونیت اور مطرودیت میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا، اس لئے کہ وہ کافرین اور مستکبرین کا امام اور احکام خداوندی پر اعتراض کرنے والوں کا پیشوا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا گریہ وزاری رفعتِ شان کا باعث بن گیا

حافظ ابن قیم قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ شانہٗ جب کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو ظاہراً اس کو ذنب اور معصیت میں مبتلا کرتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ ایک باطنی مرض یعنی اعجاب اور خود پسندی کا علاج ہوتا ہے، ایسی حالت میں ذنب اور معصیت میں مبتلا ہونا ہزار طاعتوں سے زائد نافع اور مفید ہوتا ہے اور صاحب بصیرت کے نزدیک یہ معصیت ایں خطا از صد ثواب اولیٰ تر است، کا مصداق ہوتی ہے۔

Marfat.com

سب جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ صحت اور عافیت اتنی مفید اور کارآمد نہیں جتنا مرض مفید اور کارآمد ہو جاتا ہے، اس لئے کہ مرض کے آتے ہی طبیعت فوراً پرہیز اور علاج کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے اور طبیب حاذق کے مشورہ سے پورے اہتمام کے ساتھ تنقیہ اور مسہل کو شروع کر دیا جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند ہی روز میں تمام فاسد اور ردّی مادہ خارج ہو کر طبیعت پہلے سے زائد صاف اور ٹھیک ہو جاتی ہے، اس کے بعد پھر جب لذائذ وطیبات، فواکہ وثمرات، لطیف غذاؤں اور مقوی دواؤں کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ اس مرض سے قبل بحالت صحت بھی اتنا قوی نہ تھا۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا اس معصیت میں مبتلا ہو کر مسلسل تین سو سال تک توبہ اور استغفار اور گریہ وزاری کرتے رہنا (جیسا کہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے) بجائے نقص کے رفعت شان کا باعث ہو گیا، چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى [1] ''آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی، پس ان کی عیش مکدر ہو گئی (یعنی غوی کے معنی گمراہ ہونے کے نہیں، بلکہ عیش کا مکدر ہونا مراد ہے) پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ بنایا اور ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کی رہنمائی کی''۔

کیا معصیت سے قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے؟

کیا ہر معصیت سے انسان معاذ اللہ پروردگار کا مجتبیٰ اور برگزیدہ بندہ بن جاتا ہے، حاشا ثم حاشا ہرگز نہیں، ہاں ایسی معصیت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے مجتبیٰ اور برگزیدہ بن سکتا ہے جس معصیت کے بعد آدم علیہ السلام کی طرح ندامت اور شرمساری اور تضرع اور زاری ظہور میں آئے، حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی

---

[1] طٰہٰ: ۱۲۱۔

Marfat.com

تھے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کو کوئی خاص شان امتیازی حاصل نہ تھی، بمقتضائے بشریت زنا میں مبتلا ہوگئے، مگر بعد میں اس درجہ صمیم قلب اور اخلاص سے توبہ کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس توبہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

واللہ! اگر ماعز کی توبہ تمام مدینہ پر تقسیم کی جائے تو یقیناً سب کی نجات کے لئے کافی اور وافی ہوگی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ [1]

بلاشبہ انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک اُمت میں بانٹ دی جائے تو اُن سب کو کافی ہوجائے۔

زنا بیشک معصیت تھا مگر ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی مضطربانہ اور بے تابانہ ندامت اور شرمساری اور گریہ وزاری نے اس کو عنداللہ ایسا مقبول اور محبوب بنا دیا کہ سارے عالم کی عفت وعصمت اس پر فدا اور قربان ہے، حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو زنا کے سبب سے جو عنداللہ تقرب حاصل ہوا وہ اب بڑے سے بڑے ولی کو نماز سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

خوب سمجھ لو! کہیں لغزش نہ ہوجائے، اس مثال سے معاذ اللہ یہ مقصد نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اس قسم کے کبائر میں مبتلا ہوسکتے ہیں، اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کبائر سے بالکلیہ معصوم ہوتے ہیں، اس مثال سے صرف اتنا بتلانا مقصود ہے کہ بعض مرتبہ زلّت اور معصیت کا صدور طاعت سے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے اور وہ معصیت بجائے نقص کے رفعتِ شان کا باعث ہوجاتی ہے۔

اسی طرح اس زلّت اور لغزش سے حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ توبہ اور استغفار کے مقرون ہوجانے کی وجہ سے ان کی شان اور بلند ہوگئی، اور گویا کہ بزبانِ حال حضرت آدم علیہ السلام سے اس وقت یہ کہا جارہا تھا:

يَا آدَمُ لَا تَجْزَعْ مِنْ كَأْسِ زَلَلٍ كَانَتْ سَبَبَ كَيْسِكَ فَقَدِ اسْتَخْرَجَ مِنْكَ دَاءً لَّا يَصْلُحُ أَنْ تُجَاوِرَنَا بِهِ وَأُلْبِسْتَ بِهِ حُلَّةَ الْعُبُودِيَّةِ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۴۳۱۔

Marfat.com

اے آدم! تو اس لغزش کے پیالہ سے مت گھبرا کہ جو تیری ہوشیاری اور احتیاط کا سبب بنا، اس کی وجہ سے تجھ سے وہ عجب کی بیماری نکال دی گئی جس کے ساتھ ہماری مجاورت ناممکن ہے، اب اس کے بعد تم کو عبودیت اور بندگی کا حلہ اور خلعت عطاء کیا گیا۔

ولی اور رسول میں فرق

ولایت تقویٰ اور طہارت کی ایک سند (ڈگری) ہے جو بندہ کی جدوجہد اور سعی اور اکتساب سے ملتی ہے، اور نبوت ورسالت ایک عہدہ اور منصب ہے جو بدون حکم شاہی کے حاصل نہیں ہوسکتا، ولایت بمنزلہ ایک سند کے ہے کہ جو امتحان سے فراغت کے بعد مل جاتی ہے اور نبوت ورسالت بمنزلہ عہدہ کے ہے، محض قابلیت سے خود بخود کوئی وزیر اور سفیر نہیں بن جاتا جب تک حکم شاہی نہ ہو، وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ [1]

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

اولیاء کی تعریف میں حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ [2] اور رسول کی تعریف میں یوں فرماتے ہیں فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ [3] غرض حاصل ولایت اتقاء ہے، (جو بندہ کا فعل ہے) اور اتقاء مبنی للفاعل، اتقاء مبنی للمفعول کو مستلزم نہیں (یعنی گناہوں سے بچنے والا نہ کہ گناہوں سے بچایا ہوا)۔

اور حاصل رسالت کا ارتضاء ہے کیونکہ مِنْ رَّسُوْلٍ بیان ہے مَنِ ارْتَضٰى کا، معلوم ہوا کہ رسول، اللہ کا مرتضیٰ ہوتا ہے اور ارتضاء فعل خداوندی ہے کیونکہ ارتضیٰ کا فاعل ضمیر راجع الی اللہ ہے اور سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اطاعت سے راضی ہوتے ہیں اور معصیت سے ناخوش اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ [4] معلوم ہوا کہ رسول کے لیے من کل الوجوہ مرتضیٰ ہونا ضروری ہے اور من کل الوجوہ ارتضاء یہی حاصل معصومیت کا ہے۔ [5]

---

[1] البقرہ:۱۰۵۔ [2] انفال:۳۴۔ [3] جن:۲۶، ۲۷۔ [4] توبہ:۹۶۔ [5] اجوبہ اربعین، ص:۹۱۔

Marfat.com

فائدہ

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزشوں کو اس لئے بیان فرمایا ہے کہ ان حضرات کی شان اور مرتبہ معلوم ہو کہ یہ حضرات اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس درجہ مقرب تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر مؤاخذہ ہوتا تھا اور وہ خداوند ذوالجلال کے مؤاخذہ سے لرزاں اور ترساں رہتے تھے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ لغزشیں ہی درحقیقت ان کی معصومیت کی دلیل ہیں، جس شخص کا مرتبہ جس قدر بلند ہوتا ہے اسی قدر اس کی معمولی سی بات بھی غیر معمولی بن جاتی ہے۔

عصمتِ انبیاء اور حفاظتِ اولیاء میں فرق

شیخ اکبر فرماتے ہیں:

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہر وقت بارگاہ خداوندی میں مقیم رہتے ہیں، کسی وقت حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور جلال ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معاصی سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ بارگاہ خداوندی میں آتے جاتے رہتے ہیں مگر مقیم نہیں، اس لئے اولیاء معاصی سے محفوظ تو ہوتے ہیں مگر معصوم نہیں ہوتے اور عصمت اور حفاظت میں یہ فرق ہے کہ اولیاء بسا اوقات مباحات اور جائز امور کو محض حظ نفس اور طبعی میلان اور خواہش کے لئے کر گزرتے ہیں، مگر حضرات انبیاء علیہم السلام کسی وقت بھی طبعی میلان اور حظ نفس کے لئے مباح اور جائز امر کا ارتکاب نہیں فرماتے، ہاں جب کسی شئے کی عنداللہ اباحت اور اس کا اللہ کے نزدیک جائز ہونا بتلانا مقصود ہوتا ہے، تب اس مباح کو استعمال فرماتے ہیں، تاکہ امت کو نبی کے کرنے سے اس فعل سے اس کا مباح اور جائز ہونا معلوم ہو جائے، اور جس طرح نبی پر فرض کی تعلیم فرض ہے اسی طرح فعل مباح اور امر جائز کی اباحت اور جواز کا بتلانا بھی فرض ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کو ایک فعل مباح پر بھی فرض ہی کا ثواب اور اجر ملتا ہے، اس لئے کہ نبی کے ذمہ مباح کی اباحت کا بتلانا بھی فرض ہے۔

Marfat.com

اب ہم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کے کچھ دلائل ذکر کرتے ہیں، جو زیادہ تر امام فخر الدین رازی قدس اللہ سرہٗ کی تفسیر کبیر سے لئے گئے ہیں، تفصیل تفسیر کبیر میں ہے۔

دلائل عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ [۱]

''جس شخص نے رسول کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی''۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ [۲]

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔

پہلی آیت میں رسول کی اطاعت کو اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی نہیں کہا جا سکتا، اطاعت رسول اور اطاعت خداوندی میں اتحاد اور عینیت جب ہی ممکن ہے جب رسول حق جل وعلا کی معصیت کے شائبہ سے بھی بالکلیہ پاک ہو اور تاکید و تحقیق کے لئے کلمہ قد کا اضافہ فرمایا تاکہ کوئی شخص اطاعت حق جل شانہٗ اور اطاعت رسول میں کسی قسم کی تفریق نہ قائم کرے۔

۲۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے خود ابلیس سے نقل فرمایا ہے کہ میرے اغواء سے تیرے مخلص بندوں کا گروہ مستثنیٰ ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ [۳]

''قسم ہے تیری عزت کی سوائے عباد مخلصین کے سب کو گمراہ کروں گا''۔

اور مِن کل الوجوہ عباد مخلصین کا مصداق صرف حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی شان میں ہے اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ بِخَالِصَةٍ ذِكۡرَى الدَّارِ [۴] اور حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں ہے اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ [۵]

---

[۱] النساء: ۸۰۔ [۲] آل عمران: ۱۳۲۔ [۳] ص: ۸۲، ۸۳۔ [۴] ص: ۴۶۔ [۵] الیوسف: ۲۴۔

Marfat.com

۳۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے جابجا قرآن عزیز میں انبیاء کرام علیہم السلام کا بلا کسی تخصیص کے مصطفیٰ اور مجتبیٰ ہونا ذکر فرمایا ہے، یعنی یہ نبی ہمارے منتخب اور برگزیدہ بندے ہیں، یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ فلاں امر اور فلاں صفت میں یہ ہمارے برگزیدہ ہیں، یا فلاں وصف کے اعتبار سے یہ ہمارے منتخب بندے ہیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات کسی خاص صفت یا کسی خاص فعل کے لحاظ سے برگزیدہ نہیں بلکہ تمام افعال واقوال کے اعتبار سے منتخب اور برگزیدہ ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ [۱]

''اور تحقیق وہ ہمارے نزدیک منتخب اور چنے ہوئے اور نیک کاموں میں نہایت تیز رو ہیں''۔

اور ظاہر ہے کہ من کل الوجوہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ مصطفےٰ اور مجتبیٰ ہونا صدور معاصی کے بالکل منافی اور مباین ہے۔

۴۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ شان ذکر فرمائی ہے:

يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ [۲] ''وہ بھلائیوں اور نیک کاموں میں نہایت تیز رو ہیں''۔

الخیرات کو معرف بلام الاستغراق ذکر فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے سوائے خیر محض کے کسی امر کا صدور ہوتا ہی نہیں۔

۵۔ ہر عاصی اور گنہگار کو شرعاً اور عرفاً ظالم کہنا جائز ہے اور قرآن عزیز میں بکثرت اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو ظالم کہا گیا ہے، لہٰذا اگر نبی علیہ السلام سے بھی معاصی کا صدور جائز ہو تو نبی کو بھی معاذ اللہ ظالم کہنا جائز ہوگا، حالانکہ ظالم کبھی نبی اور رسول نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ [۳] ''میرا منصب ظالموں کو نہیں ملتا''۔

کیونکہ اس آیت میں اگر عہد سے نبوت و رسالت مراد ہے تو صاف ظاہر ہے کہ گنہگار اور ظالم کبھی نبی اور رسول نہیں ہوسکتا، اور اگر ولایت یا امامت ہے تب بھی مدعا حاصل ہے، اس لئے کہ جب امامت اور ولایت

[۱] ص: ۴۷۔ [۲] آل عمران: ۱۱۴۔ [۳] البقرہ: ۱۲۴۔

Marfat.com

جس کو نبوت ورسالت سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریائے عظیم کے ساتھ ہے، جب وہی ظالم اور عاصی کو حاصل نہیں ہو سکتی تو نبوت ورسالت کا عظیم الشان اور جلیل القدر منصب کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کی گود میں بعہدِ شیر خوارگی یہ اعلان فرمایا:

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۭ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ، وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ، وَبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا [1]

''کہا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور اس نے مجھے نبی بنایا، اور اسی نے مجھے بابرکت بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں، اور اسی نے مجھے نماز اور روزہ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور مجھے میری والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا، اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا''۔

ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دیگر اوصاف وکمالات کے علاوہ یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا، اسی آیت پر تمسک کرتے ہوئے اہل سنت والجماعت نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نزول وحی سے پہلے انبیاء اور واجب العصمت ہوتے ہیں اور رسول وحی سے پہلے اور وفات کے بعد بھی نبی ہوتا ہے اور اس پر دلیل وہ آیت کریمہ ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان کی نبوت کی خبر دی گئی ہے، اور معلوم ہے کہ وحی لڑکوں کو نہیں ہوتی اور کتاب نہیں دی جاتی مگر نبی مرسل کو، یہ نص ہے جس میں کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی اور جس نے اس سے انکار کیا تو وہ کافر ہو گیا۔

۷۔ سورۃ الحاقہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ، لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ، ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ، فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ [2]

''اگر وہ ہم پر کوئی بات بھی بنا لاتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی گردن کاٹ ڈالتے،

[1] الریم: ۳۰، ۳۱، ۳۲۔ [2] الحاقہ: ۴۴ تا ۴۷۔

Marfat.com

پھر تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس سے بچالے''۔

یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت قولی پر بین دلیل ہیں، یمین کے معنی قوت وقدرت کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر بالفرض محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ذمے کوئی جھوٹی بات لگا دیتے تو ہم ان کو پوری قوت کے ساتھ پکڑ لیتے اور ان کی رگ حیات کاٹ دیتے اور پھر تم میں سے کوئی بھی ان کو ہماری گرفت سے نہ بچا سکتا، چونکہ اللہ کی طرف سے آپ پر کسی قسم کا عذاب نازل نہیں ہوا، اس لئے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے ہے، آپ کو مکمل عصمت قولی حاصل ہے۔

صاحب تمہید فرماتے ہیں:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کب سے نبی ہیں؟ فرمایا میں اس وقت سے نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کیلئے وحی سے پہلے عصمت حاصل ہونا واجبات اور ضروریات میں سے ہے اور وحی کے بعد تو اور بھی ضروری ہے، اور یہ اس لئے کہ اگر پیغمبر جھوٹ اور گناہوں سے معصوم نہ ہو تو اس سے اس کے دعوے میں شک وشبہ واقع ہو جائے گا۔

تمام گناہوں سے معصوم

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جس کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ ہم نشین مقرر نہ کیا گیا ہو، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر مجھ کو غلبہ دیا ہے، پس وہ اسلام لایا ہے اور وہ مجھ کو ہمیشہ نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں شیطان کے شر اور فتنے سے امن میں ہوں۔

Marfat.com

انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کی سزا

شریعت مطہرہ میں توہین انبیاء کے مرتکب کی سزا قتل ہے، چنانچہ ردالمختار میں ہے:

وَالْحَاصِلُ اَنَّهٗ لَاشَكَّ وَلَا شُبْهَةَ فِيْ كُفْرِ شَاتِمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فِيْ اِسْتِبَاحَةِ قَتْلِهٖ وَهُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنِ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ [1]

''اور حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے کفر اور اس کے مباح القتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یہی چاروں آئمہ مذاہب (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) سے منقول ہے''۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ''اَلصَّارِمُ الْمَسْلُوْلُ عَلٰى شَاتِمِ الرَّسُوْلِ'' میں لکھتے ہیں:

اَجْمَعَ عَوَامُّ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى اَنَّ حَدَّ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَتْلُ [2]

''عام علمائے امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے''۔

توہین انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: اَيُّمَا مُسْلِمٍ سَبَّ اللهَ اَوْسَبَّ اَحَدًا مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . وَهِيَ رِدَّةٌ يُسْتَتَابُ. فَاِنْ رَجَعَ وَاِلَّا قُتِلَ [3]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی شان میں نامناسب الفاظ کہے، یا انبیاء میں سے کسی ایک نبی کی توہین کی، تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور یہ اسلام سے مرتد ہونا ہے، اس سے توبہ طلب کی جائے گی، اگر اس نے رجوع کیا تو بہتر ورنہ قتل کیا جائے گا۔

[1] ردالمختار، ج:۳، باب المرتد۔ [2] اَلصَّارِمُ الْمَسْلُوْلُ عَلٰى شَاتِمِ الرَّسُوْلِ، ص:۳۰۔ [3] الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ص:۱۹۵۔

Marfat.com

۲۔ قَتَلَ ابْنُ عُمَرَ الرَّاهِبَ الَّذِيْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: مَا عَلٰى هٰذَا صَالَحْنَاهُمْ [1]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے راہب کو قتل کر دیا تھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی اور کہا کہ ہم نے ان کے ساتھ مصالحت اس لئے نہیں کی ہے''۔

۳۔ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیڑیں چرانے پر قابل عار سمجھا، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سہو و نسیان، یا جادو کئے جانے پر عار دلایا، یا اس پر طعنہ دیا کہ آپ زخمی ہو گئے تھے، یا آپ کے بعض لشکریوں کو شکست ہوئی تھی، یا آپ نے دشمن سے اذیت اٹھائی، یا اس پر طعنہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ سخت تھا، پس ان تمام باتوں کا حکم یہی ہے کہ ان کے کہنے والے کو قتل کیا جائے، اگر ان الفاظ کے کہنے سے اس کا ارادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نقص پیدا کرتا ہو [2]

حضرت نوح علیہ السلام کی طرف جاہلیت کے جذبے کا انتساب

عجیب مفسر صاحبِ تفہیم القرآن لکھتے ہیں:

لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا، اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے، محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے، تو وہ اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہو کر اس فکر کی طرف پلٹ آئے جو اسلام کا مقتضا تھا۔ [3]

جبکہ تفسیر مدارک نے امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

حضرت نوح علیہ السلام کے خیال میں ان کا بیٹا ان کے دین پر تھا کیونکہ وہ منافقت کرتا تھا، ورنہ اس کا احتمال نہیں تھا کہ نوح علیہ السلام یہ فرماتے کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف گناہ کا انتساب

صاحب تفہیم القرآن نے رسائل و مسائل اور ترجمان القرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبل از نبوت ایک

[1] الصارم المسلول علی شاتم الرسول، ص: ۵۳۱۔ [2] چلپی، ص: ۵۲۹۔ [3] تفہیم القرآن، ج ۲، ص: ۳۴۴۔

Marfat.com

بہت بڑے گناہ کا مرتکب قرار دیا ہے، کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا، اور فرعون کے پوچھنے پر بھرے دربار میں اقرار بھی کیا۔

جبکہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا، مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے میں جو تادیب کے لئے تھا، اس کا دم نکل جائے گا''۔ [۱]

وہی عجیب مفسر علامہ مودودی صاحب ترجمان القرآن میں ایک جگہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کئے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقے میں بغاوت پھیل جائے''۔ [۲]

حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی توضیح

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ انبیاء کی آیت ۸۷ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''اس وقت یونس علیہ السلام نے اللہ کو پکارا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اپنی خطا کا اعتراف کیا کہ بے شک میں نے جلدی کی، تیرے حکم کا انتظار کئے بدون بستی والوں کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا، گو یونس علیہ السلام کی یہ غلطی اجتہادی تھی جو امت کے حق میں معاف ہے مگر انبیاء کی تربیت وتہذیب دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتی ہے''۔ [۳]

مغاضباً کی صحیح تفسیر

واضح ہو کہ محققین ائمہ تفسیر نے اس روایت کو غلط قرار دیا ہے کہ ''مُغَاضِباً'' سے مراد حضرت یونس علیہ السلام کا اپنے ربّ پر غضبناک ہونا ہے، چنانچہ علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ''بحر المحیط'' کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"وَقِيْلَ (مُغَاضِبًا لِرَبِّهٖ) وَحُكِيَ فِيْ هٰذِهِ الْمُغَاضَبَةِ كَيْفِيَّاتٌ وَتُعُقِّبَ ذٰلِكَ فِي الْبَحْرِ

[۱] تفسیر عثمانی، ص: ۵۰۷۔ [۲] ترجمان القرآن، ج: ۴۹، ص: ۱۵۔ [۳] حواشی تفسیر عثمانی، ص: ۴۲۶۔

Marfat.com

بِاَنَّهٗ يَجِبُ اِطِّرَاحُ هٰذَا الْقَوْلِ اِذْ لَا يُنَاسِبُ ذٰلِكَ لِمَنْصَبِ النُّبُوَّةِ۔[1]

اور یہ کہ ''مغاضباً'' سے اللہ پر غضبناک ہونا مراد ہے تو اس میں بہت سی باتیں کہیں گئی ہیں مگر بحر المحیط میں اس کی تردید کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ واجب ہے کہ اس تفسیر کو دیوار پر پھینک دیا جائے کیونکہ یہ معنی منصب نبوت کے شایان شان نہیں۔

حسن بصری، امام شعبی، ابن جبیر اور دوسرے تابعین رحمہم اللہ یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو یہ منقول ہے ''مُغَاضِبًا لِرَبِّهٖ'' تو چاہیے کہ اس میں یہ تاویل کی جائے کہ ''لِرَبِّهٖ'' میں لام تعلیل کے لئے ہے نہ کہ مُغَاضِبًا کا صلہ ہے، اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضاجوئی اور دین کی حمایت کی خاطر قوم پر غصہ ہوئے تھے۔

یہ بات کہ اللہ تعالیٰ پر غضبناک ہونا شانِ انبیاء کے خلاف ہے اس کا ثبوت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس مکالمے سے بھی ہوتا ہے جو اُن کے درمیان ہوا تھا کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

مجھے قرآن کے سمندر کی موجوں نے گھیر رکھا ہے اور آپ کے سوا مجھے ان سے خلاصی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ کیا مشکل ہے جو آپ کو درپیش ہے، انہوں نے یونس علیہ السلام کے متعلق سورۂ انبیاء کی یہ آیت فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (پس اس نے گمان کیا کہ ہم ان پر قدرت نہ پاسکیں گے، نہ پکڑسکیں گے) پڑھی اور کہا کہ کیا ایک اللہ کا نبی ایسا گمان کرسکتا ہے کہ اللہ اس پر قدرت نہ پاسکے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ''لَنْ نَّقْدِرَ'' کا تعلق قدر یعنی تنگی سے ہے، قدرت سے نہیں، حضرت یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تنگی نہیں کریں گے۔[2]

یعنی جس طرح یہ بات حضرت یونس علیہ السلام کی شایان شان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر یہ گمان کریں کہ اللہ تعالیٰ

[1] روح المعانی، ج:۱۷، ص:۸۳۔ [2] یہ مکالمہ علامہ نسفی نے اپنی تفسیر مدارک التنزیل ج:۳، ص:۸۳ میں نقل کیا ہے۔

Marfat.com

ان پر قدرت نہ پاسکیں گے، اسی طرح یہ بات بھی ان کے شایان شان نہیں کہ وہ اللہ پر غضبناک ہوں۔

آیتِ کریمہ کی ایک عمدہ تفسیر

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''بیان القرآن'' میں آیت کریمہ ''اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' کے ضمن میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اس دعا میں اپنی طرف ذنب کو منسوب کیا ہے باوجود اس کے کہ وہ ذنب سے معصوم اور بری ہیں، تو ذنب کو حقیقی معنی پر نہیں بلکہ مجاز پر محمول کیا جائے گا، یعنی اس سے ترک اولیٰ اور ترک مناسب مراد لیا جائے گا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ عصمتِ انبیاء

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو علمائے اہل سنت اور محدثین امت میں جو بلند ترین مقام حاصل ہے وہ ارباب علم سے پوشیدہ نہیں، انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مقام واحترام اور عصمت کے بارے میں جو ایمان افروز تصریحات فرمائی ہیں وہ اہل اسلام کے لئے مشعل راہ اور چراغ ہدایت کا کام دیتی ہیں، انہوں نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اہل سنت کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہیں اور جس طرح وہ نبوت کے بعد گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح نبوت سے پہلے بھی وہ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض انبیاء علیہم السلام پر جو عتاب ہوئے ہیں وہ ترک اولیٰ وافضل پر ہوئے ہیں، اور وہ دربار الوہیت میں ان کے قرب اور علو شان پر مبنی ہے اور انہوں نے اپنے مالک حقیقی کے حضور میں جس قسم کی تواضع اور عاجزی وانکساری کا اظہار فرمایا ہے، اس کے بارے میں ہمیں کسی بھی قسم کی لب کشائی کا حق نہیں پہنچتا، حضرت شیخ کے نزدیک یہی وہ مقام ادب ہے جس کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

ختم نبوت اور تین کذاب، جھوٹے دعویدار

اَسْوَدِ عَنَسِی

جب حضرت سید کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے مراجعت فرما کر مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی، اور گو طبیعت جلد سنبھل گئی لیکن منافقوں کی طرف سے ناسازی طبع کی خبر کچھ ایسے بُرے عنوان سے پھیلائی گئی تھی کہ استبداد و خودسری کے مادّے مختلف رنگوں میں ظہور کرنے لگے اور بہت سے منافقوں کو اپنا کفر عالم آشکار کرنے کا حوصلہ ہوگیا، نفسِ امّارہ کے جن پجاریوں نے علالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر پاتے ہی اپنے ایمان و اسلام کو خیر باد کہہ دیا، اسودِ عنسی ان میں سب سے پیش پیش تھا، اس نے نہ صرف نعمتِ ایمان سے ہجر و حرمان قبول کیا، بلکہ اس کی بوالہوسی نے خودساختہ نبوت کا تاج بھی اس کے سر پر رکھ دیا۔

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی

بروز شنبہ ۱۰ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالتِ مرض میں اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لائے اور یک شنبہ کے دن مرض نے شدت اختیار کرلی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی ایامِ مرض میں فرمایا کہ میں نے (خواب میں) اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے، مجھے ان سے نفرت ہوئی تو ان پر پھونک دیا، معًا دونوں کنگن معدوم ہوگئے، ان دو کنگنوں کی تعبیر یہی دو جھوٹے دجّال ہیں کہ میں جن کے درمیان میں ہوں، ایک مسیلمہ یمامہ والا، دوسرا اَسودِ عَنَسی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی ایامِ مرض میں وحی الٰہی سے اطلاع پا کر یہ بھی فرمایا کہ اسود فلاں مقام پر قتل کیا جائے گا، چنانچہ ویسا ہی ظہور میں آیا۔ [1]

---

[1] جذب القلوب الی دیار المحبوب۔

Marfat.com

اَسودِ عَنسیؔ کے ابتدائی حالات اور دعوائے نبوت

اسود کا اصل نام عَیہلہ بن کعب بن عوف عنسی تھا، لیکن سیاہ فام ہونے کی وجہ سے اسود کے نام سے مشہور ہو گیا تھا، عنس قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھی، علاقہ یمن کے ایک موضع میں جس کا نام کہف خار ہے پیدا ہوا اور وہی نشوونما پایا، شعبدہ گری اور کہانت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا، اور اس زمانہ میں یہی دو چیزیں باکمال ہونے کی بہت بڑی دلیل سمجھی جاتی تھیں۔ اسود کی ذات میں شیریں کلامی اور تحمل و بردباری کا جوہر بدرجہ اتم ودیعت تھا، اس لئے عامۃ الناس جلد اس کے دھوکے کے جال میں پھنس جاتے تھے۔

اس کے لقب میں اختلاف ہے، بعض نے اسے ذوالخمار یعنی اوڑھنی والا لکھا ہے، کیونکہ وہ ہر وقت چادر اوڑھے اور عمامہ باندھے رہتا تھا، اور بعض نے اس کا لقب ذوالحمار بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے پاس ایک سِدھا ہوا گدھا تھا جب اس کی طرف مخاطب ہو کر کہتا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر تو وہ فوراً سر بسجود ہو جاتا، جب بیٹھنے کو کہتا تو جھٹ بیٹھ جاتا، اور جب کھڑا ہونے کا حکم دیتا تو وہ نیم قد اور بعض اشاروں پر سرو قد کھڑا ہو جاتا تھا۔

جب اہل نجران نے اسود کے ادعائے نبوت کی خبر سنی تو اسے بغرض امتحان اپنے ہاں مدعو کیا، یہ لوگ اس کی چکنی چپڑی باتوں پر فریفتہ ہو گئے اور جب اس نے گدھے کی نشست و برخاست سے اپنا ''اعجازی کرشمہ'' بھی دکھا دیا تو انہوں نے نقدِ ایمان نذر کر کے اس کی پیروی اختیار کر لی، اسی طرح قبیلہ مذحج نے بھی اسود کی نئی تحریک کو سمعاً وطاعۃً قبول کر لیا۔

فرقان حمید کی نقالی

اسود مدعی نبوت تھا اس لئے ضروری تھا کہ وہ کوئی آسمانی کلام بھی اپنے دام افتادوں کے سامنے پیش کرتا، اس نے قرآن پاک کی نقل کرتے ہوئے کچھ عبارتیں لکھ رکھی تھیں جنہیں اس کے پیرو برہان مقدس کی مماثل خیال کرتے تھے، مثلاً لکھا تھا:

وَالْمَائِسَاتِ مَيْسًا وَالدَّارِسَاتِ دَرْسًا يُحِبُّوْنَ جَمْعًا وَّفُرَادَىٰ عَلَىٰ قَلَائِصَ بِيْضٍ

Marfat.com

وَّصُفُرٍ [1]

یاد رہے کہ اسود کا فتنہ تین چار مہینہ سے زیادہ عرصہ ممتد نہیں ہوا۔

حکومتِ یمن کی مختلف افراد میں تقسیم

جس وقت باذان اور اہل یمن حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اس وقت سرور انبیاء ﷺ نے یمن کی ساری حکومت باذان کو تفویض فرمائی تھی، وہ مدت العمر یہاں کے والی رہے۔ باذان کی رحلت کے بعد آپ ﷺ نے یمن کی حکومت تقسیم کر کے گیارہ افراد کے دستِ اختیار میں دے دی، نجران پر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر فرمایا، نجران اور زَبید کا درمیانی علاقہ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمایا، ہمدان عامر بن شہر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا، صنعا کی حکومت شہر بن باذان رضی اللہ عنہ کو عطا ہوئی، طاہر بن ابو ہالہ رضی اللہ عنہ عک اور اشعریوں کے والی بنائے گئے، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو مارب کی اور فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ کو مراد کی امارت پر سرفراز فرمایا گیا۔

اسود کی ملک گیری اور اس کا فوری عروج و اقبال

اسود نے دعوائے نبوت کے بعد تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے، سب سے پہلے اہل نجران کو گانٹھ کر نجران پر چڑھ دوڑا، اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو وہاں کی حکومت سے بے دخل کر دیا، اسی طرح اسود کا وزیر قیس بن عبد یغوث مرادی بھی جس کے ہاتھ میں اسودی لشکر کی قیادت تھی، فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ پر چڑھ آیا جو مراد پر عامل تھے، انہیں منہزم کر کے وہاں پر قابض ہو گیا۔

نجران سے فارغ ہو کر اسود نے صنعا کا رخ کیا، یہاں شہر بن باذان رضی اللہ عنہ نے اس کا مقابلہ کیا لیکن مغلوب ہو کر جرعہ شہادت پی لیا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنی بے سروسامانی کا لحاظ کرتے ہوئے صنعاء سے روانہ ہوئے اور مارب میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف ہو کر گزرے، ابو موسیٰ نے دیکھا کہ حفظ و دفاع کا کوئی سامان نہیں، ناچار وہ بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چل کھڑے ہوئے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تو سکون میں ٹھہرے اور

---

[1] ابن اثیر: ۱۲۔

Marfat.com

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کاسک کو چلے گئے، اسی طرح طاہر بن ابو ہالہ جبل صنعاء میں جا پناہ گزین ہوئے اور وہ لوگ جو قبیلہ مذحج میں سے اسلام پر قائم رہے، انہوں نے فروہ کے پاس جا پناہ لی۔

اس وقت اسودی اقبال کا یہ عالم تھا کہ فتح وظفر ہر وقت حکم کی منتظر تھی، غرض یمن کا سارا ملک اسود کے حیطۂ اقتدار میں چلا گیا اور وہ شرقاً غرباً صحرائے حضر موت سے طائف تک اور شمال میں بحرین سے احسا تک اور جنوب میں عدن تک کا مالک ہو گیا۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے اور تمام دل خراش واقعات حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمع مبارک تک پہنچائے۔

جب یمن کے سارے علاقے اسود کے علمِ اقبال کے سایہ میں آ چکے تو اس نے عمرو بن معدیکرب کو اپنا نائب مقرر کیا، یہ وہی شخص ہے جو پہلے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ کا رکن تھا، لیکن پھر مرتد ہو کر اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ سے بھاگ کر اسود کے ظلِ عاطفت میں جا پناہ لی تھی، اب حضر موت کے مسلمانوں کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں اسود اُن پر بھی فوج کشی نہ کرے یا حضر موت میں بھی اسود کی طرح کوئی نیا دجال کذاب نہ اُٹھ کھڑا ہو، اس لئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی سے کام لے کر دلوں کو مائل کرنے کے لئے قبیلۂ سکون میں نکاح کر لیا، جس سے قبیلہ کے لوگ ان سے عطوفت اور محبت کا برتاؤ برتنے لگے۔

اسود کا غرور وانانیت

اب اسود یمن کا بلاشرکت غیرے مالک بن کر کوس اَنَا وَلَا غَیْرِیْ بجا رہا تھا، لیکن حکومت پر فائز ہونے کے بعد اس میں وہ پہلی سی تواضع و منکسر المزاجی باقی نہ رہی تھی، غرور وانانیت نے حلم وخاکساری کی جگہ لے لی تھی، اور ہر وقت فرعونیت کا تاج پہنے یکتائی اور بے ہمتائی کے نشہ میں سرشار تھا۔

اسود نے شہر بن باذان کی جان ستانی کے بعد ان کی بیوی آزاد کو جبراً اپنے گھر میں ڈال لیا تھا، اور آزاد کا عم زاد بھائی فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ جو شاہ حبشہ کا بھانجا تھا، آزاد کو اس کے پنجۂ بیداد سے نجات دلانے اور اس کا قرار واقعی

Marfat.com

انتقام لینے کے لئے تیاری کر رہا تھا، اتنے میں دبرین یحنس ازدی کے ہاتھ سکون اور یمن کے مسلمانوں کے نام حضرت فخر کون ومکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان آیا جس میں اسود کی سرکوبی کا حکم تھا۔

اسود کے قتل کے مشورے

صنعاء کے بعض مسلمان اسود کی فوج گراں کے مقابلہ میں اپنے حربی ضعف کو بخوبی محسوس کر رہے تھے، اس لئے انہوں نے بجائے عسکری اجتماع کے رازدارانہ سرگرمیوں سے کام لینا چاہا، یہاں کے مسلمانوں نے قرب وجوار کے لوگوں سے نامہ وپیام کر کے اسود کے خلاف ناراضی کا ایک جال پھیلا دیا، اس اثناء میں اسود کو اس کے مؤکل نے بتایا کہ تمہارے قتل کی پخت وپز ہو رہی ہے۔

وہاں مسلمانوں میں قیس بھی ایک سچا مسلمان تھا، اسود قیس کو بلا کر کہنے لگا "مجھے میرے مؤکل نے حکم دیا ہے کہ میں قیس کو چاہ ہلاکت میں ڈال دوں، کیونکہ وہ اعداء سے مل گیا ہے"۔ قیس ہر طرف خطرہ کی آندھیوں کو محیط پا کر بطور دفع الوقتی قسم کھا کر کہنے لگا حضور کے تقدس اور عظمت کا سکہ میرے لوح دل پر اس درجہ منقوش ہے کہ اس قسم کے کافرانہ وسوسے میرے دل میں کبھی بار نہیں پا سکتے، یہ سن کر اسود نے قیس کے خون سے درگزر کیا، اس کے بعد قیس موقع پا کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اسود سے جو باتیں ہوئی تھیں وہ سب بالتفصیل بیان کیں۔

اب اسود نے فیروز دیلمی اور حشنس دیلمی کو جو مسلمانوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے بلا کر دھمکایا مگر انہوں نے بھی دفع الوقتی سے کام لے کر اپنا پیچھا چھڑایا، اسود مسلمانوں کی طرف سے ہنوز کھٹکا ہوا تھا اور ارباب ایمان بھی اس کی طرف سے مطمئن نہ تھے کہ اس اثناء میں عامر بن شہر ذی زوو ذوالکلاع اور ذی ظلیم کی طرف سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ ہم تمہاری عون ونصرت کے لئے ہر طرح سے حاضر ہیں، بات یہ تھی کہ سید خلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس اس مضمون کے فرمان بھیجے تھے کہ وہ اسود کے خلاف حرب آزما ہوں، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے صنعاء کے مسلمانوں کو جہاد کی تحریک کی تھی، اسی طرح فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجران کو بھی شریک جہاد ہونے کو لکھا تھا اور نجران والوں نے تعمیل ارشاد کا تہیہ کر کے صنعاء والوں کو اپنے عزائم کی اطلاع

Marfat.com

دے دی تھی، یہاں سے فیروز اور حشنس نے اطراف واکناف کے ان تمام مسلمانوں کو جنہوں نے اسود کے خلاف علَمِ جہاد بلند کرنے کی تحریک کی تھی، یہ جواب دیا کہ جب تک ہم یہاں کا کام مستحکم نہ کرلیں، اُس وقت تک تم لوگ کوئی اقدام عمل نہ کرنا، جب اسود کوان سب باتوں کی اطلاع ہوئی تو اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہوگیا۔

اسود کی جان ستانی میں آزاد کے شریک کار ہونے کی درخواست

اب حشنس دیلمی، فیروز دیلمی کی عم زاد بہن آزاد کو گانٹھنے کے لئے اسود کے محل سرائے میں گیا، جس پر اسود نے اس کے شوہر شہر بن باذان کے واقعہ شہادت کے بعد جبراً قبضہ کر رکھا تھا، اور کہا تم جانتی ہو کہ یہ لعین تمہارے والد اور شوہر کا قاتل ہے اور اس نے تمہیں جبراً وقہراً گھر میں ڈال رکھا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ اس کی جان ستانی میں ہماری معاون اور شریک راز بنو، آزاد کہنے لگی ''واللہ میرے لئے اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے اس نابکار سے بڑھ کر مکروہ اور قابل نفرت چیز کوئی نہیں، یہ کمبخت نبوت کا مدعی ہے مگر حالت یہ ہے کہ نہ تو حقوق اللہ ادا کرتا ہے اور نہ اسے محرمات ہی سے پرہیز ہے، تمہارا جو کچھ ارادہ ہو اس کی مجھے برابر اطلاع دیتے رہو، میں اس کار خیر میں دل وجان سے تمہاری مدد کروں گی۔

اس اثناء میں اسود نے ایک قاصد بھیج کر قیس کو بارادۂ قتل اپنے پاس بلایا، قیس مذحج اور ہمدان کے دس مسلح جوان لیکر اسود کے پاس گیا، اسود کوان دس محافظوں کی موجودگی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ قیس کو قتل کرے، کہنے لگا، قیس! میں نے تجھ سے سچ سچ نہیں کہہ دیا کہ تو میرے قتل کی سازش میں شریک ہے؟ مگر تو ہر مرتبہ جھوٹ بول کر دفع الوقتی کر رہا ہے، چنانچہ میرے مؤکل نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے کہ میں قیس کے ہاتھ قطع کردوں ورنہ وہ ضرور میری گردن ماردے گا، قیس نے کہا یہ قطعاً غلط ہے، میں آپ کو رسول اللہ مانتا ہوں اور حضور کے مؤکل کو بھی سچا پیام بر یقین کرتا ہوں لیکن وحی میں غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے، اس لئے سازباز کا الزام بالکل بے بنیاد ہے، آپ بدگمانی کو پاس نہ پھٹکنے دیجئے، میں ہر طرح سے حضور کا غلام اور چاکر ہوں اور حضور کے ہر حکم کی تعمیل کو

Marfat.com

باعثِ سعادت یقین کرتا ہوں اور اگر آپ میری طرف نظر ترحم سے نہ دیکھیں گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گا، یہ باتیں سن کر اسود کا خیال بدل گیا اور قیس کو جانے کی اجازت دی۔ قیس وہاں سے نکل کر اپنے مسلمان دوستوں سے مِلا اور یہ کہہ کر چلا آیا کہ بس اب اپنا کام پورا کردو۔

اَسود محل سرائے سے اُٹھ کر باہر آیا، تمام لوگ اس کی تعظیم کے لئے سروقد اُٹھ کھڑے ہوئے، قصر کے باہر ایک سو گائیں اور اونٹ بندھے تھے، ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا، وہاں تینوں مسلمان بھی موجود تھے، فیروز کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا، فیروز! کیا وہ بات جو تیری نسبت مجھے بتائی گئی ہے غلط ہے؟ اور پھر تلوار دکھا کر کہنے لگا کہ میرا ارادہ ہے کہ تجھے ذبح کر ڈالوں۔ فیروز نے کہا، حضور والا! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ حضور کی حرم محترم میری عم زاد بہن ہے اور ہم اس بات پر بڑے نازاں ہیں کہ حضور نے ہمیں سُسرالی قرابت سے مشرف فرمایا، اگر حضرت اعلیٰ منصب نبوت پر فائز نہ ہوتے تو ہم کسی بڑی سے بڑی قیمت پر بھی اپنی قسمت حضور کے ہاتھ میں فروخت نہ کرتے، حضور کی اطاعت میں ہمیں ہر طرح دین و دنیا کی فلاح نصیب ہے۔

اتنے میں ایک شخص نے اسود کے سامنے فیروز کی چغلی کھائی اور کہنے لگا کہ سرکار! یہ فیروز آپ کا جانی دشمن ہے، آپ اس کی سخن سازیوں سے دھوکہ نہ کھایئے۔ فیروز بھی سن رہا تھا، اسود نے عتاب آمیز نگاہوں سے فیروز کی طرف دیکھ کر کہا: میں سب کچھ جانتا ہوں اس لئے عزم صمیم کر چکا ہوں کہ کل کے روز فیروز اور اس کے رفقاء کو ضرور موت کے گھاٹ اُتروادوں گا۔

نقب لگا کر محل میں گھس جانے کا مشورہ

اب یہ لوگ وہاں سے چلے آئے اور قیس کو بلا کر باہم مشورہ کرنے لگے، حشنس نے یہ رائے دی کہ میں آزاد کے پاس جا کر اس کی رائے معلوم کرتا ہوں، اگر وہ اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائے تو بس اسے ٹھکانے لگادیں۔ حشنس نے آزاد کے پاس جا کر اپنا خیال ظاہر کیا، آزاد کہنے لگی: اسود آج کل نہایت چوکنا اور ہوشیار ہو گیا ہے، اس حصہ مکان کے سوا محل میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں پہرہ چوکی نہ ہو، البتہ اس مکان کے عقب سے نقب زنی

Marfat.com

کا موقع ہے، اگر تم لوگ سرِ شام اس طرف جا کر نقب لگاؤ تو وہاں تمہیں کوئی آدمی نہ دیکھ سکے گا، اس وقت جو چاہو کر سکتے ہو، وہاں اسود کو کوئی معاون بھی نہ مل سکے گا، تمہیں اس جگہ شمعدان روشن ملے گا اور اسلحہ بھی موجود ہوں گے۔

اتنے میں اسود بھی دیوان خانہ سے نکل کر حرم سرائے میں آیا اور حشنس کو اپنی بیوی سے باتیں کرتے پایا، اسود نے سخت غضب ناک ہو کر پوچھا تو یہاں کیوں آیا؟ یہ کہہ کر ایک گھونسا حشنس کے اس زور سے رسید کیا کہ وہ نیچے گر پڑا، یہ دیکھ کر آزاد نے ایسی بُری طرح چیخنا، چلانا اور شور مچانا شروع کیا کہ اسود مبہوت رہ گیا، آزاد ناک بھوں چڑھا کر اور اسود کو ڈانٹ پلا کے کہنے لگی، یہ میرا دودھ شریک بھائی مجھ سے ملنے کو آیا ہے اور تو سخت بے حیائی کے ساتھ اس سے ایسا وحشیانہ سلوک کرتا ہے، یہ کہہ کر آزاد اسود کو سخت سُست کہنے لگی، اسود حشنس کو چھوڑ کر آزاد سے معذرت کرنے لگا اور اس سے بصد مشکل اپنا قصور معاف کرایا۔

وہاں سے اُٹھ کر حشنس اپنے دوستوں کے پاس آیا اور اپنی سرگذشت بیان کی، یہ لوگ کہنے لگے اب ہم اسود کے شر سے مامون نہیں ہیں فوراً بھاگنے کا انتظام کرنا چاہیے، ان لوگوں پر بدحواسی طاری تھی، اور عالم اضطراب میں کہیں چمپت ہو جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اتنے میں آزاد کا غلام حشنس کے پاس آیا اور پیغام دیا کہ جو بات میرے اور تمہارے درمیان قرار پائی ہے اس میں تغافل نہ کرنا، حشنس نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہماری طرف سے اِن شاء اللہ اس کام میں ہرگز سستی نہ ہوگی اور غلام کو ہر طرح تشفی دے کر روانہ کیا۔

ان لوگوں نے فیروز سے کہا کہ تم بھی آزاد کے پاس جاؤ، اور اس سے بالمشافہ گفتگو کر کے اس بات کو پکا کر لو، چنانچہ فیروز نے جا کر بات چیت کی، آزاد نے فیروز سے بھی وہی باتیں کہیں جو اس سے پیشتر حشنس سے کہہ چکی تھی، فیروز نے کہا ہم ان اندرونی کمروں میں نقب لگائیں گے، فیروز یہی باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں اسود بھی وہاں پہنچ گیا، اور اجنبی مرد کو اپنی ہم نشین کے پاس بیٹھے دیکھ کر اس کی رگِ غیرت جنبش میں آ گئی،

Marfat.com

اس پر آزاد کہنے لگی تم نے شاید اسے پہچانا نہیں، یہ میرا عم زاد اور دودھ شریک بھائی ہے اور میرا قریب کا رشتہ دار اور محرم ہے، اَسْوَد نے آزاد کے خوف سے اور تو کچھ نہ کیا البتہ فیروز کو وہاں سے نکال دیا۔

اسود کی جان ستانی

جب شام کی سیاہ چادر فضائے عالم پر محیط ہوگئی تو ان لوگوں نے جا کر اپنا کام شروع کر دیا اور نقب لگا کر اندر گھس گئے، وہاں شمعدان روشن تھا، ان میں سے ہر شخص کو فیروز ہی کی قوتِ بازو پر زیادہ بھروسہ تھا، کیونکہ وہ سب میں شہ زور اور قوی ہیکل تھا، ان لوگوں نے فیروز کو آگے کیا اور خود ایسے موقع پر ٹھہرے رہے جو پہرہ داروں اور فیروز کے بیچ میں تھا، ان لوگوں کا یہ قیام اس پیش بندی پر مبنی تھا کہ اگر بالفرض پہرہ دار فیروز پر حملہ آور ہوں تو یہ لوگ اس کے آڑے آئیں، جب فیروز دروازہ کے قریب پہنچا تو اس نے بڑے زور سے خراٹوں کی آواز سنی اور دیکھا کہ آزاد پاس بیٹھی ہوئی ہے اور بوالعجبی دیکھو کہ جیسے ہی فیروز دروازہ میں جا کر کھڑا ہوا اس کے موکل نے اسود کو اٹھا کر بٹھا دیا، اب اسود اپنے شیطان کی طرف سے یوں گویا ہوا کہ فیروز! تجھے مجھ سے کیا سروکار ہے جو یہاں آیا ہے؟ فیروز کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس وقت لوٹتا اور موقع کو ہاتھ سے جانے دیتا ہوں تو وہ اور اس کے ساتھی بھی مارے جائیں گے اور آزاد بھی زندہ نہ بچے گی، اس لئے پھرتی کر کے اسود سے لپٹ گیا، فیروز بلند بالا اور قوی الجثہ جوان تھا، اس نے اسود کی مُنڈی پکڑ کر اس طرح زور سے مروڑی جس طرح دھوبی کپڑے کو نچوڑتے وقت بل دیتا ہے اور معاً اس کی گردن توڑ ڈالی، جب فیروز نے اسود کو ہلاک کر کے باہر جانے کا قصد کیا تو آزاد نے لپک کر اس کا دامن پکڑ لیا اور کان میں کہنے لگی کہ اسے زندہ کیوں چھوڑے جاتا ہے۔

آزاد یہ سمجھ رہی تھی کہ اسود ابھی تک زندہ سلامت ہے، فیروز نے کہا اطمینان رکھو میں نے اسے ہلاک کر کے تمہیں اس کے پنجۂ جور سے نجات دلا دی، مرنے کے بعد اسود کے منہ سے اس طرح خرخر کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی بیل ڈکارتا ہو، یہ عجیب وغریب آواز سن کر محل کے پہرہ دار دوڑے اور دریافت کرنا شروع کیا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ آزاد نے آگے بڑھ کر انہیں اندر آنے سے روک دیا اور کہنے لگی خاموش رہو، ہمارے پیغمبر پر وحی

Marfat.com

نازل ہو رہی ہے، وہ خاموش ہو کر چلے گئے، فیروز باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں نے اسود کا کام تمام کر دیا، اس پر فیروز کے رفیق اندر کو دوڑے اور دیکھا کہ اسود کے منہ سے بدستور خرخر کی آواز آرہی ہے، حشنس نے بڑھ کر پیش قبض سے اس کا سر تن سے الگ کر دیا۔

ان حضرات نے باہم مشورہ کیا کہ اپنے دوسرے ہم مشربوں کو اس سانحہ سے کیونکر مطلع کریں، آخر یہ تجویز قرار پائی کہ علی الصبح اس کی عام منادی کر دی جائے، جب صبح ہوئی تو اسود کے مارے جانے کی باقاعدہ منادی کی گئی، اس خبر کی اشاعت پر صنعا کے مسلمان اور کافر دونوں متوحش ہوئے اور شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب حشنس دیلمی نے اذان کہنی شروع کی جس میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کے بعد یہ الفاظ بھی تھے اَشْهَدُ اَنَّ عَيْهلة كذّاب، اس نداء کے بعد مسلمانوں نے اسود کا سر کفار کی طرف پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر اسود کے پیرووں اور محافظوں نے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹنا اور مسلمان بچوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے جواب میں ستر (۷۰) اسودی کافروں کو پکڑ کر بند کر دیا، آخر دشمن مرعوب ہو گئے، فتنہ ختم ہو جانے کے بعد کفار نے اپنے آدمیوں کا جائزہ لیا تو ستر آدمی مفقود پائے، چنانچہ مسلمانوں سے درخواست کی کہ ان کے آدمی رہا کر دیئے جائیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ تم ہمارا لوٹا ہوا مال واپس کر دو اور ہمارے بچوں کو لاؤ تو ہم تمہارے آدمی چھوڑ دیں گے، چنانچہ باہم مبادلہ کر لیا گیا۔

فضائے یمن پر اسلامی پرچم

اس کے بعد جب وہاں مسلمانوں کا قرار واقعی تسلّط ہو گیا تو اسودی لوگ صنعا اور نجران کے درمیان صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کی نذر ہوئے، اس طرح صنعا نجران اہل ارتداد کے خاروجود سے پاک ہو گیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّال اپنے اپنے علاقوں میں بحال کئے گئے، صنعاء کی امارت کے متعلق تھوڑی دیر تک کچھ مناقشہ جاری رہا، لیکن آخر کار سب نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حکومت پر اتفاق کر لیا، اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔

Marfat.com

اس قضیہ سے فارغ ہو کر ایک قاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا، اس وقت تک آفتابِ رسالت سمائے ہدایت پر برابر لمعہ افگن تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تمام واقعہ بذریعہ وحی معلوم ہو چکا تھا، مہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی الصبح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ آج رات اسود مارا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا یارسول اللہ! کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا؟ فرمایا ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو ایک بابرکت خاندان سے تعلق رکھتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اس کا نام کیا ہے؟ فرمایا: فیروز۔ چند روز کے بعد جب قاصد اسود کے مارے جانے کی خبر لے کر مدینۃ الرسول میں پہنچا تو سرورِ کون و مکان علیہ التحیۃ والسلام اس وقت رحمتِ الٰہی کی آغوش میں استراحت فرما چکے تھے اور امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی تھی، چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے عہدِ حکومت میں سب سے پہلی جو بشارت ملی وہ اسود ہی کے قتل کا مژدہ جانفزا تھا۔ امیر المومنین نے اس نامہ کے جواب میں اہل یمن کو ایک مکتوب لکھا جس میں اسود کی ہلاکت پر بہت کچھ اظہار خوشنودی فرمایا تھا۔

فیروز کہتے ہیں کہ جب ہم اسود کو قعرِ عدم میں پہنچا چکے تو اسلامی عملداری حسب سابق عود کر آئی، صنعا میں مسلمانوں کے امیر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے، ان ایام میں تمام مسلمان بڑی خوشیاں منا رہے تھے، اور دنیا جہاں میں کوئی چیز ایسی دکھائی نہ دیتی تھی جو ہمارے آئینہ دل کو ٹھیس لگا سکتی، البتہ مضافات میں اسود کے تھوڑے سے سوار شر انگیزی کرتے دکھائی دیتے تھے مگر ہمیں اطمینان تھا کہ ہماری ادنیٰ سی توجہ انہیں ٹھکانے لگا دے گی، لیکن اچانک یہ خبر آئی کہ حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سرائے فانی کو الوداع کہہ دیا، اس خبر کے پہنچتے ہی سارا معاملہ درہم برہم ہو گیا اور قبائل مرتدین نے تمام عرب کے اندر ہلچل مچا دی۔ [1]

اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

---

[1] ماخوذ از ابن اثیر و ابن خلدون۔

Marfat.com

طُلَیحہ اَسَدی

طلیحہ بن خویلد اسدی قبیلہ بنو اسد کی طرف منسوب ہے جو نواحِ خیبر میں آباد تھا، اس شخص نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے عہد سعادت میں مرتد ہوکر سمیرا میں اقامت اختیار کی اور وہیں دعویٰ نبوت کر کے اغوائے خلق میں مصروف ہوا، تھوڑے ہی دنوں میں ہزار ہا لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

طلیحہ کی شریعت

طلیحہ نے چند اکاذیب اپنی طرف سے جوڑ جاڑ کر ان کو مسجع کیا اور اپنی نئی شریعت لوگوں کے سامنے اس شکل میں پیش کی کہ نماز میں صرف قیام کو ضروری قرار دیا، رکوع وسجود کو حذف کر دیا، رکوع وسجود کے متعلق کہا کرتا تھا کہ خدائے بے نیاز موُنہوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے، معبودِ برحق کو کھڑے ہوکر یاد کر لینا کافی ہے، دوسرے احکام اور عبادات کے متعلق بھی بہت سی باتیں اختراع کی تھیں، کہا کرتا تھا کہ جبرائیل امین ہر وقت میرے ساتھ رہتے ہیں اور وزیر کی حیثیت سے تمام اُمورِ مہمہ میں مشورے دیتے ہیں۔

حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (معاذ اللہ) طُلَیحی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت

اب طلیحہ نے اپنے عم زاد بھائی یا برادر زادہ کو جس کا نام حبال یا جسال تھا دنیا کے ہادی اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنی نبوت کی دعوت کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا، حبال بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا اور صورت حال بیان کر کے حضرت سید الاوّلین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوت پر ''ایمان'' لانے کی دعوت دی، حبال نے اپنے اثبات دعویٰ میں کہا کہ طلیحہ کے پاس ذوالنون (روح الامین) آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں نے محض ذوالنون کا نام کہیں سے سن لیا ہے، حبال کہنے لگا وہ شخص کیسے جھوٹا ہوسکتا ہے جس کو لاکھوں مخلوق اپنا نجات دہندہ سمجھتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گستاخی پر ناخوش ہوئے اور

Marfat.com

فرمایا: خدا تمہیں ہلاک کرے اور تمہارا خاتمہ بخیر نہ ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حیال حالتِ ارتداد ہی میں قتل ہو کر واصل جہنم ہوا، اور دنیا سے نامراد گیا۔

حیال کے لوٹ جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو طلیحہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، لشکر اسلام وادات کے مقام پر خیمہ زن ہوا، دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی، جان نثارانِ رسالت دشمن پر جھپٹ پڑے، پیروانِ طلیحہ نے جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کے غلبہ کو روکنے کی بہتری کوشش کی لیکن شجاعانِ اسلام کے مقابلہ میں کسی طرح عہدہ برآ نہ ہو سکے اور سخت بدحواسی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے، لشکر اسلام مظفر و منصور واپس آیا، لیکن ضرار رضی اللہ عنہ ابھی تک مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ حضور اقدس ﷺ دنیا کی سرائے فانی سے رخصت ہو کر عالمِ عقبیٰ کے دار الخلد کو تشریف لے گئے۔

قبائلِ عرب کا ارتداد

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبائل کے ارتداد سے پہلے علّام الغیوب کے علمِ محیط میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ سید کائنات ﷺ کے زمانۂ سعادت میں اور نیز خلفائے راشدین کے عہدِ بابرکت میں کچھ لوگ اسلام لانے کے بعد سعادتِ ایمانی سے محروم ہو جائیں گے، اس لئے حق تعالیٰ نے پیشین گوئی کے طور پر اس آیت میں پہلے سے ان کے ارتداد کی اطلاع دے دی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ [1]

مسلمانو! یاد رکھو کہ تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا خدائے قادر توانا (مرتدوں کی جگہ) جلد ایسے لوگوں کو پیدا کر دے گا جو خدائے برتر کے محبوب ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی، وہ اہل ایمان کے حق میں متواضع اور مہربان اور منکروں کے مقابلہ میں تیز اور

[1] المائدہ: ۵۵۔

Marfat.com

درشت طبع ہوں گے، اللہ جل جلالہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اور امور خیر کے اجراء اور حسنات و مبرّات پر عمل کرنے میں) کسی کی ملامت (اور خندہ زنی) کی پروانہیں کریں گے۔

چنانچہ اس آیت کی تنزیل کے کچھ عرصہ بعد اس پیشین گوئی کا اس طرح ظہور ہوا کہ عرب کے گیارہ فرقے مرتد ہو گئے، تین فرقے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری ایام سعادت میں مرتد ہو گئے، جن کی تفصیل یہ ہے کہ قبیلہ مذحج اسود عنسی کے ساتھ ایمان سے دست بردار ہوا، دوسرا مرتد فرقہ بنی حنیفہ تھا جسے مسیلمہ کذّاب کی رفاقت نے اسلام سے منحرف کیا، تیسرا قبیلہ بنی اسد تھا جو طلیحہ کی پیروی کر کے سعادتِ ایمان سے محروم ہوا، اور انجام کار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے شکست کھا کر از سرنو مشرف باسلام ہوا، ان قبائل کے علاوہ سات اور فرقے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں زکوٰۃ کے منکر ہو کر فاقد الایمان ہوئے، اسی طرح قبیلہ غسان نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین حق سے مفارقت اختیار کی۔

حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال اور اس کے دردناک نتائج وعواقب

جونہی وصال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر اطرافِ ملک میں پھیلی اکثر قبائل عرب کا ذوق ایمان متلاطم ہوا اور منافقوں کو اپنا کفر عالمِ آشکار کرنے کی جرأت ہوئی، گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال لوگوں کے لئے ایک مقیاس الایمان تھا جو ان کے کفر و ایمان کی صحیح کیفیت بتا رہا تھا، اس وقت نہ صرف منافقوں کو اپنا کفر برملا ظاہر کرنے کا حوصلہ ہو گیا بلکہ عرب کے اکثر قبائل مرتد ہو گئے، اس پر مستزاد یہ کہ یہود و نصاریٰ بھی ہر طرح فساد و سرکشی پر آمادہ نظر آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظلِّ عاطفت کا فقدان، مسلمانوں کی قلّت تعداد اور اعداء کی کثرت وغیرہ وہ اسباب تھے جنہوں نے بقول ابن اثیر مسلمانوں کا وہی حال کر دیا جو بارش کی شب ظلام میں بکریوں کا ہو جاتا ہے۔

مدینہ منورہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کشتئ خاطر اس عام شورش اور ہمہ گیر بغاوت کو دیکھ دیکھ کر گرداب تفکر میں ڈگمگا رہی تھی اور ہر مومن قانت کا دل اس حادثہ فاجعہ سے داغ داغ ہو رہا تھا، ایسے نازک وقت میں جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا دل گُردہ تھا جس نے سفینہ ملّی کو گردابِ فنا سے بچا لیا ورنہ ناموس ملتِ بیضا پر ایک ناقابل تلافی چرکا لگنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔

Marfat.com

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی پر اصرار

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے نازک اور پُر آشوب دَور میں بھی بدستور جیشِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی پر مصر ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ! اس وقت یہی لوگ یعنی اُسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ہی اسلامی جمعیت کی کل کائنات ہے اور عرب کی جو حالت ہو رہی ہے اس نے دلوں میں قلزم غم کی طغیانی برپا کر رکھی ہے، اس لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ موجودہ حالت میں مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کر کے مدینہ منورہ کو اعداء کے حملوں کی آماجگاہ بنایا جائے۔

امیر المومنین نے فرمایا: واللہ اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ لشکر اسامہ کی روانگی کے باعث مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے گا یا مجھے زمین نگل جائے گی تو بھی میں اسے ضرور روانہ کروں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حکم دیا اسے بہرحال پورا کر کے رہوں گا۔ امیر المومنین نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو غزوہ میں شرکت کی ترغیب دی اور کہا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر والے اپنے لشکر گاہ کی طرف جائیں، سب لوگ حسبِ فرمان لشکر میں شامل ہو گئے اور اس طرح مسلمان مدینہ منورہ میں خال خال رہ گئے۔

اب حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جو ان کی فوج میں داخل تھے، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اگر حکم ہو تو میں لشکر کو آپ کے پاس واپس لے آؤں کیونکہ اسلام کی ساری جمعیت اور قوم کے تمام اکابر میرے لشکر میں شریک ہیں، اس لئے مجھے خلیفہ رسالت، حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانانِ مدینہ کی طرف سے بڑا کھٹکا ہے کہ مبادا مشرک حملہ آور ہو کر انہیں تباہ و برباد کر جائیں۔

اس کے علاوہ بعض انصار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا کہ آپ جا کر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہماری طرف سے عرض کر دیجئے کہ گو اُسامہ رضی اللہ عنہ غلام اور غلام زادہ ہیں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے کسی دینی یا دنیاوی فضیلت میں برابری نہیں کر سکتے، اور عمر میں بھی چھوٹے ہیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سر آنکھوں پر ہے، تاہم اتنی مہربانی فرمائی جائے کہ کسی ایسے شخص کو سرعسکر مقرر فرمایا جائے جو اُسامہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سے عمر میں بڑا ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی کیا مجال ہے کہ جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا سردار تجویز فرمایا ہو اس کے حکم اور طاعت سے ذرا بھی سرتابی کرے، اور اس کی جگہ کسی اور شخص کا امیر بنایا جانا گوارا کرے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے امیر المومنین کے پاس گئے اور اُن کا پیغام پہنچادیا، خلیفہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس بات کا بھی خوف ہو کہ جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے باعث مجھے بھیڑیے اور شیر پھاڑ کر کھا جائیں گے تب بھی میں اُسامہ رضی اللہ عنہ کو ضرور روانہ کروں گا اور گو میرے پاس یہاں ایک آدمی بھی نہ رہ جائے مگر سردار دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلہ کو کبھی مسترد نہ کروں گا، پھر جناب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انصار کی یہ خواہش ہے کہ آپ کسی ایسے شخص کو امیر لشکر مقرر فرمائیں جو اسامہ رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑا ہو، یہ سن کر امیر المومنین ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ حبیبِ پروردگار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اسامہ کو لشکر کا سردار بنایا تھا، مگر افسوس تم لوگ چاہتے ہو کہ میں انہیں معزول کردوں، بخدا یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

یہ تھا امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بے نظیر استقلال اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و شیفتگی کا جذبہ، کہ سارا عرب دشمن ہے اور ہر وقت دارُالخلافہ پر حملوں اور یورشوں کا کھٹکا ہے مگر آپ کی جبین استقلال پر شکن تک نہیں پڑی اور آپ کو اس بات پر برابر اصرار ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی مبارک کا بہر حال احترام کیا جائے، یہی وہ صفات تھیں جن کی بدولت آپ صدیق اکبر اور افضل البشر بعد الانبیاء کہلائے۔

جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی

اب امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکل کر لشکر گاہ تشریف لے گئے اور اسامہ کی مشایعت فرمائی، اس وقت حالت یہ تھی کہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو پیدل جارہے تھے اور اسامہ رضی اللہ عنہ سوار تھے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیے ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ گھوڑے سے اُتر پڑوں؟ فرمایا اس کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں تو میرا سراسر نفع ہے کہ ایک ساعت کے لئے اپنے قدموں کو فی سبیل اللہ گرد آلود کرلوں۔

Marfat.com

جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ لوٹنے لگے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک نامناسب نہ ہو تو عمر رضی اللہ عنہ کو میری رفاقت و اعانت کے لئے میرے پاس چھوڑ جاؤ؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بخوشی اجازت دی، امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے رخصت کے وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ کسی معاملہ میں کسی شخص سے خیانت نہ کرنا، کسی سے غدر و فریب سے پیش نہ آنا، افراط و تفریط سے بچنا، کسی کے ناک کان نہ کاٹنا، بچوں، بوڑھوں، مریضوں اور عورتوں پر رحم کرنا، کسی درخت کو نہ کاٹنا، بکری، گائے، اور اونٹوں کو بلا ضرورت ذبح نہ کرنا، اور فرمایا عنقریب تمہارا گذر ایسے لوگوں پر ہوگا جو صوامع و معابد میں گوشہ نشین ہوں گے ان سے اور ان کے مال و اسباب سے تعرّض نہ کرنا اور ان سب باتوں کے علاوہ ان جملہ ہدایات کو اپنے لئے چراغ راہ بنانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں تلقین فرمائی تھیں۔

زکوٰۃ دینے سے انکار

طلیحہ کا بھائی حیال جس کا ذکر ماقبل میں گزر چکا ہے، طلیحہ نے اس کو ذی القصہ اور دیگر بہت سے قبائل کا امیر بنا دیا تھا، اس حیال نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا قاصد بھیجا، تا کہ مسلمانوں کی جمعیت اور خلیفہ کا آئندہ کا طرزِ عمل بھی معلوم ہو جائے۔

چنانچہ ان لوگوں نے آتے ہی معافی زکوٰۃ کے متعلق گفت و شنید شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہمارے قبائل حسب سابق نماز تو پڑھیں گے مگر آئندہ بیت المال میں زکوٰۃ بھیجنے سے انہیں معاف رکھا جائے، جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس درخواست کو مسترد فرما دیا اور سمجھایا کہ احکام الٰہی میں کمی بیشی اور ترمیم و تنسیخ ناممکن ہے، امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر انہوں نے اپنی ضد نہ چھوڑی، آخر امیر المومنین نے فرمایا:

"واللہ اگر وہ لوگ زکوٰۃ کے اونٹ کی ادنیٰ رسی دینے سے بھی انکار کریں گے تو بھی میں ان کے خلاف جہاد و قتال کروں گا کیونکہ زکوٰۃ بھی اسلام کے فرائض پنجگانہ میں داخل ہے"۔

امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بینظیر استقلال

جب قبائل کا وفد ناخوش ہو کر مدینہ منورہ سے واپس جانے لگا تو ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین ابوبکر

Marfat.com

صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا:

"قبائل عرب بے سروپا وحشی ہیں، عرب کے مختلف حصوں میں دشمنی کے طوفان اُٹھ رہے ہیں، خانہ ساز نبی اپنی اپنی جگہ پر شورش برپا کر رہے ہیں، یہود و نصاریٰ فتنہ انگیزی کے لئے الگ گھات میں بیٹھے ہیں، مصلحتِ وقت یہ ہے کہ بالفعل لوگوں کی تالیف قلوب کی جائے، اور جب تک اساسِ خلافت مستحکم نہ ہو جائے ان سے کوئی تعرّض نہ کیا جائے"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ سن کر برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا، نبوت منقطع ہو گئی، وحی الٰہی کا سلسلہ موقوف ہو گیا، سارا عرب دشمنی پر آمادہ ہے، اور میں اپنی حربی کمزوری کا بھی بخوبی احساس رکھتا ہوں، لیکن بہ ایں ہمہ اللہ کی قسم! جس قدر زرِ زکوٰۃ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں بھیجتے تھے اگر اس میں سے ایک دانہ بھی کم کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا، اور اگر بالفرض تم لوگوں میں سے کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو میں ان سے تن تنہاء مقابلہ کر کے جاں سپاری کا فرض ادا کروں گا، لیکن یہ کبھی ممکن نہیں کہ اسلام کا کوئی رکن توڑا جائے، شعائر الٰہیہ کی توہین ہو، ملت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چراغ ہدایت کو کفر کی آندھیاں گل کرنے میں ساعی ہوں، اور میں اسے گوارا کر لوں۔ کیا حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد اسلام یتیم ہو کر کسمپرسی کی حالت میں مبتلا ہو جائے گا؟ کیا فریضہ الٰہی کی بیکسی دیکھ کر ہم غاشیہ برادرانِ ملت کی رگ حمیت میں جنبش نہ پیدا ہو گی"؟

صحابی مذکور نے عرض کیا، امیر المومنین! آپ بجا فرماتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کفار سے اسی وقت تک مقابلہ کرو جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں، مگر موجودہ صورت میں جب کہ وہ اقرار توحید و رسالت میں ہمارے شریک حال ہیں، آپ ان کے خلاف کیونکر ہتھیار اُٹھا سکتے ہیں؟ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے لوگوں پر جو کلمہ شہادت اور نماز و زکوٰۃ میں تفریق کرتے ہیں ضرور لشکر کشی کروں گا"۔ صحابی یہ سن کر لاجواب ہو گئے اور سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہہ کر سر جھکا دیا۔

Marfat.com

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''خدائے قدوس نے امیر المومنین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انشراح صدر فرمادیا تھا اور آپ کے دل میں نور صداقت کا ایک روشن دان کھل گیا تھا''۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ربُّ العزۃ قیامِ حق کے لئے جن نفوسِ قدسیہ کا شرح صدر فرما دیتا ہے، دنیا کی کوئی غیر اللہ کی طاقت ان کے قلعہ استقامت کی مضبوط دیواروں کو متزلزل نہیں کر سکتی، امیر المومنین کا عزم وثبات دیکھ کر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی حوصلے بڑھ گئے، بجھی ہوئی طبیعتوں میں ولولہ پیدا ہوا اور ہمت وجرأت نے گویا سنبھالا لیا۔

اب قاصد مدینہ طیبہ سے ناکام واپس لوٹ گئے، اور امیر المومنین کا جواب قبائل کو جا سنایا اور بیان کیا کہ اس وقت مدینہ میں بہت تھوڑے مسلمان موجود ہیں، امیر المومنین نے ان کی مراجعت کے بعد حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو انصار مدینہ کا افسر مقرر فرمایا، اور چونکہ آپ کو یقین تھا کہ اعدائے اسلام بہت جلد مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوں گے، مسلمانانِ مدینہ کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر رہا کریں۔

امیر المومنین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پہلی فتح

وفد کو واپس گئے ابھی تین دن ہی گزرے تھے کہ حیال اپنے سپاہی لے کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی غرض سے پہنچ گیا، امیر المومنین وقت سحر تک مسلمانوں کو لڑائی کے لئے آراستہ کرتے رہے، اور صبح صادق سے پہلے پیادہ پا دشمن کے سر پر جا پہنچے، حریف کو مجاہدین اسلام کے پہنچنے کی اس وقت خبر ہوئی جب مسلمان اس ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں مرتدین نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگا کر کفار کو تہ تیغ کرنا شروع کیا، اس اچانک حملے سے دشمن بدحواس ہو گئے، مجاہدین ملّت نے کفار کو اپنی شمشیر زنی کا خوب تختہ مشق بنایا، نتیجہ یہ ہوا کہ بقیۃ السیف دشمن طلوع سے قبل

Marfat.com

ہی بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمانوں نے مالِ غنیمت سمیٹ کر دشمن کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ ذی القصہ سے بھی آگے تک بھگا کر ایک مقام پر قیام کیا۔

امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فاتحانہ یلغار

اس وقت پیروانِ طلیحہ اپنی ہزیمت پر دُم بریدہ سانپ کی طرح پیچ وتاب کھا رہے تھے مگر کوئی بس نہ چلتا تھا، آخر اپنے جوشِ انتقام کو تسکین دینے کیلئے بنی عبس اور ذبیان نے اپنے اپنے قبائل کے مسلمانوں کو پکڑ کر شہید کرڈالا، جب اس سانحہ جاں گزا کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچی تو امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ جتنے مشرکوں نے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا ہے میں بھی اتنے بلکہ اُن سے بھی زیادہ کافروں کو خاک وخون میں تڑپائے بغیر چین نہ لوں گا۔

دو مہینے اور تین روز کے بعد حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی مظفر ومنصور شام سے مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے، امیر المومنین نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنا نائب وخلیفہ مقرر کیا، اور جو لشکر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہمرکاب گیا تھا اسے بھی دارالخلافہ میں چھوڑا تا کہ مجاہدین خود اور اُن کی سواریاں چند روز تک ستالیں، اور خود اپنی قلیل سی جمعیت کو لے کر کوچ کیا، اس وقت مسلمانوں نے بہت منتیں کیں اور قسمیں دیں کہ آپ خود مشقت جہاد گوارا نہ فرمائیں، مگر آپ نے ایک نہ سنی اور فرمایا کہ میں اس مہم کو بہ نفسِ نفیس اس لئے انجام دینا چاہتا ہوں کہ مجھے دیکھ کر تمہارے اندر جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ موجزن ہو۔

امیر المومنین نے میدان کارزار میں اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے اور جیش موحدین نے دھاوے کر کر کے سرزمینِ ارتداد میں بھونچال ڈال دیئے، اس رزم وپیکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المومنین نے گروہ مرتدین کے ایک مشہور سردار حُطیہ کو قید کر کے بنی ذبیان کے سارے علاقے پر تسلط جمالیا، بنی عبس اور بنی بکر نے میدان جان ستان سے بھاگ کر اور نہایت عجلت کے ساتھ اہل وعیال کو ساتھ لے کر طلیحہ کے پاس جا پناہ لی اور ان کی چراگاہوں میں مسلمانوں کے جانور چرنے لگے، اس شاندار فتح کے بعد بعض صحابہ نے عرض کیا کہ امیر

Marfat.com

المومنین اب آپ جلد مستقر خلافت کی طرف رجوع فرمائیں، کیونکہ خوف ہے کہ مبادا منافق لوگ دارالخلافہ میں کوئی تازہ فتنہ کھڑا نہ کردیں، اس لئے آپ نے مدینہ منورہ کو عود فرمایا۔

جیشِ اسلامی کی تقسیم گیارہ دستوں میں

جب حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے مراجعت فرمانے والے لشکر نے تھوڑے دن تک آرام کرلیا تو اتنے میں زرِ زکوٰۃ کے پہنچنے سے بیت المال میں مال وزر کی اتنی فراوانی ہوگئی کہ تمام حاجات وضروریات پوری ہونے کے بعد بہت سازرونقد فاضل بچ رہا، اب امیر المومنین نے تمام فوج کو گیارہ دستوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک دستہ کے لئے الگ الگ جھنڈے تیار کرائے، پہلا جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیا، دوسرا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل کو دے کر مسیلمہ کذاب کی طرف روانہ فرمایا، جب قبیلہ غطفان اور بنو اسد نے طلیحہ کی پیروی اختیار کی تھی تو ان کی دیکھا دیکھی حاتم طائی کے خاندان بنی طے نے بھی اپنی قسمت طلیحہ سے وابستہ کردی تھی، چونکہ قبیلہ طے کی گوشمالی بھی ضروری تھی، اس لئے امیر المومنین نے حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ کو جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے، ان کے قبیلہ طے کی جانب روانہ فرمایا، غرض ہر ایک دستۂ فوج پر ایک ایک والی مقرر کیا، جب سب لشکر مرتب ہوگیا تو سب گیارہ امیر اپنی اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگئے۔

طلیحہ سے بنو طے کی علیحدگی اور قبولِ اسلام

جب حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ طے میں پہنچے تو انہیں اسلام کی دعوت دی اور انحراف وسرکشی کے عواقب سے متنبّہ کیا، چنانچہ قبیلہ طے نے سرِ انقیاد جھکا دیا، اور حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے استدعا کی کہ آپ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں، تاکہ ہم طلیحہ کے لشکر سے منقطع ہوکر علیحدگی اختیار کرسکیں، چنانچہ بنی طے مسلمان ہوکر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے۔

بنی طے کے قبول اسلام کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قبیلہ جذیلہ پر لشکر کشی کا عزم فرمایا، حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کہا ذرا ٹھہریے، ایک دفعہ جا کر افہام وتفہیم کا فرض دوبارہ ادا کرلوں، عدی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور اسلام

Marfat.com

کے محاسن اور کفر کے معایب بیان کر کے انہیں دعوت اسلام دی، انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور سب مسلمان ہو گئے، عدی رضی اللہ عنہ نے وہاں سے آ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو یہ مژدہ سنایا۔ جذیلہ والوں کے قبولِ حق کی استعداد کی داد دینی چاہئے کہ وہ نا صرف اسلام لا کر سعادت دارین کے سرمایہ دار بنے، بلکہ ان کے ایک ہزار سوار بھی جہاد کی نیت سے لشکر اسلام میں آ داخل ہوئے۔

آتشکدۂ حرب کی شعلہ زنی اور طلیحہ کا انتظارِ وحی

جب طلیحہ کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی قیامت خیز آتش حرب پوری طرح شعلہ زن ہوئی تو طلیحہ اپنے شیطانی القاء کے انتظار میں میدان کارزار کی ایک طرف چادر اوڑھ کر بیٹھ گیا اور بولا اب مجھ پر وحی نازل ہوگی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس شدت سے حملے کئے کہ غنیم کے منہ پھیر دیئے، جب عیینہ کو اپنی شکست کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ طلیحہ کے پاس گیا، اور دریافت کرنے لگا کہ جبرائیل علیہ السلام نے کوئی مژدۂ فتح سنایا یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا جبرائیل علیہ السلام ہنوز تشریف نہیں لائے، عیینہ کہنے لگا جبرائیل علیہ السلام کب آئیں گے؟ اور بولا واللہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہماری طاقت جواب دے رہی ہے اور بری طرح کچومر نکل رہا ہے، عیینہ لوٹ گیا، اور میدان جنگ میں کمال شجاعت اور جان بازی سے لڑنے لگا، پھر دوسری اور تیسری مرتبہ طلیحہ سے جا کر دریافت کرنے لگا کہ کہیئے جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا ہاں جبرائیل آئے تھے، عیینہ نے دریافت کیا ''پھر وہ کیا کہہ گئے؟'' طلیحہ نے کہا جبرائیل رب جلیل کا یہ پیغام پہنچا گئے ہیں:

اِنَّ لَكَ رَحًى كَرَحَاهُ وَحَدِيثًا لَا تَنْسَاهُ ''تیرے لئے بھی شدت جنگ ایسی ہی ہوگی جیسی کہ خالد رضی اللہ عنہ کے لئے ہے، اور ایک معاملہ ایسا گزرے گا کہ تو اسے کبھی فراموش نہ کرے گا''۔

عیینہ کو یہ سُن کر اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ یہ شخص کاذب اور خانہ ساز نبی ہے، وہ بنی فزارہ کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس چل دیے، طلیحہ کے دوسرے پیروکار بھی بھاگ گئے، جب مسلمان سوار طلیحہ کو گرفتار کرنے کے قصد سے بڑھے تو وہ جھٹ گھوڑے پر سوار ہوا اور بیوی کو ساتھ لے کر بڑی تیزی سے بھاگا، اور مسلمانوں کے

Marfat.com

ہاتھ سے بچ گیا، بھاگتے وقت بنی فزارہ سے کہہ گیا کہ جس کسی سے ممکن ہو وہ بھی اسی طرح اپنی جلیس کو لے کر اُڑ جائے، یہاں سے وہ شام کی طرف گیا اور قبیلہ کلب میں جا کر رہنے لگا۔

طلیحہ کی ہزیمت و فرار کے بعد عیینہ بن حصن گرفتار ہو گیا، وہ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، جب مدینہ کے بچوں نے اسے دیکھا کہ مشکیں بندھی ہوئی ہیں اور مرتد ہونے سے قبل وہ اس کی بڑی عزت و اکرام دیکھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اے دشمنِ خدا! تو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا، یہ کیا غضب کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو بعد کو مرتد ہوا؟ امیر المومنین نے اس کی جان بخشی فرما دی، مرتد کی سزا قتل ہے لیکن چونکہ اس نے یقین دلایا کہ وہ شروع ہی سے مسلمان نہیں تھا اس لئے بچ گیا۔

طلیحہ کا کلامِ وحی

وَالْحَمَامِ وَالْيَمَامِ وَالصِّرِّ وَالصَّوَامِ قَدْ ضَمِنَ قَبْلَكَ بِالْحَوَامِ لَيَبْلُغَنَّ مُلْكُنَا الْعِرَاقَ وَالشَّامَ

قسم ہے اہلی پرندوں، جنگلی پرندوں اور حرمتی کی جو خشک زمین میں رہتی ہے کہ زمانہ ماضی میں سالہا سال سے یہ قرار پا چکا ہے کہ ہمارا ملک عراق اور شام تک وسعت پذیر ہو گا۔

طلیحہ کا قبولِ اسلام

قبیلہ غنیم مسلمان ہو کر اسلام میں داخل ہو گیا، اس کے بعد بنی اسد اور غطفان خلعتِ اسلام سے مشرف ہوئے تو طلیحہ بھی مسلمان ہو کر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں شام سے حج کو آیا اور مدینہ پہنچ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تم نے ان من گھڑت الفاظ کو وحی الٰہی سے تعبیر کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا کہ "خدائے برتر تمہارے مونہوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی ہے اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے اور جھاگ دودھ کے اوپر ہی رہتا ہے"۔

طلیحہ نے کہا "امیر المومنین یہ بھی کفر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ تھا جسے اسلام نے بالکلیہ معدوم کر دیا، پس اب مجھ پر ان باتوں کا کوئی الزام نہیں"۔ یہ سن کر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

Marfat.com

مُسَیلمہ کذّاب

مسیلمہ دربارِ نبوی میں

جب فخرِ بنی آدم سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا غلغلہ اقصائے عالم میں بلند ہوا اور اہل آفاق سرچشمہ نبوت سے سیراب ہونے کے لئے اکنافِ ملک سے اُمنڈ آئے تو مسیلمہ بن کبیر بن حبیب نے بھی وفد بنی حنیفہ کی معیت میں آستانہ نبوی میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، مگر ساتھ ہی یہ درخواست بھی پیش کر دی کہ حضور ﷺ اسے اپنا جانشین مقرر فرما دیں، یہ عرضداشت لغویت میں کچھ ایسی خفیف نہ تھی کہ مزاج اقدس پر گراں نہ گزرتی اور آپ اس کو نظر انداز فرما دیتے، اس وقت آپ کے سامنے کھجور کی ایک ٹہنی رکھی تھی، آپ نے فرمایا اے مسیلمہ! اگر تم امرِ خلافت میں مجھ سے یہ شاخِ خرما بھی طلب کرو تو میں دینے کو تیار نہیں"۔

مگر بعض صحیح تر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے حضور ﷺ سے بیعت نہ کی تھی بلکہ بیعت کو مشروط ٹھہرایا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ مجھے اپنا جانشین متعین فرمائیں یا اپنی نبوت میں شریک کریں تو میں بھی حضور اقدس ﷺ سے بیعت کرتا ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیلمہ منصبِ نبوت کو عطائے الٰہی کے بجائے ایک دنیاوی اعزاز سمجھتا تھا اور شاید اسی زعم فاسد کی بنا پر وہ متمنی تھا کہ آنحضرت ﷺ اسے نبوت میں شریک و سہیم بنا لیں لیکن حضور ﷺ کے اس برحق جواب نے اس کے نخلِ آرزو کو بالکل خشک کر دیا۔

دعوائے نبوت کا محرک اور اس کا آغاز

جب مسیلمہ ادھر سے مایوس ہوا تو اس کے دل و دماغ میں از خود نبوت کی دکان کھول دینے کے خیالات موجزن ہوئے، وہ ذاتی وجاہت اور قابلیت کے لحاظ سے ابنائے وطن میں ممتاز اور طاقت لسانی اور فصاحت و انشاء پردازی میں اقران و اماثل میں ضرب المثل تھا، اور یہی وہ چیز تھی جو اسے ہر وقت مقصد میں کامیابی کا یقین دلا رہی تھی، انہی خیالات کے ساتھ وہ یمامہ پہنچا، وہاں پہنچ کر دعوائے نبوت کی ٹھان لی، اور اہلِ یمامہ کو

Marfat.com

یقین دلایا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے اپنی نبوت میں شریک کرلیا ہے۔اب اس نے اپنی من گھڑت وحی والہام کے افسانے سنا سنا کر اپنی قوم (بنوحنیفہ) کو راہِ حق سے منحرف کرنا شروع کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بعض خوش اعتقاد لوگ جناب سید المرسلین کی رسالت کے ساتھ اس کی نبوت کے بھی قائل ہو گئے۔

جب اس کی اطلاع آستانہ نبوت میں پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ بنوحنیفہ کے ایک ممتاز رکن رحّال بن عنفوہ کو جو نہار کے نام سے بھی مشہور تھا، اور چند روز پیشتر یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا تھا، اس غرض سے یمامہ روانہ فرمایا کہ مسیلمہ کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لائے، مگر یہ شخص بنی حنیفہ کے لئے باعثِ فساد ثابت ہوا، اس نے یمامہ پہنچ کر الٹا مسیلمہ کا اثر قبول کرلیا، اور گواہی دی کہ ہاں واقعی محمد رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ مسیلمہ نبوت میں میرا شریک ہے۔اس کی شہادت پر تقریباً سارا قبیلہ بنوحنیفہ مرتد ہو گیا اور مسیلمہ کذاب کو نبی تسلیم کرلیا۔

بعض لوگ مسیلمہ کو کذاب یقین کرنے کے باوجود محض قومی عصبیت کی بنا پر اس کے پیرو ہو گئے تھے، جیسا کہ طلیحہ نمری کہ جس نے کہا تھا کہ تو کذاب ہے لیکن مجھے عزیز ومحبوب ہے۔

تیس میں سے ایک دجال

اس کے تھوڑے دن بعد بنوحنیفہ کا ایک اور وفد مدینہ منورہ آیا، ان لوگوں کو مسیلمہ کی تعریف وتقدیس میں بڑا غلو تھا، یہ لوگ اس کے اقوال کو لوگوں کے سامنے وحی آسمانی کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے، جب حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفد کی اس ماؤف ذہنیت کا حال معلوم ہوا اور آپ نے یہ بھی سنا کہ بنوحنیفہ نے اسلام سے منحرف ہو کر مسیلمہ کا نیا طریقہ اختیار کرلیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس میں حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ مسیلمہ اُن تیس مشہور کذابوں میں سے ایک کذاب ہے جو دجال اعور سے پہلے ظاہر ہونے والے ہیں، اس دن سے مسلمان مسیلمہ کو مسیلمہ کذاب کے نام سے یاد کرنے لگے۔

مسیلمہ کا مکتوب حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور اس کا جواب

مِنْ مُّسَيْلَمَةَ رَّسُوْلِ اللهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ اَمَّا بَعْدُ! فَاِنِّىْ قَدْ اَشْرَكْتُ مَعَكَ فِى

Marfat.com

اَلْاَمْرِ وَاَنَّ لَنَا نِصْفَ الْاَرْضِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفُهَا وَلٰكِنْ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ

مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام، معلوم ہو کہ میں امر نبوت میں آپ کا شریک کار ہوں (عرب کی) سرزمین نصف ہماری اور نصف قریش کی ہے، لیکن قریش کی قوم زیادتی اور بے انصافی کر رہی ہے۔[1]

مسیلمہ کے خط کے جواب میں حضرت صادق مصدوق علیہ التحیۃ والسلام نے لکھوا بھیجا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ[2]

بسم اللہ الرحمن الرحیم، منجانب محمد رسول اللہ بنام مسیلمہ کذاب، سلام اس شخص پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے، اس کے بعد معلوم ہو کہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے اور عاقبت کی کامرانی متقیوں کے لئے ہے۔

مسیلمی شریعت کے احکام

مسیلمہ جیسے فرزانۂ روزگار مدعی سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے کے لئے شریعت محمدی (علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام) کے مقابلہ میں کوئی ایسا یسیر العمل آئین پیش کرتا جو شرعی تکلیفات اور پابندی احکام کی تلخ کامیوں سے آزاد ہوتا، چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور ایک ایسے عامیانہ اور رندانہ مذہب و مسلک کی بنیاد ڈالی جو شرمناک قسم کی خواہشات نفسانی کے حبس واحتراز سے اصلاً بے نیاز تھا، سب سے پہلے اُس نے حرمتِ خمر سے انکار کر کے عہدِ جاہلیت کی پرانی رسم کا اعادہ کیا، اس کے بعد یہ حیا سوز نغمہ چھیڑ دیا کہ جانوروں کی طرح انسان بھی توالد و تناسل میں فطرۃً آزاد ہے، ازدواجی تعلقات محض انتظام خانہ داری کے لئے ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ مرد و زن عقد مناکحت کے دائرہ میں محصور و مجبور رہیں، چنانچہ اس کی کتاب ''فاروق ثانی'' میں زنا کو

---

[1] مستخرج أبي عوانة۔ [2] تاريخ المدينة لابن شبة، ۲/۵۷۲۔

Marfat.com

مباح لکھا ہے کیونکہ مسیلمہ کے نزدیک وہ بھی ایک لذت ہے، اس مطلق العنانی کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف فواحش کے شرارے بلند ہوئے اور فساق اور ہوا و ہوس کے پرستار جوق در جوق اس کے حلقۂ ارادت و نیاز مندی میں داخل ہونے لگے۔

مسیلمی شریعت کے ماتحت اباحت پسند طبائع کو ہوس رانیوں اور نشاط فرمائیوں کا اچھا خاصہ حیلہ مل گیا، شراب نوشی تو تحلیل زنا سے پہلے ہی حلال کر دی گئی تھی، ان فواحش نے ملک کو فسق و فجور کا گہوارہ بنا دیا، اور لطف یہ ہے کہ باوجود ان فاسقانہ تعلیمات کے خوش عقیدہ لوگ اسے نبی اور رسول برحق ہی یقین کرتے تھے، اوائل میں تحلیل زنا کے ساتھ شادی پر کوئی قیود عائد نہ کئے، لیکن اس کے بعد زنا کو تو علیٰ حالہ جائز رکھا البتہ شادی پر بہت سے قیود عائد کر دیئے، لیکن ان قیود کا منشا شاید یہی تھا کہ زنا و حرام کاری میں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں، مطلق العنانی کے پہلے دَور کے بعد اس نے حکم دیا کہ جس شخص کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جائے وہ بیوی سے اس وقت تک قربت نہ کرے جب تک یہ لڑکا زندہ ہو، ہاں اگر مر جائے تو دوسرا لڑکا متولد ہونے تک اس سے مباشرت کرے۔

امت مسیلمہ کے نزدیک نکاح میں گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کی حاجت نہیں، بلکہ زن و مرد کا خلوت میں ایجاب وقبول کر لینا کافی ہے، ہنود کی طرح مسیلمیوں کے نزدیک بھی اقرباء میں شادی کرنا مذموم ہے، وہ کہتے ہیں کہ گو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد مبارک میں چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ جیسے اقارب کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز تھا لیکن آپ کی رحلت کے بعد حرام ہو گیا۔

مسیلمی صوم وصلوٰۃ

مسیلمی لوگ ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے بلکہ اس کی ممانعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ کی جگہ شبہ رکھنا چاہئے، اور وہ یہ ہے کہ غروب سے لیکر طلوع آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کریں، مسیلمہ نے تین نمازیں ظہر، عصر، مغرب مقرر کی تھیں اور حکم دیا تھا کہ تینوں نمازیں مختلف جہات میں ادا کی جائیں، مثلاً نماز ظہر مشرق کی طرف منہ کر کے ادا کی ہے تو عصر کے وقت مغرب کا رخ کرے، وہ چکڑالویوں اور شیعوں کی

Marfat.com

طرح نماز سنت ادا نہیں کرتے، کیونکہ ان کے زعم میں نماز تو وہی ہوسکتی ہے جس کے لئے معبود برحق نے حکم دیا ہو، نہ یہ کہ پیغمبر خود ہی اپنی مرضی سے ادا کرنے لگے، ہاں اگر فرض نماز کے بعد چاہیں تو کلام الٰہی قرآن یا فاروقِ اوّل پڑھیں اوراذ کار واوراد میں مصروف رہیں۔

چکڑالویوں کی طرح ان کے نزدیک نماز میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا بلکہ آپ کا نام ہی نہ لینا چاہئے، کیونکہ ان کے زعم باطل میں اس طرح عبادت الٰہی کے اندر مخلوق کی عبادت شامل ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی طرح حضرت مسیلمہ پر بھی نمازیں تو شروع میں پانچ ہی فرض ہوئی تھیں لیکن اوقات پنجگانہ میں سے صبح اور عشاء کی دو نمازیں حضرت مسیلمہ نے بحکم الٰہی اپنی منکوحہ سجاح کے مہر میں، جو کہ وہ بھی ایک مرسلہ تھیں بخش دی تھیں۔

مسیلمہ کا کلامِ وحی

مسیلمہ نے قرآن پاک کے مقابلہ میں بعض مسجع عبارتیں لکھ کر ان کو کلام الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا تھا، مگر اہل علم اور اصحاب بصیرت کے نزدیک ایک لطیفے کے سوا اُن کی کوئی حیثیت نہیں چہ جائیکہ ایسے کلام خرافات التیام کو (معاذ اللہ) کلام الٰہی کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے، مسیلمہ کا ''کلام وحی'' ایسا مضحکہ خیز ہے کہ ارباب ذوق سلیم کی محفلیں مارے ہنسی کے لوٹ جاتی ہیں، اس نے سورۃ والعادیات کے مقابلہ میں لکھا تھا:

وَالزَّارِعَاتِ زَرْعًا وَالْحَاصِدَاتِ حَصْدًا وَالذَّارِيَاتِ قَمْحًا وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا وَالْخَابِزَاتِ خَبْزًا وَالثَّارِدَاتِ ثَرْدًا وَاللَّاقِمَاتِ لَقْمًا إِهَالَةً وَّسَمْنًا لَقَدْ فُضِّلْتُمْ عَلَى أَهْلِ الْوَبَرِ وَمَا سَبَقَكُمْ أَهْلُ الْمَدَرِ رِيفَكُمْ فَامْنَعُوهُ وَالْمُعْتَرَّ فَآوُوهُ وَالْبَاغِيَ فَنَاوِئُوهُ [1]

قسم ہے کھیتی کرنے والوں کی اور قسم ہے کھیتی کاٹنے والوں کی اور قسم ہے بھوسہ صاف کرنے

[1] اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ للرافعی، ص:۱۲۱۔

Marfat.com

کے لئے گیہوں کو ہوا میں اڑانے والوں کی اور قسم ہے آٹا پیسنے والوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والوں کی اور قسم ہے سالن پکانے والوں کی اور قسم ہے تیل اور گھی کے لقمے کھانے والوں کی کہ تم کو صوف والے (بادیہ نشین) عربوں پر فضیلت دی گئی ہے اور مٹی (سے مکان بنانے) والے (شہری عرب بھی) تم سے بڑھ کر نہیں ہیں، تم اپنی روکھی سوکھی روٹی کی حفاظت کرو، عاجز درماندہ کو پناہ دو اور طالب اور مانگنے والے کو اپنے پاس ٹھہراؤ۔

سورۂ فیل کے جواب میں لکھا تھا:

اَلْفِیْلُ وَمَا الْفِیْلُ لَهٗ ذَنَبٌ وَبِیْلٌ وَخُرْطُوْمٌ طَوِیْلٌ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ خَلْقِ رَبِّنَا الْجَلِیْلِ [1]

"ہاتھی، اور وہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کی بدنما دُم اور لمبی سونڈ ہے، یہ ہمارے ربّ جلیل کی مخلوق ہے"۔

ان الفاظ کو بھی وحی الٰہی کی طرف منسوب کیا تھا:

یَاضِفْدَعُ بِنْتُ ضِفْدَعٍ نَقِّیْ مَا تَنَقِّیْنَ، نِصْفُكِ فِی الْمَاءِ وَنِصْفُكِ فِی الطِّیْنِ، لَا الشَّارِبَ تَمْنَعِیْنَ وَلَا الْمَاءَ تُكَدِّرِیْنَ [2]

اے مینڈکی، مینڈکی کی بچی! اسے صاف کر جسے تو صاف کرتی ہے، تیرا بالائی حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا حصہ مٹی میں ہے، نہ تو تو پانی پینے والے کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے۔

مسیلمہ کے معجزات

مسیلمی خصائصِ نبوت میں سے ایک نہایت دلچسپ اور مہتم بالشان یہ امر تھا کہ اعجاز نمائی کے طور پر وہ جو کچھ کہتا اور جس بات کا بھی ارادہ کرتا اس کے برعکس اور خلافِ مدعیٰ ظاہر ہوتا تھا، اور یہ بات اس زمانہ کے عجائبات قدرت میں شمار کی جاتی تھی اور سنت اللہ اس طرح جاری ہے کہ جھوٹے مدعیوں کو دنیاوی حیثیت سے جس درجہ وقار بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے وہ دینی عزت اور عظمت کے لحاظ سے کبھی سرفراز و کامیاب نہیں ہو

[1] غرائب التفسیر وعجائب التأویل، ۱/۳۷۲۰۔ [2] إعراب القرآن وبیانہ، ۱/۶۰۔

Marfat.com

سکتے، ان کی غرض مندانہ تعلّی اور دردغ بافی ان کی دعاؤں کو شرف استجابت وقبول سے محروم رکھتی ہے اور غیرت خداوندی اوران کی خودغرضانہ پیش گوئیوں کے پورا ہونے میں ہمیشہ مزاحم رہتی ہے، خصوصاً مسیلمہ کے بارہ میں تو یہ کلیہ کچھ ایسی غیر متعارف قوت وسرعت کے ساتھ نمایاں ہوتا تھا کہ ان واقعات کو جناب سالار انبیاء ﷺ کی اعجازی کارفرمائی کے سوا اور کچھ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

ایک عورت مسیلمہ کے پاس آئی اور کہنے لگی ہمارا نخلستان سرسبزی سے محروم ہے اور کنوئیں بھی خشک ہو گئے ہیں، آپ حضرت مجیب الدعوات سے ہمارے لئے پانی اور نخلستان کی شادابی کی اسی طرح دعا کیجئے جس طرح جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ساکنان ہزمان کے لئے دعا فرمائی تھی، مسیلمہ نے نہار سے پوچھا محمد (ﷺ) نے اہل ہزمان کے واسطے کس طرح دعا کی تھی؟ نہار نے کہا جناب خیر الانام ﷺ نے ان کے کنوؤں کا پانی لیا اوراس سے غرغرہ کر کے انہی کنوؤں میں ڈال دیا، اس سے کنوئیں کا پانی متلاطم ہو کر چشمہ کی طرح اُبل پڑا تھا، اسی طرح آنحضرت ﷺ کی دعا سے خرما کے درختوں میں شاخیں پھوٹ آئیں اور تمام چھوٹے چھوٹے پودوں میں کلیاں نکل پڑیں۔

مسیلمہ نے بھی اسوۂ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی پیروی کر کے اپنا آب دہن کنوؤں میں ڈلوایا، لیکن قدرت الٰہی نے اس کا الٹا اثر یہ دکھایا کہ کنوؤں کا پانی اور بھی نیچے اُتر گیا، خرما کے درخت پہلے سے بھی زیادہ سوکھ گئے اور دعا کرانے والے مدّت العمر مسیلمہ کی جان کو روتے رہے۔

ایک دفعہ نہار نے مسیلمہ سے ذکر کیا کہ حضرت سید کائنات ﷺ بچوں کے سر پر برکت کے لئے ہاتھ پھیرا کرتے تھے، مسیلمہ نے بھی معجزہ نمائی کے طور پر بنی حنیفہ کے چند اطفال کے سروں اور اُن کی ٹھوڑیوں پر ہاتھ پھیرا مگران کا یہ معکوس اثر ظاہر ہوا کہ تمام لڑکے گنجے ہو گئے اور تتلانے لگے۔

ایک مرتبہ مسیلمہ نے سنا کہ محمد (ﷺ) کے لعاب دہن سے آشوب چشم اچھا ہو گیا، مسیلمہ نے بھی کسی مریض کی آنکھ پر آب دہن لگا دیا مگر وہ بیچارہ ہمیشہ کے لئے بصارت سے ہی محروم ہو گیا۔

ایک دفعہ کسی دودھ والی بکری کے تھن پر دودھ میں اضافہ کی غرض سے ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی تو

Marfat.com

اچانک اس کا سارا دودھ خشک ہو گیا۔

ایک مسیلمی بیوہ نے درخواست کی کہ میرے بہت سے بیٹے فوت ہو چکے ہیں، اب صرف دو باقی ہیں حق تعالیٰ سے ان کی بقا اور درازی عمر کے لئے دعا فرمایئے؟ اس نے دعا کی اور فرزند کلاں کی کبرسنی کا مژدہ سنا کر پسر خورد کی مدتِ عمر چالیس سال بتائی، جب وہ غم نصیب شاداں وفرحاں مکان پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ بڑا لڑکا کنوئیں میں گر کر مر گیا ہے اور چھوٹا فرزند جس کے سنین عمر چالیس بتائے تھے حالت نزع میں دم توڑ رہا ہے، غرض تھوڑی دیر میں وہ بھی اپنی دکھیا ماں کو داغِ مفارقت دے کر راہگرائے عالم آخرت ہوا۔

مسیلمہ کذّاب کا ایک عقلی معجزہ

چونکہ مسیلمہ خوراق عادات دکھانے سے قاصر تھا اور لوگوں کو معجزات کی قسم سے نبوت کی کوئی نہ کوئی علامت ضرور چاہئے، اس لئے اس نے اپنی جودت طبع سے بعض ''عقلی معجزے'' تجویز کر لئے تھے، اور بوقت ضرورت انہیں سے اعجاز نمائی کا کام لیتا تھا، ان میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ اس نے تنگ منہ والی بوتل میں بیضۂ مرغ ڈال رکھا تھا، اور جب کبھی کسی طرف سے اعجاز نمائی کا مطالبہ ہوتا تو اسی انڈے کو پیش کر دیتا اور کہتا تھا کہ تنگ منہ کی بوتل میں انڈے کو داخل کرنا قوت بشری کے حیطۂ امکان سے خارج ہے اور اگر کسی کو دعویٰ ہو تو ایسا کر دکھائے، حالانکہ اس نے انڈے کو چند روز تک سرکے میں رکھ کر نرم کر لیا تھا، اس طرح انڈا بوتل میں باآسانی داخل ہو گیا تھا، اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہی شخص ہے جس نے انڈے کو بوتل میں داخل کیا۔

محاربات مسیلمہ کذّاب

جس وقت امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین عرب کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ فرمایا اسی وقت ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت تفویض فرما کر مسیلمہ کذاب سے لڑنے کو یمامہ کی طرف جانے کا حکم دیا، پھر ان کے بعد شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو ان کی کمک کی غرض سے روانہ فرمایا، لیکن عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حالات پر قابو پائے اور ماحول کا کافی مطالعہ کئے بغیر نہایت عجلت کے ساتھ شرحبیل کی آمد سے

Marfat.com

پہلے ہی لڑائی چھیڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کو ہزیمت ہوئی۔

اس اثناء میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بطاح سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور امیر المومنین کو تمام واقعات زبانی کہہ سنائے، آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کے خلاف معرکہ آرا ہونے کا حکم دیا اور مسلمانوں کا ایک لشکر گراں ان کے ساتھ کر دیا، مہاجرین پر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ امیر مقرر کئے اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو انصار کی قیادت عطا فرمائی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکل کر برق و باد کی طرح یمامہ کی طرف بڑھے، گو اس وقت مسیلمہ اور بنی حنیفہ کا طوطی بول رہا تھا اور مسیلمہ کے چالیس ہزار جنگ آزما سپاہی یمامہ کے دیہات اور وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے، تاہم باوجود قلت تعداد مسلمانوں کا جوش جہاد اور ولولہ شہادت اُبل رہا تھا اور وہ مسیلمی مرتدین سے جنگ آزما ہونے کے لئے بپھر رہے تھے۔

اسلام اور کفر کی آویزش

جب مسیلمہ کو معلوم ہوا کہ اسلام کے سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی سرکوبی کے لئے آپہنچے، تو اس نے اپنے لشکر کو یمامہ سے عقرباء کے مقام پر لا جمع کیا۔ اُدھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عقرباء کے میدان میں ڈیرے ڈال کر حرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے، دوسرے دن آتشِ حرب شعلہ زن ہوئی، لشکر اسلام میں مہاجرین کا جھنڈا سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، انصار کا جھنڈا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اٹھائے تھے، دوسرے قبائل عرب کے علَم اپنے اپنے سردارانِ قبیلہ کے ہاتھ میں تھے، مسیلمہ اپنا خیمہ و خرگاہ اپنی پشت پر چھوڑ آیا تھا، نہار الرحال بن عنفوہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے مسیلمہ کا مشیر خاص اور سر عسکر تھا، اس معرکہ میں مسیلمہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار تک شمار ہوا تھا۔

مسیلمہ کا بیٹا شرحبیل رجز خوانی کر کے بنو حنیفہ کو جوش دلانے لگا، اس نے کہا اے بنی حنیفہ! آج تم اپنی شرم و غیرت کے لئے لڑو، کیونکہ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو تمہاری عورتیں اور لڑکیاں مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں گی،

Marfat.com

اس لئے چاہئے کہ تم اپنے ننگ وناموس پر اپنی جانیں قربان کردو۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پہلے اتمام حجت کے لئے مسیلمہ اور اس کے پیروؤں کو دین حق کی دعوت دی، مگر انہوں نے گوشِ قبول سے نہ سنا، دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی وعظ ونصیحت کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا لیکن ان کے والہانہ یقین واعتقاد کی گرمجوشی میں کسی طرح فرق نہ آیا۔

اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں، مرتدین کی طرف سے سب سے پہلے نہار مسلمانوں کے خلاف جنگ آزما ہوا، اور بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے جو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے مارا گیا، اس وقت گھمسان کا رن پڑا، دونوں طرف کے دلاور داد شجاعت دے رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ یہی معرکہ فریقین کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا، اسلام اور کفر کی یہ ایسی زبردست آویزش تھی کہ اس سے پیشتر مسلمانوں کو ایسے زبردست معرکہ سے شاید کبھی سابقہ نہ پڑا ہوگا۔

حضرات ثابت، زید اور ابو حذیفہ (رضی اللہ عنہم) کی رجز خوانی

بنو حنیفہ آگے بڑھ کر مسلمانوں سے از سر نو مبارزت خواہ ہوئے، اس وقت مسلمان نشۂ شہادت وجان بازی میں سرشار تھے، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کو مخاطب کر کے کہا:

''اے ملتِ موحدین کے بہادرو! اپنی جانوں پر کھیل جاؤ، اور دشمن کی کثرت تعداد سے مرعوب ہو کر پست ہمتی سے کام نہ لو، الٰہی! میں اہل یمامہ کے ارتداد سے بیزار اور اہل ایمان کی کم ہمتی سے عذر خواہ ہوں۔

یہ کہہ کر وہ نہایت بے جگری سے غنیم کے قلب لشکر میں جا گھسے اور داد شجاعت دے کر جام شہادت پی لیا، اس کے بعد امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے برادر معظم حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کو مخاطب کر کے کہا:

''اے اربابِ ایمان! میں نے نہار کی زندگی کا چراغ گل کیا، لیکن اب میں اُس وقت تک کسی

Marfat.com

سے ہم کلام نہ ہوں گا جب تک کہ اعداء کو منہزم نہ کرلوں، یا خود ہی جرعۂ شہادت نہ پی لوں، اے توحید کے علمبردارو! توحید کی امانت تمہارے سینوں میں ودیعت ہے، اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تمہیں کوئی غیر اللہ کی طاقت مرعوب نہیں کرسکتی، اعداء کی کثرت اور اپنی قلتِ تعداد سے خالی الذہن ہوکر دشمن کا صفایا کردو''۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے شمع جمالِ احمدی کے پروانو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر کٹ مرو، اے توحید کے جان نثارو! تم اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر دنیا میں بھیجے گئے ہو، آج توحید کی لاج رکھ لینا، اے حاملانِ قرآن! قرآن اور اس کے آسمانی احکام دنیا سے مٹنے نہ پائیں''۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہلہ بول دیا

اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یک بیک ہلہ بول دیا اور لشکر اسلام اللہ اکبر کے نعرے بلند کرکے بنی حنیفہ پر اس طرح ٹوٹ پڑا جس طرح بھوکا شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے، اہل ارتداد اس حملہ کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے، آتش حرب جوش وخروش کے ساتھ شعلہ زن ہوئی، اس وقت کبھی تو مسلمانوں کا پلہ بھاری ہوجاتا اور کبھی مرتدوں کا، انہی معرکوں میں سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اور زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ وغیرہ بڑے بڑے اکابر ملت، شربتِ شہادت سے سیراب ہوگئے، یہ دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ کوئی ایسا نشان قائم کرو، جس سے فوراً معلوم ہوسکے کہ ہمارا کون سا پہلو کمزور ہے اور کس حصہ فوج کو کتنا نقصان پہنچا ہے، تاکہ اس کی فوراً تلافی کی جاسکے، آخر نشان قائم کئے گئے، لیکن مسلمانوں کو اتنا نقصانِ جان برداشت کرنا پڑا کہ اس سے پیشتر کسی لڑائی میں اس کا تجربہ نہ ہوا تھا، مہاجرین، انصار اور اہل قریٰ کی بہت بڑی تعداد میدان جنگ کی نذر ہوگئی۔

خالدی کارنامے

اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ تن تنہا میدان کارزار میں نکلے، ''اس وقت کسی شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے'' کا

Marfat.com

صحیح نقشہ لوگوں کے سامنے تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابلہ میں مبارز طلب کیا، اب دو دو سو رما حریفوں کا سامنا ہونے لگا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر جو مسیلمی آیا آپ نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔

غرض حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تن تنہا مسیلمی لشکر کے تمام بڑے بڑے نامی گرامی سورماؤں کو قعر عدم میں پہنچا دیا، یہاں تک کہ لشکر اعداء میں ہل چل مچ گئی اور خوشبوئے فتح مسلمانوں کے چمن میں مہکنے لگی، اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کو پکارا اور چند دوسرے مطالبات کے علاوہ از سرنو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اس نے یہ مطالبات مسترد کر دیئے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ گھوڑا دوڑا کر اس کی طرف لپکے اور اسے لڑائی پر مجبور کرنا چاہا، مگر وہ طرح دے کر دور نکل گیا۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کی شجاعت وجانثاری

محکم بن طفیل نے جو مسیلمی لشکر کے میمنہ پر تھا اب مسیلمی لشکر کو ایک نہایت وسیع وعریض باغ میں جو وہاں سے قریب واقع تھا، گھس جانے کو کہا، بنی حنیفہ جھٹ باغ میں پناہ گزین ہوئے اور محکم بن طفیل ایک ساعت تک مصروف پیکار رہا، یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اسے قتل کیا، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں اس کی گردن میں نیزہ مار کر اسے ہلاک کیا جبکہ وہ اپنی قوم کو خطبہ دیتا اور بنی حنیفہ کو لڑائی کے لئے برانگیختہ کر رہا تھا، بنی حنیفہ نے باغ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا تھا، مسلمانوں میں براء بن مالک رضی اللہ عنہ ایک نہایت سورما بہادر سپاہی تھے، انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ مجھے اللہ کے لئے اس باغ میں ڈال دو، انہوں نے فرمایا کہ ہم تمہیں دشمن کے ہاتھوں میں کیونکر دے دیں؟ براء رضی اللہ عنہ نے قسم دلائی کہ مجھے ضرور اندر ڈال دو، ان کے اصرار والحاح پر انہیں حدیقہ کی دیوار پر چڑھا دیا گیا، وہ اندر کو کودے، اور حدیقہ کے دروازہ پر جا کر کمال شجاعت کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں دشمنوں سے لڑنے لگے، اور نہایت بہادری

Marfat.com

کے ساتھ دروازہ پر قبضہ کر کے اسے مسلمانوں کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔

اسلامی لشکر فوراً اندر داخل ہونے لگا، باغ میں نہایت خونریز لڑائی ہوئی جس میں جانبین کا سخت نقصان ہوا، بنی حنیفہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور اس وقت تک کمزوری کا اظہار نہ کیا جب تک کہ مسیلمہ کا نقش وجود صفحہ ہستی سے مِٹ نہ گیا، یہ باغ جس میں مسیلمہ اور اس کے ہزار ہا پیروکار بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے گئے اُباض کے نام سے موسوم تھا، لیکن بعد کو کثرت موت کے باعث حدیقۃ الموت کے نام سے مشہور ہو گیا، آخر جب خلیفہ مامون عباسی کا زمانہ آیا تو اسحاق بن ابی قمیصہ نے اس جگہ ایک عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی۔

مسیلمہ کا قتل

جب مسیلمہ کو فلاح و رستگاری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو زرہ اور خود پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک دستہ فوج کو ساتھ لے کر لڑتا بھڑتا باغ سے باہر نکلا، جوں ہی باغ سے باہر آیا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی رضی اللہ عنہ نے جو اس سے پیشتر مسلمان ہو چکا تھا اور لشکر اسلام میں شامل تھا، اسے ایسا نیزہ مارا کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا، فوراً وہیں ٹھنڈا ہو گیا، اور حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رحال بن عنفوہ کو موت کا ذائقہ چکھا کر واصل جہنم کیا، مسیلمہ کے قتل میں دراصل دو مسلمانوں نے حصہ لیا تھا، ایک وحشی نے اور دوسرا ایک انصاری نے، پہلے وحشی نے ایک نیزہ رسید کیا جونہی اس پر نیزہ پڑا انصاری نے اسے اپنی تلوار پر لے لیا، وحشی نے مسیلمہ کا سر قلم کر کے نیزے پر چڑھایا، اور ایک عیار و فتنہ گر متنبّی (نبوت کا جھوٹا دعویدار) جس نے زمانے میں ہلچل ڈال رکھی تھی اس حسرت آباد دنیا سے بصلۂ حسرت و اندوہ کوچ کر گیا۔

وحشی بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں حالتِ کفر میں ایک مقدس ترین ہستی کو جام شہادت پلا کر جہنم کے طبقہ اسفل کا مستحق ہو چکا تھا لیکن اس منعم لایزال کا شکر و احسان ہے جس نے دین اسلام کا ربقۂ سعادت میری

Marfat.com

گردن میں ڈالا اور تائید الٰہی نے ایک بدترین انسان کو میرے ہاتھ سے قتل کرا کے کسی حد تک میرے جرم کی تلافی کرا دی۔

لشکرِ اسلام کی فتح

جب مسیلمہ مارا گیا تو بنی حنیفہ سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے جن پر چاروں طرف سے تلوار پڑنے لگی، گو بنی حنیفہ نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر قدوسیوں نے طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے پرخچے اڑا دیئے، آخر قصر ارتداد کو پیوندِ خاک ہونا پڑا اور مسیلمی اقبال آناً فاناً دامنِ ادبار میں روپوش ہو گیا، ان معرکوں میں بنی حنیفہ کے اکیس ہزار اور اہل اسلام کے چھ سو ساٹھ آدمی کام آئے تھے، ایک مسیلمی نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی ٹانگ کاٹ ڈالی تھی، لیکن ان کی شجاعت دیکھیئے کہ انہوں نے اس کو وہی ٹانگ اس زور سے ماری کہ اسی لمحے طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، مگر اس صدمہ کی وجہ سے انہوں نے خود بھی عنانِ حیات دار آخرت کو پھیر دی۔

حضرت سیف اللہ رضی اللہ عنہ کفار مقتولین کی لاشوں پر

اختتام جنگ پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مجاعہ کو اپنے ساتھ لئے ہوئے مقتولین اعداء کی طرف گزرے، اور حکم دیا کہ مسیلمہ کی لاش تلاش کی جائے، چنانچہ مقتولوں کی دیکھ بھال شروع ہوئی، خالد رضی اللہ عنہ رفتہ رفتہ محکم الیمامہ کی لاش پر پہنچے جو ایک وجیہ آدمی تھا، آپ نے دریافت فرمایا کیا یہی مسیلمہ ہے؟ مجاعہ نے کہا یہ وجیہ و خوبرو آدمی تو محکم بن طفیل ہے، پھر ایک کمزور، روفام، چپٹی ناک والے آدمی کی لاش پر سے گزرے، مجاعہ کہنے لگا جس لاش کی آپ کو تلاش ہے وہ یہی ہے، یہ دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا وہی یہ شخص ہے جس نے تم لوگوں کو گمراہ کر کے دنیا اور عقبیٰ میں روسیاہ کیا؟ اس کے بعد روجل، دمیم اور اخنس کی لاشوں کو دیکھ کر کہا کہ کیا

Marfat.com

یہی تمہارے سردار تھے اور یہی تم پر حکومت کرتے تھے؟

امیر المومنین کا فرمان کہ تمام بالغ مسیلمی بجرمِ ارتداد قتل کئے جائیں

اس اثنا میں امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن وقش کے ہاتھ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اگر خدائے عزیز و برتر مرتدین پر فتحیاب کرے تو بنی حنیفہ میں سے جس قدر افراد بالغ ہو چکے ہوں، وہ سب بجرم ارتداد قتل کئے جائیں اور عورتیں اور کم سن لڑکے حراست میں لے لئے جائیں، لیکن امیر المومنین کا فرمان پہنچنے سے پیشتر حضرت خالد رضی اللہ عنہ معاہدہ کی تکمیل کر چکے تھے، اس مجبوری سے اس حکم کا نفاذ نہ ہو سکا۔[1]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عتاب فرزند گرامی پر

اس معرکہ میں جس طرح خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرزند گرامی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ شریک ہوئے اسی طرح خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک غزا تھے، جب لشکر اسلام مظفر و منصور مدینہ منورہ واپس آیا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم سے ملاقات کی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: یہ کیا بات ہے کہ تمہارا چچا (حضرت زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ) تو شہید ہوں اور تم زندہ رہو؟ تم زید رضی اللہ عنہ سے پہلے کیوں نہ مارے گئے؟ کیا تمہیں شہادت کا شوق نہ تھا؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے والد محترم! چچا صاحب اور میں دونوں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی تھی اُن کی دعا مستجاب ہوئی لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا، حالانکہ چچا صاحب کی طرح میں نے بھی تمنائے شہادت کی تکمیل میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، اُن کی تعداد ۳۹ تھی۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۳، حالات مسیلمہ کذاب ۱۲۔

Marfat.com

سجاح بنت حارث تمیمیہ کا دعوائے نبوت

سجاح ہوازن کے قبیلہ بنی تمیم میں پیدا ہوئی، مذہباً عیسائی تھی، نہایت فصیحہ و بلیغہ اور بلند حوصلہ عورت تھی، اسے تقریر و گویائی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، جب سجاح نے اپنی ہونہار فطرت پر نظر کی اور دیکھا کہ مسیلمہ نے بستر پیری پر دعوائے نبوت کر کے اتنا عروج و اقتدار حاصل کرلیا، اسے بھی اپنے جوہر خداداد سے فائدہ اُٹھا کر کچھ کرنا چاہیے، تو مسیلمہ کی طرح نبوت کا کاروبار جاری کرنے کے قضیہ پر غور کرنے لگی، آخر جونہی سید العرب والعجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبرِ وفات سنی، نبوت اور وحی الٰہی کی دعویدار بن بیٹھی، سب سے پہلے بنی تغلب نے اس کی نبوت کو تسلیم کیا، جن کی وجہ سے اس میں ایک گونہ قوت آ گئی۔ ہذیل بن عمران جو بنو تغلب کا ایک نامور سردار اور عیسوی المذہب تھا، دین مسیحی چھوڑ کے سجاح پر ایمان لے آیا، سجاح کو جب اتنی قوت حاصل ہوگئی تو اس نے تبلیغ دعوت کا سلسلہ شروع کیا، چنانچہ مسجّع و مقفا عبارتوں میں خطوط لکھ لکھ کر تمام قبائل عرب کو اپنے کیش جدید کی دعوت دی، جن کی وجہ سے صدہا عرب نعمت اسلام سے محروم ہو کر ہاویۂ جہالت و بادیۂ ضلالت میں سرگردان ہونے لگے۔

عروج و اقبال کا دور

جب خواجہ عالم ﷺ کے وصال کی خبر مشہور ہوئی تو سجاح نے اپنے پیرؤوں کو لئے ہوئے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے کو چلی، بنی تمیم میں اختلاف تو پہلے ہی تھا، سجاح کے خروج نے آگ پر تیل کا کام دیا، مالک بن نویرہ نے سجاح سے مصالحت کرلی اور اسے مدینہ پر فوج کشی کرنے سے روکا اور کہا کہ آپ سردست مسلمانوں سے کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہوسکتیں، اس لئے سجاح نے اسلامیوں سے اُلجھنے سے پیشتر عربوں کو باہم لڑانے اور غیر مسلم اعداء سے نبٹنے کی صلاح ٹھہرائی۔ مالک بن نویرہ نے اسے بنی تمیم پر حملہ کرنے کی تحریک کی، سجاح کا لشکر سیل کی طرح بنی تمیم پر جا پڑا، بنی تمیم سجاح کے حملہ کی تاب نہ لا کر بے اوسان

Marfat.com

بھاگے اور وکیع بن مالک سجاح سے مل گیا، البتہ قبائل بنی رباب اور ضبہ نے متفق ہو کر سجاح کا خوب جم کر مقابلہ کیا، ایک گھمسان کا رَن پڑا جس میں سجاح کو ہزیمت ہوئی اور اس کے کئی زبردست اور کار آزمودہ افسر گرفتار ہو گئے، لیکن اس کے بعد دونوں قبیلوں نے سجاح سے مصالحت کر لی۔

سجاح نے اسی رات ایک مسجع عبارت تیار کی اور صبح کے وقت فوج کے سرداروں کو جمع کر کے کہنے لگی کہ اب میں وحی الٰہی کی ہدایت کے بموجب یمامہ پر حملہ کرنا چاہتی ہوں، جب مسیلمہ کو سجاح کے دعوائے نبوت اور اس کے لشکر کے سر پر آپہنچنے کی اطلاع ملی، تو مسیلمہ بنی حنیفہ کے چالیس ہوشیار پیرووں کو ساتھ لے کر سجاح کے پاس پہنچا اور بڑے تپاک اور الفت سے ملا، اس کی صورت وسیرت اور صباحت وملاحت کا نظر غائر سے مطالعہ کیا اور حالات گردوپیش کا اندازہ کر کے یقین ہو گیا کہ اس سے جنگ وجدال کے ذریعہ پیش پانا دشوار ہے، عورت ذات عشق ومحبت کے کمند میں پھنسا کر ہی رام کی جا سکے گی، مسیلمہ نے سجاح سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول کریں اور میرے خیمہ تک تشریف لے جا کر مجھے سرفراز فرمائیں، وہیں پہنچ کر میں آپ کی رنگین بیانی سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔

وہاں پہنچ کر سجاح بولی آپ اپنی وحی کے کچھ الفاظ سنائیں، چنانچہ مسیلمہ اپنی نبوت سے محبت وعشق بازی کا کام لینے لگا اور بولا مجھ پر یہ وحی اُتری ہے:

اَلَمْ تَرَاِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ فَعَلَ بِالْحُبْلٰى اَخْرَجَ مِنْهَا نَسَمَةً تَسْعٰى بَيْنَ صِفَاقٍ وَّحِشًى [1]

کیا تم اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتے کہ وہ حاملہ عورتوں سے کیا سلوک کرتا ہے، ان سے چلتے پھرتے جاندار نکالتا ہے جو نکلتے وقت پردوں اور جھلیوں کے درمیان لپٹے ہوتے ہیں۔

چونکہ یہ وحی بمقتضائے جوانی سجاح کی نفسانی خواہشوں سے مطابقت رکھتی تھی، شباب کی اُمنگوں نے گدگدانا شروع کیا، اور بولی اچھا کوئی اور وحی بھی سنایئے، جب مسیلمہ نے دیکھا کہ اس نازنین نے اتنی نوک جھوک کو گوارا کر لیا اور بُرا ماننے کے بجائے خوش ہوئی تو اس کا حوصلہ اور بڑھا، تکلف، شرم اور جھجک کا پردہ

[1] اعجاز القرآن للباقلانی، ص: ۱۵۷۔

Marfat.com

درمیان سے اُٹھ گیا اور کہنے لگا حق تعالیٰ نے یہ آیتیں بھی نازل فرمائی ہیں:

اِنَّ اللہَ خَلَقَ لِنِسَآءِ اَفْرَاجًا وَجَعَلَ الرِّجَالَ لَهُنَّ اَزْوَاجًا فَتُوْلِجُ فِيْهِنَّ اِيْلَاجًا ثُمَّ نُخْرِجُنَا اِذَا نَشَاءُ اِخْرَاجًا فَيُنْتِجْنَ لَنَا سَخَالًا۔ [1]

سجاح کا مہر

بہر حال دونوں مدعائے نبوت نے آپس میں نکاح کرلیا، جب ان کا آپس میں نکاح ہوگیا تو سجاح مسیلمہ سے کہنے لگی مجھ سے نکاح تو ہوا مگر میرا مُہر تو بتاؤ، مسیلمہ نے دریافت کیا تمہارے ساتھ تمہارا منادّ بھی آیا ہے؟ سجاح نے جواب دیا ہاں شیث بن ربیع میرا مؤذن موجود ہے، مسیلمہ نے اس سے کہا تم جا کر منادی کردو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے پاس سے پانچ نمازیں لائے تھے، ربُّ العزت نے ان میں سے عشا اور صبح کی دو نمازیں مومنوں کو سجاح کے مہر میں معاف کردیں۔

سجاح کا قبول اسلام

سجاح کے بہت سے سمجھ دار اُمتی نکاح کے واقعہ سے بداعتقاد ہوکر اس سے الگ ہوگئے تھے اور اس دن سے اس کی جمعیت میں بجائے ترقی کے انحطاط شروع ہو چلا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے دار الخلافہ مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال ہمیشہ کے لئے دل سے نکال دیا، آخر کار وہ قبیلہ بنی تغلب میں جس سے وہ ننھیالی قرابت رکھتی تھی رہ کر امن وامان اور خاموشی کی زندگی بسر کرنے لگی، یہاں تک کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو ایک سال سخت قحط پڑا جس میں انہوں نے بنی تغلب کو بصرہ میں آباد کرایا، سجاح بھی ان کے ہمراہ بصرہ میں آگئی اور اس نے اور اس کی ساری قوم نے اسلام قبول کرلیا۔

سجاح سے مسلمان ہونے کے بعد پوری دینداری اور پرہیزگاری ظاہر ہوئی اور اس نے اسی حالتِ ایمان میں دنیا کو خیر باد کہا۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی اور ان دنوں بصرہ کے حاکم تھے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ [1]

---

[1] ابن اثیر، ابن خلدون الدعاۃ ۱۳۔

Marfat.com

شانِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل وتوثیق کا دعویٰ قرآنی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا [1]

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں، اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا، کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں، ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے ان کو قوی کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی، تاکہ ان سے کافروں کو جلادے، اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ

---

[1] الفتح:۲۹۔

Marfat.com

اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا‌ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ [1]

''اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے ہیں اور جو ان کے پیرو ہوئے، نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں، نیچے ان کے نہریں، رہا کریں ان میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی کامیابی''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غیر مشروط طور پر چار وعدے فرما کر انہیں بڑی کامیابی کی بشارت سے نوازا ہے، وہ چار وعدے یہ ہیں:

(۱) اللہ ان سے ہمیشہ کیلئے راضی ہوا، (۲) وہ اللہ سے ہمیشہ کیلئے راضی ہوئے، (۳) ان کیلئے جنتیں تیار ہیں، (۴) وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ ایمان ہیں

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ‌ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ [2]

اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ، تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بے وقوف، خبردار! حقیقت میں یہی لوگ ہیں بیوقوف، لیکن وہ جانتے نہیں۔

اس آیت مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کے کامل اور معیاری ہونے کی خبر دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ لوگوں کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں مانا جائے گا، جب تک وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیا جائے، گویا ایمان اور ایمانیات کے باب میں معیار صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان ہے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان پر اعتراض کرنے والا سبیل المنافقین پر چلنے والا ہے اور جو شخص ان کو، نعوذ باللہ، بے وقوف یا احمق کہے، عند اللہ خود بے عقل اور احمق ہے اور جو لوگ طعن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتکب ہیں، وہ ان کی کم علمی و کم

[1] التوبۃ: ۱۰۰۔ [2] البقرۃ: ۱۳۔

Marfat.com

عقلی اور جہالت وحماقت کا نتیجہ ہے۔

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم، احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینے میں

١۔ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :اَكْرِمُوْا اَصْحَابِيْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم کرو، وہ (تمھارے خیال میں کیسے ہی ہوں مگر) تم سے اچھے ہیں۔

٢۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِي أَوْ رَاٰی مَنْ رَّآنِيْ۔ [2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس مسلمان نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا اسے (جہنم کی) آگ نہیں چھوئے گی۔

٣۔ اللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ [3]

اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں، مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں، میرے بعد ان کو ہدف تنقید مت بنانا۔

٤۔ لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ. فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ [4]

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا مت کہو، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (راہ خدا میں) خرچ کردے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشیر کو۔

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الفتن، باب مناقب الصحابہؓ۔ [2] سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَحِبَهُ. رقم الحدیث: ۳۸۵۸۔ [3] سنن الترمذی، بَابُ فِيمَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رقم الحدیث: ۳۸۶۲۔ [4] سنن الترمذی، بَابُ فِيمَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رقم الحدیث: ۳۸۶۱۔

Marfat.com

۵۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِيْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَ مُحَمَّدًا فَبَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ وَانْتَخَبَهُ بِعِلْمِهِ ثُمَّ نَظَرَ فِيْ قُلُوْبِ النَّاسِ بَعْدَهُ فَاخْتَارَ لَهُ أَصْحَابًا فَجَعَلَهُمْ أَنْصَارَ دِيْنِهِ وَوُزَرَاءَ نَبِيِّهِ فَمَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ وَمَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيْحٌ [1]

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر کو چن لیا، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے علم کے ساتھ منتخب فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چن لیا، اور ان کو دین کے مددگار اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر بنایا اور جس چیز کو اہل ایمان (متفقہ طور پر) اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے، اور جس چیز کو اہل ایمان قبیح جانیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبیح ہے۔

۶۔ إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ أَصْحَابِيْ فَقُوْلُوْا: لَعْنَةُ اللهِ عَلٰى شَرِّكُمْ. [2]

جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دے رہے ہوں تو تم کہو کہ اللہ کی لعنت ہو تمھارے شر پر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کرنیوالوں کے متعلق ارشاد فرمایا: ان کو جواب میں کہو "لَعْنَةُ اللهِ عَلٰى شَرِّكُمْ۔" "شر" اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناقدین صحابہ کیلئے ایسا کنایہ الفاظ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقید صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

[1] مسند أبي داود الطيالسي، مَا أَسْنَدَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ۱۹۹/۱۔ [2] سنن الترمذی، بَابٌ فِيْمَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحديث: ۳۸۶۶۔

Marfat.com

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے، صحابہ کیسے ہی ہوں مگر تنقید کرنے والے سے تو اچھے ہی ہوں گے، تنقید کرنے والے کی تنقید سے یہ لازمی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ خود ناقد فلاں کی جگہ ہوتا تو ایسا نہ کرتا، بلکہ اس سے بہتر کام کرتا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت وشان کے کیا کہنے؟

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تم ہوا میں اڑو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کے جی لو مگر تم اپنے آپ کو صحابی تو نہیں بنا سکتے، تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمال جہاں آرائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا، وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت سے مشرف ہوئے، وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاس مسیحائے محمدی سے زندہ ہوئے، وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوارِ مقدس سے مشرف ہوئے، تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرہ محمدی سے مس ہوئے اور ساری عمر، ان کی بوئے عنبریں نہیں گئی، تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیتِ محمدی میں آبلہ پا ہوئے، تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں سرور کونین کی سیادت جلوہ آراء تھی، تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادتِ دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر کر دیئے جاتے اور تشنہ گان محبت هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کا نعرہ مستانہ لگا دیتے تھے، تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو كَاَنِّيْ اَرَى اللهَ عَيَانًا کا کیف پیدا کرتا تھا، تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں كَاَنَّمَا عَلٰى رُؤُوْسِنَا الطَّيْرُ کا سماں بندھ جاتا تھا، تم وہ شمیم عنبر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کی گلی کوچے معطر ہو جاتے تھے، تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دیدارِ محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی، تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج دے کر حاصل کیا جاتا تھا، تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کئے جاتے تھے، تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے

Marfat.com

جاتے تھے، تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو صبغۃ اللہ کی بھٹی میں دیا جاتا تھا، تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں، تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے، تم وہ قدسیوں کی جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے۔

اللہ پاک ان قدسی صفات نفوس کی عظمت وعقیدت کے ساتھ کامل تابعداری کی سعادتِ عظمٰی سے ہم سب کو نوازیں، آمین [1]

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے بہتر مخلوق

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَيُمْسِكُوْنَ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰثَارَ الْمَرْوِيَّةَ فِيْ مَسَاوِيْهِمْ مِنْهَا مَاهُوَ كَاذِبٌ وَّمِنْهَا مَا قَدْ زِيْدَ فِيْهِ وَنُقِصَ وَغُيِّرَ عَنْ وَجْهِهٖ وَالصَّحِيْحُ مِنْهُ هُمْ فِيْهِ مَعْذُوْرُوْنَ اِمَّا مُجْتَهِدُوْنَ مُصِيْبُوْنَ وَاِمَّا مُجْتَهِدُوْنَ مُخْطِئُوْنَ۔ [2]

''اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ان تمام باتوں کے کہنے سے زبان بند رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئیں، اور کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض آثار جو کہ اس سلسلے میں منقول ہیں بالکل جھوٹ پر مبنی ہیں، اور بعض میں کسی قدر کمی بیشی بھی کی گئی اور اصل چیز کو بدل دیا گیا ہے، اور جن واقعات کے متعلق روایات صحیح ہیں ان میں صحابہ معذور ہیں، یا تو انہوں نے متعلقہ معاملات میں اجتہاد کیا اور حق کو پہنچ گئے یا اجتہاد تو کیا مگر اس میں غلطی کی۔

[1] بحوالہ خدام الدین مئی ۱۹۷۵۔ [2] العقیدہ الواسطیہ، ص:۲۱۔

Marfat.com

امام ابن تیمیہؒ ان الفاظ پر اس فصل کو ختم کرتے ہیں:

اِنَّھُمْ خَیْرُ الْخَلْقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ لَا کَانَ وَلَا یَکُوْنُ مِثْلُھُمْ وَاِنَّھُمُ الصَّفْوَۃُ مِنْ قُرُوْنِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الَّتِیْ ھِیَ خَیْرُ الْاُمَمِ وَاَکْرَمُھَا عَلَی اللّٰہِ [1]

''اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہتر مخلوق ہیں، اس قسم کے لوگ نہ پہلے ہوئے نہ بعد میں ہوں گے، وہ اس امت کے جو کہ سب سے بہتر امت ہے، برگزیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے قابل عزت یہی امت ہے''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذوات وشخصیات اور ان کے مقام کا تعین صرف تاریخی روایات کی بنیاد پر کر لینا درست نہیں، کیونکہ یہ حضرات رسالت اور امت کے درمیان واسطہ ہونے کی حیثیت سے ازروئے قرآن وسنت ایک خاص مقام رکھتے ہیں، تاریخی روایات کا یہ درجہ نہیں ہے کہ ان کی بناء پر ان کے اس مقام کو گھٹایا بڑھایا جاسکے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ فن تاریخ بالکل ناقابل اعتبار اور بیکار ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اعتماد کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں۔ اسلام میں اعتبار و اعتماد کا جو مقام قرآن کریم اور احادیثِ متواترہ کا ہے، وہ عام احادیث کا نہیں، جو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ ہے وہ اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نہیں، اسی طرح تاریخی روایات کے اعتماد واعتبار کا بھی وہ درجہ نہیں جو قرآن وسنت یا سندِ صحیح سے ثابت شدہ اقوالِ صحابہؓ کا ہے، بلکہ جس طرح نصِ قرآنی کے مقابلہ میں اگر کسی غیر متواتر حدیث سے اس کے خلاف کچھ مفہوم ہوتا ہو، تو اس کی تاویل واجب ہے، یا تاویل سمجھ میں نہ آئے تو نصِ قرآنی کے مقابلہ میں اس حدیث کا ترک واجب ہے، اسی طرح تاریخی روایات اگر کسی معاملہ میں قرآن وسنت سے ثابت شدہ کسی چیز سے متصادم ہوں، تو وہ مقابلہ قرآن وسنت کے، متروک یا واجب التاویل قرار دی جائیں گی، خواہ وہ تاریخی اعتبار سے کتنی ہی معتبر اور مستند روایات ہوں۔

---

[1] العقیدہ الواسطیہ، ص: ۲۱۔

Marfat.com

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معرفت، ان کے درجات اور ان میں پیش آنے والے باہمی اختلافات کا فیصلہ کوئی عام تاریخی مسئلہ نہیں، بلکہ معرفت صحابہ تو علم حدیث کا اہم جزء ہے ،جیسا کہ مقدمہ اصابہ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اور مقدمہ استیعاب میں حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام اور باہمی تفاضل و درجات اور ان کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کے فیصلے کو علمائے امت نے عقیدہ کا مسئلہ قرار دیا ہے، اور تمام کتب عقائد اسلامیہ میں اس کو ایک مستقل باب کی حیثیت سے لکھا ہے۔

ایسا مسئلہ جو عقائد اسلامیہ سے متعلق ہے اور اسی مسئلہ کی بنیاد پر بہت سے اسلامی فرقوں کی تقسیم ہوئی ہے، اس کے فیصلہ کیلئے بھی ظاہر ہے قرآن وسنت کی نصوص اور اجماع امت جیسے شرعی دلائل درکار ہیں ،اس کے متعلق اگر کسی روایت سے استدلال کرنا ہے تو اس کو محدثانہ اصول تنقید پر پرکھ لینا واجب ہے، اس کو تاریخی روایتوں میں ڈھونڈنا اور ان پر اعتماد کرنا اصولی اور بنیادی غلطی ہے وہ تاریخیں کتنے ہی بڑے ثقہ اور معتمد علمائے حدیث ہی کی لکھی ہوئی کیوں نہ ہوں، انکی فنی حیثیت ہی تاریخی ہے جس میں صحیح ،سقیم جمع کردینے کا دستور ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کے متعلق ایک قول تو یہ ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے، اور دوسرا قول ایک لاکھ چودہ ہزار کا ہے، چنانچہ امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مِائَةِ أَلْفٍ وَأَرْبَعَةَ عَشَرَ أَلْفٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كَذَا فِي الْبَاعِثِ الْحَثِيثِ۔ [1]

اور بعض نے محض حجۃ الوداع میں ایک لاکھ تیس ہزار تعداد بتائی ہے، بعض لوگ چار لاکھ بتاتے ہیں، اس کے متعلق شیخ الحدیث سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چار لاکھ کا کوئی قول بندہ کے علم میں نہیں ہے۔

---

[1] ص:۱۰۱۔

Marfat.com

دنیا سے سب سے اخیر میں رخصت ہونے والے صحابی

سب سے آخر میں جس صحابی کی وفات ہوئی ہے، وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی رضی اللہ عنہ ہیں، صَرَّحَ بِهِ الْاِمَامُ ابْنُ الصَّلَاحِ وَالنَّوَوِی وَالْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَالسُّیُوطِی [1]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت کروانے والے صحابی

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپس ہوتے ہوئے فجر کی نماز ادا فرمائی ہے، مسلم شریف میں مفصل قصہ مذکور ہے۔

وہ صحابی جنہوں نے بہت طویل نماز پڑھائی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں تطویل کی تھی اور سورۂ بقرہ شروع کر دی تھی، ایک آدمی نے نماز الگ پڑھ لی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے عتاب فرمایا اور فرمایا:

یَامُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالضُّحٰی، وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی

اور ایک روایت میں ہے:

اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی

یہ دونوں مسلم (۱/۱۸۷) کے الفاظ ہیں، جبکہ بخاری شریف (ص:۹۸) میں فَلَوْلَا صَلَّیْتَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی وارد ہے، اور مسند حمیدی میں ان تین کے ساتھ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ، وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ بھی ہے۔ [2]

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہمیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت واحترام کے ساتھ کامل تابعداری کی سعادتِ عظمیٰ نصیب فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

---

[1] ۲/۲۲۸۔ وغیرھم۔ [2] فتح ۲/۳۳۷۔

Marfat.com

خلافتِ راشدہ کا بیان

خلافت کی اقسام

خلافت کی تین قسمیں ہیں:(۱) خلافتِ راشدہ خاصّہ،(۲) خلافتِ راشدہ مطلقہ،(۳) خلافتِ عادلہ

۱۔ خلافتِ راشدہ خاصّہ

خلافتِ راشدہ خاصّہ جس کو خلافتِ علیٰ منہاج النبوۃ بھی کہتے ہیں، یہ درجہ خلافت کا سوا ان لوگوں کے جو مہاجرین اوّلین میں سے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہدِ خیر میں مثلِ بدر و حدیبیہ و تبوک وغیرہ میں شریک رہے ہوں اور آیاتِ الٰہی کے وعدوں کے موعود لہم ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا عالی مرتبہ ہونا بیان فرمایا ہو اور ان کا مستحقِ خلافت ہونا بھی ارشاد کیا ہو اور ان کا خلیفہ بنانا بھی اُمّت پر لازم کیا ہو اور دینِ الٰہی کی تمکین ان کے ہاتھوں سے ہوئی ہو، کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوسکتا، تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے اور علمائے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ درجہ خلافت کا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا اور انہیں پر ختم ہوگیا، ان تینوں خلافتوں میں نبوت کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسِ پردہ بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ خلفاء (ثلاثہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) مثل بے جان لکڑی کے آپ کے ہاتھ میں ہیں، آپ جس طرح چاہتے ہیں یہ تینوں خلفاء مثل گراموفون کے ہیں کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس اور جان سے زیادہ پیاری آواز بھری ہوئی ہے، جو آواز ان سے نکل رہی ہے، وہ ان کی آواز نہیں بلکہ سردار انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز ہے۔

۲۔ خلافتِ راشدہ مطلقہ

خلافت راشدہ مطلقہ یہ درجہ خلافت کا گو پہلے درجہ سے رتبہ میں کم ہے مگر اس کی شان بھی بہت ارفع و اعلیٰ ہے، یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کیلئے ہے جن کا مستحقِ خلافت ہونا، صاحب فضائل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

Marfat.com

بیان فرمایا ہے، مگر اُمّت پر ان کا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا، یہ درجہ عالی خلافت کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا اور چھ مہینے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا اور ان پر ختم ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ بیان فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی اس سے مراد یہی دونوں قسمیں خلافت کی ہیں۔

۳۔ خلافتِ عادلہ

خلافت عادلہ یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہوا ہے اور اس درجہ کے حاصل ہونے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع الشرائط ہو، اور مقاصد خلافت اس سے فوت نہ ہوتے ہوں، اس کی ضرورت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا استحقاق خلافت بیان فرمایا ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی میں داخل ہے۔[1]

خلافتِ خاصہ کیلئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے

۱۔ خلیفہ کیلئے درج ذیل صفات لازمہ کا ہونا:

(۱) مہاجرین اولین میں سے ہو۔ (۲) حاضرین حدیبیہ میں سے ہو۔ (۳) حاضرین نزول سورۂ نور میں سے ہو۔ (۴) دیگر مشاہد خیر میں بھی حاضر رہا ہو۔ (۵) جنّت کی بشارت پا چکا ہو۔ (۶) اس کے اُمّت کے اعلیٰ طبقہ میں سے ہونے کی نص، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرما دی ہو۔ (۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ ولی عہد کا سا برتاؤ کیا ہو۔ (۸) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئے ہوئے خدا کے بعض وعدے اس کے ہاتھ پر پورے ہوئے ہوں۔ (۹) اس کا قول، دین میں حجت قرار پایا ہو۔

۲۔ اس کے تصرف (احکام) کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق ہو جانا۔

خلافت راشدہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں فرق

خلفاء ثلاثہ کی خلافت میں دونوں وصف موجود تھے، اس لئے ان کی خلافت، خلافتِ راشدہ خاصہ تھی اور ان

[1] تحفہ خلافت، مولانا عبد الشکور لکھنوی۔

Marfat.com

کے بعد مسلمانوں کے باہمی اتفاق نہ رہنے سے دوسرا وصف منتفی ہو گیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ خود خلافتِ خاصہ کے اوصاف سے موصوف تھے اور ان کی خلافت شرعاً منعقد بھی ہوئی لہٰذا ان کی خلافت خلافتِ راشدہ عالیہ تھی، پھر اُن کے بعد لوگوں نے اتفاق کر لیا اور ان کا باہمی اختلاف رفع ہو گیا لیکن اس وقت کے خلیفہ یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان اوصاف کیساتھ متصف نہ تھے جو خلیفہ خاص میں معتبر ہیں اس لئے ان کی خلافت، خلافتِ راشدہ نہ کہلائی جاسکی، بلکہ خلافت عادلہ ہوئی۔[1]

خلافتِ راشدہ اور ملوکیت کے درمیان کیا فرق ہے؟

خلافتِ راشدہ اور ملوکیت کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور کیا ایسی حکومت عادلہ کا وجود ممکن ہے جو خلافتِ راشدہ تو نہ ہو لیکن اسے شریعتِ اسلام کے دائرے سے باہر بھی نہ کیا جا سکے؟ اس کے متعلق حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

خلافتِ راشدہ: یہ ہے کہ خلیفہ راشد جب منصب خلافت کو پہنچتا ہے تو ابواب سیاست میں محض اللہ کے بندوں کی اصلاح اور نیابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے، اپنے نفع کے حصول کی آرزو اس کے دِل میں نہیں گزرتی اور نہ کسی کے ضرر کا غبار اس کے دامن تک پہنچتا ہے اور اطاعت ربانی میں ہوائے نفس کی مشارکت کو شرک جانتا ہے اور کسی مقصد کا حصول سوائے رضائے حق کے اپنے دِل کی خالص منزل کیلئے جنس کثافت خیال کرتا ہے۔

سلطنتِ عادلہ: یہ ہے کہ امام بہت سے مقتضیاتِ نفسانیہ سے بالکل پاک نہیں رہ سکتا اور نہ ہی علائق ماسویٰ اللہ سے بری ہو سکتا ہے، وہ ظاہرِ شریعت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور نہ ہی فسق و فجور اور جور و تعدی کی راہ لیتا ہے، لیکن اپنے نفس کی راحت رسانی میں اس قدر کوشاں رہتا ہے کہ ظاہراً شریعت اسے مباحات سے شمار کرے، اسے سلطنتِ عادلہ کہتے ہیں۔ پھر جو سلطان عادل اللہ کے خوف سے ظاہر شریعت کی

[1] ملخص از ازالۃ الخفاء۔

Marfat.com

پاسداری کرے وہ سلطان کامل ہے اور سلطان کامل حکمی خلیفہ راشد ہے یعنی اگرچہ خلافتِ راشدہ تک نہیں پہنچا لیکن خلافتِ راشدہ کے عمدہ آثار، ظواہر شریعت کی خدمت صدق و اخلاص کے ساتھ اس سے صادر ہو۔

سلطان کامل عام سلاطین اور خلفائے راشدین کے درمیان ایک برزخ کی طرح ہوتا ہے، اگر لوگ دیگر سلاطین کو دیکھیں تو اس سلطان کامل کو خلیفہ راشد تصور کریں اور اگر خلفائے راشدین کا حال معلوم کریں تو اُسے سلطان کامل سمجھیں چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَسْتُ فِيْكُمْ مِثْلَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَلٰكِنْ سَتَرَوْنَ أُمَرَاءَ مِنْ بَعْدِيْ

''میں تم میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسا حکمران تو نہیں ہوں، لیکن میرے بعد عنقریب امیر دیکھو گے۔''

اس بناء پر ان کی سلطنت کا زمانہ، نبوت اور خلافتِ راشدہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، پس اس وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کی ابتداء سے سلطنت کاملہ کی انتہاء تک ترقی اسلام کا زمانہ ہے [1]

خلفاء راشدین احتیاط و تقویٰ کے معیار بلند پر فائز تھے، وہ حضرات اپنی عمومی زندگی میں تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مباحات کی حد تک خلافِ احتیاط باتوں کو بھی گوارا کر لیتے تھے۔

خلفاء راشدین عزیمت پر عامل تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رخصتوں میں توسع سے کام لیا، مثلاً خلفاء راشدین نے عزیمت اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اپنے بیٹوں کو ولی عہد نہیں بنایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے بیٹے کو ولی عہد بنایا، خلفاء راشدین نے عزیمت کے تحت اپنا طرزِ معیشت، نہایت فقیرانہ بنایا ہوا تھا مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے ان کے مقابلے میں نسبتاً فراخیٔ عیش اختیار فرمائی مگر یہ فراخیٔ عیش بھی آج کل کے حکمرانوں کی سی عیش کوشی نہ تھی۔ یونس بن ملیرہ کہتے ہیں میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازاروں میں اس حالت میں چلتے دیکھا ہے کہ انہوں نے پیوند لگی ہوئی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ [2]

---

[1] منصب امامت، شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ [2] البدایۃ، ج:۸، ص:۱۳۴۔

Marfat.com

خلفائے راشدین کے ہاں احساس ذمہ داری کا اعلیٰ معیار تھا، ان کے احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ وہ عوام کے ایک ایک فرد کی خبر گیری اس کے گھر جا کر کیا کرتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی کوئی بات مروی نہیں ہے۔

خلفائے راشدین کی اصابت رائے اور صحت اجتہاد کا یہ عالم تھا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اتباع کے ساتھ ان کے اتباع کا حکم فرمایا، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جمہور اُمت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان سے متعدد اجتہادی خطائیں سرزد ہوئیں۔

واقعہ یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کی نسبت سے اُن کے عہد حکومت میں فرق ضرور تھا، لیکن یہ فرق فسق و معصیت اور ظلم و جور کی حد تک نہیں پہنچا تھا، ان کی حکومت، حکومتِ عادلہ ہی تھی، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی ارشاد فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ اَحَدًا بَعْدَ عُثْمَانَ اَقْضٰى بِحَقٍّ مِنْ صَاحِبِ هٰذَا الْبَابِ يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ

میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی شخص اس صاحبِ مکان یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔[1]

اعتراض

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی ملوکیت آجائے گی۔'' یہ تیس سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت پر ختم ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہدِ حکومت شروع ہو جاتا ہے۔

جواب

یہ حدیث مجمل ہے، اس میں تیس سال کے بعد ایک عمومی حکم بیان فرمایا گیا ہے، ہر ہر فرد کی تفصیلات بیان

[1] البدایۃ، ج:۲، ص:۱۳۳۔

Marfat.com

نہیں کی گئیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا عہدِ حکومت بالاتفاق اس سے مستثنیٰ ہے۔

علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے اور اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت کی حیثیت واضح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَوَّلُ هٰذَا الْاَمْرِ نُبُوَّةٌ وَرَحْمَةٌ ثُمَّ يَكُوْنُ خِلَافَةً وَ رَحْمَةً ثُمَّ يَكُوْنُ مُلْكًا وَرَحْمَةً ثُمَّ يَكُوْنُ اِمَارَةً وَرَحْمَةً ثُمَّ يَتَكَادَمُوْنَ عَلَيْهَا تَكَادُمَ الْحُمُرِ"۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ" (اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

اس حدیث میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خلافتِ راشدہ ختم ہونے کے بعد جو حکومت آئے گی وہ بھی ملوکیت و رحمت ہوگی، علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بہت سے ایسے امور واقع ہوئے جو خلفائے راشدین کے عہد میں مانوس نہیں تھے اور ان ہی امور پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کی خلافت کو ملک عاض (کاٹنے والی ملوکیت) سے تعبیر کیا گیا، اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی وجہ سے ماجور ہی ہیں، اس لئے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مجتہد اگر حق پر ہو تو اسے دو اَجر ملتے ہیں اور اگر کوئی مجتہد غلطی پر ہو تو اُسے ایک اَجر ملتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلاشبہ مجتہد تھے، لہٰذا اگر ان سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تب بھی انہیں ثواب ملا اور یہ بات ان کے حق میں قابلِ اعتراض نہیں ہے، لیکن ان کی حکومت کو جو ان اجتہادی غلطیوں پر مشتمل تھی "عاض" ہی کہا گیا ہے۔"

پھر معجم طبرانی کی مذکورہ روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

خلافت کے بعد جس ملوکیت کا ذکر طبرانی کی حدیث میں کیا گیا ہے اس سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے رحمت قرار دیا ہے لہٰذا ان کی حکومت میں ایک اعتبار سے ملکِ عضوض کی شان ہے اور ایک اعتبار سے رحمت کی، لیکن خارجی واقعات کے اعتبار سے یہ

Marfat.com

بات ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں رحمت کی شان زیادہ ظاہر ہے اور ان کے بعد والے لوگوں میں ملک عضوض کی۔"

اپنی ایک اور کتاب میں علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے بادشاہ ہیں، اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح نہ تھی، اس لئے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ اگرچہ ان کی خلافت صحیح تھی لیکن اس پر ملوکیت کی مشابہت غالب آگئی تھی، اس لئے کہ وہ بہت سے معاملات میں خلفائے راشدین کے طریقوں سے نکل گئی تھی، لہٰذا خلافت کی بات اس لئے صحیح ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری اور اہل حل وعقد کے اتفاق کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت حق اور صحیح تھی اور ملوکیت کی بات اس لئے درست ہے کہ ان کے عہد حکومت میں کچھ ایسے امور واقع ہوئے جن کا منشاء غلط اجتہاد تھا، جس کی بنیاد پر مجتہد گنہگار تو نہیں ہوتا لیکن اس کا رُتبہ ان لوگوں سے بہرحال گھٹ جاتا ہے جن کے اجتہادات صحیح اور واقع کے مطابق ہوں اور یہ حضرات خلفائے راشدین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے۔

لہٰذا جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت پر ملوکیت کے لفظ کا اطلاق کرتا ہے، اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کی حکومت میں مذکورہ اجتہادات واقع ہوئے اور جو شخص اسے خلافت قرار دیتا ہے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری اور اہل حل وعقد کے اتفاق کے بعد وہ خلیفہ برحق اور واجب الاطاعت تھے اور اطاعت کے لحاظ سے لوگوں پر ان کے وہی حقوق تھے جو ان سے پہلے خلفائے راشدین کو حاصل تھے، لیکن یہ بات ان کے بعد آنے والے لوگوں کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی، اس لئے کہ وہ اجتہاد کے اہل نہیں تھے بلکہ ان میں سے بعض تو کھلے عاصی اور فاسق تھے اور انہیں کسی بھی اعتبار سے خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکتا، بلکہ وہ ملوک کی فہرست ہی میں آتے ہیں اور پوری بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلفائے راشدین کے عہد حکومت میں فرق تو بیشک تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت اس معیار کی نہیں تھی جو خلفائے

Marfat.com

راشدین کو حاصل تھا، لیکن جمہورِ اُمت کے نزدیک یہ فرق اتنا بڑا نہیں تھا کہ ایک طرف تقویٰ ہو اور دوسری طرف فسق و فجور یا ایک طرف عدل ہو دوسری طرف ظلم و جور، بلکہ یہ فرق عزیمت اور رخصت کا، تقویٰ اور مباحات کا، احتیاط اور توسع کا اور اصابتِ رائے اور قصورِ اجتہاد کا فرق تھا۔ جن لوگوں نے اس فرق کا لحاظ کیا انہوں نے ان کی حکومت کو ''ملوکیت'' کا نام دے دیا اور جن لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ فرق فسق و فجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا، انہوں نے اسے خلافت ہی قرار دیا۔''

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا:

فَلَمْ يَكُنْ مِنْ مُلُوْكِ الْمُسْلِمِيْنَ مَلِكٌ خَيْرٌ مِّنْ مُعَاوِيَةَ وَلَا كَانَ النَّاسُ فِيْ زَمَانِ مَلِكٍ مِنَ الْمُلُوْكِ خَيْرًا مِنْهُمْ فِيْ زَمَنِ مُعَاوِيَةَ إِذَا نُسِبَ اَيَّامُهُ إِلٰى اَيَّامِ مَنْ بَعْدَهُ وَاَمَّا اِذَا نُسِبَتْ اِلٰى اَيَّامِ اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ ظَهَرَ التَّفَاضُلُ [1]

''مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں ہوا، اور اگر ان کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں اتنے بہتر نہیں رہے جتنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، ہاں! اگر ان کے زمانے کا مقابلہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہو جائے گا''۔

مناقب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ قَائِلًا فِيْ كَنِيْسَةٍ بِأَرِيْحَا، وَهِيَ يَوْمَئِذٍ مَسْجِدٌ يُصَلّٰى فِيْهِ. قَالَ: فَانْتَبَهَ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ مِنْ نَوْمَتِهِ وَإِذَا مَعَهُ فِي الْبَيْتِ أَسَدٌ يَمْشِيْ إِلَيْهِ. فَقَامَ فَزِعًا إِلٰى سِلَاحِهِ. فَقَالَ لَهُ الْأَسَدُ: مَهْ، إِنَّمَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكَ بِرِسَالَةٍ لِتُبَلِّغَهَا. قُلْتُ: مَنْ أَرْسَلَكَ؟. قَالَ: أَرْسَلَنِيْ إِلَيْكَ اللهُ، لِأَنْ تُعْلِمَ مُعَاوِيَةَ الرَّحَّالَ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ. قُلْتُ: مَنْ

[1] منہاج السنۃ النبویۃ، ۲/۲۳۲-۶۔

Marfat.com

مُعَاوِيَةُ، قَالَ: ابْنُ أَبِي سُفْيَانَ [1]

میں اریحا مقام کے ایک گرجا گھر میں دوپہر کو سو رہا تھا (اب تو یہ مسجد بن چکا ہے اور اس میں نماز پڑھی جاتی ہے) جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کمرہ میں ایک شیر ہے جو میری طرف آ رہا ہے، میں گھبرا کر اپنے ہتھیاروں کی طرف اٹھا، شیر نے مجھ سے کہا کہ ٹھہر جاؤ، مجھے ایک پیغام دے کر تمھارے پاس بھیجا گیا ہے، تاکہ تم اسے آگے پہنچا دو، میں نے کہا تمھیں کس نے بھیجا ہے؟ اس نے کہا مجھے اللہ نے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ بہت سفر کرنے والے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بتا دیں کہ وہ جنت والوں میں سے ہیں، میں نے کہا یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کون سے ہیں؟ اس نے کہا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب تک امیر المومنین (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) حیات ہیں، اللہ تعالیٰ نہ ہمیں غمگین ہونے دیں گے، اور نہ ہی ہمیں کوئی مصیبت و تکلیف ہوگی۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (انہیں تلاش کر کے) اموال پیش کیے، تو جواب میں انھوں نے فرمایا:

وَصَلَ اللهُ قَرَابَتَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَأَحْسَنَ جَزَاكَ [2]

''اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی قرابت داری میں وصل پیدا کرے اور آپ کو جزائے خیر سے نوازے''۔

صلح بر کدورت کا الزام

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تو اس صلح کے بر کدورت ہونے کی صورت میں سب سے بڑا الزام، معاذ اللہ، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر عائد ہوتا ہے کہ آپ خلافتِ اسلامیہ کی باگ ڈور غیر

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۶۸۶۔ [2] تاریخ مدینہ دمشق، تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔

Marfat.com

محفوظ ہاتھوں میں دے کر خود دست بردار اور گوشہ نشین ہو گئے اور ساری زندگی ان سے وظیفے قبول کرتے رہے، جنھوں نے نعوذ باللہ آپ سے صلح کرنے میں خدیعت اور خیانت سے کام لیا۔

جواب

یہ بات واضح ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق بالکل ٹھیک تھی، اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عالم اسلام کے متفقہ خلیفہ تسلیم کیے گئے، اسی لئے اس سال کو "عام الجماعۃ" کہا گیا۔ [۱]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو بعض کم فہم لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو موجب قدح جان کر آپ کو مطعون کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے برا مت کہو، کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے:

لَا تَذْهَبُ الْأَيَّامُ وَاللَّيَالِي حَتّٰى يَمْلِكَ مُعَاوِيَةُ [۲]

رات اور دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی، جب تک معاویہ رضی اللہ عنہ حکمران نہ ہو جائیں۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت بہت سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پائی ہے، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت سلمہ بن خالد رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، اور کئی اور حضرات صحابہ جو ان حضرات سے کئی گنا زیادہ ہیں جن کے میں نے نام لئے، یہ سب حضرات روشنیوں کے چراغ، علم کے مٹکے تھے، نزول قرآن کے موقعوں پر حاضر و موجود تھے، اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست مراد قرآن سمجھی ہے"۔ [۳]

---

[۱] البدایہ والنہایہ، ج:۸،ص:۲۱، تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔ [۲] البدایہ والنہایہ ط احیاء التراث (8/140)۔ [۳] تاریخ ابوزرعہ، تحت ماحفظ من وفاۃ فاطمۃ وازواج النبی والتابعین۔

Marfat.com

سلطنت وفرمانروائی کے لائق

حبرِ امت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ رَجُلًا كَانَ أَخْلَقَ لِلْمُلْكِ مِنْ مُعَاوِيَةَ [1]

میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سلطنت اور فرمانروائی کے لائق کسی کو نہ پایا۔

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَحَقَّ بِالْمُلْكِ مِنْ مُعَاوِيَةَ [2]

میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حکمرانی کا لائق کسی کو نہ پایا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْوَدَ مِنْ مُعَاوِيَةَ [3]

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر لائق حکمرانی (یعنی امور مملکت کا ماہر) کسی کو نہیں دیکھا۔

فَقِيلَ لَهُ فَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ فَقَالَ كَانُوا وَاللهِ خَيْرًا مِّنْهُ وَأَفْضَلَ، وَكَانَ مُعَاوِيَةُ أَسْوَدَ مِنْهُمْ: [4]

کہا گیا ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟ فرمایا اللہ کی قسم! ابوبکر وعمر و عثمان وعلی رضی اللہ عنہم معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر اور افضل تھے، لیکن حکمرانی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فائق اور بہتر تھے۔

ان کے بعد ان کا مثل نہیں آئے گا

اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر پہنچنے پر فرمایا۔

أَمَا وَاللهِ مَا كَانَ مِثْلَ مَنْ قَبْلَهُ وَلَا يَأْتِي بَعْدَهُ مِثْلُهُ [5]

بخدا! معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے پیش روخلفاء کی مثل تو نہیں تھے، لیکن ان کے بعد ان کا مثل نہیں آئے گا۔

---

[1] جامع معمر بن راشد، بَابُ ذِكْرِ الْحَسَنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، رقم الحديث: ٢٠٩٨٥۔ [2] 172 أنساب الأشراف للبلاذری (5/48۔ [3] البداية والنهاية، ط: إحياء التراث، (8/143)۔ [4] طرح التثريب فی شرح التقريب (1/114۔ [5] أنساب الأشراف للبلاذری (5/289۔

Marfat.com

سدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَيُّهَا النَّاسُ, لَا تَكْرَهُوا إِمَارَةَ مُعَاوِيَةَ, وَاللهِ لَوْ قَدْ فَقَدْتُمُوهُ لَقَدْ رَأَيْتُمُ الرُّءُوسَ تَنْدُرُ مِنْ كَوَاهِلِهَا كَالْحَنْظَلِ [1]

اے لوگو! تم معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو برا مت جانو، کیونکہ اللہ کی قسم اگر تم نے انہیں کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے یوں جدا ہوں گے، جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے (ٹوٹ کر) گرتا ہے۔

مشہور صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَاللهِ لَمَشْهَدٌ شَهِدَهُ رَجُلٌ يَغْبَرُّ فِيهِ وَجْهُهُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. أَفْضَلُ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ. وَلَوْ عُمِّرَ عُمُرَ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ [2]

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں کسی ایک مشہد یعنی جنگ کے موقع میں ایک مسلمان حاضر ہو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو یہ شخص، اس شخص سے افضل ہے جو عمر نوح علیہ السلام پا کر نیک عمل کرتا رہے۔

یہ فضیلت سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل ہے اس میں کسی ایک طبقے کی تخصیص نہیں۔

ایک تاریخی جائزہ

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت خلفاء راشدین وعشرہ مبشّرہ کے بعد بڑی اہمیت کی حامل ہے، اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ خلافت کی صلح کے بعد ان کی خلافت کے دور میں اسلام کی بڑی ترقی ہوئی اور دین کو بہت فروغ نصیب ہوا، اور دور دراز ممالک پر اسلام کا پرچم لہرایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح تک کے دور میں جو اسلامی فتوحات

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ، بَابُ مَا ذُكِرَ فِي صِفِّينَ, رقم الحدیث: ۳۷۸۵۴۔ [2] مسند احمد، مُسْنَدُ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ, رقم الحدیث: ۱۶۲۹۔

Marfat.com

کا سلسلہ رک گیا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں پھر پوری مستعدی کے ساتھ دوبارہ شروع ہوا، اور دور دور تک اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی حکومت کی حدود بخارا سے لے کر قیروان تک، اقصائے یمن سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیل چکی تھیں اور ان کے علاوہ حجاز، یمن، شام، مصر، عراق، الجزیرہ، ارمینیا، روم، فارس، خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ تمام ممالک، اسلامی حکومت کے ماتحت ہوئے۔

کثرتِ اعتراض کی وجوہات

اس دور کے بعد بنوامیہ کے خلفاء وامراء یکے بعد دیگرے آتے رہے ہیں، حتی کہ ۱۳۲ھ بموافق ۷۴۹ عیسوی میں بنی عباس کے ایک شخص ابو العباس السفاح نے بنی امیہ کی خلافت اور حکومت کو ختم کر کے بنوعباس کی حکومت قائم کرلی، ظاہر بات ہے کہ بنوعباس نے بنوامیہ کے اقتدار کو ختم کیا تھا، اور خاندانی وقبائلی تعصّبات کے تحت یہ لوگ بنوامیہ کے سخت خلاف تھے، جیسا کہ بعد میں آنے والی حکومت پیشرو حکومت کے عموماً خلاف ہوتی ہے، اور ایک قوم کی حکومت کو ختم کر کے دوسری قوم کا غلبہ اقتدار آتا ہے، تو سابقہ حکومت کی خوبیوں کو بھی خرابیوں کے ساتھ بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جس وقت ابو العباس السفاح نے بنوامیہ کے آخری فرماں روا خلیفہ مروان بن محمد بن مروان وغیرہ کو قتل کروا دیا، تو اس موقع پر مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

ابو العباس السفاح کی افواج کا امیر عبداللہ بن علی دمشق شہر میں تیغ برہنہ کے ساتھ داخل ہوا، اس نے شہر میں قتل و غارت تین ساعات کیلئے مباح قرار دیا، شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے چوپایوں، گھوڑوں اور اونٹوں کیلئے اصطبل کے طور پر ستر (۷۰) دن تک استعمال میں رکھا۔

اس چیز کو علامہ ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد بن مروان کے مقتل کے تحت عباسیوں کے مظالم ذکر کرتے ہوئے، دمشق کے احوال میں لکھا ہے:

وَذُكِرَ فِيْ تَرْجَمَتِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنَ عَبْدِ اللهِ النَّوْفَلِيُّ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ اَوَّلَ مَادَخَلَ دِمَشْقَ دَخَلَهَا بِالسَّيْفِ وَاَبَاحَ الْقَتْلَ فِيْهَا ثَلَاثَ سَاعَاتٍ

Marfat.com

وَجَعَلَ جَامِعَهَا سَبْعِيْنَ يَوْمًا اِصْطَبْلاً لِدَوَابِّهِ وَجِمَالِهِ.... الخ

مزید برآں عباسیوں نے بنوامیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کیلئے اکابر بنوامیہ مثلاً سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عبدالملک بن مروان، ہشام بن عبدالملک وغیرھم کی قبور کو اکھیڑ ڈالا اوران کی بے حرمتی کی، چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا ہے: ثُمَّ نَبَشَ قُبُوْرَ بَنِیْ اُمَیَّةَ۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی

امام الشام، شیخ الاسلام، حضرت عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۷ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث اور فقیہ ہوئے ہیں، تمام صحاح ستہ میں آپ کی روایات موجود ہیں، محدث عبداللہ بن داؤد الحزینی فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے سب سے افضل انسان تھے، اور بار خلافت اٹھانے کی صلاحیت رکھتے تھے، امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں آپ کی حق گوئی کا واقعہ درج فرمایا ہے جو سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے، امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> محدث فریابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری، امام اوزاعی اور عباد بن کثیر رحمھم اللہ مکہ میں اکٹھے ہوئے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابو عمرو (امام اوزاعی کی کنیت ہے) ہمیں وہ گفتگو سنایئے جو آپ کی عباسی خلیفہ سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کے ساتھ ہوئی۔

(عبداللہ بن علی بنوامیہ کا دشمن اور نہایت ظالم و بے رحم انسان تھا، ان کے ظلم کا ایک واقعہ مولانا اکبر شاہ خان نے ذکر کیا ہے، اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

عبداللہ بن علی جن دنوں فلسطین کی طرف تھا، وہاں نہر ابی فطرس کے کنارے دسترخوان پر کھانا کھا رہا تھا اور اسّی نوے بنوامیہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک تھے، اسی اثنا میں شبلی بن عبداللہ آ گیا، اس نے فوراً اپنے اشعار پڑھنے شروع کئے، جن میں بنوامیہ کی مذمت اور امام ابراہیم کے قید ہونے کا ذکر کر کے بنوامیہ کے قتل کی ترغیب دی گئی تھی، عبداللہ بن علی نے اسی وقت حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر دو، اس کے خادموں نے فوراً قتل کرنا شروع کر دیا، ان میں بہت سے ایسے تھے جو بالکل مر گئے تھے، بعض ایسے بھی تھے کہ وہ زخمی ہو کر گر پڑے تھے، مگر ابھی ان میں دم باقی تھا، عبداللہ بن

Marfat.com

علی نے ان سب مقتولوں اور زخمیوں کی لاشوں کو برابر لٹا کر ان کے اوپر دسترخوان بچھوایا، اس دسترخوان پر کھانا چنا گیا اور عبداللہ بن علی مع ہمراہیوں کے پھر اس دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں مصروف ہوا، یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور ان کے نیچے وہ زخمی جو ابھی مرے نہیں تھے کراہ رہے تھے، حتی کہ یہ کھانا کھا چکے اور وہ سب کے سب مر گئے)۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جب عباسی خلیفہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علی شام میں داخل ہوا، اور بنوامیہ کو چن چن کے مروا چکا تو ایک دن اس نے اس طرح دربار سجانے کا حکم دیا کہ ایک صف ایسے جوانوں کی آراستہ کی جائے جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہوں، دوسری صف ان کی ہو جن کے ہاتھ میں عَلَم (بھالے) ہوں، تیسری صف میں وہ سپاہی ہوں جن کے ہاتھ میں گرز ہوں، اور چوتھی صف میں وہ کھڑے کئے جائیں جن کے ساتھ کافر کوب ہوں۔ جب حکم کے مطابق دربار سج چکا تو ایک پیادہ بھیج کر اس نے مجھ کو بلوایا، میں بارگاہ کے دروازہ پر پہنچا تو سواری سے اتار لیا گیا اور دائیں بائیں سے دو سپاہی میرے دونوں بازو تھام کر صفوں کے بیچ میں لے چلے، جب اتنے قریب پہنچ گئے جہاں سے عبداللہ میری بات سن سکے تو وہاں مجھ کو کھڑا کر دیا، (اس کے بعد عبداللہ اور میرے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی):

عبداللہ: تم عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی ہو؟

اوزاعی: ہاں خدا امیر کی اصلاح فرمائے۔

عبداللہ: بنی امیہ کے قتل کے باب میں تمھارا کیا خیال ہے؟

اوزاعی: آپ سے اور ان سے کچھ معاہدے تھے جن کی پابندی اور عہد کا ایفاء ان پر لازم تھا۔

عبداللہ: صاحب اس کو چھوڑیئے! فرض کیجئے کہ ہمارا ان سے کوئی معاہدہ اور کوئی عہد و پیمان نہ رہا ہو؟

اوزاعی: (نے دیکھا کہ اب صاف صاف جواب دینے کے سوا چارہ کار نہیں، اور یہ بھی یقینی ہے کہ صاف

Marfat.com

جواب دینے کے بعد جان بچنا بھی ناممکن ہے، مرنے کو کس کا دل چاہتا ہے، مگر میں نے سوچا کہ اللہ کے حضور میں ایک دن کھڑا ہونا ہے، اس لئے میں نے نڈر ہو کر کہا کہ) اس صورت میں ان کا قتل آپ پر حرام تھا، یہ سنتے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا، گردن کی رگیں پھول گئیں، اور سرخ سرخ آنکھیں نکال کر بولا:

عبداللہ: یہ تم نے کیسے کہا، اور کیوں کہا؟

اوزاعی: آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کا خون تین ہی صورتوں میں روا ہو سکتا ہے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے، یا کسی کو قتل کر دے، یا مرتد ہو جائے، اور بنوامیہ جن کو تم نے قتل کرایا ہے ان میں سے کسی جرم کے مرتکب نہ تھے۔

عبداللہ: کیا دیانۃً حکومت وخلافت ہمارا (ہاشمیوں کا) ہی حق نہیں ہے؟

اوزاعی: وہ کیسے؟

عبداللہ: کیا آنحضرت ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ (ہاشمی) کو اپنا وصی نہیں بنا گئے؟

اوزاعی: اگر وصی بنا گئے ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ صفّین کے موقع پر دو شخصوں کا حکم مان کر یہ نہ کہتے کہ تم جس کو حاکم وخلیفہ مقرر کر دو، مجھے قبول ومنظور ہے، یہ سن کر عبداللہ بالکل خاموش ہو گیا، اس کے غصہ کا پارہ آخری ڈگری پر پہنچ چکا تھا، اور مجھے لگ رہا تھا کہ اب میرا سر میرے سامنے گرا چاہتا ہے کہ اتنے میں عبداللہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا، کہ اس کو دربار سے نکالو، میں دربار سے نکل آیا، لیکن ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ دیکھا ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے پاس چلا آ رہا ہے، میں سمجھا کہ میرا سر قلم کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے، اس لئے جلدی سے اپنی سواری سے اترا کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں اور اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی، ابھی نماز ہی میں تھا کہ سوار آ پہنچا، جب میں فارغ ہوا تو اس نے سلام کیا اور کہا کہ امیر نے یہ اشرفیاں آپ کے پاس بھجوائی ہیں، میں نے ان اشرفیوں کو گھر پہنچنے سے پیشتر ہی تقسیم کر کے ختم کر دیا۔[1]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ۔

Marfat.com

خلافتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیثِ نبویہ کے آئینے میں

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ان کے امور کے متولی انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے تھے، جب ایک نبی فوت ہو جاتا، تو اس کے بعد دوسرا نبی آتا، اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، البتہ خلفاء ہوں گے، اور کثرت سے ہوں گے۔

۲۔ نیز ارشاد فرمایا کہ دین اسلام بارہ خلفاء (کے دور) تک عزیز اور غالب رہے گا، اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔

۳۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ میری امت کا معاملہ درست رہے گا حتی کہ بارہ خلفاء گزریں گے، اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔[۱]

۴۔ مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے، اور وہ ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دے رہے تھے کہ اس وقت ایک شخص نے آ کر کہا کہ اے ابن مسعود! کیا تمہیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا ہے کہ ان کے بعد کتنے خلفاء ہوں گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں! بیان فرمایا ہے کہ خلفاء کی تعداد بنی اسرائیل کے نقباء کے برابر ہوگی، (اور بنی اسرائیل میں بارہ نقیب تھے)۔[۲]

صاحب نبراس رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام میں یہ چیز ذکر کی ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان:

لَا يَزَالُ الدِّيْنُ قَائِمًا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ ، أَوْ يَكُوْنَ عَلَيْكُمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً ، كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ[۳]

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ثلاثین (تیس سال) پر خلافت منقطع نہیں ہوئی، (بلکہ خلافت علی فرق المراتب قائم رہی)۔

[۱] مجمع الزوائد للہیثمی۔ ۲ مسند احمد، تحت مسندات ابن مسعود رضی اللہ عنہ [۳] صحیح مسلم، بَابُ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ، وَالْخِلَافَةُ فِي قُرَيْشٍ، رقم الحدیث: ۱۸۲۲۔

Marfat.com

پھر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک سوال اور جواب قائم کیا ہے، جو اس مقام کے مناسب ہے، اور مسئلہ ہذا کی تشریح کیلئے مفید ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ تیس سالہ دورِ خلافت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے ملک (بادشاہ) ہوئے اور خلافت کے منصب سے عاری ہوئے، یہ چیز ان کے حق میں ایک قسم کی قدح اور منقصت ہے، حالانکہ اہل سنت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قدح کو جائز نہیں رکھتے بلکہ ان کی مدح کے قائل ہیں؟ اس شبہ کے جواب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل چیزیں درج کی ہیں:

قاعدہ یہ ہے کہ اہل خیر کیلئے مختلف درجات اور مراتب ہیں، ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ سے فائق ہے، پھر ہر مرتبہ اپنے مافوق کے اعتبار سے محل نقص معلوم ہوتا ہے، اسی ضابطہ کے موافق ایک مقولہ مشہور ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ: (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائیاں معلوم ہوتی ہیں)

اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً یعنی میں ایک یوم میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔[1]

اکابر علماء اس فرمان کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراتب و مدارج میں دواماً ترقی کرتے تھے، اور جب مرتبہ علیا پر فائز ہوتے تو سابقہ مقام اور مرتبہ کے متعلق استغفار فرماتے تھے۔

جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو مسئلہ ہذا میں بھی یہی صورت کارفرما ہے کہ خلفائے راشدین اپنی سیرت (اخلاق، نظم وضبط وغیرہ) کے اعتبار سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب تھے اور خلافت کے ایک ''مرتبہ علیا'' پر فائز تھے، تنگی معیشت میں صبر کوشی اختیار کرتے تھے، اور طبائع بشریہ کے تقاضوں میں جدوجہد ومشقت اٹھاتے اور مباح چیزوں میں بھی توسع اور وسعت وفراخی پسند نہیں کرتے تھے۔

لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ منکرات شرعیہ کے مرتکب نہیں ہوئے، تاہم مباح امور میں انہوں نے اس ملک کے تمدن کے اعتبار سے توسع سے کام لیا، اور امور خلافت کے سرانجام دینے میں خلفائے راشدین سے کم درجہ میں تھے، اور قلیل تغیر کے حامل تھے۔

---

[1] سنن الترمذی، باب: وَمِنْ سُوْرَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحدیث: ۳۲۵۹۔

Marfat.com

اس کے باوجود مندرجات بالا کی روشنی میں آپ رضی اللہ عنہ پر خلفائے راشدین کے ساتھ (ہر مسئلہ میں) مساوات نہ پائے جانے کی بنا پر طعن قائم نہیں کیا جاسکتا، اور مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

مولانا عبدالعزیز پر ہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری تالیف (اَلنَّاهِيَه عَنْ طَعْنِ مُعَاوِيَة) میں اسی مسئلہ کو ایک دیگر عبارت میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے علم وورع اور عدل کے اعتبار سے کم درجہ کے ہیں، اور ان کے مابین مقام ومرتبہ کے لحاظ سے تفاوت ہے، اس کی مثال اس طرح ہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام میں اور اللہ کے ملائکہ میں اور امت کے اولیاء اللہ میں فرقِ مراتب مسلّم ہے۔

پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت، اجماع صحابہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی بناء پر برحق اور درست ہے، تاہم آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت اپنے پیش رو اور سابق خلفاء کی خلافت سے کم درجہ کی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مباح امور میں توسع اختیار کیا، جب کہ ان چیزوں سے خلفاء اربعہ نے تحرّز اور اجتناب کیا، اور قاعدہ ہے کہ: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْن۔

ممکن ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مباحات میں توسع اختیار کرنا اس بناء پر ہو کہ اس دور کے لوگوں کی ہمتوں میں قصور آ گیا تھا، (اور ایمانی قوت میں خامی پائی گئی) جب کہ یہ چیز دور سابق میں نہیں پائی گئی، خلفاء اربعہ کا عبادات اور معاملات میں فائق ہونا ظاہر اور مسلم ہے، اس میں کسی قسم کا خفاء نہیں۔

فرق مراتب کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سابق خلفاء سے کم درجہ میں ہیں، لیکن یہ چیز کوئی قبیح وقابل مذمت اور لائق نفرت نہیں۔ اسی طرح قرآنی آیات پر نظر کرنے سے بھی یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ ملک کا عطا کیا جانا اور ملوک بنایا جانا کوئی مذموم چیز نہیں، بلکہ اس کو احسان اور بیان نعمت کے طور پر اللہ کریم نے اپنے خاص بندوں کے حق میں ذکر کیا ہے مثلاً:

Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا :[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمھارے لئے بادشاہ بنا کر بھیجا۔

وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوْتَ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ :[2]

یعنی جالوت کو حضرت داود علیہ السلام نے قتل کر دیا، اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی۔

بنی اسرائیل پر جو انعامات خداوندی تھے، ان کو جتلاتے ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ [3]

اے میری قوم اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو، جب تم میں انبیاء علیہم السلام کو بنایا اور تم کو بادشاہ اور ملوک بنایا، اور تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جو اس دور کے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کیں۔

ان آیات سے بصراحت مفہوم ہوتا ہے کہ ملک ہونا، ملوک بنایا جانا قبیح چیز نہیں، بلکہ اچھی چیز ہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر بعض مرویات کے اعتبار سے ملک ہیں، اور ان کو ملوکیت حاصل ہے تو آیات و روایات کے تقاضوں کے مطابق صحیح ہے، اس سے ان کی خلافت اور خلیفہ ہونے کی نفی نہیں ہوسکتی۔

مختصر یہ ہے کہ خلافت اور امارت (ملوکیت) باہم متعارض و متضاد چیزیں نہیں کہ ایک شخصیت میں جمع نہ ہوسکیں۔ سارے صحابہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا چین اور سکون ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں معیارِ ایمان قرار دیا ہے، وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں، ہم میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ ہم اُن میں سے کسی کی شان میں کمی کریں، یا عیب و نقص نکالیں، جب اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ میں ان سے راضی ہو چکا ہوں تو پھر ہم کون ہوتے ہیں اُن کے خلاف باتیں کرنے والے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و وقار کو پہچاننے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆

---

[1] البقرۃ:۲۴۷۔ [2] البقرۃ:۲۵۱۔ [3] المائدۃ:۲۰۔

Marfat.com

بنی اُمیہ کے اہلِ بیت کے ساتھ نسبی تعلقات

ذیل میں خاندان بنی امیہ اور اہلِ بیت عظام میں چند ایک رشتہ داریاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (اموی) کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح مسلمات میں سے ہے۔

(۲) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما (اموی) سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں، اور انہیں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہے۔

(۳) حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے حقیقی برادر زادے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دختر ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند ابان بن عثمان بن عفان (اموی) سے ہوا۔

(۴) سیدنا حسین بن علی المرتضی رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی سکینہ بنت حسین کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان اموی کے ساتھ تھا۔

(۵) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی دختر فاطمہ بنت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمر بن عثمان (اموی) کے ساتھ تھا۔

(۶) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے ایک بیٹی پیدا ہوئی اسماء، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے ایک بیٹا پیدا ہوا قاسم۔ ان دونوں کا آپس میں نکاح ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹی دی اُمِّ فروہ، یہ اُمِ فروہ حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی اور حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ہیں۔ کتنا قریبی رشتہ ہے، اسلئے حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دُہرا جنا ہے۔

Marfat.com

غیر نسبی تعلقات

اسی طرح بنی امیہ کو نبی اقدس ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدین نے کئی اہم مناصب تفویض فرمائے، ان میں سے بعض تعلقات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

عہدِ نبوت میں اور خلفاءِ راشدین کے دور میں اموی حضرات کو بڑے بڑے اعزاز بخشے گئے، اور اسلام کے اہم کاموں میں ان کو شامل اور دخیل رکھا گیا، مثلاً:

۱۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اموی کو کاتب وحی بنایا گیا، اور کئی مواضع اور مواقع میں ان کو امیر مقرر کیا گیا۔

۲۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اموی کو کاتبان وحی اور غیر وحی میں شامل کیا گیا، اور عہد نبوی میں کئی امور کا والی بنایا گیا۔

۳۔ اسی طرح ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ (اموی) کو کئی اعزاز آنجناب ﷺ نے عنایت فرمائے، اور نجران کے علاقہ پر عامل مقرر فرمایا۔

۴۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو صدیقی اور فاروقی دور میں فتوح شام کیلئے افواج پر والی اور امیر بنا کر روانہ کیا گیا۔

۵۔ اسی طرح عتاب بن اسید اموی رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ پر والی اور حاکم مقرر فرمایا گیا۔

۶۔ نیز خالد بن سعید العاص رضی اللہ عنہ اموی کو عہدِ نبوی میں بنی مذحج کے صدقات پر اور صنعاء یمن پر عامل وحاکم بنایا گیا۔

۷۔ ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اموی کو عہد نبوی میں بحرین کا حاکم مقرر فرمایا گیا۔

۸۔ عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اموی کو عہدِ نبوی میں تیاء وخیبر وقری عرینہ پر حاکم بنایا گیا۔

نیز اسی طرح قبیلہ بنی ثقیف کے بعض افراد کو خلافت فاروقی میں بعض اہم مناصب عطا فرمائے گئے، چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارض یمن اور بحرین کا والی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

ان سارے واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں یا اہلِ بیت دونوں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمارے سروں کا تاج ہیں اور ان سے محبت ایمان کا لازمی جزء ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

اقتدار وحکومت موعود ہے یا مقصودِ اصلی

سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ دین میں سیاست کا مقام کیا ہے؟ اور دین میں ایک صحیح سیاسی نظام کی اہمیت کس درجے میں ہے؟ عیسائیت کا یہ باطل نظریہ بہت مشہور ہے کہ ''قیصر کا حق قیصر کو دو' اور کلیسا کا حق کلیسا کو' جس کا حاصل یہ ہے کہ مذہب کا سیاست میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، اور مذہب و سیاست دونوں کا دائرہ عمل مختلف ہے، دونوں کو اپنے اپنے دائرے میں ایک دوسرے کی مداخلت کے بغیر کام کرنا چاہئے، دین و سیاست کی تفریق کا یہی نظریہ عہد حاضر میں ترقی کر کے ''سیکولرازم'' کی شکل اختیار کر گیا جو آج کے نظام ہائے سیاست میں مقبول ترین نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام میں اس نظریے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام کی تعلیمات چونکہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق ہیں جن میں سیاست بھی داخل ہے، اس لئے اسلام میں سیاست کو دین و مذہب سے بے تعلق رکھنے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔

اسلام میں سیاست کا مقام

بہت سے مسلمان مفکرین اور اہل قلم سے ایک نہایت باریک غلطی واقع ہوگئی جو دیکھنے میں بڑی باریک اور معمولی تھی، لیکن اس کے اثرات بہت دوررس تھے، اس باریک غلطی کو ہم مختصر لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو اسے اس طرح تعبیر کر سکتے ہیں کہ انہوں نے ''سیکولرازم'' کی تردید کے جوش میں سیاست کو اسلامی بنانے کے بجائے اسلام کو سیاسی بنا دیا، کہنا یوں تھا کہ ''سیاست'' کو دین سے الگ نہ ہونا چاہئے لیکن کہا یوں کہ دین کو سیاست سے الگ نہیں ہونا چاہئے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے بہت سے احکام سیاست وحکومت سے متعلق ضرور ہیں اور ایمان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہر مسلمان اسلام کے دوسرے احکام کی طرح ان احکام پر بھی بقدر استطاعت عمل کرنے

Marfat.com

اور کرانے کی کوشش کرے، حاکم کا فرض ہے کہ وہ اسلامی احکام کو نافذ کرے، اور انہی احکام کے مطابق حکومت کرے۔

فائدہ جلیلہ

عہد حاضر کے بعض مفکرین اور مصنّفین جنہوں نے سیکولرازم کی تردید میں کام کیا، تردید کے جوش میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے سیاست اور حکومت کو اسلام کا مقصود اصلی، اس کا حقیقی نصب العین اور بعثت انبیاء کا مطمع نظر، بلکہ انسان کی تخلیق کا اصل ہدف قرار دے دیا، اور اسلام کے دوسرے احکام مثلاً عبادات وغیرہ کو نہ صرف ثانوی حیثیت دے دی، بلکہ انہیں اسی مقصود اصلی، یعنی سیاست کے حصول کا ایک ذریعہ اور اس کی تربیت کا ایک طریقہ قرار دیا۔

پہلا نقصان

اس انتہاپسندی کا پہلا زبردست نقصان تو یہ ہوا کہ اس کے نتیجے میں دین کی مجموعی تصویر اور اس کی ترجیحات کی ترتیب الٹ کر رہ گئی، جو چیز وسیلہ تھی وہ مقصد بن کر ہمہ وقت دل و دماغ پر چھا گئی، اور جو مقصد تھا وہ ایک غیر اہم وسیلہ بن کر پس منظر میں چلا گیا، چنانچہ اس طرز فکر کے تحت ذہن کچھ اس طرح کا بن گیا کہ ایک مسلمان کا اصل مقصدِ زندگی سیاست اور حکومت کی اصلاح ہونا چاہئے، کام وہی کام ہے جو اس راستے میں انجام دیا جائے، قربانی وہی قربانی ہے جو اس راہ میں پیش کی جائے، اور مثالی انسان وہی ہے جس نے اس کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر دن رات اس کے لئے وقف کر رکھے ہوں، اور دین کے دوسرے شعبوں مثلاً طاعات و عبادات، زہد و تقویٰ، تزکیہ نفس اور خشیت و انابت وغیرہ کی نہ صرف یہ کہ کوئی خاص اہمیت باقی نہ رہی، بلکہ جو شخص ان کاموں میں مشغول ہو اس کے بارے میں یہ تصور قائم کر دیا گیا کہ گویا وہ مبادی میں الجھا ہوا ہے اور دین کے بنیادی مقاصد سے دور ہے۔

Marfat.com

دوسرا نقصان

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ جب اسلام کا مقصد اصلی سیاست وحکومت قرار پایا، اور عبادات وغیرہ کے احکام کی حیثیت محض وسیلے کی ہوگئی تو یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کبھی کبھی وسائل کو مقصد پر قربان بھی کرنا پڑتا ہے، اور مقصد کے حصول کے لئے اگر کبھی کسی وسیلے میں کچھ اونچ نیچ یا کمی بیشی بھی ہوجائے تو وہ گوارا کرلی جاتی ہے، لہٰذا مذکورہ انتہا پسندی کے نتیجے میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اس بات کی بڑی گنجائش پیدا ہوگئی کہ سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے عبادات وغیرہ کے احکام میں کوئی کمی کوتاہی بھی ہوجائے تو وہ قابل ملامت نہیں، کیونکہ وہ ایک بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہوئی ہے۔

سیاست کو دین کا ایک شعبہ نہیں، بلکہ دین کا مقصود اصلی قرار دینے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے تجارت و معیشت بھی دین کا ایک شعبہ ہے، اس حیثیت سے دین کے بہت سے احکام تجارت ومعیشت سے بھی متعلق ہیں بلکہ کسب حلال کے بہت سے فضائل بھی احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اب اگر ان فضائل کے پیش نظر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ دین کا اصل مقصد ہی تجارت ومعیشت اور کسب حلال ہے، تو یہ بات اتنی غلط ہوگی کہ اس پر دلائل قائم کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

بعینہ اسی طرح سیاست اس معنی میں دین کا ایک شعبہ ضرور ہے کہ دین کے بہت سے احکام اس سے متعلق ہیں اور اس کے بہت سے فضائل بھی قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں، لیکن ان فضائل کی بنیاد پر اس کو دین کا مقصود اصلی قرار دینا ایسی ہی غلطی ہے جیسے تجارت ومعیشت کو دین کا اصل نصب العین قرار دینا۔

لیکن چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں جب سے مسلمانوں میں مغربی استعمار سے آزاد ہونے کی تحریکات شروع ہوئیں، اس وقت سے وہ انتہا پسندانہ طرز فکر عام ہوتا گیا جس میں سیاست کو ''خلافت فی الارض'' اور ''حکومت الٰہیہ'' وغیرہ کے عنوانات سے دین کا بنیادی مقصد قرار دے دیا گیا، طرز فکر کی اس غلطی نے مسلمانوں میں اتنی آہستگی سے اپنی جگہ بنائی کہ اچھے اچھے لوگوں کو یہ احساس نہ ہوسکا کہ ان کے فکر وعمل کا

Marfat.com

کانٹا تبدیل ہو گیا ہے، ''سیاسی استقلال'' کی ضرورت واہمیت اس درجہ ذہنوں پر چھائی ہوئی تھی کہ اس باریک مگر دور رس غلطی پر غور کر کے دین میں سیاست کا صحیح مقام متعین کرنے کی فرصت ہی نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تصور بعض حضرات نے شعوری طور پر اختیار کیا اور بعض نے غیر شعوری طور پر، اور تحریکات کے اجتماعی عمل نے اس پر ایسی مہر ثبت کر دی کہ اچھے اچھے اہل علم کو بھی کانٹے کی اس تبدیلی کا احساس نہ ہو سکا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ [1]

''وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین کی حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے''۔

اس سے واضح ہے دیانات مقصود بالذات ہیں، اور سیاسیات و جہاد مقصود اصلی نہیں، بلکہ اقامت دیانت کا وسیلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ دیانت اور احکام دیانت تو انبیاء علیہم السلام کو مشترک طور پر سب کو دیئے گئے اور سیاست و جہاد سب کو نہیں دیے گئے، بلکہ جہاں ضرورت و مصلحت سمجھی گئی وہاں اجازت دی گئی، ورنہ نہیں، وسائل کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ ضرورت ہی کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ دوسری آیات میں تو اس کے خلاف مضمون موجود ہے جس سے دیانت کا وسیلہ ہونا اور تمکین فی الارض اور سیاست کا مقصود ہونا سمجھ میں آ رہا ہے، اور وہ یہ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ

[1] الحج: ۴۱۔

Marfat.com

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1]

''تم میں جولوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا اس کو ان کے لئے قوت دے گا''۔

یہاں ایمان و عمل صالح کو شرط قرار دیا جارہا ہے تمکین فی الارض کی، جس سے تمکین و سیاست کا مقصود اصلی ہونا لازم آتا ہے، سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں ایمان اور عمل صالح پر تمکین و شوکت کا وعدہ کیا گیا ہے اور بطور خاصیت کے شوکت کا دین پر مرتب ہونا ذکر فرمایا گیا ہے، پس دین پر سیاست و قوت موعود ہوئی لیکن موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں، ورنہ آیت کریمہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ [2]

''اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی (یعنی قرآن) اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے''۔

جس میں اقامت تورات وانجیل وقرآن، یعنی عمل بالقرآن پر وسعت رزق کا وعدہ کیا گیا ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دین سے یہ مقصود ہے؟ بلکہ دین پر موعود ہے کہ دیندار بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا، پس موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں، یہاں بھی ایمان و عمل صالح پر شوکت وقوت اور سیاست وغیرہ موعود ہیں جو بطور خاصیت اس پر مرتب ہوں گی نہ کہ مقصود جو اس کی غایت کہلائے۔ پس ایمان و اعمال صالحہ مقصود بالذات ہیں اور تمکین فی الارض موعود ہے، نیز شرط پائی جائے گی تو مشروط حاصل ہوگا، اگر بالفرض شرط مفقود ہے یا ناقص ہے تو مشروط

[1] النور:۵۵۔ [2] المائدہ:۶۶۔

Marfat.com

بھی معدوم و ناقص ہوگا۔

بہر حال! واضح ہوا کہ سیاست و دیانت میں سیاست، وسیلہ ہے اور دیانت، مقصود اصلی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجے میں بھی مطلوب نہیں، بلکہ اس کا درجہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصود اصلی نہیں اور دیانت خود مقصود اصلی ہے۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت نے اس مختصر مگر انتہائی پرمغز اور جامع تقریر میں اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے موضوع کو اس قدر واضح فرما دیا ہے کہ اس میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ وہ سیکولر نظریہ درست ہے کہ سیاست و حکومت میں دین کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہئے اور نہ یہ خیال صحیح ہے کہ دین کا اصلی مقصد سیاست و حکومت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دین کا اصل مقصد بندے کا اپنے اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے، جس کا مظاہرہ عبادات و طاعات کے ذریعے ہوتا ہے، سیاست و حکومت بھی اسی مقصد کی تحصیل کا ایک ذریعہ ہے، جو نہ بجائے خود مقصد ہے اور نہ اقامت دین کا مقصد اس پر موقوف ہے، بلکہ وہ حصول مقاصد کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے، لہٰذا اسلام میں وہی سیاست و حکومت مطلوب ہے جو اس مقصد میں ممد و معاون ہو، اس کے برعکس جو سیاست اس مقصد کو پورا کرنے کے بجائے دین کے اصل مقاصد میں کتر بیونت کر کے انہیں مجروح کرے، وہ اسلامی سیاست نہیں ہے، خواہ اس کا نام "اسلامی" رکھ دیا گیا ہے۔

اسلام کا طرز حکومت اور جمہوریت

قرون وسطیٰ میں یورپ کے اندر جو شخصی حکومتیں عام طور سے رائج رہی ہیں وہ مطلق العنان بادشاہتیں تھیں، جن میں بادشاہ کی زبان قانون کی حیثیت رکھتی تھی اور اس پر کوئی قانونی قدغن عائد نہیں ہوتی تھی، اس مطلق العنان حکمرانی کے نتیجے میں ظلم و ستم اور ناانصافیوں کا بازار گرم رہا، اس لئے اس کے خلاف یورپ میں شدید رد

---

[1] اشرف السوانح، ج:۴۔

Marfat.com

عمل ہوا، ''شخصی حکومت'' کو بذات خود نہایت معیوب سمجھا جانے لگا اور اس کی جگہ ''جمہوریت'' کو ایک مثالی طرز حکومت کے طور پر پیش کیا گیا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ شخصی حکومتیں ختم ہو گئیں اور ان کی جگہ جمہوری نظام حکومت وجود میں آیا، بیشتر ملکوں میں جمہوریت قائم کی گئی، یہاں تک کہ جمہوریت کو ایک ایسا فیشن ایبل نظام حکومت سمجھا جانے لگا جو سیاست میں عدل و انصاف اور حق و صداقت کا ضامن ہے۔ چنانچہ گزشتہ (ہجری) صدی سے لے کر اب تک جتنی سیاسی تحریکیں اٹھی ہیں، ان کے ذہن میں ''جمہوریت'' کی حیثیت (معاذ اللہ) ایک ایسے ''کلمہ طیبہ'' کی ہو گئی ہے جس کے بغیر آج کے دور میں سیاست کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا بھر پہ چھائے ہوئے، اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہدِ حاضر میں جو سیاسی جماعتیں اسلام کا نام لے کر اٹھی ہیں، ان کی اکثریت بھی نہ صرف یہ کہ جمہوریت کو ایک مسلم اصول قرار دے کر آگے بڑھی ہے، بلکہ انہوں نے بھی اپنے مقاصد میں جمہوریت کے قیام کو سرفہرست رکھا ہے اور خود اپنی جماعت کو بھی جمہوری ڈھانچے پر تعمیر کیا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں یہ دعوے بھی بکثرت کئے گئے ہیں کہ جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے بلکہ اسلام نے جمہوریت ہی کی تعلیم دی ہے، کسی نے بہت احتیاط کی تو یہ کہہ دیا کہ جمہوریت کے جو اجزاء اسلام کے خلاف ہیں، ہم ان کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا ہماری جمہوریت ''اسلامی جمہوریت'' ہے۔

یہ تصورات ہمارے دَور میں اس قدر مشہور ہو گئے ہیں کہ ان کے خلاف کچھ سوچنا، کہنا، دنیا بھر کی لعنت و ملامت کو اپنے سر لینے کے مترادف ہے، اور اگر ایسے ماحول میں کوئی شخص جمہوری حکومت کے بجائے شخصی حکومت کی حمایت کرے تو ایسا شخص تو آج کی سیاسی فضا میں تقریباً کلمہ کفر کہنے کا مرتکب سمجھا جانے لگا ہے۔

لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور خالص دین کی دعوت و تجدید کے لئے منتخب فرمایا ہو، وہ زمانے پر چھائے ہوئے تصورات اور خوشنما نعروں سے مرعوب و متاثر نہیں ہوتا، بلکہ ہر حال میں حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اور مجدد دعوت مولانا محمد الیاس و دیگر علماء نے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی یہ تسلیم نہیں فرمایا کہ اسلام نے جمہوریت کی تعلیم دی ہے یا جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے، اس کے بجائے انہوں نے اپنے متعدد مواعظ و ملفوظات اور تصانیف میں جمہوریت

Marfat.com

پر نہایت جاندار تنقیدیں کی ہیں، اور اپنے دینی نقطہ نظر سے اس کی خرابیوں کو واضح فرمایا ہے۔

عام طور پر جمہوریت کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں صرف اتنا خیال رہا کہ مطلق العنان بادشاہت کے مقابلے میں یہ نظام عوام کو آزادی اظہار رائے عطا کرتا ہے اور حکمرانوں پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جن کے ذریعے وہ بے مہار نہ ہوسکیں، اور چونکہ اسلام نے ''مشاورت'' کا حکم دیا ہے، اس لئے ''جمہوریت'' کو ''مشاورت'' کے ہم معنی سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جمہوریت عین اسلام ہے، حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں ہے، درحقیقت ''جمہوری نظام حکومت'' کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، اور جس کے لئے سیکولرازم پر ایمان لانا تقریباً لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

لہٰذا ''جمہوریت'' کا سب سے پہلا رکن اعظم یہ ہے کہ اس میں عوام کو حاکم اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے، اور عوام کا ہر فیصلہ جو کثرت رائے کی بنیاد پر ہوا ہو، وہ واجب التعمیل اور ناقابل تنسیخ سمجھا جاتا ہے، کثرت رائے کے اس فیصلہ پر کوئی قدغن اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔

''کثرتِ رائے'' کے نقصانات

خلاصہ یہ کہ جمہوریت نے کثرت رائے کو (معاذ اللہ) خدائی کا مقام دیا ہوا ہے کہ اس کا کوئی فیصلہ رَد نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اسی بنیاد پر مغربی ممالک میں بد سے بدتر قوانین کثرت رائے کے زور پر مسلسل نافذ کئے جاتے رہے ہیں، اور آج تک نافذ کئے جارہے ہیں، زنا جیسی بدکاری سے لے کر ہم جنسی جیسے گھناؤنے عمل تک کو اسی بنیاد پر سند جواز عطا کی گئی ہے، اور اس طرز فکر نے دنیا کو اخلاقی تباہی کے آخری سرے تک پہنچا دیا ہے۔

بڑے مقتدر علماء نے، خصوصاً حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے کثرت رائے کے اس جمہوری فلسفے پر جابجا تبصرے فرما کر اس کی کمزوری کو واضح کیا ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [1]

---

[1] الانعام:۱۱۶۔

Marfat.com

''اور اگر آپ زمین والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے''۔

کثرت رائے کو معیار حق قرار دینے کے خلاف اس سے زیادہ واشگاف اعلان اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن زمانے پر چھائے ہوئے نظریات سے مرعوب ہو کر مسلمانوں میں بھی یہ خیال تقویت پا گیا کہ جس طرف کثرت رائے ہو گی، وہ بات ضرور حق ہو گی۔

فائدہ

آج کل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرت رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے، یہ ایک حد تک صحیح ہے، مگر یہ بھی معلوم ہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے؟ کیا ان عوام کالانعام کی؟ اگر انہیں کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی رائے پر عمل نہیں کیا، ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف، آخر کیوں انہوں نے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار نہ کی؟ کیوں تفریق قوم کا الزام سر لیا؟ اسی لئے کہ وہ قوم بہت جاہل تھی، اس کی رائے جاہلانہ رائے تھی۔

مطلب یہ ہے کہ عوام کی کثرت رائے کبھی معیار حق نہیں ہو سکتی، کیونکہ عوام میں اکثریت عموماً بے علم یا کم علم لوگوں کی ہوتی ہے، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

''مولانا محمد حسین الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہو، کیونکہ قانون فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بے وقوف زیادہ، تو اس قاعدے کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بیوقوفی کا فیصلہ ہوگا''۔ [1]

[1] تقلیل الاختلاط مع الانام۔

Marfat.com

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

غزوہ احد میں ان پچاس آدمیوں میں جو پہاڑ کی گھاٹی پر متعین تھے، اختلاف ہوا، بعض نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو فتح حاصل ہوگئی ہے، اب ہم کو گھاٹی پر رہنے کی ضرورت نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس غرض کے لئے ہم کو یہاں متعین کیا تھا وہ غرض حاصل ہو چکی ہے، اس لئے حکم قرار بھی ختم ہوگیا، اب یہاں سے ہٹنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقصود کی مخالفت نہ ہوگی اور ہم نے اب تک جنگ میں حصہ نہیں لیا، تو کچھ ہم کو بھی کرنا چاہئے، ہمارے بھائی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں، ہم کو مال غنیمت جمع کر لینا چاہئے، بعض نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف فرما دیا تھا کہ بدون میری اجازت کے یہاں سے نہ ہٹنا، اس لئے ہم کو بدون آپ کی اجازت کے ہرگز نہ ہٹنا چاہئے، مگر پہلی رائے والوں نے نہ مانا اور چالیس آدمی گھاٹی سے ہٹ کر مال غنیمت جمع کرنے پر مشغول ہوگئے، یہ ان سے اجتہادی غلطی ہوئی اور گھاٹی پر صرف دس آدمی اور ایک افسران کے رہ گئے (اس واقعہ میں کثرت رائے غلطی پر تھی اور قلت رائے صواب پر تھی، جو لوگ کثرت رائے کو علامت حق سمجھتے ہیں وہ اس سے سبق حاصل کریں)۔

اسی وعظ میں آگے چل کر حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کثرت رائے کی لازمی حقانیت کے خلاف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کی مثال بھی دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف جہاد کا ارادہ فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ جہاد نہ کیا جائے لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے اور اسی کے مطابق فیصلہ بھی ہوا اور بعد میں سب لوگوں نے یہ اعتراف کیا کہ صائب رائے یہی تھی۔

Marfat.com

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت رائے کو معیار حق قرار دینے کے نظریے پر شرعی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل سے تنقید فرمائی ہے، اور سادہ سادہ لفظوں میں ایسے حقائق بیان فرما دیئے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے گا اسی نتیجے تک پہنچے گا، چنانچہ جدید علم سیاست کے بعض حقیقت پسند ماہرین نے بھی ''جمہوریت'' کے ان نقائص کو تسلیم کیا ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں:

''اول تو کثرت رائے میں احمقوں کو جمع کیا جاتا ہے، ان کی کثرت تو حماقت ہی کی طرف ہوگی، پھر ان سے بھی پہلے اپنی رائے منوالی جاتی ہے، اس سبق کی طرح پڑھا دیا جاتا ہے کہ ہم یوں کہیں گے، تم یوں کہہ دینا، جیسے وکیل گواہوں کو پڑھایا کرتے ہیں اب وہ کثرت کیا خاک ہوئی''۔

ڈاکٹر اے، اپادورائے جمہوریت کے تعارف اور اس کی شرائط پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''جمہوریت کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ شرائط (جن کے وجود پر جمہوریت کی کامیابی موقوف ہے) شاذ و نادر ہی پوری ہوئی ہیں، عملی اعتبار سے جمہوریت دراصل جہالت کی حکمرانی کا نام ہے، اس کی ساری توجہ کمیت اور تعداد پر رہتی ہے، کیفیت پر نہیں، اس میں ووٹ گنے جاتے ہیں، انہیں تولا نہیں جاتا''۔

شخصی حکومت

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ جس ''شخصی حکومت'' کو اسلام کا تقاضا قرار دے رہے ہیں، وہ شخصی حکومت مذکورہ بالا خرابیوں سے خالی ہے، وہ اس معنی میں بے شک ''شخصی حکومت'' ہے کہ اس میں جمہوری انداز کی پارلیمنٹ مختار کل نہیں ہے، اور اختیاراتِ حکومت بڑی حد تک ''خلیفہ'' یا ''امیر المومنین'' کی ذات میں مرکوز ہیں، لیکن سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس ''خلیفہ'' یا ''امیر المومنین'' کا تعین وراثت یا قوت کی بنیاد پر نہیں ہوتا، بلکہ اہل حل وعقد کے انتخاب کے ذریعے ہوتا ہے اور اس انتخاب کے لئے ''خلیفہ'' میں کچھ معیاری

Marfat.com

اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے، جن کے بغیر، اہل حل وعقد کے لئے کسی شخص کا انتخاب جائز نہیں، ان اوصاف میں علمی قابلیت کے علاوہ کردار کی اعلیٰ ترین پختگی اور رائے کی اصابت بھی داخل ہے۔

آج کل کی جمہوریتوں میں سربراہ کے انتخاب کے لئے عموماً نہ کوئی قابلیت شرط ہوتی ہے، نہ کردار وعمل کی کوئی خوبی، لیکن "خلیفہ" کے لئے اسلام میں نہایت کڑی شرائط تجویز فرمائی گئی ہیں اور اہل حل وعقد کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ ان شرائط کا مکمل اطمینان حاصل کرنے کے بعد خلیفہ کا انتخاب کریں۔

پھر یہ خلیفہ بھی، جو اعلیٰ ترین علمی اور عملی اوصاف کا حامل ہے، مطلق العنان قانون ساز نہیں ہوتا، بلکہ قرآن و سنت اور اجماع امت کا پابند ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قانون وضع نہیں کرتی، بلکہ ایک ایسے آسمانی قانون کی بنیاد پر وجود میں آتی اور اسی کو نافذ کرتی ہے جو کائنات کی اعلیٰ ترین اتھارٹی کا بنایا ہوا ہے، اور قرآن وسنت کی صورت میں محفوظ ہے۔

ہاں قرآن وسنت کے دائرے میں رہتے ہوئے انتظامی قوانین اور احکام جاری کرنا حکومت کے اختیار میں ہوتا ہے، لیکن اس کے لئے بھی اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کے اقدامات کے لئے اہل شوریٰ سے مشورہ لے، اس مشورے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ لازمی طور پر کثرت رائے کی پابندی کرے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسئلے کے تمام پہلو سامنے آجائیں اور ان کو مدنظر رکھنے کے بعد وہ اپنی بہترین قابلیت اور اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر خود فیصلہ کرے۔

اس کے علاوہ سربراہ حکومت کا ہر اقدام، اس کا ہر حکم اور اس کا بنایا ہوا ہر قانون چونکہ قرآن وسنت کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی وقت یہ سربراہ قرآن وسنت کے احکام سے تجاوز کرے یا عدل وانصاف کے خلاف کوئی کام کرے تو قاضی کی عدالت سے اس کے خلاف چارہ کار حاصل کرنا ہر ادنیٰ شہری کا ناقابل تنسیخ حق ہوتا ہے۔

Marfat.com

جمہوری سلطنت اور اسلام

بعض لوگوں کو یہ حماقت سوجھی کہ وہ جمہوری سلطنت کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہی کی تعلیم ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" [1] مگر یہ بالکل غلط ہے، ان لوگوں نے مشورہ کی دفعات ہی کو دفع کر دیا اور اسلام میں مشورہ کا جو درجہ ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا، اسلام میں مشورہ کا درجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ اے بریرۃ تم اپنے شوہر سے رجوع کرلو۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا پہلے باندی تھی اور اسی حالت میں ان کا نکاح ایک شخص جن کا نام مغیث رضی اللہ عنہ تھا کے ساتھ، ان کے آقا نے کر دیا تھا، جب وہ آزاد ہوئیں تو قانون اسلام کے مطابق ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ جو نکاح حالت غلامی میں ہوا تھا، اگر چاہیں اس کو باقی رکھیں، اگر چاہیں فسخ کر دیں، اصطلاح شریعت میں اس کو خیارِ عتق کہتے ہیں، اس اختیار کی بنا پر حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا نے نکاحِ سابق کو فسخ کر دیا لیکن ان کے شوہر کو ان سے بہت محبت تھی، وہ صدمہ فراق میں مدینہ کے گلی کوچوں میں روتے پھرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر رحم آیا اور حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے بریرۃ! کیا اچھا ہو کہ اگر تم اپنے شوہر سے رجوع کرلو! تو وہ دریافت کرتی ہیں، یارسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے؟ یا مشورہ؟ اگر حکم ہے تو بسر و چشم منظور ہے، گو مجھ کو تکلیف ہی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حکم نہیں، صرف مشورہ ہے، حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا نے صاف عرض کر دیا اگر مشورہ ہے تو میں اس کو قبول نہیں کرتی۔ لیجئے! اسلام میں یہ درجہ ہے مشورہ کا کہ اگر نبی اور خلیفہ بدرجہ اولیٰ رعایا کے کسی آدمی کو کوئی مشورہ دیں تو اس کو حق ہے کہ مشورہ پر عمل نہ کرے اور یہ محض ضابطہ کا حق نہیں بلکہ واقعی حق ہے۔

چنانچہ حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورے پر عمل نہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ذرا بھی ناراض نہ ہوئے اور نہ حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا کو کچھ گناہ ہوا، نہ ان پر کچھ عتاب ہوا۔ سو جب امت اور رعایا اپنے نبی یا

---

[1] آل عمران: ۱۵۹۔

Marfat.com

بادشاہ کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے اسلام میں مجبور نہیں تو نبی یا خلیفہ رعایا کے مشورہ سے کیوں کر مجبور ہو جائے گا کہ رعایا جو مشورہ دیں اسی کے موافق عمل کرے، اس کے خلاف کبھی نہ کرے۔

سلطنت مقصود بالذات نہیں، بلکہ رضائے حق مقصود بالذات ہے

جس شخص کو بھی حکمرانی کی ذمہ داری سونپی جائے، اسے اس نقطہ نظر کے ساتھ اسے سنبھالنا ہے کہ ''حکومت'' بذات خود مقصود نہیں، جس سے ہر حال میں چمٹے رہنا ضروری ہو، بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے، لہٰذا اگر کبھی حکومت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں تعارض ہوگا تو وہ بلا تامل اپنی حکومت کو اللہ کی خوشنودی پر قربان کر دے گا، اس سلسلے میں حکیم الامت ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

''یاد رکھو! سلطنت مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصود رضائے حق ہے، اگر ہم سے اللہ راضی نہ ہو تو ہم سلطنت کی حالت میں فرعون ہیں، اور لعنت ہے ایسی سلطنت پر جس سے ہم فرعون کے مشابہ ہوں۔ اگر سلطنت مقصود بالذات ہوتی تو فرعون، ہامان، نمرود و شدّاد بڑے مقرب ہونے چاہئیں، حالانکہ وہ مردود ہیں، معلوم ہوا کہ سلطنت وہی مطلوب ہے جس میں رضائے حق بھی ساتھ ساتھ ہو اور جس سلطنت میں رضائے حق نہ ہو، وہ وبال جان ہے، اگر ہم سے خدا راضی ہو تو ہم پاخانہ اٹھانے پر راضی ہیں، اور اسی حالت میں ہم بادشاہ ہیں، آخر حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کیا تمہارے نزدیک پاگل تھے؟ ان کو تو سلطنت ملی ہوئی تھی پھر کیوں چھوڑی؟ محض اس لئے کہ مقصود میں خلل واقع ہوتا تھا، معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود دوسری چیز ہے کہ اگر اس میں خلل واقع ہونے لگے تو اس وقت ترک سلطنت ہی سلطنت ہے، حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہر فن کے امام ہیں، حدیث میں ثقہ اور محدث ہیں اور فقہاء میں فقیہ اور صوفیاء میں تو امام ہیں، ان کو کوئی پاگل نہیں کہہ سکتا، جو ان کو پاگل کہے وہ خود پاگل ہے، پھر

Marfat.com

دیکھوتو انہوں نے کیا کیا؟ جب رضائے حق میں سلطنت کو مزاحم دیکھا تو بادشاہت پر لات مار کر الگ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سلطنت مضر مقصود نہ تھی، تو ان کو اجازت دی گئی کہ منصب خلافت کو قبول کریں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے مضر مقصود تھی تو ان کے لئے حکم ہے

لَا تَلِيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ وَلَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ ۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود رضائے حق ہے، اگر سلطنت سے مقصود میں خلل واقع ہو تو اس وقت اُس سے منع کیا جائے گا۔[1]

مسلمانوں کی بہبود اور فلاح کی صورت

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دو شانیں تھیں، ''شانِ نبوت'' اور ''شانِ سلطنت''، اس کے بعد خلفائے راشدین بھی دونوں کے جامع تھے، مگر اب یہ دونوں شانیں دو گروہوں پر تقسیم ہو گئیں، شان نبوت کے مظہر علماء ہیں اور شان سلطنت کے مظہر سلاطین اسلام، اب اگر یہ سلاطین، علماء سے استغناء کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے، اور اگر علماء سلاطین کی مخالفت کرتے ہیں تو اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے، اب صورت دونوں کے جمع کرنے کی یہ ہے کہ سلاطین سے تو میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اپنی حدود میں کوئی حکم اس وقت تک نافذ نہ کریں جب تک علماء حق سے استفتاء نہ کرلیں، اور علماء سے یہ کہتا ہوں کہ وہ نفاذ کے بعد اس پر کاربند ہوں، اگر یہ دونوں شانیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ہیں اس طرح جمع ہو جائیں تو مسلمانوں کی بہبود اور فلاح کی صورت نکل آئے، اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی ساحل پر جا لگے، ورنہ اللہ ہی حافظ ہے۔[2]

[1] تقلیل الاختلاط مع الانام۔ [2] اصلاح المسلمین۔

Marfat.com

سیاسی جدوجہد اور تزکیہ اخلاق

اس جدوجہد کی شرطِ اوّل یہ ہے کہ انسان کے اعمال واخلاق کا تزکیہ ہو چکا ہو، اور اس کے جذبات وخیالات اعتدال کے سانچے میں ڈھل چکے ہوں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیئیس سالہ عہد نبوت میں ابتدائی تیرہ سال اس طرح گزرے ہیں کہ نہ ان میں کوئی جہاد ہے نہ حکومت وریاست ہے، نہ کسی قسم کی سیاسی جدوجہد ہے، کوئی اگر مارتا اور اذیتیں دیتا ہے تو اس کے جواب میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں اور اس کے بجائے مسلسل صبر کی تعلیم وتلقین کی جارہی ہے، یہ تیرہ سال تعلیم وتربیت اور تزکیہ اخلاق کے سال ہیں، مجاہدات نفس کی اسی بھٹی سے گزرنے کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق واعمال صیقل ہو چکے تو اس کے بعد مدنی زندگی میں حکومت وسیاست اور جہاد وقتال کا سلسلہ شروع ہوا ہے، حضرت حکیم الامت قدس سرہ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> دیکھئے اس کی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی، مدینہ میں پہنچ کر اجازت ہوئی، اس کی کیا وجہ ہے؟ ظاہر بین یہ سمجھتے ہیں کہ قلت جماعت وقلت اسباب اس کا سبب تھا، یہ خلاف تحقیق ہے، کیونکہ مدینہ ہی میں پہنچ کر کیا جماعت بڑھ گئی تھی؟ کفار کا پھر بھی غلبہ تھا، مدینہ کی تمام جماعت تمام عرب کے مقابلے میں کیا چیز تھی؟ بلکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفارِ عالم کے مقابلے میں یہ اجازت ہوئی تھی، تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا اسی طرح مدینہ پہنچ کر سامان میں کیا زیادتی ہوگئی تھی؟ نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلے میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا اور یہ صورت ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی، مگر پھر بھی اس صورت کو اختیار کر کے وہاں اجازت نہ دی گئی تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہئے،

Marfat.com

اہل ظاہر اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے۔

محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے اندر اخلاق حمیدہ، اخلاص اور تقویٰ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے، اس وقت اگر اجازت قتال کی ہو جاتی تو سارا مقابلہ جوش وغضب اور انتقام النفس کے لئے ہوتا، محض اخلاق اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہوتا، اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے ان کی امداد کی جائے، اور حمایت الٰہی ان کے شامل حال ہو۔ چنانچہ قرآنی آیت بَلٰۤی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایت الٰہی اسی وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر وتقویٰ میں راسخ ہوں۔

اور تقویٰ کے معنی ہیں کہ اَلْاِحْتِرَازُ عَمَّا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاِمْتِثَالُ مَا اُمِرَ بِهٖ جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء وعن شائبۃ النفس بھی داخل ہے) اور مدینہ میں پہنچ کر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے، مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذاء پر صبر کرنے سے نفس کی مقاومت سہل ہوگئی، نیز قوت غضب نفسانی، ضعیف بلکہ زائل ہوگئی تھی۔

پھر ہجرت کے وقت جب انہوں نے اپنے وطن، اہل وعیال اور مال ودولت سب پر خاک ڈال دی تو ان کی محبت الٰہی کامل ہوگئی، اور محبت دنیا ان کے قلب سے نکل گئی۔ انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے ان کے قلوب بھی محبت الٰہی سے لبریز اور محبت دنیا سے پاک ہو گئے تھے چنانچہ انصار نے خوش خوش ان حضرات کو اپنے مکانات واموال میں شریک کرنا چاہا۔

غرض واقعہ ہجرت سے مہاجرین وانصار دونوں کا امتحان ہو گیا، جس میں وہ کامل اترے، اس کے بعد ان کو اجازت قتال دی گئی کہ اب جو کچھ کریں گے محض اللہ کے لئے کریں گے، جوش غضب اور خواہش انتقام اور شفاء غیظ نفس کے لئے کچھ نہ کریں گے، اس وقت یہ اس قابل

Marfat.com

ہوں گے کہ حمایت الٰہی ان کا ساتھ دے اور ملائکہ رحمت ان کی مدد کریں۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے اللہ کے لئے کرتے تھے، حتیٰ کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کو معرکہ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا، مرتا کیا نہ کرتا، اس کم بخت نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوکا، اب چاہئے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے، مگر تھوکنے کے بعد اس کے سینے پر سے کھڑے ہو گئے اور فوراً اسے چھوڑ دیا، وہ یہودی بڑا متعجب ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی کہ اگر آپ نے مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے پر کیوں رہا کر دیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اول جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تو اس وقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا، اور جب تو نے تھوکا تو مجھے غصہ اور جوش انتقام پیدا ہوا میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کے لئے نہ ہوگا بلکہ اس میں نفس کی بھی آمیزش ہوگی، اور میں نے چاہا کہ نفس کیلئے کام کر کے اپنے عمل کو ضائع نہ کروں، اس لئے تجھے رہا کر دیا، وہ یہودی فوراً مسلمان ہو گیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لئے نہ کرو بلکہ محض خدا کیلئے ہر کام کرو، دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔

اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمت اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں، اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں، احکام الٰہی کی پرواہ نہیں کرتے، بس ان کا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہئے، خواہ شریعت کے موافق ہو یا مخالف، چندہ میں جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں، صَرف میں حلال و حرام کی تمیز نہیں، پھر حمایت الٰہی ان کے ساتھ کیوں کر ہو؟ بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں مسئلے

Marfat.com

مسائل کو ابھی رہنے دو اس وقت تو کام کرنا چاہئے، بعد کو مسئلے مسائل دیکھے جائیں گے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلے مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دنیوی فلاح ہو سکتی ہے، نہ اخروی، اور سب سے زیادہ اخلاص نیت کی ضرورت ہے، جو کہ یہاں صفر ہے۔ [1]

عظیم بات

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ ہندوستان کی سیاسی تحریکات سے الگ رہے، اس دوران ایک صاحب نے یہ پیش کش کی کہ ہم آپ کو امیر المومنین بناتے ہیں، آپ ہماری قیادت فرمایئے، حضرت نے اس پیشکش کا مناسب جواب دینے کے بعد فرمایا:

"سب سے پہلے جو امیر المومنین ہو کر حکم دوں گا وہ یہ ہوگا کہ دس برس تک سب تحریک اور شور وغل بند، ان دس سالوں میں مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی، جب یہ قابل اطمینان ہو جائیں گے تب مناسب حکم دوں گا"۔ [2]

اگر ہم حقیقت پسندی سے اپنے حالات کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس ارشاد میں ہماری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے، اگر آج ہماری سیاست کی بیل منڈھے نہیں چڑھتی تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم مکی زندگی کے تیرہ سال کی چھلانگ لگا کر پہلے ہی دن سے مدنی زندگی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں، ہم اپنے آپ کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے تیار کئے بغیر اصلاح قوم کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو گئے ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ جھنڈا کس طرح پکڑا جاتا ہے؟ نہ ہمیں یہ پتہ ہے کہ اسے سربلند رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ نہ ہم نے اس کام کی کوئی تربیت حاصل کی ہے، بس ہم نے کچھ دوسری قوموں کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے جھنڈا اٹھائے دیکھا تو انہی کی نقالی ہم نے بھی شروع کردی، نتیجہ یہ ہے کہ ہماری سیاسی جدوجہد کا طرز و انداز، ہماری کوششوں کا طریق کار، ہماری اختیار کی ہوئی تدبیریں، تقریباً سب کی سب وہ ہیں جو ہم نے دوسری

---

[1] وعظ محاسنِ اسلام۔ [2] الافاضات الیومیہ، ج:۲، ص:۶۷، ملفوظات:۸۹، لقب بہ تدبیر الفلاح۔

Marfat.com

قوموں سے مستعار لی ہیں اور ان کو شریعت کی کسوٹی پر صحیح طریقے سے پرکھے بغیر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جب ان طریقوں سے لادینی سیاست کامیاب ہوسکتی ہے تو اسلامی سیاست بھی کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتی ہے، حالانکہ اسلامی سیاست کو لادینی سیاست پر قیاس کرنا کھجور کے درخت کو کنویں پر قیاس کرنے کے مترادف ہے۔

سیاسی تدابیر

اسلامی سیاست میں صرف مقصد کا نیک اور شریعت کے موافق ہونا کافی نہیں، بلکہ اس کے طریق کار اور اس کی تدبیروں کا بھی شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک باز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے موثر سے موثر تدبیریں صرف اس لئے چھوڑ دیں کہ وہ شریعت کے خلاف تھیں۔

غزوہ بدر کے موقع پر جب حق و باطل کا پہلا فیصلہ کن معرکہ درپیش تھا، اور تین سو تیرہ بے سروسامان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنی بڑی طاقت سے ٹکر لینے جا رہے تھے تو ایک ایک شخص کی بڑی قدر و قیمت تھی، اور قدرتی طور پر نفری میں تھوڑا سا بھی اضافہ کامیابی میں موثر ہوسکتا تھا، اس موقع پر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جیسے جاں نثار صحابی اور ان کے والد نے لشکر میں شامل ہونا چاہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس بناء پر جہاد میں شامل ہونے سے روک دیا کہ آتے وقت انہیں کفار نے گرفتار کرلیا تھا اور اس وعدے پر چھوڑا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد نہیں کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جہاد کی شرکت سے روکتے ہوئے فرمایا:

نَفِیْ لَھُمْ بِعَھْدِھِمْ وَنَسْتَعِیْنُ اللّٰہَ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ [1]

''ہم ان سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔

اسی غزوہ میں ایک نہایت تجربہ کار مشرک شخص نے جو اپنی بہادری اور جنگجوئی میں مشہور تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

[1] صحیح مسلم و بخاری، ص: ۱۰۲۔

Marfat.com

ساتھ لڑائی میں شامل ہونا چاہا لیکن یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا اور اس پہلے معرکے میں کسی کافر کی مدد لینا اسلام کو گوارا نہ تھا، چنانچہ اس وقت حکم یہی تھا کہ کافروں سے مدد نہ لی جائے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے بھی لڑائی میں شامل کرنے سے انکار فرمادیا اور ارشاد فرمایا:

اِرۡجِعۡ، فَلَنۡ اَسۡتَعِیۡنُ بِمُشۡرِكٍ [1]

''لوٹ جاؤ، میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہ لوں گا''۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مقام تو بہت بلند ہے، بعد کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی اصول پر ہمیشہ کار بند رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رومیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ تھا اس کی مدت ختم ہونے سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں اور مدت کے ختم ہوتے ہی حملہ کردیا، رومی لوگ بے خبری میں تھے اس لئے پسپا ہونے شروع ہوگئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فاتحانہ آگے بڑھتے رہے اتنے میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ پیچھے سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو روک کر انہیں ایک حدیث سنائی جس کی رو سے یہ حملہ شرعاً ناجائز تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ حملہ چونکہ جنگ بندی ختم ہونے کے بعد ہوا ہے اس لئے یہ عہد شکنی میں داخل نہیں ہے، لیکن حدیث سنتے ہی کوئی تاویل کرنے کے بجائے اپنے پورے لشکر کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔ [2]

جو سالار لشکر اپنی کامیاب تدبیر کے بعد فتح کے نشے میں آگے بڑھ رہا ہو، اس کے لئے اپنی یلغار روکنا ہی مشکل ہوتا ہے، چہ جائیکہ مفتوحہ علاقہ بھی واپس کردے، لیکن مقصد چونکہ سیاست و حکومت نہیں، اطاعت شریعت تھا، اس لئے تدبیر کے ناجائز ہونے کا علم ہوتے ہی اس ساری تدبیر سے دستبردار ہوگئے۔

غرض ہماری تاریخ ایسی درخشاں مثالوں سے بھری پڑی ہے جن میں مسلمانوں نے موثر تدبیر کے لئے بھی شریعت کی ادنیٰ خلاف ورزی گوارا نہیں کی بلکہ اسے ترک کردیا۔

---

[1] جامع ترمذی، رقم الحدیث: ۱۵۵۸۔ [2] جامع ترمذی، ابواب السیر، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَدْرِ، رقم الحدیث: ۱۵۸۰۔

Marfat.com

پبلسٹی کے مروجہ ذرائع

آج کی سیاست میں پبلسٹی اور پروپیگنڈہ کو بھی نہایت اہم مقام حاصل ہے، اور اس سلسلے میں عموماً مغربی سیاست کے ایک مشہور نمائندے گوئبلز کے اس مقالے پر عمل کیا جاتا ہے کہ:

''جھوٹ اتنی شدت سے بولو کہ دنیا اسے سچ جان لے''۔

آج کل کی حکومتیں ہوں یا لادینی سیاسی جماعتیں وہ تو اس اصول پر عمل کرتی ہی ہیں لیکن بسا اوقات اسلام کیلئے سیاسی جدوجہد کرنے والے حضرات بھی اس چھائے ہوئے ماحول سے متاثر ہو کر پبلسٹی اور پروپیگنڈے کے مروجہ ذرائع استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور ان کے جائز و ناجائز ہونے کی طرف یا تو دھیان نہیں جاتا یا پھر وہی نظریہ کارفرما ہوتا ہے کہ سیاست کی اصلاح ایک بلند مقصد ہے، اور اس کے حصول کیلئے چھوٹے چھوٹے امور کی قربانی دی جاسکتی ہے۔ غلط بیانی تو حرام ہے ہی لیکن سیاسی مخالفین کی بلاوجہ غیبت، ان کے خلاف ناجائز بدگوئی، ان پر بہتان و افتراء اور تحقیق کے بغیر افواہیں پھیلانا، یا ان پر تحقیق کے بغیر یقین کرنا یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہماری سیاسی تحریکات میں شعوری یا غیر شعوری طور پر داخل ہوگئی ہیں اور ان کی وجہ سے افتراق و انتشار، پارٹی بندیوں اور فتنہ و فساد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں اس طریق کار پر بھی تنقید فرمائی ہے، اور ایسی سیاسی تدبیروں کو ناجائز اور واجب الترک قرار دیا ہے جو ان مفاسد پر مشتمل ہوں۔

اسی طرح جلسے جلوس بھی پبلسٹی اور اپنے نقطہ نظر کو عوام تک پہنچانے کا اہم ذریعہ سمجھے جاتے ہیں لیکن ان میں بھی بعض اوقات احکام شرعیہ کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے اس کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب کوئی تدبیر تدابیر منصوصہ کے خلاف اختیار کی جائے گی اس کو تو ممنوع ہی کہا جائے گا''۔

خصوصاً جبکہ وہ فعل عبث یا مضر بھی ہو تو اس کی حرمت میں پھر کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ وہاں تو اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا، مثلاً ہڑتال میں جلوس ہیں ان میں

Marfat.com

وقت کا ضائع ہونا، روپیہ کا صرف ہونا، حاجت مند لوگوں کو تکلیف ہونا، نمازوں کا ضائع ہونا کھلے مفاسد ہیں تو یہ افعال کیسے جائز ہو سکتے ہیں؟ (ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر نیت امداد حق کی ہو؟ تو فرمایا کہ) ان باتوں سے حق کو کوئی امداد نہیں پہنچتی، دوسرے غیر مشروع فعل نیت سے مشروع نہیں ہو جاتا۔ [1]

اسلام نے ہر حال میں شریعت کی اتباع پر زور دیا ہے

اسلام نے اپنے احکام میں اصل زور اس بات پر دیا ہے کہ ہر حالت میں احکام شریعت کی اتباع کی جائے، اگر حاکم وقت کی طرف سے خلاف شرع امور کا حکم دیا جائے تو اس کی اطاعت واجب نہیں، بلکہ جب تک اکراہ کی شرعی حالت متحقق نہ ہو، شریعت کے احکام پر عمل ضروری ہے، اس راستے میں جتنی تکلیفیں پیش آجائیں ان پر صبر کرنا چاہئے کہ وہ موجب اجر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی حاکم شریعت کے خلاف کام کر رہا ہے تو اسے راہ راست پر لانے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کی شرائط کے ساتھ انجام دینا بھی ضروری ہے اور ضرورت کے وقت اس کے سامنے اظہار حق بھی، جسے حدیث میں "أَفْضَلُ الْجِهَادِ" قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام کام شریعت کے عین مطابق ہیں بشرطیکہ شرعی حدود میں ہوں اور پیش نظر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور دین حق کی تبلیغ و نصرت ہو، محض اپنی بہادری جتانا، لوگوں سے داد حاصل کرنا، یا خود طلب اقتدار پیش نظر نہ ہو۔

لیکن آج کی سیاسی فضا میں یہ معاملہ بھی شدید افراط و تفریط کا شکار ہے جو لوگ حزب اقتدار سے وابستہ یا حکومت کے طرف دار ہوتے ہیں، وہ ہر حال میں حکومت کی تعریفوں کے پل باندھے رکھتے ہیں اور اس کے ہر جائز و ناجائز فعل کی تائید و حمایت کرتے ہیں۔ حکومت کے ناجائز یا ظالمانہ اقدامات کو کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں پھر بھی خاموش رہتے ہیں اور ان کی تاویلات تلاش کرتے رہتے ہیں، جو صریح مداہنت ہے اور بعض لوگ تو ان ناجائز اقدامات کی حمایت کے لئے تحریف دین تک سے دریغ نہیں کرتے اور دوسری طرف جو لوگ "حزب

[1] الافاضات الیومیہ، ج:۵، ص:۱۳۲، ملفوظ:۱۵۲۔

Marfat.com

اختلاف'' سے وابستہ یا حکومت کے مخالف ہیں وہ ''حکومت کی مخالفت'' کو بذات خود ایک مقصد بنا لیتے ہیں اور اسے سیاسی فیشن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ خاص طور پر حزب اختلاف یہ بات اپنے فرائض منصبی میں سے سمجھتی ہے کہ وہ حکومت کی ہر بات میں کیڑے نکالے اور اس کی کسی اچھائی کا اعتراف نہ کرے، اس طرز عمل کا مقصد بسا اوقات حق کی نصرت کے بجائے حکومت کو بدنام کر کے اپنے اقتدار کا راستہ ہموار کرنا اور عوام سے بہادری کی داد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

بادشاہوں کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت

عوام میں بھی حکام کو وقت، بے وقت برا بھلا کہنے اور انہیں گالیاں تک دینے کا رواج عام ہو چکا ہے، جلوسوں میں سربراہان حکومت کو ''کتا'' اور ''سور'' تک بنا کر ان کے خلاف ہائے ہائے کے نعرے لگائے جاتے ہیں، مجلسوں میں ایک مشغلے کے طور پر حکام کا ذکر کر کے ان کی برائیاں کی جاتی ہیں۔ جو کسی معقول وجہ کے بغیر ہونے کی وجہ سے غیبت میں تو داخل ہیں ہی، بعض اوقات افتراء اور بہتان کی حدود میں بھی داخل ہو جاتی ہیں، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کو برا کہنا غیبت میں داخل نہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس طرز عمل پر بھی تنقید فرمائی ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حجاج بن یوسف اس امت کا سب سے بڑا ظالم مشہور ہے مگر کسی بزرگ کی مجلس میں ایک شخص نے اس پر کوئی الزام لگایا اور غیبت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اگرچہ ظالم و فاسق ہے مگر حق تعالیٰ کو اس سے کوئی دشمنی نہیں، وہ جس طرح دوسرے مظلوموں کا انتقام حجاج سے لے گا، اسی طرح اگر کوئی حجاج پر ظلم کرے گا تو اس سے بھی انتقام لیا جائے گا''۔ [1]

اس کے علاوہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مقامات پر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ کسی ضرورت کے بغیر حکام کی علی الاعلان اہانت شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہے، فرماتے ہیں:

''سلاطینِ اسلام کی علی الاعلان اہانت میں ضرر ہے، جمہوریت کی ہیبت نکلنے سے فتنے پھیلتے

[1] مجالس حکیم الامت، ص: ۹۲۔

Marfat.com

ہیں، اس لئے سلاطینِ اسلام کا احترام کرنا چاہئے''۔ [۱]

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درحقیقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی شرح ہے جو حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْصَحَ لِذِیْ سُلْطَانٍ فَلَا یُبْدِہٖ عَلَانِیَۃً وَلٰکِنْ یَاْخُذْ بِیَدِہٖ فَیَخْلُوْ بِہٖ فَاِنْ قَبِلَ مِنْہُ فَذَاکَ، وَاِلَّا کَانَ قَدْ اَدَّی الَّذِیْ عَلَیْہِ [۲]

''جو شخص کسی صاحب اقتدار کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس نصیحت کو علانیہ ظاہر نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے جائے، اگر وہ اس کی بات قبول کرلے تو بہتر، ورنہ اس نے اپنا فرض ادا کردیا''۔

ایک اور وعظ میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بعض لوگ بعض مصائب سے تنگ ہو کر حکام وقت کو برا بھلا کہتے ہیں، یہ بھی علامت ہے بے صبری کی، اور پسندیدہ تدبیر نہیں اور حدیث شریف میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے فرماتے ہیں: ''لَا تَسُبُّوا الْمُلُوْکَ'' یعنی بادشاہوں کو برامت کہو، ان کے قلوب میرے قبضے میں ہیں میری اطاعت کرو، میں ان کے دلوں کو تم پر نرم کردوں گا''۔ [۳]

جس حدیث کی طرف حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے وہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف الفاظ میں مروی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے یہ الفاظ مروی ہیں:

لَا تَشْغَلُوْا قُلُوْبَکُمْ لِسَبِّ الْمُلُوْکِ، وَلٰکِنْ تَقَرَّبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِالدُّعَاءِ لَھُمْ یَعْطِفُ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ عَلَیْکُمْ [۴]

''اپنے دل بادشاہوں کو برا بھلا کہنے میں مشغول نہ کرو، بلکہ ان کے حق میں دعا کرکے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو تمہاری طرف متوجہ فرمادیں گے''۔

---

[۱] انفاس عیسیٰ، ج:۱، ص:۳۶۹۔ [۲] مجمع الزوائد، ج:۵، ص:۲۲۹۔ [۳] وعظ الصبر ص، ۳۶، ماخوذ از اصلاح المسلمین، ص:۵۲۲۔ [۴] کنز العمال، ج:۶، ص:۲۔

Marfat.com

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

إِنَّ اللهَ يَقُوْلُ اَنَا اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا، مَالِكُ الْمُلْكِ وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ، قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ بِيَدِيْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّاْفَةِ وَالرَّحْمَةِ، وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ عَلَيْهِمْ بِالسَّخَطِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ، فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ، وَلٰكِنِ اشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ اَكْفِكُمْ اَمْرَ مُلُوْكِكُمْ۔ [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں مالک الملک ہوں، اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں، اور بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان کی طرف رحمت ورافت سے متوجہ کر دیتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو ان کے خلاف ناراضگی اور عذاب کے ساتھ متوجہ کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ انہیں بدترین اذیتیں پہنچاتے ہیں، لہٰذا تم بادشاہوں کو بددعائیں دینے میں مشغول نہ ہو، بلکہ اپنے آپ کو ذکر اور دعا وتضرع میں مشغول رکھو، میں تمہارے بادشاہوں کے معاملے میں تمہاری مدد کروں گا۔

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

لَا تَسُبُّوا الْاَئِمَّةَ وَادْعُوا اللهَ لَهُمْ بِالصَّلَاحِ فَاِنَّ صَلَاحَهُمْ لَكُمْ صَلَاحٌ [2]

"ائمہ (سربراہانِ حکومت) کو برا بھلا نہ کہو، بلکہ ان کے حق میں نیکی کی دعا کرو، کیونکہ ان کی نیکی تمہاری بھلائی ہے"۔

حکومت کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف چارہ کار

حکومتوں کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف وعظ ونصیحت کے علاوہ مسلمانوں کے پاس احتجاج

[1] مجمع الزوائد، ج:۵، ص:۲۴۹، بحوالہ طبرانی۔ [2] السراج المنیر للعزیزی، ج:۴، ص:۴۱۱۔

Marfat.com

کا ایک طریقہ ایسا ہے کہ جو بڑی بڑی حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتا ہے، اور وہ طریقہ ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

"یعنی خالق کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"۔

اور یہ طریقہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ارشاد سے ثابت ہوتا ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خُذُوا الْعَطَاءَ مَادَامَ عَطَاءً، فَإِذَا صَارَ رِشْوَةً عَلَى الدِّيْنِ فَلَا تَأْخُذُوْهُ، وَلَسْتُمْ بِتَارِكِيْهِ يَمْنَعُكُمُ الْفَقْرُ وَالْحَاجَةُ، أَلَا إِنَّ رَحَى الْإِسْلَامِ دَائِرَةٌ، فَدُوْرُوْا مَعَ الْكِتَابِ حَيْثُ دَارَ، أَلَا إِنَّ الْكِتَابَ وَالسُّلْطَانَ سَيَفْتَرِقَانِ فَلَا تُفَارِقُوا الْكِتَابَ، أَلَا إِنَّهُ سَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ يَقْضُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ مَا لَا يَقْضُوْنَ لَكُمْ فَإِنْ عَصَيْتُمُوْهُمْ قَتَلُوْكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ أَضَلُّوْكُمْ، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ نَصْنَعُ؟ قَالَ كَمَا صَنَعَ أَصْحَابُ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ نُشِرُوْا بِالْمَنَاشِيْرِ وَحُمِلُوْا عَلَى الْخَشَبِ، مَوْتٌ فِيْ طَاعَةِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ حَيَاةٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ [1]

تنخواہ اس وقت تک لو جب تک وہ تنخواہ رہے، لیکن اگر وہ دین (فروشی) کے اوپر رشوت بن جائے تو نہ لو اور تم فقر اور حاجت کے خوف سے اسے چھوڑو گے نہیں، خوب سن لو کہ اسلام کی چکی چل چکی ہے، لہٰذا قرآن جہاں بھی جائے تم اس کے ساتھ جاؤ، خبردار! قرآن اور اقتدار دونوں الگ الگ ہو جائیں گے، ایسے میں تم قرآن کا ساتھ نہ چھوڑنا، یاد رکھو کہ تم پر کچھ ایسے امراء آئیں گے جو اپنے حق میں وہ فیصلے کریں گے جو تمہارے حق میں نہیں کریں گے، اگر تم نے ان کی خلاف ورزی کی تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔

[1] مجمع الزوائد، ج:۵، بحوالہ طبرانی۔

Marfat.com

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایسے میں کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہی کرو جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھیوں نے کیا، ان کو آروں سے چیر دیا گیا اور لکڑیوں پر اٹھایا گیا، اللہ کی اطاعت میں موت آجائے تو وہ اللہ کی نافرمانی میں زندگی گزارنے سے بہتر ہے۔

اس حدیث نے واضح فرما دیا کہ اگر کبھی حکومت وقت کی طرف سے ایسے احکام جاری کئے جائیں جو اللہ کی کتاب کے صراحتاً خلاف ہوں (جن میں اسلام کے تمام قطعی اور منصوص احکام داخل ہیں) تو ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ان احکام کے بجائے اللہ کے حکم کی پابندی کرے، یہ طریق کار جہاں انفرادی طور پر اور اخروی نجات کا راستہ ہے، وہاں اس میں اجتماعی اصلاح کی بھی زبردست صلاحیت ہے کیونکہ اب اگر عوام میں یہ عام دینی شعور پیدا کر دیا جائے کہ وہ خالص اپنے دینی جذبے سے حکومت کے غیر اسلامی احکام کی تنقید میں حصہ دار بننے سے ہاتھ روک لیں تو ایک حکومت پر اس سے بڑے کسی دباؤ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

تصور فرمایئے! کہ اگر مسلمان اپنے دینی شعور کے تحت یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ بینکوں کے سودی کھاتوں میں رقمیں نہیں رکھوائیں گے، ملازمین یہ طے کر لیں کہ وہ سودی بینکوں کی ملازمت چھوڑ دیں گے، اور تجار یہ طے کر لیں کہ وہ کسی بینک سے سود پر قرض نہیں لیں گے تو کیا یہ سودی نظام ایک دن باقی رہ سکتا ہے؟ اگر مسلمان جج یہ طے کر لیں کہ کسی غیر اسلامی قانون کے تحت فیصلہ نہیں کریں گے اور اس کے لئے ملازمت چھوڑنی پڑے تو چھوڑ دیں گے، وکلاء یہ طے کر لیں کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کے تحت کسی مقدمے کی پیروی نہیں کریں گے خواہ انہیں کتنے مالی فوائد سے ہاتھ دھونے پڑیں تو کیا یہ غیر اسلامی قوانین عوام کے سروں پر مسلط رہ سکتے ہیں؟ اگر مسلمان سرکاری ملازمین یہ عزم کر لیں کہ وہ حکومت کے کسی غیر اسلامی اقدام کی تنفیذ میں حصہ دار بننا گوارہ نہیں کریں گے اور اگر انہیں ایسا کرنا پڑا تو وہ ملازمت سے مستعفی ہو جائیں گے تو کیا یہ غیر اسلامی اقدامات باقی رہ سکتے ہیں؟ مگر یہ سب کب ہوگا جب قوت ایمانی و یقین سے دل لبریز ہو، خشیت الٰہی کا غلبہ ہو، روز جزاء کا ڈر ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

کفار حکمران ہم پر کیوں مسلط کر دیئے گئے؟

ایک شخص نے کہا بتائیے کفار میں کون سی لیاقت اور کون سا ایسا استحقاق ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو محروم کر کے ان کافروں کو حکومت عطاء کی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ مسلمان تو اپنی نالائقی اور نااہلی کی وجہ سے محروم ہوئے ہیں اور کافروں کو بلا استحقاق اور بلا قابلیت حکومت دے دی گئی، تا کہ ہم کو تنبیہ ہو اور ہم خوابِ غفلت سے بیدار ہوں کہ جو چیز ہمارے پاس ہونا چاہئے تھی وہ ہماری غفلت کی وجہ سے دوسروں کے ہاتھ میں ہے، سو جب تک ہم اپنی حالت کو شرعی آئین کے ماتحت درست نہ کریں گے، حکومت کی باگ ڈور بھی ہمارے ہاتھ نہ آئے گی۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ بعض اوقات بادشاہ اپنی اولاد کو معمولی اور کم درجہ کے ملازمین سے سزا دلواتے ہیں تو کیا اس سے ان ملازمین کا محبوب اور اہل ہونا لازم آتا ہے؟ ہرگز نہیں، ہاں اولاد کا نالائق ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔[1]

رہا یہ شبہ کہ اللہ تعالیٰ بھی کافروں کے مددگار ہیں جیسا کہ بعض گستاخوں نے کہا ہے، سنئے! نافرمانی وہ چیز ہے کہ بھنگی سے شہزادہ کو کوڑے لگوائے جاتے ہیں، تو کیا اس صورت میں بادشاہ بھنگی کا طرف دار ہے، اور کیا اس سے یہ لازم آ گیا کہ بھنگی مقبول ہے، بلکہ بات یوں ہے کہ شہزادہ اپنے مردود ہونے کی وجہ سے مغلوب ہے، قرآن کے اندر سورۃ بنی اسرائیل میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے، اور یہ بنی اسرائیل کافر نہیں تھے، اہل کتاب تھے، انبیاء کے قائل تھے، فرمایا:

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا [2]

اِن دو آیات کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات بتلا دی تھی کہ تم سر

---

[1] اسعد الابرار، آداب انسانیت۔ [2] بنی اسرائیل: ۴، ۵۔

Marfat.com

زمین میں دوبارہ فساد مچاؤ گے، جب اول مرتبہ شرارت کرو گے تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے خونخوار (ظالم) ہوں گے، پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے۔

اب اس میں دیکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کو جو اہل کتاب ہیں مفسد اور حد سے گزرنے والا فرمایا ہے، اور دوسری بات ہے کہ جن کو عِبَادًا لَّنَا فرمایا ہے یہ کون لوگ ہیں؟ یہ مشرک ہیں، بت پرست ہیں، ان کو اپنا بندہ فرما رہے ہیں اس حیثیت سے کہ ہمارے مملوک ہیں، اور ہمارا آلہ عذاب ہیں، نہ اس حیثیت سے کہ مقبول ہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارے مردود ہونے کی وجہ سے ان کو تم پر مسلط کر دیا ہے۔

دیکھئے اگر ٹوپی پر نجاست پڑ جاتی ہے تو اسے اتار کر پھینک دیتے ہیں، ایک منٹ سر پر نہیں رکھتے اور جوتا اگر نجاست میں بھر جائے تو اسے کوئی نہیں پھینکتا، اسی طرح کافر اور مسلم کی مثال ہے کہ مومن مثل ٹوپی کے ہے کہ اس میں اگر ایک دھبّہ بھی پڑ جاتا ہے تو ناگوار ہوتا ہے اور کافر مثل جوتا کے ہے کہ اگر پورا بھی نجاست سے بھر جائے تو ناگوار نہیں ہوتا، تو کیا اس سے یہ لازم آ گیا کہ جوتا ٹوپی سے افضل ہے؟ [1]

اس لئے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم تو گناہ کرنے والوں کو بڑے عیش (آرام) میں دیکھتے ہیں، کیونکہ یہ استدراج (ڈھیل) ہے، اس کا اور بھی زیادہ خطرہ (اور سخت وبال) ہے، جیسے مکتب (اسکول) میں کوئی لڑکا سبق نہ یاد کرتا ہو اور معلم (ماسٹر) ضد میں سزا نہیں دیتا کہ کل سبق نہ یاد ہو گا اس وقت اکٹھی سزا ہو گی۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اہل یورپ (غیر مسلم کفار) تو بغیر دین کے آرام سے ہیں اور برابر ترقی کر رہے ہیں اور ہم کیوں بغیر دین کے ترقی نہیں کر سکتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنے کو ان پر قیاس نہیں کر سکتے، ان کافروں کو بغیر دین کے دنیا کی راحت حاصل ہو سکتی ہے مگر آپ کو بغیر دین کے دنیا کی راحت ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ اطاعت و فرمانبرداری کے مدعی ہیں، اور وہ اطاعت کے مدعی نہیں، بلکہ کفر اختیار کر کے وہ خدا سے باغی ہو چکے ہیں، پس

[1] مزید المجید، ص: ۸۹۔

Marfat.com

آپ کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جائے گا جو مدعی اطاعت (یعنی جو اطاعت کا دعویٰ کرتا ہو) اس کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ بات بات پر گرفت ہوگی اور جہاں ذرا شریعت کے قانون سے باہر قدم رکھا فوراً سزا ہوگی۔

اور ان (غیر مسلموں) سے وہ برتاؤ کیا جا رہا ہے جو باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ باغی اگر دن میں سو دفعہ قانون کی مخالفت کرے تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی جماعت سلطان سے باغی ہو کر ان کے احکام کی مخالفت کرتی ہے، اور ایک شخص سلطان کے کسی حکم کی مخالفت کرے تو اس جماعت کی جزوی مخالفتوں پر نظر نہیں کی جاتی، بلکہ ان کی بغاوت کی سزا اکٹھی دی جائے گی، اور اس کا کچھ تذکرہ بھی نہ ہوگا کہ بغاوت کے بعد انہوں نے اور کون کون سے کام خلاف قانون کئے تھے، کیونکہ بغاوت اتنا بڑا جرم ہے جس نے دوسرے جرائم کو نظر انداز کر دیا۔

اسی طرح یہاں سمجھئے کہ مسلمان کو تو ذرا ذرا سی مخالفت پر سزا ملتی ہے اور جہاں اس نے کوئی گناہ کیا فوراً اس کی دنیوی راحت سلب کر لی جاتی ہے گو ظاہری ساز و سامان جلدی سلب نہ کیا جائے مگر قلوب (دلوں) کی راحت فوراً ختم ہو جاتی ہے جو کہ فلاح و کامیابی کی اصل حقیقت ہے، کیونکہ وہ اطاعت کا مدعی ہے، اور کفار کے جزوی افعال پر نظر نہیں کی جاتی۔ بس ان کو تو بغاوت کی سزا اکٹھی دی جائے گی، جس کے لئے ایک میعاد معین ہے۔

شاید کوئی یہ کہے کہ اطاعت کے دعویٰ سے بغاوت ہی اچھی کہ روز کی گرفت سے تو بچے رہیں گے، تو سمجھ لیجئے کہ اطاعت کرنے والے کو تو ابھی سزا ہوگی مگر یہ سزا بھگتنے کے بعد پھر وہ ہمیشہ کے لئے راحت میں ہے، جیسے کوئی چوری یا زنا کرے تو اس کو اس وقت کچھ دنوں کے واسطے قید کر دیا جاتا ہے، مگر قید کاٹنے کے بعد پھر سلطنت میں وہ کوئی عہدہ لے سکتا ہے اور اپنی زندگی آرام سے گزار سکتا ہے مگر باغی کو چند روز یا چند سال کے لئے گو کچھ نہ کہا جائے لیکن جب پکڑا جائے گا تو اس کی سزا سولی سے کم نہ ہوگی۔ اسی طرح جو اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرے گا وہ چند روز دنیا میں گو راحت سے گزار لے، مگر جب اس کو پکڑا جائے گا تو ہمیشہ کے لئے عذاب جہنم سے ادھر اس کی سزا کچھ نہ ہوگی، اب اختیار ہے جس کو چاہو اختیار کر لو۔

Marfat.com

غرض آسائش (آرام) کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو کوئی بالکل باغی ہو کر رہے تو بغاوت کی سزا کے وقت سے پہلے اس کو چین ہے اور یا بالکل مطیع فرمانبردار ہو کر رہے تو اس کو ہمیشہ کے لئے چین ہے، یہاں بھی اور آخرت میں بھی، باقی مطیع و نافرمان دونوں بن کر دنیا کی راحت تو حاصل نہیں ہو سکتی، ہاں آخر میں کچھ سزا بھگتنے کے بعد پھر راحت ہو جائے گی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آسائش کا طریقہ جو کہ کامیابی کی اصل ہے وہ دین کی پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔

حکام کی برائی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں

بعض لوگ مصیبتوں سے تنگ ہو کر حکام وقت کو برا بھلا کہتے ہیں، یہ بھی بے صبری کی علامت ہے یہ پسندیدہ تدبیر نہیں، حدیث شریف میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں لَاتَسُبُّوا الْمَرَاءَ کُمْ [۱] یعنی بادشاہوں کو برا مت کہو، ان کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں، میری اطاعت کرو میں ان کے دلوں کو تم پر نرم کر دوں گا۔

یاد رکھو جو مصیبت آتی ہے وہ اللہ کی جانب سے ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ [۲] یعنی کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ کے حکم سے اور جب مصیبت اللہ کی طرف سے ہے تو اس کا علاج یہی ہے کہ ادھر رجوع کرے، (یعنی اللہ سے توبہ و استغفار کرے) اور پھر جو پیش آئے (اسی میں) خیر سمجھے۔[۳]

فتح و ترقی کا مدار

فتح و نصرت کا مدار قلت و کثرت پر نہیں، وہ چیز ہی اور ہے، مسلمانوں کو صرف اسی ایک چیز کا خیال رکھنا چاہئے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا، پھر کام میں لگ جانا چاہئے، اگر کامیاب ہوں شکر کریں، ناکام ہوں صبر کریں، اور مومن تو حقیقت میں ناکام ہوتا ہی نہیں، گو صورۃً (ظاہراً) ناکام ہو جائے، اس لئے کہ آخرت کا اجر تو ہر وقت

---

[۱] شعب الایمان، رقم الحدیث: ۷۱۱۷۔ [۲] التغابن: ۱۱۔ [۳] الصبر ص: ۳۶۰، اصلاح المسلمین، ص: ۵۳۳۔

Marfat.com

حاصل ہے، جو ہر مسلمان کا مقصود ہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ساٹھ ہزار کے مقابلہ میں تیس آدمی تجویز کئے تھے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امت محمدیہ کو ہلاک کراؤ گے، تب ساٹھ آدمی تجویز کئے، یعنی ایک ہزار کے مقابلہ میں ایک آدمی، قلت و کثرت کی طرف ان حضرات کا خیال ہی نہ تھا۔[1]

پریشانیوں کی جڑ اور ہماری قوت کا سرچشمہ

تمام پریشانیوں کی جڑ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق نہ ہونا ہے اور یہ مسلمانوں کی انتہائی بدفہمی ہے کہ غیر قوموں کو اپنا خیر خواہ ہمدرد سمجھتے ہیں، ان کی بغلوں میں جا کر گھستے ہیں، ان کو اپنا دوست سمجھتے ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[2]

''حصر کے ساتھ فرماتے ہیں کہ تمہارا کوئی دوست نہیں سوائے اللہ اور رسول اور مومنین کے''۔

میں تو اسلامی احکام نافذ کروں گا چاہے ملک رہے نہ رہے

سلطان صلاح الدین نے جس وقت ملک شام کو فتح کیا ہے تو وزیروں نے عرض کیا کہ یہ نصرانیوں کا ملک ہے، نیا فتح کیا ہوا ہے اور اس ملک کے لوگ نہایت سرکش اور سخت ہیں، اور اسلامی سیاسیات (یعنی اسلامی قوانین) نرم ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ان پر قابو رکھنے کے لئے اسلامی احکام کے علاوہ اگر اور بھی کچھ قوانین اور قواعد نافذ کردیئے جائیں تو زیادہ مناسب ہے۔

اس پر سلطان صلاح الدین نے جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، فرماتے ہیں کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے وہ حکومت اور سلطنت کرنے کے لئے کیا ہے؟ میں نے تو محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ سب کوشش کی ہے، میں تو اسلامی احکام کو نافذ کروں گا، اس پر چاہے ملک رہے یا جائے، اسلامی احکام کے خلاف ایک حکم کا بھی نفاذ نہیں کروں گا۔

---

[1] شریعت وسیاست، ص:۲۶۔ [2] المائدہ:۵۵۔

Marfat.com

ان حضرات کی کامیابی کے یہ راز تھے اور یہاں یہ حالت تھی کہ ابھی نہ کوئی ملک قبضہ میں ہے، نہ آئندہ ملنے کے بظاہر کوئی اسباب نظر آتے ہیں، مگر شریعت مقدسہ کی قطع و برید پہلے سے شروع کر دی۔ [۱]

اتباعِ شریعت کی ضرورت

شریعت میں انسان کی ہر حالت کے متعلق احکام ہیں اور حالات دو قسم کے ہیں: ایک ''نعمت وخوشی کی حالت''، دوسرے ''مصیبت اور رنج کی حالت''، مصیبت کے وقت احکامِ شرعی میں کوتاہی نہ کرے اور ان کو ہاتھ سے نہ چھوڑے، دیکھو! سب ہی کو معلوم ہے کہ عزیز کا مرجانا کتنی بڑی مصیبت ہے، مگر حکم یہ ہے کہ صرف آنسو بہا سکتے ہو، چِلّانا اور شور مچانا حرام ہے، اس سے معلوم ہوا شرعی احکام کا لحاظ رکھنا بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی واجب ہے۔ [۲]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کمالِ اتّباعِ سُنّت

(جس کی وجہ سے دنیا وآخرت کی جملہ کامیابیاں حاصل کیں)

۱۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ لِنُبَايِعَهٗ وَاَنَّ قَمِيْصَهٗ مُطْلَقٌ قَالَ فَاَدْخَلْتُ يَدِيْ فِيْ جَيْبِ قَمِيْصِهٖ فَمَسَسْتُ الْخَاتَمَ۔ [۳]

معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم قبیلہ مزینہ کے لوگ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، بیعت کی، آپ کے بٹن مبارک کھلے ہوئے تھے، میں نے ہاتھ ڈال کر مہرِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھولیا۔

قَالَ عُرْوَةُ فَمَارَأَيْتُ لِمُعَاوِيَةَ وَلَاابْنَهٗ قَطُّ اِلَّا مُطْلَقِيْ اَزْرَارِهِمَاقَطُّ فِيْ شِتَاءٍ

---

[۱] الافاضات الیومیہ، ج:۱، ص:۱۳۳۔ [۲] حقوق السراء والضراء، ص:۱۹۹۔ [۳] شمائل ترمذی باب ماجاء فی لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص:۵، سنن ابی داود، ج:۲، ص:۲۰۹۔

Marfat.com

وَلَا يَزِّرَانِ أَزْرَارَهُمَا أَبَدًا [۱]

عروہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ اور اسکے بیٹے کو ہمیشہ دیکھا سردی و گرمی میں انکے بٹن کھلے رہتے تھے کیونکہ انہوں نے آقا علیہ السلام کو اسی حال میں دیکھا تھا۔

۲۔ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي شَجَرَةً بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ، فَيَقِيلُ تَحْتَهَا، وَيُخْبِرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ۔[۲]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک درخت کے نیچے سے گزرتے فَيَقِيلُ تَحْتَهَا اس کے نیچے قیلولہ کرتے، فرماتے ہیں کہ میں نے آقا علیہ السلام کو ایسے دیکھا۔

کنز العمال میں ہے اگر حضور علیہ السلام کسی درخت کے نیچے اترے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما اس درخت کی نگہداشت کرتے تھے، اس کو پانی دیتے کہ خشک نہ ہو جائے۔

۳۔ ایک صحابی نے طواف کرتے ہوئے بیت اللہ کے چاروں کونوں کا استلام کیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کے نبی نے رُکن شامی و عراقی کا استلام نہیں کیا، اس صحابی نے کہا آئندہ ہم بھی وہی کریں گے جو نبی علیہ السلام نے کیا۔

۴۔ احمد بن فضلویہ، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمان کو بغیر وضو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منبر پر جہاں آقا علیہ السلام ہاتھ رکھتے تھے اس جگہ کو چومتے تھے۔

۵۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ مکرمہ گئے وہاں قریش نے کہا آپ نے اپنی چادر کیسے باندھی ہوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''هٰكَذَا إِزْرَةُ صَاحِبِنَا [۳] ہمارے نبی علیہ السلام ایسے دھوتی باندھتے ہیں، میں نے بھی ویسے باندھی ہے۔''

۶۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جب مدائن میں نکاح کیا تو انہوں نے کندہ کے مقام پر چادریں

[۱] سنن ابی داود باب فی حل الاز رار، ج:۲، ص:۲۰۹۔ [۲] مسند البزار، البحر الزخار، رقم الحدیث:۵۹۰۹۔ [۳] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب اللباس، رقم الحدیث:۴۳۶۸۔

Marfat.com

ڈالی ہوئی تھیں، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہارے مکان کو بخار ہو گیا ہے یا کندہ بیت اللہ بن گیا ہے۔ خوشی کے موقع پر انہیں تنبیہ کی کہ آقا نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو نہ چھوڑنا چاہیے۔

۷۔ جثامہ بن مساحق کو امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے روم کے بادشاہ کے پاس بھیجا، جب یہ وہاں پہنچے انہوں نے جس کرسی پر انہیں بٹھایا وہ سونے کی تھی، جب انہیں پتا لگا تو وہ اس سے اُتر گئے۔ بادشاہ (ھرقل) کہنے لگا کہ ہم تو آپ کا اکرام کر رہے ہیں، انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے: يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذَا اس طرح سونے کے استعمال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روکتے تھے۔[1]

۸۔ محمد بن اسلم خزرجی بوڑھے آدمی تھے، مدینہ منورہ آئے، اپنی حاجت پوری کی پھر گھر پہنچے، اپنی چادر اُتار کر رکھی، ان کو یاد آیا کہ میں نے مسجدِ نبوی میں نماز نہیں پڑھی اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا تھا مَنْ هَبَطَ مِنْكُمْ هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَلَا يَرْجِعَنَّ اِلٰى اَهْلِهٖ حَتّٰى يَرْكَعَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ رَكْعَتَيْنِ[2] جو بھی مدینہ منورہ آئے وہ گھر نہ جائے جب تک میری مسجد میں دو رکعت پڑھ نہ لے، اُس صحابی نے چادر لی، دوبارہ سفر کر کے مدینہ منورہ آئے اور دو رکعت پڑھ کر واپس ہوئے۔

۹۔ خُریم اسدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا:

نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَيْمٌ الْاَسَدِيُّ لَوْلَا طُوْلُ جُمَّتِهٖ وَاِسْبَالُ اِزَارِهٖ فَبَلَغَ ذٰلِكَ خُرَيْمًا فَعَجِلَ فَاَخَذَ شَفْرَةً فَقَطَعَ بِهَا جُمَّتَهٗ اِلٰى اُذُنَيْهِ وَرَفَعَ اِزَارَهٗ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ[3]

"خریم اچھا آدمی ہے اگر اس میں دو باتیں نہ ہوں لَوْلَا طُوْلُ جُمَّتِهٖ وَاِسْبَالُ اِزَارِهٖ ایک اس کے بال بہت بڑے ہیں، دوسری چادر ٹخنوں سے نیچے ہے۔ جب انہیں اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے چھری اور استرہ لیا فَقَطَعَ جُمَّتَهٗ اِلٰى اَنْصَافِ اُذُنَيْهِ وَرَفَعَ اِزَارَهٗ اِلٰى اَنْصَافِ

[1] اصابہ فی تمییز الصحابہ، ۵۷۲/۱۔ [2] اصابہ فی تمییز الصحابہ، ۸۳/۶۔ [3] سنن ابی داود باب ماجاء فی اسبال الازار، ج:۲، ص:۲۱۱۔

Marfat.com

سَاقَیْہِ اپنے بال کانوں کی لو کے اوپر سے کاٹ دیئے اور اپنی چادر کو پنڈلی تک اوپر کر لیا۔''

۱۰۔ عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں تھے ان کے بیٹے نے خبر دی کہ آقا علیہ السلام کا وصال ہو گیا ہے، وہیں کھڑے کھڑے دُعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ بَصَرِیْ حَتّٰی لَا اَرٰی بَعْدَ حَبِیْبِیْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَدًا فَکُفَّ بَصَرُهٗ [1]

''اے اللہ! میری بینائی لے لے، تیرے حبیب کے وصال کے بعد میں کسی کو نہ دیکھوں، وہیں نابینا ہو گئے۔''

۱۱۔ ایک انصاری عورت جس کا باپ، بھائی اور خاوند اُحد کے دن شہید ہو گئے تھے، اُس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحمد اللہ ٹھیک ہیں، کہنے لگی مجھے دکھاؤ، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو کہا:

کُلُّ مُصِیْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیات ہیں تو پھر ہر مصیبت چھوٹی ہے۔''

اور بھی بے شمار ایسے واقعات ہیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمالِ اتباع اور محبتِ نبی علیہ السلام و عظمتِ نبی علیہ السلام کو بتاتے ہیں۔

کفار کی دنیوی ترقی اور اس کی وجوہات

کفار کی تمام بھلائیوں کا بدلہ دُنیا میں دے دیا جاتا ہے خود قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ، وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ، وَزُخْرُفًا، وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا، وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ [2]

''اور اگر یہ (احتمال) نہ ہوتا کہ سارے آدمی ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے (یعنی تقریباً سب ہی

[1] فتح الملہم۔ [2] زخرف: ۳۳، ۳۴، ۳۵۔

Marfat.com

کافر بن جائیں گے) تو جو لوگ کفر کرتے ہیں ہم ضرور چاندی کی بنادیتے ان کے گھروں کی چھتوں کو اوران سیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے ہیں اوران کے گھروں کے کواڑوں کو بھی اوران کے لئے تخت بھی (چاندی کے کردیتے) جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے اور (یہ سب چیزیں) سونے کی (بھی بنادیتے کہ کچھ حصہ چاندی کا ہوتا اور کچھ سونے کا) اور یہ سب کچھ ساز وسامان کچھ بھی نہیں، مگر دنیوی زندگی کا چند روزہ نفع اور آخرت آپ کے رب کے یہاں پرہیزگاروں کے لئے ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی دُعا ہے:

''اے اللہ! جو شخص تجھ پر ایمان لائے اور میری رسالت کا اقرار کرے، اس کو اپنی ملاقات کی محبت نصیب کر، تقدیر کو اس پر سہل فرما اور دُنیا کم عطا کر اور جو تجھ پر ایمان نہ لائے، میری رسالت کا اقرار نہ کرے، اس کو اپنی ملاقات کی محبت نہ دے اور دُنیا کی کثرت عطا کر۔'' [۱]

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مومن گھبرا جائیں گے (اور اپنی تکالیف کے مقابلہ میں دوسرے کی اتنی راحت دیکھ کر تکلیف زیادہ محسوس کریں گے) تو میں کفار پر لوہے کی پٹیاں باندھ دیتا (یعنی لوہے کا خول ان پر چڑھا دیتا) کہ وہ کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ اُٹھاتے، اور ان پر دُنیا کو بہا دیتا۔'' [۲]

اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ دُنیا اللہ کے نزدیک نہایت ہی ذلیل چیز ہے، ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے:

''اگر اللہ جل جلالہ کے نزدیک دُنیا کی قدر مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملتا''۔

گناہوں کے باوجود مصائب میں ابتلاء نہ ہو تو یہ زیادہ اندیشہ ناک ہے، لہٰذا اس اُمت کے یعنی محمدی اُمت کے مرحوم اُمت کے مصائب اور حوادث سے بچنے اور پریشانیوں اور ذلتوں سے نبٹنے کا واحد علاج گناہوں

---

[۱] مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۸۶۔ [۲] دُرِّ منثور۔

Marfat.com

سے نہایت اہتمام کے ساتھ بچنا ہے اور جو اتفاقاً صادر ہو جائیں ان پر رونا ہے، استغفار کرنا ہے، توبہ کرنا ہے اس کے سوا کوئی علاج نہیں، قطعاً نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان مسلمان رہ کر گناہوں کی کثرت کے ساتھ ترقی کرتا رہے، ہاں کافر بن کر جتنے گناہوں کے ساتھ ترقی کرے ممکن ہے کیونکہ کافر، کفر کی حالت میں سینکڑوں برائیوں کے ساتھ جتنی بھی معمولی بھلائیاں کرے گا دُنیا میں فلاح وترقی پائے گا۔

حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے والد صلہ رحمی کرتے تھے (کیا ان اُمور سے ان کو کوئی نفع پہنچے گا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا وہ اسلام سے پہلے مر گئے تھے؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ان کو تو نفع نہیں دے گا البتہ ان کی اولاد کو نافع ہو گا تم لوگ نہ رسوا ہو گے نہ ذلیل ہو گے نہ فقیر۔ [1]

دفعیہ اشکال

اس سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ ہم بعض کافروں کو خوشحال اور دُنیا میں ترقی یافتہ دیکھتے ہیں لیکن ان کے اعمالِ حسنہ اس قابل نہیں پاتے تو حدیث بالا کی بنا پر غالباً ان کے والدین کے اعمالِ حسنہ کا یہ ثمرہ ہے کہ جس کو وہ پا رہے ہیں، غرض بہت سی نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کفار اور مسلمانوں کے تمام اُصولِ ترقی ایک اور متحد نہیں بلکہ بعض مشترک ہیں اور بعض جدا، جُدا ہیں۔

مسلمانوں کی ترقی کا معیار صرف دین پر عمل ہے، بالخصوص معاصی سے بچنا کہ جس قدر بھی معاصی میں ابتلاء ہو گا اتنا ہی دُنیا میں مصائب کا سامنا ہو گا، یہ دیکھ کر کہ اس قسم کے معاصی کفار سے بھی سرزد ہوتے ہیں اور وہ ترقی کرتے جاتے ہیں، ان کے لئے یہ معاصی مصائب کا سبب نہیں بنتے ہیں، اس وجہ سے ان گناہوں سے بے خطر ہو جانا اپنے کو اور زیادہ مصائب میں پھنسانا اور مبتلا کرنا ہے اور اگر مصائب نہ ہوں تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے، وہ استدراج ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہے اور آخرت میں اس کی پوری پوری سزا ملے گی۔

---

[1] دُرِّ منثور۔

Marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو شخص معصیت اور گناہ کے ساتھ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ جس چیز کی اُمید رکھتا ہے اس سے دور ہو جاتا ہے اور جس چیز سے ڈرتا ہے اسکے قریب ہو جاتا ہے۔ [1]

اس لئے مسلمانوں کا گناہوں کے ساتھ ترقی اور فلاح کی اُمید رکھنا اپنے کو اس سے دور کرنا ہے اور کفار کی حرص کرنا، ان کے قدم بقدم چلنا علاوہ بے غیرتی کے ناکامی کا بھی ذریعہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ سے سرِ مُو تجاوز ہلاکت ہے

خلافتِ صدیقیہ میں جب روم سے لڑائی ہوئی تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں، ایک شامی سردار کا سر کاٹ کر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین! وہ لوگ بھی یہی معاملہ ہم لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

کیا فارس وروم کی سنتوں اور طریقوں کا اتباع کیا جائے گا؟ میرے پاس کبھی بھی کسی کا سر نہ لایا جائے، ہم لوگوں کو (اتباع کے لئے) اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی حدیث کافی ہے۔ [2]

اگرچہ فقہا نے بعض نصوص کی بنا پر اس کی اجازت دی ہے مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے موافق نہ تھی اس لئے منع فرما دیا اور عقبہ کو اس پر تنبیہ فرمائی کہ فارس وروم کے فعل سے استدلال کیوں کیا؟

افسوس صد افسوس

ہمارا دین روٹی بن گیا، ہمارا مذہب پیسہ بن گیا، ہمارا کمال دنیا جیسی ذلیل چیز کی وجاہت بن گئی، ہم اپنی عزت ووقار حاصل کرنے کے لئے یا اور کسی دنیوی فاسد غرض حاصل کرنے کے لئے کسی کی آبرو ریزی میں

---

[1] جامع الصغیر بروایۃ انس ورقم لہ بالصحۃ۔ [2] شرح السیر اوّل۔

Marfat.com

تامل نہیں کرتے، جھوٹ بولنے سے نہیں جھجکتے، جھوٹی قسم کھا لینے میں باک محسوس نہیں کرتے حالانکہ بھلے زمانوں میں مسلمان اور جھوٹ میں تضاد کی نسبت تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ [1]

جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو (رحمت کے) فرشتے اس کے منہ کے تعفن اور بدبو کی وجہ سے ایک میل کے فاصلہ پر چلے جاتے ہیں۔ گویا اس کی عفونت اور سڑانڈ اتنی دور تک پھیلتی ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهُ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا [2]

"ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا مومن نامرد و بزدل ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں ہوسکتا ہے، انہوں نے دریافت کیا کہ مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہوسکتا ہے، انہوں نے عرض کیا کہ مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا)۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ كُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ، قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهُ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ، قَالَ: هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا اِثْمَ فِيْهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ [3]

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بہترین شخص کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر مخموم (صاف

[1] مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۱۳۔ [2] موطا امام مالک باب ماجاء فی الصدق والکذب، ص: ۷۳۲۔ [3] سنن ابن ماجہ باب الورع والتقوی، ص: ۳۱۱۔

Marfat.com

دل والا اور سچی زبان والا، ہم نے عرض کیا کہ سچی زبان تو معلوم ہے لیکن مخموم دل سے کیا مراد ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو متقی ہو، صاف آدمی ہو، نہ اس میں گناہ ہو نہ ظلم، نہ حسد اور نہ کینہ۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کو تم جھوٹا نہ پاؤ گے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی جھوٹ کی (نحوست کی) وجہ سے دن کے روزے اور رات کی تہجد سے محروم ہو جاتا ہے۔

لمحۂ فکریہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا طَغٰى نِسَائُكُمْ وَفَسَقَ شُبَّانُكُمْ وَتَرَكْتُمْ جِهَادَكُمْ؟ قَالُوْا: اَوَاِنَّ ذَالِكَ كَائِنٌ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ وَاَشَدُّ مِنْهُ سَيَكُوْنُ، قَالُوْا: وَمَا اَشَدُّ مِنْهُ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا لَمْ تَاْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَلَمْ تَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالُوْا: اَوَكَائِنٌ ذَالِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ وَاَشَدُّ مِنْهُ سَيَكُوْنُ. قَالُوْا: وَمَا اَشَدُّ مِنْهُ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَعْرُوْفَ مُنْكَرًا وَالْمُنْكَرَ مَعْرُوْفًا. قَالُوْا: اَوَكَائِنٌ ذَالِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ وَاَشَدُّ مِنْهُ سَيَكُوْنُ. قَالُوْا: وَمَا اَشَدُّ مِنْهُ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا اَمَرْتُمْ بِالْمُنْكَرِ وَنَهَيْتُمْ عَنِ الْمَعْرُوْفِ۔ [1]

"تم لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں سرکش ہو جائیں گی، نوجوان آوارہ ہو جائیں گے اور تم جہاد چھوڑ دو گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کیا اس سے بھی زیادہ سخت حالات ہوں گے اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور بری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے؟

[1] مسند ابو یعلی، ج:۵، ص:۴۶۱۔

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم بُری چیزوں کے کرنے کا حکم کرو گے اور اچھے کاموں کے کرنے سے منع کرنے لگو گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب نیک کاموں کو بُرا سمجھنے لگو گے اور ناجائز چیزوں کو اچھا سمجھنے لگو گے؟''۔

اخیر کے دو جملوں میں یہ فرق ہے کہ کسی بُرے کام کو کرنا اور چیز ہے اور اُس کو اچھا سمجھنا اور چیز ہے۔ شریعت کی نگاہ میں کسی بُرے کام کو کرنا اتنا سخت نہیں ہے جتنا اس کو اچھا سمجھنا سخت ہے کہ اس میں عقیدہ کی خرابی ہے اور عقیدہ کی خرابی، عمل کی خرابی سے ہمیشہ زیادہ سخت ہوتی ہے، آدمی کتنا ہی بڑے سے بڑا گناہ کرنے لگے وہ کُفر نہیں ہے، لیکن اسلام کی کسی معمولی سے معمولی چیز کہ جس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا ثابت ہو چکا ہو، اس کا استخفاف یا انکار کرنے سے اسلام ہی باقی نہیں رہتا، وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔

عُلماء کا مقام ومرتبہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

أُغْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُسْتَمِعًا أَوْ مُحِبًّا وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِكَ [1]

''تو یا عالم بن یا طالب علم یا علم کا سننے والا یا (علم وعلماء) سے محبت رکھنے والا، پانچویں قسم میں داخل نہ ہونا، ورنہ ہلاک ہو جائے گا''

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچویں قسم سے مراد علماء کی دشمنی ہے اور ان سے بغض رکھنا۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

تو عالم بن یا طالب علم اور اگر دونوں نہ بن سکے تو علما سے محبت رکھنا، ان سے بغض نہ رکھنا۔ [2]

[1] مقاصد حسنہ جامع، مسند البزار: ۳۶۲۶۔ [2] مجمع۔

Marfat.com

ایک اور حدیث میں وارد ہے:

حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ عُرَفَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ [1]

''قرآن شریف کے حاملین (یعنی حفاظ اور علماء) قیامت کے دن جنت والوں کے چودھری ہوں گے۔''

دوسری حدیث میں وارد ہے:

حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ فَمَنْ عَادَاهُمْ عَادَى اللّٰهَ وَمَنْ وَّالَاهُمْ فَقَدْ وَالَى اللّٰهَ [2]

''حاملینِ قرآن اللہ کے دوست ہیں، پس جس نے اِن سے عداوت رکھی، اُس نے اللہ سے عداوت رکھی اور جس نے اِن سے دوستی کی، اُس نے اللہ سے دوستی کی''۔

علماء سے دشمنی وبغض، باعثِ ہلاکت وبربادی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

''ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں علما کو کتوں کی طرح قتل کیا جائے گا، کاش اس وقت علماء بتکلف بھولے بن جائیں۔'' (یعنی ان روشن دماغوں کے کاموں میں دخل نہ دیں، نہ ان کی اصلاح کی فکر کریں)۔

ایک حدیث میں وارد ہے:

''ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ علماء کو موت سرُخ (کندن) سونے سے زیادہ محبوب ہوگی۔''

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

''ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس میں عالم کا اتباع نہیں کیا جائیگا اور نہ حلیم آدمی سے شرم کی جائیگی، نہ اس میں بڑے کی تعظیم ہوگی، نہ چھوٹے پر شفقت ہوگی۔ دنیا کے حاصل کرنے پر آپس میں قتل وقتال ہوگا، جائز کو جائز نہ سمجھیں گے، ناجائز کو ناجائز نہ سمجھیں گے، نیک لوگ

[1] رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُّ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ كَذَا فِي الْجَامِعِ وَرَقَمَ لَهُ بِالضُّعْفِ لٰكِنْ قَالَ الْعَزِيْزِيُّ مَتْنُهُ صَحِيْحٌ - [2] رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ وَابْنُ النَّجَّارِ -

Marfat.com

چھپتے پھریں گے۔اس زمانہ کے آدمی بدترین خلائق ہوں گے،حق تعالیٰ شانہ قیامت میں ان کی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائیں گے۔‘‘

ایک حدیث میں ہے۔

’’ناجائز اولاد کی کثرت اور غیبت بہت پھیل جائے گی، مالداروں کی عظمت دلوں میں آجائے گی اور تعمیرات کی کثرت ہوگی‘‘۔

اُمتِ محمدیہ پر چار قسم کے عذاب اور اُن کی وجوہات

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’جب میری اُمت اپنے علماء سے بُغض رکھنے لگے گی، بازاروں کی عمارتوں کو بُلند اور غالب کرنے لگے گی اور مال ودولت کے ہونے پر نکاح کرنے لگے گی (یعنی نکاح میں بجائے دین داری اور تقویٰ کے مال کو دیکھا جائے گا) تو حق تعالیٰ شانہٗ چار قسم کے عذاب ان پر مسلط فرما دیں گے: (۱) قحط سالی ہوجائے گی،(۲) بادشاہ کی طرف سے مظالم ہونے لگیں گے، (۳) حکام خیانت کرنے لگیں گے،(۴) اور دشمنوں کے پے در پے حملے ہوں گے۔‘‘ [۱]

آجکل ان عذابوں میں سے کونسا ہے جو اُمّت پر مسلط نہیں، لیکن وہ اپنی خوشی سے ان کے اسباب کو اختیار کریں تو پھر شکایت کس سے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’بنی اسرائیل میں ایک گھر میں ایک کتیا تھی جس کے بچہ ہونے کا وقت قریب تھا، ان لوگوں کے یہاں کوئی شخص مہمان ہوا تو کتیا نے خیال کیا کہ آج رات کو مہمان پر شور نہ کروں گی لیکن بچہ پیٹ ہی میں سے شور کرنے لگا۔حق تعالیٰ شانہٗ نے وحی سے ارشاد فرمایا کہ یہی مثال اس امّت کی ہے جو تمہارے بعد آنے والی ہے کہ اس کے بے وقوف اس اُمّت کے علماء پر غالب ہو جائیں گے۔‘‘ [۲]

---

[۱] حاکم۔[۲] مجمع الزوائد، ج:۱،ص:۱۸۸۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سبق آموز مکتوب گرامی

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مصر و اسکندریہ کی فتح کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا تو جس طرف یہ خدائی لشکر رخ کرتا فتح و نصرت ان کے قدموں پر گرتی تھی، مگر اسکندریہ کی فتح میں معمول سے زیادہ دیر ہوگئی، یعنی تین مہینہ تک مسلمانوں کو اس کا محاصرہ کرنا پڑا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ تاخیر، بارِ خاطر ہوئی، اور آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

''حمد و صلوٰۃ کے بعد! مجھے حیرت ہے کہ آپ کو فتح اسکندریہ میں اتنی دیر کیوں ہوگئی، آپ تو ہمیشہ سے جہاد میں رہتے ہیں، اور ہر کام میں تجربہ کار ہیں، پھر اس تاخیر کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہاری نیت میں تغیر آ گیا ہے اور تم دنیا سے اسی طرح محبت کرنے لگے جیسے تمہارے مخالف اس میں مبتلا ہیں، حق تعالیٰ خلوص نیت کے بغیر فتح نہیں دیتا، پس جس وقت میرا یہ خط پہنچے فوراً لوگوں کو جمع کر کے جہاد کی ترغیب دیجئے اور مسلمانوں کو سمجھا دیجئے کہ ہر مسلمان اپنی ہر حرکت و سکون میں ربّ العالمین کی خوشنودی اور کلمہ حق کی تبلیغ کا ارادہ کرے''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس یہ والا نامہ پہنچا تو آپ نے لشکر کو جمع کر کے خلیفۃ المسلمین کا خط پڑھ کر سنایا اور سب کو حکم دیا کہ غسل و طہارت کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا کریں، سارے لشکر نے اس حکم کی تعمیل کی اور نماز و دعاء کے بعد اللہ تعالیٰ کی امداد کے بھروسہ پر ایک حلہ کیا تو میدان ان کے ہاتھ تھا، اور دشمن کی وہ زبردست طاقت جس نے تین مہینہ کی مدافعت سے شہر کا داخلہ ناممکن کر دیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے ایسی حالت ہوئی کہ اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ تھا۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کو عام مورخین نے لکھا ہے، اس میں ہمارے لئے درس عبرت ہے کہ مسلمانوں کی ناکامی کا سبب، حبّ دنیا اور قلّتِ تعلق مع اللہ (یعنی دنیا کی محبت اور اللہ سے بے تعلقی) کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

مسلمانوں کی کامیابی کا راز

جو لوگ صرف ظاہری ساز و سامان پر نظر رکھتے ہیں اور کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ جانتے ہیں ان کو غور کرنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس کون سالاؤ لشکر اور ساز و سامان تھا، اور فرعون جیسے متکبر و عظیم الشان بادشاہ کے پاس کس چیز کی کمی تھی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کارساز حقیقی رب العالمین پر توکل کر کے اس کے ارشاد کے ماتحت فرعون سے مقابلہ کرنے جاتے ہیں اور اپنے ساتھ صرف اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو لیتے ہیں اور ان کو بھی اس خیال سے لیتے ہیں کہ وہ فصیح البیان ہیں، اچھی شستہ تقریر کریں گے اور میری تائید و تصدیق کریں گے کیونکہ تائید سے دل بڑھتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل فرمایا: فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ الآیۃ۔ [1]

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلہ کے لئے تنہا تیار ہو گئے، صرف تائید کیلئے حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس کے بھرے اور پُر شوکت دربار میں پہنچ گئے اور خوب کڑک کر بلا جھجکے گفتگو فرمائی۔ فرعون کی ہمت نہیں ہوئی کہ ان کو قتل کرا دے، یا گرفتار کرا دے یا اور کوئی مقدمہ قائم کرا دے، صرف زبانی گفتگو میں اتنا ضرور کہا اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا [2] یعنی اے موسیٰ میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ترکی بہ ترکی جواب دیا: وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا [3] یعنی اے فرعون میرے خیال میں ضرور تیری کم بختی کے دن آ گئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بھی فرعون کو قتل وغیرہ کی ہمت نہ ہوئی، اور کیسے ہوتی اللہ کا وعدہ تھا وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا الآیۃ [4] یعنی ہم دونوں کو خاص شوکت عطا کرتے ہیں جس سے تم پر ان لوگوں کو دسترس نہ ہوگی، تم دونوں اور تمہارے پیرو کار ہی غالب ہوں گے۔

اب غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یہ قوت و شجاعت، یہ ہمت و جرأت، یہ سطوت و شوکت کس مادی سامان کی وجہ سے تھی، ان کے پاس توپ و بندوق نہ تھی، ہوائی جہاز اور تباہ کن گیس ٹینک نہ تھے۔ یہ قوت صرف حقانیت اور تعلق مع اللہ کی تھی، یہ تقویٰ اور احکامِ خداوندی کی اطاعت کا ثمرہ تھا۔ [5]

---

[1] القصص: ۳۴۔ [2] بنی اسرائیل: ۱۰۱۔ [3] بنی اسرائیل: ۱۰۲۔ [4] القصص: ۳۵۔ [5] اسعد الابرار ملفوظات حضرت تھانوی، : ۳۶۸۔

Marfat.com

مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی اصل وجہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ ترمذی میں یہ حدیث لَا یُغْلَبُ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قِلَّۃٍ [1] اور ابوداؤد شریف میں ہے: لَنْ یُّغْلَبَ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا عَنْ قِلَّتِہٖ [2] ''یعنی بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر قلتِ تعداد (یعنی اقلیت) کی وجہ سے کبھی دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب نہ ہوگا'' اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ بارہ ہزار کیا، بارہ ہزار سے کہیں زائد تعداد کے لشکر اپنے دشمنوں سے شکست کھا گئے (اور آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بارہ ہزار سے کہیں زائد مسلمانوں کا لشکر اپنے دشمنوں سے مغلوب ہے، پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟)

حدیث کا مضمون بالکل بے غبار ہے، حضور ﷺ نے عَنْ قِلَّتِہٖ فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ قلت (یعنی تعداد کی کمی) کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا، عَنْ عِلَّتِہٖ نہیں فرمایا کہ کسی اور سبب سے بھی مغلوب نہ ہوگا، لہٰذا جہاں بارہ ہزار یا بارہ ہزار سے زائد لشکر شکست کھا گئے اس کی وجہ قلت (تعداد کی کمی) نہیں بلکہ کوئی دوسری علت ہوگی، چنانچہ اس کی تائید کتب حدیث و تاریخ سے بھی ہوتی ہے بلکہ قرآن شریف میں بھی غزوہ حنین میں اولاً مغلوب ہونا صراحۃً مذکور ہے، حالانکہ غزوہ حنین میں مسلمان بارہ ہزار تھے لیکن پھر بھی پہلے مغلوب ہو گئے اور اس کی وجہ قلت نہیں تھی بلکہ ایک قلبی مرض یعنی خود پسندی و عجب تھا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے:

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ [3]

''یعنی حق تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد فرمائی، اور غزوہ حنین میں بھی جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے''۔

حاصل یہ کہ مسلمانوں کو غزوہ حنین میں عجب و غرور پیدا ہو گیا تھا کہ ہم اتنے زائد ہیں، اسی عجب کی وجہ سے شکست ہوئی اور جب اس گناہ سے توبہ کر لی اور معافی مانگ لی تو اسی میدان میں یہ ہزیمت خوردہ (شکست کھایا ہوا) لشکر غالب آ گیا جس کا ذکر اس آیۃ کریمہ میں ہے: ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ ۔۔۔ الخ

---

[1] ترمذی، باب ماجاء فی السرایا، رقم الحدیث: ۱۵۵۵۔ [2] سنن أبي داود، بَابٌ فِيمَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْجُيُوشِ وَالرُّفَقَاءِ وَالسَّرَايَا، رقم الحديث: ۲۶۱۱۔ [3] التوبہ: ۲۵۔

Marfat.com

آپس کے اختلاف کا نقصان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپس کے اختلاف اور نااتفاقی کا نقصان بتلایا ہے، فرماتے ہیں:

اِیَّاکُمْ وَفَسَادَ ذَاتِ الْبَیْنِ فَاِنَّهَاهِیَ الْحَالِقَةُ ''یعنی اپنے کو باہمی فساد سے بچاؤ، کیونکہ باہمی فساد مونڈنے والی چیز ہے''۔

آگے فرماتے ہیں:

لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ بَلْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ ''میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے سر کے بال منڈ جاتے ہیں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اس سے دین منڈ جاتا ہے''۔

اور منڈنا کسے کہتے ہیں؟

منڈنا یہ ہے کہ خربوزہ کا سا سر نکل آئے، بال کا نشان تک نہ رہے، تو حاصل یہ ہوا کہ آپس کے فساد سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نااتفاقی اور باہمی فساد کے نقصان کو بتلا دیا ہے اور واقعی اس سے زیادہ کیا نقصان ہوگا کہ اس سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے، مگر قربان جایئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ آپ کے عتاب میں بھی رحمت ہے۔

گو اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہمی فساد پر بہت بڑی وعید بیان فرمائی ہے، مگر ساتھ ساتھ اس میں امید کی بھی جھلک ہے، بالکل ناامید نہیں کیا، کیوں کہ آپ نے فساد کو حالقہ فرمایا ہے کہ یہ دین کو مونڈ دیتا ہے اور مونڈنے سے اس وقت تو اوپر سے صفایا ہو جاتا ہے مگر اندر جڑ باقی رہ جاتی ہے، آپ نے ڈرایا، دھمکایا بھی اور یہ بھی بتلایا کہ ناامید مت ہونا، باہمی اختلاف وفساد سے دین کی جڑ نہیں جاتی، اگر کوشش کرو گے تو جڑ سے شاخ اور شاخ سے پھل بھی نکل آئیں گے۔ [1]

نظم واتحاد باقی رکھنے کی اہمیت

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا باغیوں نے محاصرہ کر لیا (یعنی گھیر لیا) تو آپ کے لشکریوں میں سے ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا، کہ باغیوں کا سردار نماز پڑھا رہا ہے ہم لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ آپ نے

---

[1] وعظ الارتباط، ارشادات حکیم الامت، ص: ۵۰۷۔

Marfat.com

فرمایا کہ پڑھ لو۔ اس فتوے کی بنیاد (اور مقصد) وہی نظم کی حفاظت تھی۔

اسی طرح شرعی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص عید کا چاند دیکھے اور حاکم شرعی اس کو قبول نہ کرے، تو اس کو روزہ رکھنا واجب ہے، اور اگر نہ رکھا تو قضاء واجب ہوگی، یہ مجال نہیں کہ کوئی شخص تفریق کلمہ کا باعث ہو سکے، اگر چہ اس نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہو، یہ سب انتظام ہی تو ہے، اتحاد اور نظم کے باقی رکھنے کا اس قدر شریعت میں اہتمام کیا گیا ہے۔[1]

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا مومن کی شان نہیں

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ[2]

''اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو''۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ جس بلا کو برداشت نہ کر سکے اس کا سامنا کرے۔[3]

فائدہ

یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے پریشانی بڑھتی ہے، اگر حکام کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ (ظلم واستبداد) کا پیش آئے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو، اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو۔[4]

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ أَمْرًا لَا تَسْتَطِيعُونَ تَغْيِيرَهُ فَاصْبِرُوا حَتّٰى يَكُونَ اللهُ هُوَ الَّذِي يُغَيِّرُهُ[5]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم کسی ایسے (ناگوار) معاملہ کو دیکھو جس کے بدلنے (اصلاح) کی طاقت نہ رکھتے ہو تو صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ ہی اس کو بدل دے۔

---

[1] مقالات حکمت از تھانویؒ۔ [2] البقرۃ: ۱۹۵۔ [3] ترمذی۔ [4] حیات المسلمین روح وہم، ص: ۱۲۵۔ [5] جمع الفوائد، ص: ۱۹۸۔

Marfat.com

ظاہری قوت کے اعتبار سے جب ہم کچھ نہ کر سکتے ہوں

شریعت میں دو ہی صورتیں ہیں: قوت کے وقت مقابلہ اور عاجزی کے وقت صبر۔ [1]

حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک دفعہ مکہ میں ایک اونٹ ذبح ہوا تھا، آپس میں کفار کا مشورہ ہوا کہ کوئی شخص اس کی آلائش (اوجھڑی) آپ ﷺ پر رکھ دے، ایک بدبخت اٹھا اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، سجدہ میں تھے، اس نے آپ ﷺ پر وہ آلائش رکھ دی، کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ ایسے رسول ہیں کہ نماز توڑ کر تھپڑ نہیں ماریں گے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علم ہوا، آئیں اور اس کو ہٹایا، اس وقت آپ رضی اللہ عنہا بچی تھیں، پھر حضور ﷺ نے نماز کے بعد بددعا کی۔

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ (اس وقت آپ) مقابلہ میں آ کر کچھ نہ کر سکتے تھے، آپ تو اکیلے تھے، وہ جو کچھ چاہتے کر سکتے، کمیٹیاں ہوتی تھیں کہ حضور ﷺ کو نکال دیں، مگر آپ ﷺ کو اللہ جل جلالہ نے رعب اتنا دیا تھا کہ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ [2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت ظاہری قوت کے لحاظ سے کچھ نہ کر سکتے ہوں اس وقت اللہ سے دعا اور صبر کرنا چاہئے۔

اگر حکومت ظلم کرے تو ظالم نہ بنو

اگر کوئی ہنگامہ ہو جائے (اور حکومت ہی تم پر ظلم کرے) تو تم پر لازم ہے کہ تم خود ظلم نہ کرو اور اپنی حفاظت کرو، اس صورت میں غالب تو یہ ہے کہ دوسرا بھی ظلم سے باز آئے گا، اور اگر وہ ظلم ہی کرے تو تم شہید ہو جاؤ گے، اس میں بھی مسلمان کا نفع ہے۔ شہادت وہ چیز ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے لئے ہمیشہ دعا کرتے تھے: "اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ" [3] اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما۔

---

[1] الافاضات الیومیہ، ص:۱۹۔ [2] روح الجوار، ص:۲۴۵۔ [3] صحیح البخاری، بَابُ کَرَاهِيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُعْرَى الْمَدِينَةُ، رقم الحدیث:۱۸۹۰۔

Marfat.com

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تمنا کیا کرتے تھے:

لَوَدِدْتُّ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ [1]

''میں تمنا کرتا ہوں کہ اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں''۔

مگر اتنی بات پھر کہے دیتا ہوں کہ جان دینا اسی وقت شہادت ہے جب شریعت کے موافق ہو ورنہ خودکشی ہے (جو کہ حرام ہے)۔

مقابلہ کے لئے قدرت کی شرط اور شرعی قدرت کی تعریف

قدرت کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں اس پر تو ہم کو قدرت ہے لیکن اس کے کرنے کے بعد جب خطرات کا سامنا ہوگا، ان کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔

دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئیں گے ان کی مدافعت پر بھی بظن غالب عادتاً قدرت ہو۔

پہلی صورت استطاعت لغویہ ہے، اور دوسری صورت استطاعت شرعیہ ہے، جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ . فَإِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ . فَإِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ . وَذَالِكَ أَضْعَفُ الْإِیْمَانِ [2] ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان (یعنی زبان سے منع کرنے کی قدرت) ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفا (نہ پائے جانے) کی تقدیر کب محقق ہوگی، یعنی اگر کسی فعل کی فرضیت کے لئے محض فعل (یعنی اس کام کو کر لینے) پر قادر ہونا کافی ہو اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہوں ان کی مدافعت پر قادر ہونا شرط نہ ہو تو زبان سے انکار کرنا ہر حالت میں فرض ہونا چاہئے، کیونکہ زبان کا چلانا ہر وقت ہماری قدرت میں ہے، پھر وہ کون سی صورت ہوگی جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے مٹانے کی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹا دے (یعنی برا سمجھے)۔

---

[1] حقیقۃ الصبر، ص:۱۲۸۔ [2] صحیح مسلم، بَابُ بَیَانِ کَوْنِ النَّھْیِ عَنِ الْمُنْکَرِ مِنَ الْإِیْمَانِ، رقم الحدیث:۴۹۔

Marfat.com

اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت (قدرت) سے مراد یہ ہے کہ اس فعل (کام) پر قدرت ہونے کے ساتھ اس میں ایسا خطرہ بھی نہ ہو جس کی مدافعت (دفع کرنا) مقابلہ کرنا بظن غالب عادتاً ناممکن ہو، ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں، مدافعت (مقابلہ) کی فرضیت کے لئے پہلی استطاعت کافی نہیں، بلکہ دوسری استطاعت شرعیہ شرط ہے۔ اگر کامیابی کی توقع غالب نہ ہو تو ایسے افعال (یعنی مقابلہ کرنا) جائز نہیں، نہ ان میں اجر ہے۔ [1]

بہادری دکھانا ہر موقع پر کمال نہیں

بہادری ہر موقع پر کمال نہیں، اور جان دینا ہر وقت دین کا کام نہیں بلکہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اس وقت جان دینا دین ہے ورنہ اتباع نفس ہے، اگر کسی موقع پر اللہ تعالیٰ جان دینے سے منع کر دیں، اس وقت جان کی حفاظت فرض ہے۔

دیکھو شریعت نے ایک وقت میں نماز کو حرام کیا اور پاخانہ میں جانا فرض کیا ہے۔ اس وقت نماز پڑھنے سے گناہ ہوگا، اور پاخانہ میں جانے سے ثواب ہوگا، فقہاء نے صاف تصریح کی ہے کہ پیشاب پاخانہ کے تقاضہ کے وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور پیشاب پاخانہ سے فارغ ہونا واجب ہے۔

اب جو سچے مسلمان ہیں وہ ہر وقت حکم کا اتباع کرتے ہیں خواہش نفس کا اتباع نہیں کرتے، ایک وقت ان کا جی چاہتا ہے کہ نماز پڑھیں مگر شریعت حکم دیتی ہے کہ پاخانہ جاؤ تو وہ شریعت کے حکم کو نفس کی خواہش پر مقدم کریں گے، اس میں ان کی جماعت فوت ہو جائے اور لوگ ملامت کریں، مگر ان کو ملامت و بدنامی کی پرواہ نہیں ہوتی۔

اسی طرح اگر کسی وقت بہادری کا جوش ہو اور دین کے لئے جان دینے کا تقاضا ہو مگر شریعت اجازت نہ دے تو وہ اپنے تقاضے کو روک لیں گے اور شریعت کے حکم کا اتباع کر کے جان کی حفاظت کریں گے۔ گو اس میں ان پر چاروں طرف سے ملامت (بدنامی) ہو کہ بڑا بزدل ہے، جان دینے سے ڈرتا ہے، جیل خانہ جانے

[1] افادات اشرفیہ۔

Marfat.com

سے گھبراتا ہے مگر سچے مسلمان اس کی پرواہ نہیں کرتے، ان کی شان یہ ہوتی ہے:

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ [1] ''وہ کسی کی ملامت سے ڈرتے نہیں''۔

سچے مسلمان کو اللہ کی رضا کے سامنے بدنامی اور رسوائی کی پرواہ کبھی نہیں ہوتی۔

موت سے نہ ڈرنا کب قابل تعریف ہے؟

موت سے نہ گھبرانا (نہ ڈرنا) اسی وقت محمود ہے جب حق تعالیٰ کی محبت (اور اتباع دین وشریعت کے تابع) ہو، ورنہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایسے بہادر ہیں ویسے بہادر ہیں، ہم جیل خانے سے نہیں ڈرتے، ہم کو موت کا ڈر نہیں، سو چونکہ اس کا منشاء محض اتباع نفس اور دعویٰ ہے اس لئے کوئی کمال نہیں بلکہ مذموم جرأت مندی ہے، مخلص ڈینگیں نہیں مارا کرتا، دعوے کرنا اور ڈینگیں مارنا اتباع نفس کی علامت ہے، اور یہ کوئی کمال نہیں، ایسے مشہور لوگ تو کفار میں بھی ہوتے ہیں، ان کو بھی جیل خانے کا خوف نہیں ہوتا، نہ موت کا اندیشہ، اگر یہ کچھ کمال ہے تو ان کافروں کو بھی صاحب کمال کہنا چاہئے جو کہ موت سے نہیں ڈرتے، پھانسی کے وقت بعض کفار نے بھی جرأت ظاہر کی ہے، مگر ظاہر ہے کہ کفر کے ساتھ کوئی دینی کمال جمع نہیں ہوسکتا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ تہوار (لاپرواہی سے، بہادری دکھانا) دینی کمال نہیں۔ دینی کمال بس یہ ہے کہ جہاں خدا کہے وہاں خوشی سے جان دو ورنہ اپنی جان کو آرام دو، خدا کی مرضی کے موافق جب آدمی جان دیتا ہے تو اس کو عین موت کے وقت بھی راحت نصیب ہوتی ہے۔ [2]

محض جان دے دینا کوئی کمال نہیں

جان دینا تو کوئی مشکل نہیں مگر یہ تو اطمینان ہو کہ اپنے مصرف پر گئی، جان بھی دی اور خلجان مول لیا کہ جس کام کیلئے جان دی ہے وہ دین ہے یا نہیں، یوں ہی بیٹھے بٹھائے جا کر جان دے دینا کون سی انسانیت ہے۔ [3]

جان، خدا کی امانت ہے، اگر ہماری ہوتی تو لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ [4] (خودکشی نہ کرو) کا حکم نہ ہوتا، مال جو

---

[1] المائدہ: ۵۴۔ [2] تقلیل الاختلاط، ص: ۳۱۰۔ [3] الافاضات الیومیہ، ج: ۱، ص: ۱۲۲۔ [4] النساء: ۲۹۔

Marfat.com

کہ کمایا ہوا ہے وہ بھی ہمارا نہیں، جان ہماری کیوں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جان کیا چیز ہے، مگر یہ تو اطمینان ہو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے واسطے صرف ہوئی، تذبذب (شک) کی حالت میں جان دینا کیوں جائز ہوگا ہم کو تو حکم ہے کہ تذبذب کی حالت میں جب کہ کفار کی اباحت دم (یعنی ان کی جان لینے کے جواز) میں تردد ہو، کفار کی بھی جان نہ لیں۔

جان ہماری مِلک نہیں کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں

مسلمانو! یہ جان خود اپنی نہیں ہے کہ جس طرح چاہیں آپ اس میں تصرف کریں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس کو اللہ کے حکم کے بغیر صرف کرنا جائز نہیں اور اسی بنا پر خودکشی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (کہ اپنے آپ کو قتل نہ کرو)۔

اللہ والوں کو یہ مسئلہ پوری طرح منکشف ہو گیا ہے کہ یہ جان ہماری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی چیز ہے، اس لئے وہ اپنی جان کی بہت حفاظت کرتے ہیں، اور کوئی کام اللہ کی رضا کی نیت کے بغیر نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں اللہ تعالیٰ جان دینا پسند کرتے ہیں تو وہ سب سے زیادہ جان دینے میں دلیر ہوتے ہیں اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں جان دینا اللہ کو پسند نہیں تو وہ سب سے زیادہ اپنی جان کی حفاظت کرتے ہیں۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے جسم اور روح سے بہت محبت ہے حالانکہ حقیقت میں ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، ان کو اپنے اعضاء سے محض اس لئے محبت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی تعمیل ہوتی ہے، اور کوئی وجہ نہیں۔ [1]

جہاد غلبہ کی علت ہے شرط نہیں

غلبہ کی حیثیت سے نماز، روزہ اور قتال میں فرق یہ ہے کہ نماز روزہ تو غلبہ کی شرط ہے، اگر نماز روزہ اور اطاعت ہوگی تو غلبہ ہوگا اور جہاد غلبہ کی علت ہے، گو نماز روزہ فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے مگر غلبہ کی

---

[1] الحدود والقیود، ج:۱۵، ص:۱۵۶۔

Marfat.com

علت جہاد ہی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا غلبہ دونوں ہی چیزوں پر موقوف ہے، اور یہ میری رائے آج سے نہیں ہمیشہ سے ہے کہ جب تک طاعت کے ساتھ قتال و جہاد نہ ہوگا اس وقت تک مسلمانوں کو فلاح میسر نہیں ہوسکتی۔ [۱]

جہاد کی بنیادی شرائط

(۱) جہاد کے لئے مرکز ضروری ہے، لہٰذا سخت ضرورت ہے کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز قائم ہو۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ کوئی امیر المومنین ہو، خواہ وقتی ہی ہو اور جس کو امیر المومنین بنایا جائے اس کے اندر تین صفات ہوں:

پہلی صفت: تدین (یعنی دینداری)۔ دوسری صفت: دوسرے سیاست سے واقف ہو۔ تیسری صفت: تیسرے یہ کہ اس کے اندر ہمت ہو۔

نصب خلیفہ (یعنی امیر المومنین مقرر کرنا) واجب ہے، لیکن واجب کے لئے قدرت شرط ہے اور قدرت اس وقت مفقود ہے، اس واسطے گو عالم اس وقت خلیفہ سے خالی ہے لیکن بایں حالات خلیفہ کے نہ ہونے سے کوئی گناہ نہیں۔ [۲]

کافر کا مال لینا، مسلمان کا مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے

مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کے متعلق ایک عجیب بات فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا مال لینا مسلمان کے مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے، چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اگر کسی کا مال ہی رکھنا ہو تو مسلمان کا رکھ لے کافر کا نہ رکھے کیونکہ قیامت کے دن ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی تو اگر کسی مسلمان پر ظلم کیا تو نماز، روزہ ظالم کا اس کے بھائی ہی کو ملے گا خیر اگر ظاہر میں ظلم کیا تو باطن میں قومی ہمدردی بھی تو کی، کہ اپنی نیکیاں اسے دے دیں۔ اور اگر کافر کا حق رکھا، تو ایک تو اپنی نیکیاں پرائے گھر گئیں۔ پھر اس صورت میں نہ تمہارا بھلا، نہ اس کا بھلا، کیونکہ وہ تو پھر بھی جہنم میں ہی گیا۔

[۱] از حکیم الامت آثار رحمت، ص: ۱۰۴۔ [۲] الکلام الحسن، ص: ۱۵۔

Marfat.com

اگر کوئی کہے کہ پھر اسے نفع کیا ہوا جب نیکیاں اس کے کارآمد نہ ہوئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نفع تو ہو گا مگر اتنا کم ہو گا کہ اسے محسوس نہ ہو گا۔ جیسے اگر کسی کے پاس من بھر سونے کا ایک ڈھیر ہے اور اس میں کسی نے ایک رتی بھر سونا چرا لیا تو واقع میں تو کمی ہوئی مگر محسوس نہ ہوئی لیکن کوئی عقلمند اس کی اجازت نہ دے گا کہ اتنا سا چرا لیا کرو۔ بہرحال مولانا کی تقریر سے معلوم ہوا کہ کافر کا مال لینا مسلمان کے مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے۔

صلاح و فساد کے ذمہ دار حکماء و علماء

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں گی تو سب آدمی درست ہو جائیں گے اور جب وہ فاسد ہوں گی تو سب آدمی فاسد ہو جائیں گے، ایک جماعت امراء و ملوک، دوسری علماء"۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علماء کی مثال ایسی ہے جیسے نمک کی، جب کوئی چیز خراب ہونے لگے تو نمک اس کی اصلاح کر دیتا ہے لیکن اگر نمک خود ہی خراب ہو جائے (مثلاً زیادہ ہو جائے) تو اس کی اصلاح کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ [1]

حکومت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وفات سے دو برس بعد خواب میں دیکھا کہ پیشانی کا پسینہ صاف کر رہے ہیں، پوچھا یا امیر المومنین آپ کا معاملہ کیا ہوا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی، ابھی حساب سے فارغ ہوا ہوں، قریب تھا کہ عمر کا تخت لوٹ جائے مگر میں نے اللہ کو بڑا رحیم کریم پایا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھ لیجئے یہ حکومت ایسی چیز ہے جس کی لوگ تمنا کرتے ہیں، کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا انصاف کسی میں ہو سکتا ہے اور پھر بھی ان کا یہ واقعہ ہوا۔

---

[1] جامع العلم لابن عبدالبر، ص: ۸۷۔

Marfat.com

حجاج بن یوسف کی عبادت اور اُمیدِ مغفرت کا حال

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ کسی کو کوئی کیا کہہ سکتا ہے اور کیا سمجھ سکتا ہے، حجاج بن یوسف جس کا ظلم مشہور ہے مگر باوجود اس کے (اس وقت ظالموں کی یہ حالت تھی کہ) ایک شب میں تین سو رکعات نفل پڑھنا اس کا معمول تھا، یہ جس وقت مرنے لگا ہے تو کہتا ہے کہ اے اللہ! لوگ یوں کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نہیں بخشا جائے گا، ہم تو جب جانیں جب ہم کو بخش دو، متقیوں کا بخش دینا کوئی عجیب بات نہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے تابعی سے کسی نے جا کر کہا کہ وہ یہ کہہ کر مرا ہے، فرمایا بڑا چالاک ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جنت بھی لے جائے گا۔

ایک شخص نے بعد مر جانے کے اس کو خواب میں دیکھا، دریافت کیا کہ کیا حال ہے؟ کہا کہ جس قدر مظلوم میں نے قتل کئے ہیں سب کے بدلے ایک ایک مرتبہ مجھ کو قتل کیا گیا اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے بدلے ستر مرتبہ قتل کیا گیا اور سخت تکلیف میں ہوں، پوچھا کہ اب کیا خیال ہے؟ کہا کہ وہی خیال ہے جو سب مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، یعنی مغفرت کا امیدوار ہوں اور ضرور مغفرت ہوگی۔

یہ خیال اس شخص کا ہے جو دنیا بھر کے نزدیک مبغوض اور مردود ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناامید نہیں ہوا، اور یہ خیال تو آج کل کے بعضے لمبے لمبے وظائف پڑھنے والوں کا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتنا قوی نہیں، اب بتلائیے کوئی کسی کو کیا نظر تحقیر سے دیکھے، بس جی آدمی کو چاہئے کہ اپنی خیر منائے، کیوں کسی کے درپے ہو، اپنی ہی کیا خبر ہے کہ کیا معاملہ ہوگا۔ [1]

رعایا کو حکومت سے مقابلہ کرنے میں نقصان ہے

بعض لوگ علانیہ طور پر خردہ گیری اور اس کے خلاف خفیہ تدبیریں اور سازش کرتے ہیں، اس خردہ گیری کے جو نتائج ہیں ظاہر ہے کہ ایسا شخص جو ہر طرح حکومت کے دائرہ میں مقید ہو کسی طرح ان نتائج کا متحمل نہیں ہو سکتا، تو پھر اس پر اقدام کرنا حدیث ذیل کی صریح مخالفت کرنا ہے:

---

[1] افاضات الیومیہ، ج:۵، ص:۱۳۳۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَہٗ ، قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَ کَیْفَ یُذِلُّ نَفْسَہٗ؟ قَالَ یَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا یُطِیْقُہٗ [1]

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن کو زیبا نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے، پوچھا گیا یا رسول اللہ اپنے کو کس طرح ذلیل کرے گا؟ فرمایا ایسی بلا کو اپنے او پر لادے جس کے برداشت کی اس کو طاقت نہ ہو۔

اور ایسی حالت میں سازش کرنا کہ حکومت کے ساتھ معاہدہ بھی قائم ہے سراسر غدر (دھوکہ) اور بدعہدی ہے، جس کا حرام ہونا شریعت محمدیہ میں صریح ہے، اسلامی تعلیم تو یہاں تک ہے کہ اگر حکومت کی جانب سے کوئی تکلیف بھی پہنچے تب بھی حکام کے لئے بددعا میں مشغول ہونے تک کی اجازت نہیں، چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی ''کتاب الامارۃ'' کی یہ آخری حدیث ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تمام بادشاہوں کا مالک ہوں، اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں، اور بیشک بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں، میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو مہربانی اور شفقت کے ساتھ ان پر پھیر دیتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں، میں ان کے دلوں کو ناخوشی اور انتقال کے ساتھ پھیر دیتا ہوں، پس وہ ان کو سخت تکلیف پہنچاتے ہیں، سوتم اپنے کو بادشاہوں کے لئے بددعا کرنے میں مت لگاؤ، البتہ اپنے کو ذکر اور نیازمندی میں لگاؤ، تاکہ میں تمہارے لئے کافی ہو جاؤں۔

بارگاہِ ربُّ العرت میں التجاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں روحِ اسلام کے مطابق
زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] راوہ الترمذی، رقم الحدیث: ۲۲۵۴۔

Marfat.com

حدیث اور سنت میں فرق

یہاں سے ایک بہت بڑا اہم مسئلہ سمجھانا مقصود ہے، مسئلہ یہ ہے کہ حدیث اور سنّت میں کیا فرق ہے؟ ایک فرقہ خود کو اہل قرآن کہتا ہے، دوسرا خود کو اہل حدیث کہتا ہے اور ہم اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، پس قرآن اور حدیث میں کیا فرق ہے؟ یہ تو ہر کوئی جانتا ہے لیکن حدیث اور سنّت میں کیا فرق ہے؟ یہ فرق لوگ نہیں جانتے، بلکہ لوگوں میں غلط فہمی ہے یا غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے کہ حدیث اور سنّت ایک ہیں، حالانکہ ایسا نہیں، اسلئے یہ ایک اہم مضمون ہے، جس کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔

حدیث اور سنّت میں فرق

حدیث اور سنّت دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا تو نہیں ہیں، یعنی دونوں میں تباین اور تضاد کی نسبت نہیں ہے، مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ دونوں میں تساوی اور برابری کی نسبت ہو، جو حدیث وہ سنت، جو سنت وہ حدیث، بلکہ حدیث اور سنّت میں عموم وخصوص من وجہٍ کی نسبت ہے اور جہاں یہ نسبت ہوتی ہے وہاں دو چیزیں کبھی الگ الگ ہو جاتی ہیں اور کبھی اکٹھی ہو جاتی ہیں، حدیث اور سنّت کے درمیان بھی یہی نسبت ہے، اس لئے کبھی حدیث الگ ہو جاتی ہے، وہ سنّت نہیں ہوتی، اور کبھی سنّت الگ ہو جاتی ہے، وہ حدیث نہیں ہوتی، اور کبھی دونوں جمع ہو جاتے ہیں، وہ حدیث بھی ہوتی ہے اور سنّت بھی۔

حدیث کی تعریف

حدیث چار چیزوں کا نام ہے:

۱۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے: وہ سب حدیث ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی میں جو بھی کام کیا ہے، وہ حدیث ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن باتوں کو برقرار رکھا ہے، وہ بھی حدیث ہے۔ یعنی کسی مسلمان نے کوئی کام کیا یا کچھ

Marfat.com

کہا، نبی پاک ﷺ نے اس کو دیکھا، سنا، یا وہ آپ ﷺ کے علم میں آیا اور آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کو برقرار رکھا، اس کی تائید فرمائی، تو یہ بھی حدیث ہے۔

۴۔ نبی پاک ﷺ کی صفات یعنی ذاتی حالات بھی حدیث ہیں۔

ان چار چیزوں کا نام حدیث ہے، اب ہر ایک کی مثال سنیں۔

قولی حدیث کی مثال

بخاری کی پہلی حدیث ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ [۱] عمل کا نیت سے موازنہ کیا ہوا ہے، عمل نیت کے موافق ہوتا ہے، عبادت کی نیت ہے تو ثواب ملے گا اور عبادت کی نیت نہیں ہے تو وہ محض عمل ہے، اس پر ثواب کچھ نہیں ملے گا۔ اور مذکورہ حدیث کا دائرہ عبادات تک ہے، معاصی اس کے دائرہ میں نہیں، عبادات میں اگر عبادت کی نیت ہے تو ثواب ملے گا اور اگر عبادت کی نیت نہیں ہے تو ثواب نہیں ملے گا، اس کی دلیل اگلا جملہ ہے: وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی ہر انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے، مگر ابھی بات واضح نہیں ہوئی، اسلئے نبی ﷺ نے ہجرت کی مثال دے کر مضمون واضح فرمایا، ہجرت دور اوّل میں فرض تھی اور بہت بڑی عبادت تھی، قرآن و حدیث میں اسکے بے شمار فضائل آئے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: تین بندے ہجرت کرتے ہیں، وطن چھوڑ کر مدینہ آتے ہیں۔

ایک کیوں آیا ہے؟ اس لئے کہ وہ سچے دل سے مسلمان ہوا ہے اور اسلام کا درخت ابھی نونہال ہے، اس کی آبیاری کی ضرورت ہے، اس لئے وہ مدینہ آیا ہے تاکہ دعوت و جہاد میں شریک ہو، دین سیکھے اور ہر طرح دین کی خدمت کرے۔

دوسرا کیوں آیا ہے؟ وہ اس لئے آیا ہے کہ گاؤں میں پرچون کی دکان تھی، اب گاؤں کے لوگ مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ جا رہے ہیں اور گاؤں کی آبادی گھٹ رہی ہے، اس لئے دکان پھیکی پڑ رہی ہے، اس لئے اس

---

[۱] بخاری۔

Marfat.com

نے سوچا کہ مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ رہی ہے، پس میں مدینہ چلا جاؤں اور وہاں دکان کھولوں تو دکان خوب چلے گی، چنانچہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلا آیا۔

اور تیسرا کیوں آیا؟ وہ ایک خاص عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر وہ عورت ہجرت کر کے مدینہ جا چکی ہے، اب وہ سوچتا ہے کہ اگر میں وطن میں رہا تو نکاح نہیں ہوسکتا، چلو میں بھی مدینہ پہنچ جاؤں اور اس عورت سے راہ ورسم پیدا کروں اور نکاح کرلوں، چنانچہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، پہلا شخص جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی ہے اس کی ہجرت مقبول ہے اور دینی عمل ہے، قرآن وحدیث میں اسی کے فضائل آئے ہیں اور دوسرے اور تیسرے بندوں کو ہجرت کا کوئی ثواب نہیں ملے گا، ان کی ہجرت، دینی عمل نہیں ہے۔

پس اگر حدیث کا سیاق پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حدیث کا دائرہ عبادات تک ہے، معاصی اس کے دائرے میں نہیں۔

فعلی حدیث کی مثال

جب مسجد نبوی میں منبر رکھا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر نماز پڑھائی، سجدہ نیچے کر کے اگلی رکعت میں منبر پر چڑھ جاتے تھے، پھر سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا: صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ [1]

آپ لوگوں نے جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو۔ یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھ کر دکھائی ہے، یہ فعلی حدیث ہے۔

تقریر نبوی کی مثال

مکہ میں تو زراعت وکھیتی نہیں، البتہ اسّی کلومیٹر پر طائف ہے، وہاں کھیت ہیں، باغات ہیں، اور ساڑھے چار سو کلومیٹر پر مدینہ منورہ ہے، وہاں بھی باغات اور کھیت ہیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مدینہ میں

---

[1] صحیح البخاری، بَابُ الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ، إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً، رقم الحدیث:۶۳۱۔

Marfat.com

بیع سلم کا رواج تھا۔ ابھی کھجور پر پھول بھی نہیں آئے ہوتے تھے کہ کھجوریں بیچ دیتے تھے، بھاؤ طے ہو جاتا تھا، مدت طے ہو جاتی تھی، قیمت تاجر اسی وقت دے دیتا تھا اور باغ والا وقت مقررہ پر کھجوریں دیتا تھا، اس کو بیع سلم کہتے ہیں، شریعت کے اصول سے یہ بیع صحیح نہیں، کیونکہ مبیع (جو چیز بیچی جا رہی ہے) کا وجود نہیں، جبکہ صحتِ بیع کے لئے مبیع کا وجود ضروری ہے اور مبیع کا بائع کی ملکیت میں اور بائع کے قبضہ میں ہونا بھی ضروری ہے، نیز اس کا مقدور التسلیم ہونا بھی ضروری ہے، جبھی بیع درست ہو گی، ورنہ نہیں، اور کھجوروں کی بیع سلم میں ابھی درختوں پر پھول بھی نہیں آئے، جب کھجوروں کا وجود ہی نہیں تو ملکیت کا کیا سوال؟ اور جب ملکیت نہیں تو قبضہ کا کیا سوال؟ اس لئے شریعت کے اصول سے یہ بیع باطل ہے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں یہ بیع آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بیع سے منع نہیں کیا، بلکہ فرمایا: مَنْ اَسْلَفَ سَلَفًا فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ جب تم سلم کرو تو تمام تفصیلات طے کر لو، پیمانہ یا وزن طے کر لو اور مدت بھی طے کر لو تا کہ آئندہ کوئی نزاع نہ ہو۔[1]

غرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرائط تو بڑھائیں، مگر سلم سے منع نہیں کیا، اس طرح آپ علیہ السلام نے عام اصول سے ہٹ کر لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر اس بیع کا جواز فراہم کیا، پس یہ حدیث بن گئی اور اس کا نام تقریری حدیث ہے۔

بیع سلم کے جواز کی حکمت

جب اسلام کے اصول سے بیع سلم صحیح نہیں تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کیوں برقرار رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیع سلم میں اگرچہ بائع کے پاس مبیع نہیں ہوتی مگر مارکیٹ میں ہوتی ہے، پس جب مارکیٹ میں مبیع موجود ہے تو اگر اس کے باغ میں مبیع (کھجوریں) نہ بھی پیدا ہوں گی تو وہ مقررہ وقت پر مارکیٹ سے خرید کر دیدے گا، چنانچہ سلم میں خاص جگہ کی پیداوار کی سلم میں شرط لگانا درست نہیں، غرض مارکیٹ میں مبیع کے وجود کو بائع کی ملکیت میں موجود مان لیا گیا ہے اور یہ ایک طرح کا حیلہ ہے، اور یہ حیلہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ اس میں

[1] سنن نسائی: ۴۶۲۳۔

Marfat.com

عظیم فائدہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ آدمی سرمائے کے بغیر بڑے سے بڑا کاروبار کھڑا کر سکتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص کو بنیان بنانے کا کارخانہ قائم کرنا ہے، اس کے لئے لاکھوں روپے کی مشینوں کی ضرورت ہوگی، مگر سرمایہ اس کے پاس نہیں ہے، البتہ لوگوں میں اس کا اعتبار ہے، اس نے دکانداروں سے معاملہ کیا، اس نمبر کا سوت، یہ سائز وغیرہ تمام تفصیلات طے کیں اور قیمت بھی طے کی اور کہا کہ چھ مہینے کے بعد سپلائی کروں گا اور ہر مہینہ ایک ہزار پیس دوں گا، چنانچہ کسی نے دس ہزار پیس خریدے، کسی نے پچاس ہزار اور اس نے سب سے پیسے اسی وقت لے لئے، سلم میں ثمن مجلس عقد ہی میں دینا ہوتا ہے، پندرہ لاکھ جمع ہو گئے وہ مشینیں لایا، کارخانہ کھڑا کیا اور پروڈکشن شروع ہو گیا اور مقررہ وقت پر سپلائی شروع کر دی، سال دو سال میں سب کے پاس مال پہنچ گیا اور اس کا کارخانہ فری ہو گیا، یہ بیع سلم کا فائدہ ہے، اس لئے شریعت نے اس کو برقرار رکھا ہے اور آج مشینی دور میں بے شمار چیزوں کا سلم ہو سکتا ہے، ہر وہ چیز جس کی جملہ تفصیلات طے ہو سکتی ہوں اور اس کا مارکیٹ میں وجود ہو، اس کی بیع سلم درست ہے۔

اوصافِ نبوی کی مثال

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی حالات اوصاف کہلاتے ہیں، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال ایسے تھے (رَجِلَ الشَّعرِ) نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل گھونگھریالے، درمیانی کیفیت لئے ہوئے تھے، سیدھے تھے مگر کچھ گھونگھریالا پن تھا، دندان مبارک ایسے تھے (اَشْنَب. مُفَلَّجَ الْاَسْنَانِ) سامنے کے اُوپر کے دانتوں میں ذرا کشادگی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو فرماتے تو ان کے درمیان سے ایک نور سا نکلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ یہ سب حدیثیں ہیں۔

سنّت کے معنی

سُنَّت: کے لغوی معنی ہیں راستہ (الطریق) اور یہ لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے، احادیث میں بھی آیا ہے اور فقہ میں بھی اور تینوں جگہ معنی الگ الگ ہیں، قرآن میں ہے: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا [1] تم اللہ کی

---

[1] الاحزاب: ۶۲۔

Marfat.com

سنّت وضابطہ کو بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے اور حدیث میں ہے: تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، وہ دو چیزیں کیا ہیں؟ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ اللہ کی کتاب اور میرا طریقہ۔ [1]

اور فقہ میں سنّت مؤکدہ اور سنت غیر مؤکدہ کی اصطلاحیں ہیں۔ غرض تینوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور تینوں جگہ معنی الگ الگ ہیں۔ فقہ میں سنت، احکام کا ایک درجہ ہے، واجب سے نیچے اور مندوب سے اُوپر: "مَا کَانَ فِیْ مَشْرُوْعِیَّتِہٖ دُوْنَ الْوَاجِبِ وَفَوْقَ الْمَنْدُوْبِ" پھر فقہاء نے اس کی دو قسمیں کی ہیں: سنّت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔

قرآنِ کریم میں سنّت کے معنی

قرآنِ کریم میں سنّت کے معنی ہیں اشیائے عالم میں رکھی ہوئی صلاحیتوں پر مسبّبات کا متفرع ہونا، اس کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کی ہے، ایک پورا باب اسی کے لئے قائم کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب میں صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں، چنانچہ اسباب سے مسبّبات پیدا ہوتے ہیں، یہی اللہ کی سنّت ہے، جیسے کھجور کی گٹھلی بوئیں گے تو خاص قسم کے پتے نکلیں گے، خاص طرح کے پھول آئیں گے، خاص طرح کے پھل آئیں گے، یہی سنّت الٰہی ہے، کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کھجور کی گٹھلی بوئیں اور گیہوں کا پودا نکلے، اللہ سب کچھ کر سکتے ہیں مگر اللہ نے صلاحیت ایسی ہی ودیعت فرمائی ہے، آپ املی کی گٹھلی بوئیں، املی ہی کا درخت اُگے گا، یہ اللہ کی سنّت ہے اور اللہ کی یہ سنّت بدلتی نہیں "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا"، اللہ نے جس چیز میں جو صلاحیت رکھی ہے وہی صلاحیت بروئے کار آتی ہے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ اللہ نے آگ میں جلانے کی صلاحیت رکھی ہے، مگر آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا؟

جواب: یہ ہے کہ یہ خرقِ عادت ہے، اللہ تعالیٰ اسباب کی صلاحیت کے خلاف بھی کرتے ہیں، تا کہ معلوم ہو

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، ص: ۳۲، ط: رحمانیہ لاہور۔

Marfat.com

جائے کہ اسباب، اسباب ہیں، اِلٰہ نہیں، اللہ ان کے اُوپر ہے، اور اسباب کی لگام اللہ کے ہاتھ میں ہے، جب تک وہ چاہیں گے اسباب کام کریں گے اور جب وہ نہیں چاہیں گے، آگ نہیں جلائے گی۔

غرض اللہ نے کائنات کی چیزوں میں جو صلاحیتیں امانت رکھی ہیں اور ان صلاحیتوں سے جو مسبّبات وجود میں آتے ہیں اس کا نام قرآن میں سنّت اللہ ہے۔

حدیث میں سنّت کے معنی

اور حدیث میں سنّت کے معنی ہیں: اَلطَّرِيْقَةُ الْمَسْلُوْكَةُ فِي الدِّيْنِ یعنی دینی راہ، وہ راستہ جس پر مسلمانوں کو چلنا ہے، قرآن کریم میں ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ [1] کہیے یہ میرا راستہ ہے، میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میرا راستہ یعنی حضور ﷺ کا راستہ۔ اسی کیلئے حدیثوں میں لفظ سنّت آیا ہے، یہ حدیثیں آگے آرہی ہیں۔

نسخ شریعتوں میں ہوتا ہے، دین میں نہیں ہوتا

اور نسخ شریعتوں میں ہوتا ہے، بعد کی شریعت، سابقہ شریعت کو منسوخ کرتی ہے، البتہ دین تمام نبیوں کا ایک ہے، کیونکہ دین عقائد کا نام ہے اور عقائد بدلتے نہیں، اللہ ایک ہیں، اللہ صفاتِ کمالیہ کے ساتھ متصف ہیں، اللہ نقائص سے پاک ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی، ملائکہ واقعی مخلوق ہیں، قیامت آنی ہے، مرکر دوبارہ زندہ ہونا ہے، یہ سب عقائد ہیں، جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، اس لئے قرآن میں ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ [2] آدم علیہ السلام سے خاتم النبیین ﷺ تک دین ایک ہے، یہی دین ہمیشہ نازل ہوا ہے، اسی پر جینا ہے اور اسی کو لے کر آخرت میں جانا ہے۔

لیکن شریعتیں مختلف رہی ہیں کیونکہ ان میں قوموں کے حالات کا لحاظ کیا گیا ہے، جیسے آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا، کیونکہ اس وقت بہن کے علاوہ اور کوئی عورت نہیں تھی، پس اگر بہن سے نکاح جائز نہ ہوتا تو نسل انسانی کیسے چلتی؟ پھر جب عورتیں بہت ہوگئیں تو نوح علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے

[1] الیوسف: ۱۰۸۔ [2] آل عمران: ۱۹۔

Marfat.com

نکاح حرام کر دیا گیا۔

بہر حال شریعتوں میں چونکہ زمانے اور لوگوں کے احوال کا لحاظ کیا گیا ہے اس لئے شریعتوں میں نسخ ہوا ہے، آدم علیہ السلام کی شریعت، نوح علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہوئی، پھر اُن کی شریعت، موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہوئی، پھر ان کی شریعت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوخ ہوئی، آخر میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے باقی تمام شریعتیں منسوخ ہوئیں۔

ایک شریعت کے اندر بھی نسخ ہوتا ہے

ایک شریعت کے اندر بھی نسخ ہوتا ہے، یعنی پہلے ایک حکم آتا ہے پھر وہ حکم بدل جاتا ہے اور دوسرا حکم آتا ہے، ایسا نسخ ہماری شریعت میں بھی ہوا ہے، اور اس سلسلے میں قرآن کریم کی آیت ہے ''مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا'' [1] ہم ایک حکم ہٹا کر دوسرا حکم جو بھیجتے ہیں تو وہ دوسرا حکم پہلے حکم کے مانند ہوتا ہے یا اس سے بہتر ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں بھی نسخ ہوا ہے اور حدیثوں میں بھی نسخ ہوا ہے۔

سوال: شریعت میں نسخ کیوں ہوتا ہے؟

جواب: ایک مریض حکیم کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے مجھے یہ تکلیف ہے، حکیم نسخہ لکھتا ہے اور کہتا ہے پندرہ دن یہ نسخہ پی کر آؤ، دوبارہ آیا نبض دیکھی، احوال پوچھے، نسخہ نے ٹھیک کام کیا ہے، مگر حکیم نسخہ بدل دیتا ہے، دوسرا نسخہ لکھتا ہے اور کہتا ہے جاؤ! یہ پندرہ دن پی کر آؤ، اس نے پیا اور پھر آیا، احوال بتائے، نبض دکھائی، اِس نسخہ نے بھی ٹھیک کام کیا ہے مگر حکیم وہ نسخہ چھوڑ کر تیسرا نسخہ لکھتا ہے اور کہتا ہے اب یہ نسخہ شفا ہونے تک پیتے رہو۔

اب کوئی کہے کہ حکیم پاگل ہے! پہلے ہی سے یہ آخری نسخہ کیوں نہیں لکھا! حکیم پاگل نہیں، جنابِ عالی پاگل ہیں، حکیم نے پہلا نسخہ مُنْضِج لکھا تھا، یعنی جسم کے اندر جو فاسد مواد تھا اس کو پکایا، پھر دوسرا نسخہ مسہل لکھا، اب دست آئے اور فاسد مادہ نکل گیا، پھر تیسرا نسخہ بیماری کا علاج لکھا، اب اس کو پینے سے شفا ہوگی، جب تک فاسد

---

[1] البقرۃ:١٠٦۔

Marfat.com

مادے کو نکالیں گے نہیں یہ تیسرا نسخہ کام نہیں کرے گا۔

دوسری مثال

آپ تانبے کا برتن لے کر قلعی گر کے پاس جاتے ہیں، وہ پہلے برتن کو بھٹی پر رکھتا ہے، اس میں پانی ڈالتا ہے، پانی میں تیزاب ڈالتا ہے، اور چمٹے سے روئی پکڑ کر برتن کو صاف کرتا ہے، پھر اس کو سکھاتا ہے، پھر دوسرے وقت برتن کو آگ پر رکھتا ہے، جب وہ گرم ہو جاتا ہے تو دو چار جگہ قلعی لگا کر، نوشادر بسی ہوئی روئی پھیرتا ہے تو برتن چمک جاتا ہے، اگر قلعی گر برتن کے میل کو چھڑائے بغیر قلعی کرے تو قلعی نہیں کھلے گی، یہ مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح احکام بھیجتے ہیں، جیسے شراب چار مرحلوں میں حرام کی ہے۔

شراب چار مرحلوں میں حرام ہوئی ہے

پہلے مرحلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی آیت اتاری کہ اس نے لمحہ فکریہ پیدا کر دیا، سورۂ نحل میں ہے: وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا [1] "انگوروں اور کھجوروں کے پھلوں سے تم سکر بناتے ہو"، سکر، کھجور کی شراب کو کہتے ہیں، اور رزق حسن بناتے ہو، اور انگور سے جو شراب بنتی ہے، جس کو عربی میں خمر کہتے ہیں، اس کا تذکرہ چھوڑ دیا، خمر کا تذکرہ کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے لمحہ فکریہ پیدا کیا، اور انہوں نے اس سلسلہ میں سوال کیا تو ایک عرصہ کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ [2] "لوگ آپ سے خمر اور سٹے کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپ ان سے کہیں ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کئی فائدے ہیں"، اگر ان میں فائدہ نہ ہوتا تو لوگ سٹہ کیوں کھیلتے اور شراب کیوں پیتے! لیکن دونوں میں بڑا گناہ ہے، وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا [3] اور دونوں میں جو خرابی ہے وہ ان کے فائدوں سے بڑھی ہوئی ہے، اس سے ذہن بنا کہ خرابی اگرچہ ایک ہے، لیکن وہ سو فائدوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ سنار کی سو اور لوہار کی ایک والی بات ہے۔

---

[1] النحل: ۶۷۔ [2] البقرۃ: ۲۱۹۔ [3] البقرۃ: ۲۱۹۔

Marfat.com

یہ ذہن بنانے کے بعد تیسری آیت نازل کی کہ نماز کے اوقات میں شراب نہ پیو، دوسرے اوقات میں پی سکتے ہو: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ [۲] ''نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ، جب نشہ اتر جائے اور تم جو کچھ منہ سے بول رہے ہو اس کو سمجھنے لگو تب نماز پڑھو''۔

اب ظہر سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے شراب بند کرنی پڑے گی، ظہر کے بعد بھی نہیں پی سکتے، کیونکہ آگے عصر آرہی ہے، عصر کے بعد بھی نہیں پی سکتے، اس لئے کہ آگے مغرب آرہی ہے، مغرب کے بعد بھی نہیں پی سکتے، اس لئے کہ آگے عشاء آرہی ہے، اب پینے کے دو ہی وقت بچے، ایک، عشا کے بعد فجر سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک، مگر رات میں کون پیتا ہے؟ اور رات میں اُٹھ کر بھی کون پیتا ہے؟ دوسرا وقت ہے، فجر کی نماز کے بعد سے ظہر سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک، لیکن اس وقت اگر کوئی پیئے گا تو کام اور دوکان پر کون جائے گا؟ یہ تو کمائی کا وقت ہے، اس وقت میں اگر پی کر پڑ جائے گا تو کام کیسے چلے گا؟ لیکن پھر بھی ان دو وقتوں میں پینے کی گنجائش رہی، گویا چوبیس گھنٹوں میں سے آدھا وقت کاٹ دیا۔

ایک عرصے تک اسی طرح چلتا رہا، پھر آخری حکم آیا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! خمر اور سٹہ دونوں گندگیاں ہیں، اور شیطانی چرخہ ہیں، شیطان ان کے ذریعہ تمہیں اپنے چکر میں پھنساتا ہے، پس تم ان دونوں سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [۳] چار چیزیں شیطانی چرخہ ہیں: خمر (انگوری شراب) جُوا، بت اور فال کے تیر، ان سے بچو اگر کامیابی چاہتے ہو، جب یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنائی تو لوگوں نے شراب نالیوں میں بہا دی، گھروں میں شراب کا ایک قطرہ بھی نہ رہا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اگر اللہ تعالیٰ پہلے ہی مرحلہ میں یہ آخری آیت نازل فرماتے تو لوگ کہتے ہم اس پر عمل نہیں کر

---

[۱] النساء: ۴۳۔ [۳] المائدہ: ۹۰۔

Marfat.com

سکتے، اس لئے ذہن سازی کر کے حرمت کا حکم نازل کیا، چنانچہ لوگوں کے لئے عمل کرنا آسان ہو گیا، اور انہوں نے مٹکے اُٹھا کر پھینک دیئے۔

بتلانا یہ مقصود ہے کہ ایک شریعت کے اندر بھی نسخ ہوتا ہے، بعض احکام بالکل اُٹھا دیئے جاتے ہیں، اور بعض احکام میں تبدیلی کر دی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو اپنے تمام مواد میں منسوخ ہو

قرآن کریم میں سے جو آیتیں مکمل طور پر منسوخ کر دی گئی ہیں وہ اللہ نے اُٹھالی ہیں، یا بھلا دی ہیں، نسخ کی دو شکلیں ہوتی ہیں، ایک اللہ تعالیٰ منسوخ آیت اُٹھا لیتے تھے، دوسری منسوخ آیت بھلا دیتے تھے، حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب اس کو بھول جاتے تھے، سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ [1] ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے، آپ اس کا کوئی حرف بھولیں گے نہیں، مگر جس کو منسوخ کرنا ہوتا ہے اس کو اللہ بھلا دیتے ہیں۔

آج جو قرآن موجود ہے، اس میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جو اپنے تمام مواد میں منسوخ ہو، ہاں ایسی آیات ہیں جو بعض احوال میں معمول بہا ہیں، اور بعض احوال میں منسوخ، جیسے مؤلفۃ القلوب کے حصے والی آیت موجود ہے، مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو موقوف کر دیا ہے، منسوخ نہیں کیا، چنانچہ اگر کبھی حالات خراب ہو جائیں، اور دورِ اوّل جیسے حالات پیدا ہو جائیں تو زمانے کا امیر المؤمنین اس کو پھر جاری کر سکتا ہے، البتہ مفتی صاحب جاری نہیں کر سکتے، مجتہد نہیں کر سکتا، زمانے کے امیر المؤمنین نے موقوف کیا ہے تو زمانے کا امیر المؤمنین ہی اس کو جاری کر سکتا ہے۔

ایسی اور بھی آیتیں ہیں، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر میں اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے۔

حدیث کی کتابوں میں منسوخ حدیثیں بھی ہیں

لیکن حدیثوں کی ایسی صورت نہیں ہے، پہلے دور کے جو احکام تھے وہ بھی حدیث کی کتابوں میں موجود

---

[1] الاعلیٰ۔

Marfat.com

ہیں اور بعد میں جو احکام آئے وہ بھی حدیث کی کتابوں میں ہیں، پس پہلی قسم کی روایتیں صرف حدیث ہیں، سنت نہیں، اور دوسری قسم کی روایتیں حدیث بھی ہیں اور سنت بھی۔

حدیث کی پہلی قسم

وہ روایتیں جو صرف حدیث ہیں، سنت نہیں

پہلا مادۂ افتراقی:

خوب اچھی طرح سمجھ لیں، تین قسم کی روایتیں صرف حدیث ہیں، سنت نہیں۔ وہ حدیثیں جو منسوخ ہیں، وہ سنت نہیں، مسلمانوں کو ان پر نہیں چلنا، بعد میں جو ناسخ احادیث آئی ہیں مسلمانوں کو ان پر چلنا ہے، مثلاً:

۱۔ حدیث میں ہے: تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ [1] آگ پر پکی ہوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ گیا، یہ اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے، مگر بعد میں یہ حکم نہیں رہا، بعد میں نبی پاک ﷺ، خلفائے راشدین اور سب صحابہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھاتے تھے اور وضو کئے بغیر نماز پڑھتے تھے اسلئے حدیث: تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ سنت نہیں۔

۲۔ پہلے نماز میں آپس میں باتیں کرتے تھے۔ پہلے طریقہ یہ تھا کہ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز پہلے پڑھتا تھا، پھر جماعت میں شامل ہوتا تھا۔ وہ آکر نمازی سے پوچھتا کہ کتنی رکعتیں ہوگئیں؟ وہ بتاتا کہ دو ہو گئیں، وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر چھوٹی ہوئی رکعتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوتا، ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ دیر سے آئے، ان کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ نبی ﷺ الگ نماز پڑھ رہے ہوں اور وہ اپنی چھوٹی ہوئی نماز پڑھیں، چنانچہ وہ نیت باندھ کر نماز میں شامل ہو گئے، جب حضور ﷺ نے سلام پھیرا تو وہ اپنی باقی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، حضور ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھا، نماز کے بعد ان سے پوچھا، انہوں نے جواب دیا، یارسول اللہ! مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں

[1] مسلم: ۷۸۸۔

Marfat.com

آپ ﷺ سے الگ نماز پڑھوں، اس لئے میں آپ ﷺ کی نماز میں شامل ہو گیا اور اب میں نے باقی نماز پوری کی، آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مُعَاذًا قَدْ سَنَّ لَكُمْ سُنَّةً كَذَالِكَ فَافْعَلُوا [1] معاذ نے تمہارے لئے ایک طریقہ رائج کیا ہے، پس تم اس طریقہ کی پیروی کرو، چنانچہ اس دن سے مسبوق کی نماز کا طریقہ بدل گیا۔

غرض، اسلام کے دورِ اوّل میں نماز میں اس قسم کی ضروری باتیں جائز تھیں، پھر بعد میں یہ آیت نازل ہوئی قُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ [2] کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت اُتری: فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ وَنُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ [3] ہمیں نماز میں کلام کرنے سے روک دیا گیا اور چپ رہنے کا حکم دیا گیا۔

اس دور کی یہ حدیثیں کہ نمازی نماز میں باتیں کرتے تھے، حدیثیں ہیں اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، مگر وہ سنت نہیں ہیں، مگر اہل حدیث ان پر عمل کرتے ہیں۔ حرم شریف میں آپ کو یہ منظر دیکھنے کو ملے گا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہوگا، موبائل کی گھنٹی بجے گی، وہ جیب سے موبائل نکالے گا، بٹن دبا کر نمبر دیکھے گا، پھر کہے گا: اَنَا فِي الصَّلٰوةِ میں نماز پڑھ رہا ہوں، پھر موبائل جیب میں رکھ لے گا اور نماز پڑھتا رہے گا، اگر اس سے کچھ کہا جائے تو وہ یہ حدیث پیش کرے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نماز میں باتیں کرتے تھے، میں کیوں نہیں کرسکتا؟

بہرحال اس طرح کی حدیثیں منسوخ ہوگئی ہیں، مگر وہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، پس وہ سنت نہیں ہیں، سنت وہ حکم ہے جو بعد میں آیا ہے، اسی پر مسلمانوں کو چلنا ہے۔

بعد کا حکم کیا ہے؟ حضرت معاویہ بن حکم سُلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، نماز میں کوئی چھینکا، اس نے اگرچہ الحمد للہ نہیں کہا تھا مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: يَرْحَمُكَ اللهُ! اللہ تجھ پر رحم کرے! ساتھ والے نے ران پر ہاتھ مارا، اُن کو غصہ آیا اور کہا کہ میں

---

[1] ابوداؤد: ۵۰۶۔ [2] البقرۃ: ۲۳۸۔ [3] مسلم: ۱۲۰۳۔

Marfat.com

اُس کو دُعا دے رہا ہوں اور تو مجھے منع کر رہا ہے! خیر نماز پوری ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلا کر فرمایا: اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، اِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ [1] نماز میں لوگوں کی باتوں کی قطعاً گنجائش نہیں، نماز، قراءتِ قرآن، تسبیح، تکبیر اور تحمید کا نام ہے، پس یہی سنت ہے، کلام والی حدیثیں سنت نہیں، کیونکہ وہ منسوخ ہیں۔

حدیث کی دوسری قسم

وہ حدیثیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں

دوسری قسم یعنی وہ حدیثیں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں، وہ اگرچہ حدیثیں ہیں مگر سنت نہیں، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نکاح کے باب میں چار کی قید نہیں تھی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں نو بیویاں جمع ہوئی ہیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فعل ہے تو حدیث ہوئی مگر سنت نہیں، اُمت کو جس راستہ پر چلنا ہے وہ یہ ہے کہ چار ہی بیویاں ایک ساتھ جمع ہوسکتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل حضور کے ساتھ خاص ہے۔ سورۂ احزاب میں ایک لمبی آیت ہے: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ. اس میں آگے ہے: خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ یہ حکم خاص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ہے، مؤمنین کیلئے نہیں ہے، قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ [2] اُمت کے لئے ان کی بیویوں اور باندیوں کے سلسلے میں جو احکام ہیں وہ ہمیں معلوم ہیں، وہ ہم نے مقرر کئے ہیں، چنانچہ سورۂ نساء کے شروع میں ہے: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ [3] پس نکاح کرو تم ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، اُمت کے لئے یہی حکم ہے۔

نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے غیر محدود اور اُمت کیلئے محدود تعداد کیوں؟

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے غیر محدود نکاح کی اجازت کیوں تھی؟ اور اُمت کے لئے چار کی تعداد کیوں مقرر کی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُمت جو ایک سے زیادہ نکاح کرے گی وہ اپنی ضرورت سے کرے گی، یا عورت کی ضرورت

[1] مسلم: ۱۱۹۹۔ [2] الاحزاب: ۵۰۔ [3] النساء: ۳۔

Marfat.com

سے، عورت کی ضرورت سے یعنی اس کی کفالت کے لیے، مثلاً جنگیں ہوتی ہیں، حادثات پیش آتے ہیں، اور حادثات زیادہ تر مردوں کو پیش آتے ہیں، اور جب مسلسل جنگیں ہوتی ہیں تو بہت سی عورتیں بے سہارہ رہ جاتی ہیں، اور بے شمار عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، ایسی صورت میں اگر تعدد ازدواج کی اجازت نہیں ہوگی تو مفاسد کا دروازہ کھل جائے گا، اور عورتیں بھوک مری کا شکار ہونگی، یا حکومت کو ان کی کفالت کرنی پڑے گی، کیونکہ عورتوں کے ذمّے شریعت نے کمانا نہیں رکھا۔

اللہ ﷻ نے عورتوں پر بھاری ذمہ داری نہیں رکھی

کیونکہ عورتیں صنفِ نازک ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر کوئی بھاری ذمہ داری نہیں رکھی، جیسے کما کر کھانا، بھاری ذمہ داری ہے، چنانچہ جب تک عورت کی شادی نہیں ہوتی، باپ کے ذمہ اس کا خرچہ ہے، شادی کے بعد شوہر کے ذمہ ہے، بیوہ ہوگئی تو دوسرا نکاح کرلے، اور اگر بوڑھی ہوگئی کہ دوسرے شوہر کے قابل نہیں رہی تو اولاد کے ذمہ اس کا خرچہ ہے، اور اولاد نہیں ہے تو ذی رحم محرم کے ذمہ اس کا خرچہ ہے، اور اگر وہ بھی نہیں ہے تو حکومت کے ذمہ اس کا خرچہ ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زندگی کے آخر میں فرمایا تھا کہ اگر میں ایک سال زندہ رہا، تو عراق کی بیوہ عورتیں عمر کے علاوہ کسی کی محتاج نہیں رہیں گی، معلوم نہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن میں کیا منصوبہ تھا، اس فرمان کے تین دِن بعد آپ رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے اور وہ نظام اُمت کو نصیب نہیں ہوسکا۔

اس سے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کے ذمہ عورتوں کا خرچہ ہے، عورتوں کے ذمہ کمانا نہیں ہے، کیونکہ کما کر کھانا ایک بھاری ذمہ داری ہے، ایسے اور بھی مسئلے ہیں، مثلاً عورتوں کو نبوت کی ذمہ داری نہیں سونپی گئی، کبھی کوئی عورت نبی یا رسول نہیں بنائی گئی، کیونکہ نبوت کا کام، بھاری ذمہ داری ہے۔

اسی طرح جہاد عورتوں کے ذمہ نہیں رکھا، کیونکہ میدانِ جنگ میں پِتّے پانی ہوجاتے ہیں، حتیٰ کہ نفیر عام ہوجائے اور ہر شخص پر جہاد فرض ہوجائے تب بھی عورتوں پر جہاد فرض نہیں۔

Marfat.com

اسی طرح حکومت چلانا بھی بھاری ذمہ داری ہے، عورت اپنی وضع (نسوانی حالت) باقی رکھتے ہوئے حکومت نہیں چلاسکتی، قتل کے مقدمہ میں عورت کی گواہی معتبر نہیں، کیونکہ گواہی اس وقت دی جاسکتی ہے جب قتل کو گواہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور عورت قتل کے موقع پر باہوش نہیں رہ سکتی، اور قتل کا مشاہدہ نہیں کرسکتی۔

ان مثالوں سے اندازہ ہوگا کہ کوئی بھی بھاری ذمہ داری عورتوں پر نہیں رکھی گئی، انہی بھاری ذمہ داریوں میں سے کما کر کھانا بھی ہے، پس اگر کسی جنگ کے نتیجہ میں عورتیں بہت ہوگئیں اور مرد کم رہ گئے تو بیواؤں کا کیا ہوگا؟ ان کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہوگا اور حکومت ان کا بوجھ اُٹھائے اس سے بہتر یہ ہے کہ مرد حضرات ان سے شادی کرلیں، کیونکہ عورت کو صرف روزی روٹی کی ضرورت نہیں ہوتی، عورت کی ایک فطری ضرورت بھی ہے، جو نکاح ہی سے پوری ہوسکتی ہے۔

اسی لئے مرد اتنی ہی عورتیں کرسکتا ہے جن کی نفسانی ضرورت پوری کرسکے اور یہ بات اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ ایک مرد کتنی عورتوں کی ضرورت پوری کرسکتا ہے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ نے چار کی تعداد مقرر کردی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنے نکاح کئے ہیں، ان میں سے دو کے علاوہ کوئی نکاح اپنی ضرورت سے نہیں کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال کی تھی تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، یہ نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ضرورت سے کیا تھا، پھر جب ان کا انتقال ہوگیا تو گھریلو ضرورت سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس کے بعد ایک نکاح (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) اللہ نے اور کرایا، مگر وہ بیوی صاحبہ گھر میں نہیں آئیں، یہ نکاح ایک خواب کی بنا پر ہوا تھا، بخاری میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا، فرشتہ ایک ریشمی کپڑا لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: یارسول اللہ! اس کو کھولیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھولا تو اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نظر آئیں، یہ خواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو تین مرتبہ دیکھا۔

Marfat.com

نبی کا خواب وحی ہوتا ہے اور اس کی بھی تعبیر ہوتی ہے

نبی کا خواب وحی ہوتا ہے اور جیسے ہمارے خوابوں کی تعبیر ہوتی ہے نبی کے خواب کی بھی تعبیر ہوتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو حکم ملا تھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں، وہ حکم خواب کے ذریعہ ملا تھا، انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل کی قربانی کر رہے ہیں، خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ بیٹے کی قربانی کرنے کا رواج نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سو اونٹوں کی قربانی کر کے غریبوں میں ان کا گوشت بانٹا، کیونکہ ایک جان کی دیت سو اونٹ ہوتی ہے، اگلی رات پھر وہی خواب دیکھا، اب بھی سمجھ میں نہیں آیا، پھر سو اونٹوں کی قربانی کر کے غریبوں میں ان کا گوشت بانٹا، تیسری رات پھر وہی خواب دیکھا، اب حضرت سمجھے کہ یہ اس خواب کی تعبیر نہیں ہے، بیٹے ہی کی قربانی مقصود ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام بیت المقدس سے سفر کر کے مکہ مکرمہ پہنچے اور بیٹے سے کہا: اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی پس بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجئے، میں ذبح ہونے کے لئے تیار ہوں، آپ مجھے اگر اللہ جل جلالہ نے چاہا تو برداشت کرنے والوں میں سے پائیں گے یعنی میں ہمت کر کے ذبح ہونے کی تکلیف برداشت کرلوں گا۔[1]

غور فرمائیں، اسماعیل علیہ السلام نے کہا ہے: اِفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ اس سے معلوم ہوا کہ خواب بھی اَمر ہے، ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خواب دکھایا گیا تھا اس میں فرشتہ نے اگرچہ صرف اتنا کہا تھا کہ هٰذِهٖ اِمۡرَأَتُكَ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیہ ہیں، مگر وہ اَمر (حکم) تھا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنۡ یَکُ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ یُمۡضِهٖ اگر یہ بات اللہ کی طرف سے طے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی شکل کریں گے۔[2]

اُدھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے طور پر سوچ رہے تھے کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کردیں،

---

[1] صافات: ۱۰۲۔ [2] بخاری: ۳۸۹۵۔

Marfat.com

کیونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا زیادہ دنوں کی مہمان نہیں تھیں، اس لئے چند سالوں کے بعد جب وہ نہیں رہیں گی یا بوڑھی ہو جائیں تو عائشہ رضی اللہ عنہا بالغ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر سنبھال لیں گی۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیش کش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ کئی مرتبہ خواب دیکھ چکے تھے، اس لئے ان کی پیش کش منظور کر لی، یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نکاح اپنی ضرورت سے نہیں کیا تھا۔

اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ کنواریوں میں سے صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا ہے، ان کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح نہیں کیا، اور اس نکاح کے فوائد بعد میں ظاہر ہوئے، انہوں نے آدھا دین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخذ کیا۔

پھر ہجرت کا زمانہ آ گیا، ہجرت کے دو سال بعد تک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو سنبھالے رہیں، پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بالغ ہو گئیں تو وہ رخصت ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں آ گئیں، یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچپن سال کی ہو چکی تھی اور زندگی کے صرف آٹھ سال باقی رہ گئے تھے، انہی آخری آٹھ سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقی نکاح کئے ہیں، پس اگر کسی کے پاس معمولی عقل بھی ہے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ شوق کا زمانہ نہیں، بلکہ کسی مصلحت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نکاح کئے ہیں۔

وہ مصلحت کیا تھی؟ تین مصلحتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نکاح کئے ہیں: سیاسی، ملی اور شخصی۔ جب مذکورہ مصلحتیں تھیں تو حد کیسے مقرر کی جاتی؟ اور نبی معصوم ہوتا ہے، اس لئے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بیوی صاحبہ کی حق تلفی کریں گے، اس لئے نکاح کے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔

اصل مضمون یہ چل رہا تھا کہ تین قسم کی حدیثیں ہیں، جو سنت نہیں ہیں، ان میں سے دو کا بیان ہو چکا، وہ حدیثیں جو منسوخ ہیں، اور وہ حدیثیں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں، حدیثیں ہیں مگر سنت نہیں، اب تیسری قسم سنیں:

Marfat.com

حدیث کی تیسری قسم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مصلحت سے کوئی بات فرمائی یا کوئی عمل کیا تو وہ حدیث ہے مگر سنت نہیں، اس کی پانچ مثالیں سنیں اور اتنی مثالیں اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ یہ مسائل سمجھنے ضروری ہیں۔

پہلی مثال، مغرب سے پہلے نفلیں پڑھنا سنت نہیں

بخاری شریف میں ایک باب ہے بَابُ الصَّلٰوۃِ قَبۡلَ الۡمَغۡرِبِ [1] نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مغرب سے پہلے نفلیں پڑھو، یہ بات دو مرتبہ فرمائی، پھر تیسری مرتبہ لِمَنۡ شَاءَ بڑھایا یعنی مغرب سے پہلے کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لِمَنۡ شَآءَ اس لئے بڑھایا کہ لوگ اس کو سنت نہ بنالیں، خَشۡیَۃَ اَنۡ یَّتَّخِذَھَا النَّاسُ سُنَّۃً اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اس نماز کو سنت بنالیں [2]۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث اور سنت الگ الگ چیزیں ہیں۔

اور ارشاد پاک: صَلُّوۡا قَبۡلَ صَلٰوۃِ الۡمَغۡرِبِ مسئلہ سمجھانے کے لئے ہے، عصر کے فرض پڑھنے کے بعد جو نفلوں کی ممانعت ہے وہ غروبِ شمس تک ہے، سورج چھپتے ہی کراہیت ختم ہوجاتی ہے، اب کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، مگر اس وقت میں نفلیں پڑھنا سنت نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب سے پہلے کبھی نفلیں نہیں پڑھیں، چاروں خلفاء نے بھی نہیں پڑھیں۔

اور اگر کوئی کہے کہ جب مغرب کی اذان ہوتی تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستونوں کی آڑ لے کر نفل پڑھتے تھے [3] تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دور مابعد کا واقعہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے جواز ثابت ہوتا ہے اور یہ جواز تو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے بھی ثابت ہے اور جواز میں کوئی کلام نہیں، اگر مغرب کے فرضوں میں تاخیر نہ ہو اور کوئی نفلیں پڑھے تو بلاشبہ جائز ہے مثلاً رمضان میں اذان کے دس منٹ کے بعد نماز کھڑی ہوتی ہے، پس کوئی کھجور سے افطار کر کے نفلیں پڑھے، تو پڑھے، لیکن اگر اس کو سنت بنالیا جائے تو پھر پورے سال پندرہ منٹ

---

[1] کتاب التجد باب ۳۵ حدیث ۱۱۸۳۔ [2] ابوداود: ۱۲۸۱۔ [3] بخاری: ۶۲۵، ترمذی: ۱۸۵۔

Marfat.com

کے بعد مغرب کی نماز کھڑی ہوگی، جو سنت کے خلاف ہے، مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مطلوب ہے۔

دوسری مثال، کھڑے ہوکر پیشاب کرنا سنت نہیں

نبی ﷺ نے زندگی میں ایک مرتبہ ایک قوم کی کوڑی پر کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا۔[1] یہ حدیث ہے، مگر سنت نہیں، یہ دینی طریقہ نہیں، آپ ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب فرماتے اور وہی سنت ہے۔

پھر حضور ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیوں فرمایا؟ مسئلہ کی وضاحت کے لئے، کبھی انسان کو ایسی مجبوری پیش آتی ہیں کہ بیٹھ نہیں سکتا، مثلاً کوڑی ہے، گندگی کی جگہ ہے، ایسی مجبوری میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے، یا کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتا، تب بھی یہی حکم ہے، بیل کی طرح کھڑے کھڑے موتنا، سنت کے خلاف ہے، یہ غیروں کا طریقہ ہے۔

پھر سنت کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ. مَا كَانَ يَبُوْلُ اِلَّا قَاعِدًا اگر تم سے کوئی بیان کرے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی تھی تو ہرگز اس کی بات نہ ماننا، آپ ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب فرمایا کرتے تھے۔[2]

ایک لطیفہ

نیویارک کی ایک مسجد میں ایک غیر مقلد حدیث کی تعلیم کر رہا تھا، اس نے یہی کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی روایت بیان کی اور کہا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا سنت ہے، اس حدیث سے یہ بات صراحۃً ثابت ہوتی ہے، مجمع میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ یہ سنت صرف مردوں کے لئے ہے یا عورتوں کے لئے بھی ہے؟ بس اس کی سٹی گم ہوگئی۔

---

[1] بخاری: ۲۲۴، ۲۲۷ـ [2] ترمذی: ۱۲، نسائی: ۲۹، ابن ماجہ: ۳۰۷ـ

Marfat.com

تیسری مثال، حیض کے زمانے میں بیوی کو ساتھ لٹانا سنت نہیں

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے حیض کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: لنگی باندھ کر میرے ساتھ لیٹ جاؤ، یہ مسئلہ کا بیان تھا، سنت نہیں ہے، واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ آپ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹے ہوئے تھے، رات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حیض شروع ہوا، وہ چپکے سے کھڑی ہوگئیں، ایسے موقع پر عورتیں روئی لنگوٹ (پیڈ) وغیرہ باندھتی ہیں، آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا ماہواری شروع ہوگئی؟ انہوں نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: جو کپڑے باندھنے ہیں وہ باندھ لو، پھر لنگی پہن کر میرے ساتھ لیٹ جاؤ، کیونکہ رات آدھی ہوگئی ہے، گھر میں کوئی چراغ نہیں ہے، مسجدِ نبوی میں چراغ نہیں جلتا تھا، گھر میں چراغ کہاں سے آتا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: لنگی باندھ کر میرے ساتھ لیٹ جاؤ۔

یہ زندگی میں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے اور مسئلہ کا بیان ہے، سنت نہیں ہے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ واقعہ بیان کرتیں تو ساتھ ہی یہ بھی کہتیں وَاَیُّکُمْ یَمْلِكُ اَرْبَه تم میں سے کون اپنی خواہش پر کنٹرول کر سکتا ہے؟[1] یعنی اس کو سنت سمجھ کر حالتِ حیض میں بیوی کو ساتھ نہ لٹاؤ، ورنہ گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

حالتِ حیض میں بیوی سے کتنا قریب ہو سکتے ہیں؟

اور وہ مسئلہ کیا ہے جس کی آپ ﷺ نے اپنے عمل سے وضاحت فرمائی ہے؟ جواب: حیض کے بارے میں قرآن کریم میں آیت ہے:

وَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ ۔ قُلْ هُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ [2]

"لوگ آپ ﷺ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ ﷺ بتلائیں کہ حیض کی حالت، تکلیف دہ حالت ہے، اس گندگی کی حالت میں صحبت کرنا سوزاک کی بیماری پیدا کرتا ہے، اور

[1] ابوداؤد: ۲۷۳۔ [2] البقرۃ: ۲۲۲۔

Marfat.com

اس زمانے میں صحبت کرنے سے بیوی کو بھی تکلیف ہوتی ہے، اس لئے حیض کی حالت میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے نزدیک مت جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں۔

اب اس کی وضاحت ضروری ہے کہ کتنا علیحدہ رہنا ضروری ہے اور کتنا نزدیک جانا جائز ہے اور کہاں تک جانے پر پابندی ہے؟ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہودیوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حیض کے زمانہ میں عورت کو علیحدہ کمرہ دیتے تھے، اس کے کمرے میں شوہر نہیں جاتا تھا، حائضہ کے ہاتھ کا پکا ہوا بھی کوئی نہیں کھاتا تھا، آج بھی یہود کا یہی طریقہ ہے، چنانچہ صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ یہود کی مخالفت کرو، پس کیا ہم حالتِ حیض میں بیوی سے صحبت نہ کریں؟ تا کہ ان کی پوری مخالفت ہوجائے، اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی، اور اس میں حکم دیا کہ حیض کے زمانے میں عورتوں سے علیحدہ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں، ان کے نزدیک مت جاؤ، اب اس اجمال کی وضاحت ضروری تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مختلف انداز سے اس آیت کی تفسیر بیان کی:

۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حالتِ حیض میں ہوتی تھیں اور آپ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ہی پلیٹ میں کھاتے تھے، معلوم ہوا کہ اتنا قریب جاسکتے ہیں۔

۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گوشت کی بوٹی آدھی کھائی ہوئی تھی، باقی ان کے ہاتھ سے لے کر آپ ﷺ نوش فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ اتنا نزدیک جانا بھی جائز ہے، اُس بوٹی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لعاب لگا ہوا ہوتا تھا اور اس بوٹی کو آپ ﷺ نوش فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ حائضہ کا تھوک پاک ہے، اور جب تھوک پاک ہے تو پسینہ بھی پاک ہے۔

۳) آپ ﷺ اعتکاف میں ہوتے تھے، مسجد میں بیٹھے ہوئے سر حجرے میں نکال دیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نیچے برتن رکھ کر سر مبارک دھوڈالتی تھیں، پھر بال خشک کر کے تیل ڈال کر کنگھا کر دیتی تھیں اور وہ حالت حیض میں ہوتی تھیں، معلوم ہوا کہ بیوی حالتِ حیض میں شوہر کی

Marfat.com

یہ خدمت بھی کر سکتی ہے۔

۴) اور مذکورہ واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لنگی باندھ کر میرے ساتھ آ کر لیٹ جاؤ، چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ حیض کے زمانے میں ناف سے گھٹنے تک بدن کو کپڑے کی آڑ کے بغیر ہاتھ لگانا جائز نہیں، کیونکہ اس سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزدیک نہیں ہوئے۔

چوتھی مثال، بچے کو گود میں لے کر نماز پڑھنا سنت نہیں

ایک مرتبہ جب تکبیر ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نواسی کو گود میں لئے ہوئے گھر سے تشریف لائے اور اس بچی کو گود میں اُٹھائے ہوئے پوری نماز پڑھائی، جب سجدہ کرتے تھے تو بچی کو نیچے بٹھا دیتے تھے، اگلی رکعت میں پھر اس کو گود میں لے لیتے تھے۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ یہ عمل کیا ہے اور یہ بھی مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں اس بچی کو دس منٹ کے لئے کوئی رکھنے والا نہیں تھا؟ ضرور تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالقصد بچی کو لے کر آئے تھے اور اس کے ساتھ نماز پڑھا کر دکھائی تھی، کیونکہ بعض دفعہ ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ آدمی کبھی ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں بچہ کو بٹھا کر نماز پڑھے گا تو درندہ اس کو پھاڑ کھائے گا، یا اغوا کرنے والے اُچک لے جائیں گے، ایسی صورت میں آدمی کیا کرے؟ بچے کو گود میں لے کر نماز پڑھے، نماز قضاء نہ کرے، اور کبھی گھر میں ایسا ہوتا ہے کہ بچہ کسی وجہ سے ڈر جاتا ہے، ماں سے جدا نہیں ہوتا، جدا کرتی ہے تو روتا ہے، اور گھر میں کوئی دوسرا خیال رکھنے والا نہیں، ایسی صورت میں کیا ماں نماز قضا کرے گی؟ نہیں! بچے کو گود میں اُٹھا کر نماز پڑھے گی، مگر شرط یہ ہے کہ بچے کا بدن اور کپڑے پاک ہوں۔

غور کریں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمل کر کے ماؤں کے لئے کتنا بڑا راستہ کشادہ کر دیا، اب اگر کوئی کہے کہ یہ سنت ہے اور وہ چھوٹے بچے کو گود میں لے کر نماز پڑھے تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ سنت نہیں، یہ عمل تو مسئلہ کی

---

[1] نسائی: ۱:۱۳۷۔

Marfat.com

وضاحت کے لئے کیا تھا، پس یہ حدیث ہے، سنت نہیں۔

ناسمجھ بچوں کو مسجد میں لانا ممنوع ہے

لوگ چھوٹے بچوں کو مسجد میں لے کر آجاتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں، وہ صفوں میں دوڑتے پھرتے ہیں اور لوگوں کی نماز خراب کرتے ہیں، حالانکہ ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے: جَنِّبُوْا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ [1] اپنی مسجدوں کو اپنے (ناسمجھ) بچوں سے بچاؤ، جب تک بچے پاکی ناپاکی کو نہ سمجھیں اور مسجد کا احترام نہ جانیں، بچوں کو مسجد میں لانا منع ہے، لوگ یہ حدیث پیش کرتے ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ عمل مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، سنت نہیں تھا۔

سنت کی کسوٹی صحابہ کا عمل ہے

سوال: ہم کیسے جانیں کہ حضور ﷺ نے یہ جو عمل کیا ہے، وہ مسئلہ نہیں ہے، مصلحت ہے؟ اس کے پہچاننے کے لئے کسوٹی کیا ہے؟

جواب: کسوٹی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا ہے یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو وہ سنت ہے، ورنہ وہ عمل کسی مصلحت سے ہے، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پورا دور دیکھیں، کسی صحابی نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا اور ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ کسی صحابی سے حالتِ حیض میں بیوی کو ساتھ لٹانا منقول ہو اور کبھی بھی کسی صحابی نے بچے کو گود میں لے کر مسجد میں آ کر نماز نہیں پڑھی ہوگی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ سنتوں کا عاشق کون تھا؟ اگر یہ اعمال سنت ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور ان پر عمل کرتے، پس یہ اس بات کی کسوٹی ہے کہ یہ حدیثیں، محض حدیثیں ہیں، سنت نہیں ہیں اور آپ ﷺ کے یہ سب اعمال کسی مصلحت سے ہیں۔

پانچویں مثال، زور سے آمین کہنا حنفیہ کے نزدیک سنت نہیں

اُنہی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت: تعلیم اُمت بھی ہے، جب حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف

---

[1] سنن ابن ماجہ، بَابُ مَا يُكْرَهُ فِي الْمَسَاجِدِ، رقم الحدیث: ۷۵۰۔

Marfat.com

لائے تو بیس دن ٹھہرے ہیں اور ساٹھ جہری نمازیں آپ ﷺ کے پیچھے پڑھی ہیں، ان میں سے تین نمازوں میں آپ ﷺ نے زور سے آمین کہی ہے، یہ جہر حضرت وائل کی تعلیم کے لئے تھا، پس یہ بھی حدیث ہے، سنّت نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ یمن کے نواب زادے تھے، جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وہاں گورنر بنا کر بھیجے گئے اور انہوں نے دعوت کا کام شروع کیا تو حضرت وائل رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے، ایک تو وہ بڑے آدمی تھے، دوسرے وہ خود سمجھدار تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کو مشورہ دیا کہ مدینہ جاؤ اور حضور ﷺ سے ملو، حضور ﷺ تمہیں دیکھ کر خوش ہوں گے چنانچہ وہ یمن سے مدینہ آئے، جب تین دن کی مسافت پر رہ گئے تو وحی سے آپ ﷺ کو اطلاع ملی، آپ ﷺ نے صحابہ کو خوش خبری سنائی چنانچہ سارا مدینہ منتظر تھا کہ کوئی نوابزادہ مسلمان ہو کر آرہا ہے، پھر جب وہ مدینہ پہنچے تو نبی ﷺ نے مسجد سے نکل کر ان کا استقبال کیا اور ان کو خوش آمدید کہا، پھر ان کو اپنے ساتھ لائے اور اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ بیس دن حضور ﷺ کے پاس رہے ہیں، ان بیس دنوں میں آپ ﷺ نے نماز پڑھنے کیلئے اپنے پیچھے پہلی صف میں جگہ متعین کر دی تھی، وہ کہتے ہیں جب نبی ﷺ نے پڑھا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ تو آمین کہی اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کھینچی، یعنی زور سے آمین کہی، آگے روایت میں ہے سَمِعْتُهُ وَاَنَا خَلْفَهٗ میں نے آپ ﷺ کی آمین سنی، درانحالیکہ میں آپ ﷺ کے پیچھے تھا۔[1]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنی زور سے آمین کہی ہوگی، آج کل زور سے آمین کہنے والے دو غلطیاں کرتے ہیں: ایک: چلّا کر آمین کہتے ہیں، حالانکہ حضور ﷺ نے اتنی زور سے آمین کہی تھی کہ پہلی صف میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے سُن لی تھی، لوگ اسی حدیث کی بناء پر زور سے آمین کہتے ہیں کہ آمین کے الف کو کھینچتے ہیں اللہ جانے وہ کون سا ''مدّ'' کرتے ہیں، اس کو صرف ایک الف کے بقدر کھینچنا چاہئے۔

---

[1] نسائی:۹۴۵۔

Marfat.com

بہر حال حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آمین کہی اور میں نے پہلی صف میں سنی، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثلاثاً آمین کہی، ثلاثاً کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ آمین کہی، مگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ثلاثاً کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ تین نمازوں میں جہراً آمین کہی ہے اور دُولابی کی کتاب الاسماء والکنی میں روایت ہے:

حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مَا اَرَاهُ اِلَّا لِيُعَلِّمَنَا جہاں تک میرا خیال ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زور سے آمین مجھے سکھلانے کے لئے کہی تھی۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہراً آمین کہنا ایک خاص مصلحت سے تھا، پس اس سے بھی صرف جواز ثابت ہوتا ہے، سنّت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

بہر حال مضمون یہ چل رہا تھا کہ حدیث اور سنّت میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے، اور جہاں یہ نسبت ہوتی ہے وہاں تین مادے ہوتے ہیں، ایک مادۂ افتراق کا بیان ہو چکا کہ تین قسم کی روایتیں حدیثیں ہیں، سنّت نہیں ہیں: ایک، وہ حدیثیں جو منسوخ ہیں، دوسری، وہ حدیثیں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں، تیسری، وہ حدیثیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی ارشاد فرمایا ہے یا کوئی عمل کیا ہے، کسی مصلحت سے یا کوئی مسئلہ سمجھانے کے لئے۔

خلفائے راشدین کی سنّت کی پیروی کا حکم

دوسرا مادۂ افتراق: اور کچھ چیزیں سنّت ہیں، مگر حدیث نہیں، وہ خلفائے راشدین کی سنّتیں ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ [2]

---

[1] الکنی والأسماء للدولابی، رقم الحدیث: ۱۰۹۰۔ [2] ابوداود: ۴۶۰۷۔

Marfat.com

میری سنّت مضبوط پکڑو، اور میرے بعد میرے جو جانشیں آئیں گے ان کی سنّت مضبوط پکڑو۔

یہاں کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اللہ کے نبی تو اللہ کے نبی ہیں، گفتہ او گفتہ اللہ بود، آپ ﷺ کا فرمایا ہوا تو اللہ کا فرمایا ہوا ہے، مگر یہ خلفائے راشدین کوئی نبی ہیں کہ ان کی سنّت کی پیروی کی جائے؟

اس لئے آگے فرمایا: ''الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ'' کہ ان کی سنّت کی پیروی اس لئے ضروری ہے کہ وہ راشد ہوں گے، راشد کے معنی ہیں: راہ یاب، اور فرمایا: وہ مہدی ہونگے، مہدی کے معنی ہیں: ہدایت مآب، یعنی ہدایت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہوگی۔

یہ بنیاد ہے ان کی سنّت کی پیروی کرنے کی، اور ہم جو ائمہ کی تقلید (پیروی) کرتے ہیں اس کی بھی یہی بنیاد ہے اور غلطی کا احتمال اگر ابوحنیفہ و شافعی رحمہما اللہ میں ہے تو ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم میں بھی ہے، لیکن غلطی کے احتمال کے باوجود خلفائے راشدین کی سنّت کی پیروی ضروری ہے، پس اسی بنیاد پر مجتہدین کی پیروی بھی ضروری ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی عالم دین ہونے کی وجہ سے ہے، قرآن وحدیث کا کامل علم رکھنے کی وجہ سے ہے، چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول مذہب میں موجود ہوتا ہے، مگر دلائل سے وہ قوی نہیں ہوتا تو امام صاحب کا قول چھوڑ دیا جاتا ہے، اور صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ پیروی دلائل کی کی جاتی ہے، محض قول کی پیروی نہیں کی جاتی۔

یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ پھر مذہب حنفی کیوں کہتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک رمزی نام ہے، ایک مکتب فکر کا نام ہے، معین شخص مراد نہیں، چنانچہ آج نئے مسائل میں مفتی صاحبان جو فتوے دیتے ہیں وہ بھی مذہب حنفی میں شامل ہوتے ہیں۔ بہر حال مجتہدین کی پیروی بھی اسی بنیاد پر ہے جس بنیاد پر خلفائے راشدین کی سنّت کی پیروی کا حکم ہے۔

پھر فرمایا: تَمَسَّكُوْا بِهَا: بِهِمَا نہیں فرمایا، یعنی میرے خلفاء کی سنّت کو مضبوط پکڑو، مفرد کی ضمیر ہے اور ضمیر قریب مرجع کی طرف لوٹتی ہے، پس هَا کا مرجع سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ ہے، کیونکہ حضور ﷺ کی سنّت کو تو ہر مسلمان

Marfat.com

قبول کرے گا، وہ تو اللہ کے نبی ہیں، اور اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں لیکن خلفائے راشدین کی سنتوں کو غیر مقلد نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں: خلفائے راشدین کون سے انبیاء ہیں؟ اس لئے حضور ﷺ نے تاکید فرمائی کہ خلفائے راشدین کی سنتوں کو بھی مضبوط پکڑو، پھر مزید تاکید فرمائی: عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ان کو داڑھوں سے مضبوط پکڑو، خلفائے راشدین کی یہی سنتیں ہیں، مگر حدیث نہیں ہیں۔

خلفائے راشدین کی سنتوں کو مضبوط پکڑنے کا حکم کیوں ہے؟

نبی پاک ﷺ کے زمانہ تک قومی حکومت (نیشنل گورنمنٹ) قائم ہوئی تھی، بین الاقوامی حکومت (انٹرنیشنل گورنمنٹ) قائم نہیں ہوئی تھی، چنانچہ نیشنل حکومت کے احکام حضور ﷺ نے بیان فرمائے، مگر انٹرنیشنل حکومت کے احکام بیان نہیں فرمائے، اگر ابھی وہ احکام بیان کئے جاتے تو وہ قبل از وقت ہوتے اور قبل از وقت بیان کئے ہوئے احکام سمجھ میں نہیں آتے اور سمجھے بغیر یاد بھی نہیں رکھے جاسکتے۔

جیسے آج کل کلوننگ (قلم لگانے) کا مسئلہ چل رہا ہے، اگر حضور ﷺ اس کے احکام بیان کرتے تو صحابہ کیسے سمجھتے؟ اسی طرح اگر حضور ﷺ انٹرنیشنل حکومت کے احکام بیان فرماتے تو صحابہ کیسے سمجھتے؟ اور نہ سمجھتے تو یاد کیسے کرتے؟ اور اُمّت تک کیسے پہنچاتے؟ کیونکہ مسئلہ وقت پر ہی سمجھ میں آتا ہے، اور وقت پر ہی بیان کیا جاتا ہے۔

انٹرنیشنل خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قائم ہوئی اور جب بین الاقوامی حکومت قائم ہوتی ہے تو ملک میں مختلف مذاہب اور مختلف قومیں آباد ہو جاتی ہیں اور ملت بھی بہت وسیع ہو جاتی ہے، اس لئے ملک و ملت کو منظم کرنے کیلئے جو احکام خلفائے راشدین نے جاری کئے ہیں، بالخصوص ان کو مضبوط پکڑنا ضروری ہے۔

وہ روایتیں جو حدیثیں بھی ہیں اور سنّت بھی

اور مادۂ اجتماع: وہ سب روایتیں ہیں جو معمول بہا ہیں، وہ حدیث بھی ہیں اور سنّت بھی، اور ایسی روایتیں بے شمار ہیں، پس ثابت ہوا کہ حدیث اور سنّت ایک نہیں، دونوں میں فرق ہے، مگر ایک فرقہ جو خود کو اہل حدیث کہتا ہے، وہ کوئی بھی حدیث مل جائے، اس پر عمل کرنے کیلئے تیار رہتا ہے، خواہ وہ عمل سنت نہ ہو جیسا کہ تفصیل اوپر گزری ہے۔

Marfat.com

ضعیف روایات اور موضوعات کا حکم ایک نہیں

دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ ان کے نزدیک عمل کے اعتبار سے ضعیف روایت، موضوع روایت کے برابر ہوتی ہے، حالانکہ ضعیف حدیث ہے اور موضوع تو حدیث ہی نہیں۔ موضوع، وہ بات ہے جو لوگوں نے گھڑ کر حضور ﷺ کے نام لگا دی ہو، جیسے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا، یہ حدیث قطعاً باطل ہے، یہ حدیث زرقانی کی مواہب لدنیہ میں ہے اور زرقانی نے مصنف عبدالرزاق کا حوالہ دیا ہے، یہ کتاب گیارہ جلدوں میں چھپ چکی ہے، مولانا سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے گیارہ طلباء کو ایک ایک جلد دے کر بٹھایا کہ اس کا ایک ایک حرف پڑھو اور تلاش کرو یہ حدیث کہاں ہے؟ مصنف عبدالرزاق میں طلباء کو یہ حدیث نہیں ملی اور مواہب لدنیہ میں یہی ایک حوالہ ہے اور عجلونی کی کشف الخفاء میں بھی یہ حدیث زرقانی ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے اور کوئی حوالہ نہیں دیا اور سعید زغلول نے موسوعہ اطراف الحدیث میں کشف الخفاء ہی کا حوالہ دیا ہے، زرقانی کا حوالہ نہیں دیا۔

یہ حدیث اس طرح ہے:

آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں پیدا کرنے سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا، پس وہ نور اللہ کی قدرت سے جہاں اللہ نے چاہا گھومتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی، نہ قلم، نہ جنّت، نہ جہنم، نہ فرشتے، نہ آسمان، نہ زمین، نہ دوزخ، نہ چاند، نہ جنات، نہ انسان۔ پھر جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نور کے چار حصے کیے، پہلے جزء سے قلم، دوسرے جزء سے لوح، تیسرے سے عرش پیدا کیا، اور چوتھے حصہ کے پھر چار حصے کیے، پہلے حصہ سے حاملین عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی فرشتے پیدا کیے، پھر چوتھے جزء کے چار حصے کیے، اول سے آسمان، ثانی سے زمینیں، ثالث سے جنّت وجہنم پیدا کیں، پھر چوتھے حصہ کے چار حصے کیے، اول سے مومنین کی آنکھوں کی

Marfat.com

روشنی، دوم سے ان کے دلوں کا نور یعنی اللہ کی معرفت، سوم سے ان کی انسیت کا نور یعنی توحید: لا الٰہ الا اللہ: محمد رسول اللہ کو بنایا۔

ابھی حدیث اور بھی ہوگی، کشف الخفا میں اتنی ہی نقل کی ہے، اس حدیث کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، گھڑی ہوئی بات ہے اور ایسی حدیثیں موضوع کہلاتی ہیں، یہ حدیثیں نہیں، پس حدیث اور موضوع، متن کی صفتیں ہیں، جو بات نبی ﷺ نے فرمائی ہے، وہ حدیث ہے، اور جو لوگوں نے آپ ﷺ کے نام لگائی ہے، وہ موضوع ہے۔

اور وہ حدیثیں جو حضور ﷺ ہی نے فرمائی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں: صحیح، حسن اور ضعیف۔ یہ متن کی صفتیں نہیں ہیں، بلکہ سند کی صفتیں ہیں یعنی نبی پاک ﷺ سے وہ حدیثیں جو مصنفین کتب تک پہنچی ہیں وہ کیسے راویوں کے توسط سے پہنچی ہیں؟ اگر سب راوی اعلیٰ درجہ کے ہیں تو وہ حدیث، صحیح ہے، اور اگر کوئی راوی خفیف الضبط ہے تو وہ حدیث، حسن ہے، اور اگر کوئی راوی کمزور ہے تو وہ حدیث، ضعیف ہے۔

البانی صاحب کا کارنامہ

جب سے حدیثیں کتابوں میں لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے: صحیح، حسن اور ضعیف تینوں قسموں کو ایک ہی کتاب میں جمع کیا جاتا تھا اور موضوع کے لئے الگ کتابیں لکھی جاتی تھیں، اور چونکہ سند کے اعتبار سے درجے ہو گئے ہیں، اس لئے فقہاء نے مسائل اخذ کرنے کے اعتبار سے بھی درجے قائم کئے ہیں، اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث بھی ہے اور حسن بھی تو فقہاء پہلے صحیح کو لیتے ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث بھی ہے اور ضعیف بھی تو فقہاء صحیح کو لیتے ہیں، ضعیف کو نہیں لیتے، اسی طرح حسن اور ضعیف جمع ہو جائیں تو حسن کو لیں گے، ضعیف کو نہیں لیں گے، اور اگر کسی مسئلہ میں صرف ضعیف روایت ہو تو دیکھیں گے کہ ضعف کیسا ہے؟ محتمل یعنی قابل برداشت ہے تو چاروں فقہاء اس سے مسائل میں استدلال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب مختلف سندوں سے کوئی حدیث آئے تو وہ حسن لغیرہ اور قابل استدلال ہو جاتی ہے، جیسے صلاۃ التسبیح کی کوئی حدیث صحیح نہیں، سب

Marfat.com

ضعیف ہیں، مگر گیارہ حدیثیں ہیں، پس سب مل کر حسن لغیرہ ہو جائیں گی، اور اس سے صلوٰۃ التسبیح کا استحباب ثابت ہوگا، چنانچہ دوراوّل سے صلاۃ التسبیح مسلمان پڑھتے چلے آرہے ہیں اور اگر ضعف قابلِ برداشت نہ ہو، اور سند ایک ہی ہو تو فضائل اعمال میں وہ روایت معتبر ہے، مسائل اس سے ثابت نہیں کئے جاتے۔

بہر حال چاروں فقہاء کے نزدیک صحیح، حسن اور ضعیف سب حدیثیں ہیں، اور اپنے اپنے درجے میں معمول بہا ہیں، اب ایک صاحب آتے ہیں جناب ناصر الدین البانی صاحب، انہوں نے حدیث کی کتابوں میں سے پہلے ضعیف روایتوں کو الگ کیا، ضعیف ابی داؤد، ضعیف جامع صغیر، ضعیف مشکوٰۃ وغیرہ کتابیں لکھیں، پھر انہوں نے ان سب ضعیف حدیثوں کو موضوع حدیثوں کے ساتھ ملا دیا، اور کئی جلدوں میں کتاب لکھی: سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة واثرها السیئ فی الامة یعنی ضعیف اور موضوع روایات کا مجموعہ جن سے اُمّت کو سخت نقصان پہنچا ہے، اس طرح عرب ممالک کے نوجوانوں کا اور یورپ اور امریکہ کے جوانوں کا ایک ذہن بنا دیا کہ ضعیف حدیث، موضوع حدیث ہے، جب بھی کوئی حدیث ان کے خلاف پیش کی جائے گی تو فوراً کہیں گے: هٰذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ اور مراد لیں گے کہ یہ حدیث موضوع ہے، یہ حدیث ہی نہیں۔

یہ کارنامہ جناب عالی نے انجام دیا ہے، اور ساری اُمّت کا ذہن خراب کر دیا ہے، عرب ممالک میں اگرچہ البانی کی اس حرکت کے ازالہ کے لئے محنتیں ہو رہی ہیں، مگر وہ کتابیں یورپ تک نہیں پہنچی، اس لئے یورپ میں البانی صاحب نے جوانوں کو جو "زہر" پلایا ہے اس کا ازالہ کرنے کے لئے وقت درکار ہے۔

غرض صحیح بھی حدیث ہے، حسن بھی حدیث ہے اور ضعیف بھی حدیث ہے، مگر حجت سنّت ہے، محض حدیث جو سنت نہیں، وہ حجت نہیں، اسی طرح خلفائے راشدین نے ملک وملت کی تنظیم کیلئے جو طریقے رائج کئے ہیں وہ اگرچہ حدیثیں نہیں ہیں، مگر سنّت ہیں اور حجت ہیں، اب خلفائے راشدین کی سنتوں کی ایک ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنّت

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو جزیرۃ العرب میں لوگ تین طرح کے تھے، ایک مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے، ان سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا، اور ان کو کیفر کردار تک پہنچایا، دوسرے مسلمان جو بڑی تعداد میں تھے، تیسرے وہ لوگ جو مسلمان تھے مگر انہوں نے کہا کہ ہم اپنی زکوتیں سنٹرل گورنمنٹ کو نہیں دیں گے، ہم اپنے قبیلہ کی زکوتیں وصول کر کے خود تقسیم کریں گے، یہ مانعین زکوٰۃ کہلاتے ہیں، ان کی تعداد تھوڑی تھی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ان کے ساتھ جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ لوگ مسلمان ہیں، ان کے ساتھ جنگ کیسے جائز ہے! حدیث ہے: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ [1] یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں، پھر جب انہوں نے کلمہ اسلام پڑھ لیا تو انہوں نے ہم سے اپنی جانیں اور اپنے اموال محفوظ کر لئے، اب ان سے جنگ جائز نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں! میں ان سے جنگ کروں گا، اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ میں رسی دیتے تھے، وہ بھی نہیں دیں گے تو میں ان سے لڑوں گا اور ان کو مجبور کروں گا کہ وہ زکوٰۃ مرکزی حکومت کو دیں، مگر پھر جنگ کی نوبت نہیں آئی، وہ لوگ قائل ہو گئے اور انہوں نے سنٹرل گورنمنٹ کو زکوٰۃ بھیجنی شروع کر دی۔

اب مسئلہ طے ہو گیا کہ جو چیزیں شعائر اسلام میں سے ہیں، اگر چہ وہ سنّت کے درجے کی چیزیں ہوں، اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت بالاتفاق ان شعائر کو ترک کر دے تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی اور ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ شعائر اسلام قائم کریں، جیسے ختنہ، اصح قول کے مطابق سنّت ہے لیکن اگر کسی علاقہ کے مسلمان طے کر لیں کہ وہ ختنہ نہیں کرائیں گے تو اسلامی حکومت ان کے ساتھ جنگ کرے گی اور ان کو ختنہ کرنے پر مجبور کرے گی، اسی طرح اذان سنّت ہے لیکن اگر کسی علاقہ کے لوگ طے کر دیں کہ وہ اذان نہیں دیں گے تو حکومت

---

[1] صحیح البخاری، باب: {فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ} توبہ:۵۔

Marfat.com

ان کے ساتھ جنگ کرے گی اور ان کو اذان دینے پر مجبور کرے گی، یہ سب مسائل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس سنّت سے طے ہوئے، علاوہ ازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بھی آپ کی سنّت ہے، قرآن کریم، مصحف اور کتابی شکل میں، سنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنّتیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنّتیں تو بے شمار ہیں، انہوں نے بہت سے مسائل طے کئے ہیں، تراویح کے ذریعہ ملت کی تنظیم کی ہے اور عراق جو لڑکر فتح کیا گیا تھا اس کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم نہ کرنا اور زمینوں پر جزیہ کی جو شرح مقرر کی ہے یہ سب ملک کی تنظیم ہے، پورا قرآن مجید تراویح میں باجماعت سننا اور سنانا، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مولفۃ القلوب کا حصہ موقوف کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنّتیں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو زبردست کام کئے ہیں، ایک جمعہ کی اذان بڑھائی ہے، یہ ملت کی تنظیم ہے، دوسرا اُمّت کو لغت قریش پر جمع کیا ہے، یہ بھی ملت کی تنظیم ہے۔

قرآن، قریش کی لغت میں نازل ہوا تھا، پھر اسے متعدد طرح سے پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، چنانچہ لوگ مختلف طرح سے پڑھتے بھی تھے اور مختلف طرح سے لکھتے بھی تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں میں اس سلسلہ میں اختلافات شروع ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کی جو اصل تحریریں تھیں وہ منگوائیں اور قریش کی زبان میں جو قرآن نازل ہوا تھا، اور جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا اور ملاحظہ بھی فرمایا تھا، اُس لغت میں متعدد قرآن تیار کرا کر پورے ملک میں پھیلا دیئے اور حکم دیا کہ اس کے علاوہ جو بھی قرآن لکھے گئے ہیں وہ مدینہ میں بھیج دیئے جائیں، چنانچہ جو سات طرح سے قرآن پڑھنے کی اجازت تھی اس کو موقوف کر دیا، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنّتیں ہیں۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان آپس میں لڑے، پہلی لڑائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی، اس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں، اس لئے وہ جنگ جمل کہلاتی ہے، اس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہاریں، اور قیدی پکڑے گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی قیدیوں میں تھیں، مالِ غنیمت بھی جمع ہوا، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے مطالبہ کیا کہ مالِ غنیمت تقسیم کیا جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی، اور فرمایا اگر مالِ غنیمت تقسیم ہوگا تو قیدی بھی غلام باندی بنائے جائیں گے، پس تم سے کون منحوس ہے جو اپنی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی باندی بنائے گا، پس سناٹا چھا گیا، اور مسئلہ طے ہوگیا کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو نہ مال، مالِ غنیمت ہوگا، اور نہ قیدی، غلام باندی بنائے جائیں گے۔

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، اور یہ خلفاء راشدین کے وہ طریقے ہیں جو ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں، جن کو حدیث شریف کی رو سے اپنانا ضروری ہے۔

حدیث یا سنت کا فیصلہ کون کرے گا؟

بہرحال سنت حجت ہے، حدیث حجت نہیں، اب رہا یہ سوال کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ فلاں حدیث سنت ہے اور فلاں حدیث سنت نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا فیصلہ مجتہدین کریں گے، اور اس میں کبھی اختلاف بھی ہوجاتا ہے۔

مثلاً تمام فقہاء متفق ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، پس حدیث ''تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ'' [1] صرف حدیث ہے، سنت نہیں ہے، اور تمام فقہاء متفق ہیں کہ مجامعت شروع ہوتے ہی غسل واجب ہوجاتا ہے، چاہے فراغت نہ ہوئی ہو، پس حدیث ''اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ'' [2] صرف حدیث ہے، سنت نہیں۔

اور نماز میں رفع یدین کی بھی حدیثیں ہیں اور ترکِ رفع کی بھی، اب بڑے دو امام کہتے ہیں کہ رفع یدین کی

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۵۲۔ [2] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۴۳۔

Marfat.com

حدیثیں پہلے زمانہ کی ہیں، اس لئے سنت ترکِ رفع ہے، اور دوسرے دو اماموں کا فیصلہ اس کے برعکس ہے، ایسا ہی اختلاف آمین بالجہر کی حدیث میں ہوا ہے، دو بڑے امام کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہر حضرت وائل رضی اللہ عنہما کی تعلیم کے لئے تھا، اس لئے سنت نہیں، اور دوسرے دو امام جہراً آمین کہنے کو سنت قرار دیتے ہیں، اور ایسے ہی اختلاف کی صورت میں تقلید کی ضرورت پیش آتی ہے۔

خلاصہ کلام

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ [1] ''آپ کہئے یہ میرا راستہ ہے''، اسی راستہ کا نام سنت ہے، اور مشہور حدیث ہے کہ یہود کے اکہتر (۷۱) فرقے ہوئے، جو سب جہنم میں جائیں گے، اور عیسائیوں کے بہتر (۷۲) فرقے ہوئے، وہ بھی سب جہنم میں جائیں گے، اور میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے، جن میں سے بہتر (۷۲) فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا، پوچھا گیا وہ کون سا فرقہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا اَنَا عَلَيۡهِ وَاَصۡحَابِىۡ ''وہ ایک فرقہ وہ ہے جو اس طریقہ پر ہوگا جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں''۔ [2]

اسی سے چار ائمہ کے متبعین کے لئے نام تجویز کیا گیا ''اہل السنۃ والجماعۃ''، سنتِ نبوی اور جماعتِ مسلمین کے فیصلوں (اجماع) کو ماننے والے، جس راہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس کا نام سنت ہے، اور جس راہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں وہ جماعتِ مسلمین کے اجماعی مسائل ہیں۔

سنت کے حجت ہونے پر دلیل

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنۡ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِىۡ عِنۡدَ فَسَادِ اُمَّتِىۡ فَلَهٗ اَجۡرُ مِائَةِ شَهِيۡدٍ [3] ''جب امت میں بگاڑ آ جائے، اس وقت جو میرے طریقے سے چمٹا رہے گا اس کو اتنا ثواب ملے گا''، اور مشکوۃ میں باب ہے: ''بَابُ الۡاِعۡتِصَامِ بِالۡكِتَابِ وَالسُّنَّةِ''، اس باب میں چھ روایتیں ہیں، سب میں سنت ہی

---

[1] الیوسف:۱۰۸۔ [2] ترمذی:۲۶۴۱۔ [3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، رقم الحدیث:۱۷۶۔

Marfat.com

کا لفظ ہے، اور کوئی روایت ایسی نہیں جس میں حدیث کا لفظ ہو اس لئے چاروں ائمہ کے ماننے والوں کا مشترک نام ''اہل السنۃ والجماعۃ'' ہے، اور وہ جو چار ہو گئے ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسے دیوبند، سہارن پور اور لکھنؤ سے فارغ ہونے والے طلبہ اگرچہ قاسمی، مظاہری اور ندوی کہلاتے ہیں، مگر وہ سب دیوبندی ہیں، اسی طرح حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اگرچہ جدا جدا نام ہیں، مگر وہ سب اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، اور ان کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ مسائل میں ہیں، اصول وعقائد میں کوئی اختلاف نہیں، اور مسائل کے اختلاف سے فرقے نہیں بنتے، فرقے عقائد میں اختلاف سے بنتے ہیں۔

قیاس محض آلہ استنباط ہے

رہا قیاس تو وہ حجت بایں معنی ہے کہ وہ آلہ استنباط ہے، وہ ایک ڈوئی ہے جس کے ذریعہ دیگوں سے کھانا نکالا جاتا ہے اور دیگیں قرآن، سنت اور اجماع اُمت ہیں، قیاس خود کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے، وہ آلہ استنباط مسائل ہے، پس اگر قیاس معتبر نہیں تو یہ تین دیگیں بھی معتبر نہیں، ہاں وہ قیاس حجت نہیں جس کا کوئی شرعی استناد نہ ہو، وہ ابلیس کا قیاس ہے۔

آخری بات

آخری بات یہ ہے کہ کوئی ایسی حدیث نہیں چاہے وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو کہ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث کو مضبوط پکڑنے کا حکم دیا ہو، حدیثیں یاد کرنے اور ان کو روایت کرنے کے فضائل آئے ہیں، کیونکہ انہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت معلوم ہوگی، مگر ایسی ایک حدیث بھی نہیں ہے، جس میں حدیث کو مضبوط پکڑنے کا حکم دیا ہو، تمام حدیثوں میں سنت ہی کو مضبوط پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سنت کو مضبوطی سے تھامنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

چند مشہور موضوع روایات

(ان کے بیان سے اجتناب کریں)

ذخیرہ احادیث میں کچھ ایسی روایات بھی داخل کر دی گئی ہیں جو موضوع اور من گھڑت ہیں، لیکن عوام الناس میں مشہور ہو چکی ہیں، ان کی نشاندہی ضروری ہے تا کہ وعید (مَنۡ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ [1] یعنی جو آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جو آپ ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی ہو تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے) سے بچا جا سکے۔ محدثین نے ایسی روایات پر خوب جرح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ روایات موضوع ہیں۔

روایات کے موضوع ہونے کا مطلب

ان روایات کے موضوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن اسناد کے ساتھ اور جن راویوں سے یہ روایات منقول ہیں وہ نا قابلِ اعتبار اور بعض احادیث گھڑنے والے اور کذّاب ہیں، اس لئے ان روایات کو قولِ رسول ﷺ بنا کر پیش کرنا کسی طرح بھی درست نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بھی بالکل غلط ہے، جیسے مثلاً مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ یہ الفاظ اگرچہ حضور اقدس ﷺ سے ثابت نہیں، لیکن اس کا مفہوم درست اور دوسری بعض صحیح روایات سے دوسرے الفاظ سے ثابت ہے۔

اور بعض روایات ایسی ہیں کہ ان کا مفہوم بھی غلط اور کسی طرح بھی ثابت نہیں، جیسے مثلاً حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِيْمَانِ۔ ان چند اصولی باتوں کو ذہن میں رکھ کر اس مضمون کا مطالعہ کریں۔

---

[1] صحيح البخاري، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۱۱۰۔

Marfat.com

جرح کے الفاظ ومراتب

محدثین نے کتبِ احادیث میں موضوع روایات پر خوب جرح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث کس مرتبہ کی ہے، چنانچہ جرح کے الفاظ ومراتب بہت سارے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

مرتبہ اولیٰ:

مرتبہ اولیٰ تعدیل کے قریب تر جرح کے سب سے نرم الفاظ ہیں، جیسے لَیِّنُ الْحَدِیْثِ، قَالَ لَایَکُوْنُ سَاقِطًا مَتْرُوْكَ الْحَدِیْثِ وَلٰکِنْ یَّکُوْنُ مَجْرُوْحًا بِشَیْءٍ لَایَسْقُطُ عَنِ الْعَدَالَةِ۔

مرتبہ ثانیہ:

مرتبہ ثانیہ پہلے سے شدید ہے جیسے: لَیْسَ بِالْقَوِیِّ، قَالَ النَّوَوِیُّ اِذَا قَالُوْا لَیْسَ بِالْقَوِیِّ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْاُوْلٰی فِیْ کُتُبِ حَدِیْثِهٖ اِلَّا اَنَّهٗ دُوْنَهٗ۔

مرتبہ ثالثہ:

مرتبہ ثالثہ، ثانیہ سے اشد ہے، جیسے: مضطرب الحدیث، وَاهٍ، ضَعَّفُوْهُ۔

مرتبہ رابعہ:

مرتبہ رابعہ، ثالثہ سے اشد ہے، جیسے: ضَعِیْفٌ جِدًّا، وَاهٍ بِمَرَّةٍ، رَدَّحَدِیْثَهٗ، رَدُّوْا حَدِیْثَهٗ، مُطَّرِحٌ، مُطَّرِحُ الْحَدِیْثِ۔

حافظ عراقی اور شراح الفیہ اور علامہ سیوطی نے اسی میں ''لَیْسَ بِشَیْءٍ'' کو ذکر کیا ہے۔

مرتبہ خامسہ:

مرتبہ خامسہ، درجات سابقہ سے اشد ہے، جیسے: مُتَّهَمٌ بِالْکِذْبِ، ذَاهِبُ الْحَدِیْثِ، هَالِكٌ، لَیْسَ بِثِقَةٍ وغیرہ۔

مرتبہ سادسہ:

مرتبہ سادسہ، خامسہ سے اشد ہے، جیسے: کَذَّابٌ، وَضَّاعٌ، دَجَّالٌ، یَضَعُ الْحَدِیْثَ یَکْذِبُ، وَضَعَ حَدِیْثًا۔

Marfat.com

مرتبہ سابعہ:

مرتبہ سابعہ، سب سے اشد ہے، جیسے: اَکْذَبُ النَّاسِ. اِلَیْهِ الْمُنْتَهٰی فِی الْوَضْعِ. رُکْنٌ مِنْ اَرْکَانِ الْکِذْبِ۔

احکام مراتب مذکورہ

مراتبِ ثلثہ اولیٰ (جو عراقی وغیرہ کے نزدیک ہیں) کی روایات متابعات وشواہد میں معتبر ہوں گی، باقی مراتب اربعہ اخیرہ کی روایات کا کسی درجہ میں اعتبار نہیں ہے، نہ ہی استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی تاکید و تقویت حاصل کی جاسکتی ہے۔

ناقدینِ رجال کے مختلف اقسام

اسی طرح ناقدینِ رجال بھی مختلف اقسام کے ہیں، بعض متشدد اور بعض نرم اور بعض معتدل ہیں، علی ابن المدینی، یحییٰ بن معین، نسائی، ابن حبان رحمہم اللہ متشددین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی کے تعنت وتشدد کی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ فتح الباری میں تصریح کی ہے، نسائی اور ابن حبان کے تشدد کو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، ابراہیم جوزجانی کا تشدد اہل کوفہ کے بارے میں مشہور ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں کئی جگہ اس پر تنبیہ کی ہے، ایک جگہ تو صاف لکھ دیا: اَمَّا الْجُوْزَجَانِیُ فَلَا عِبْرَةَ بِحَطِّهٖ عَلَى الْكُوْفِيِّيْنَ اِنْتَهٰى۔

امام ترمذی وامام حاکم متساہل شمار کئے جاتے ہیں اور امام احمد وغیرہ معتدل۔

جعلی روایت نقل کرنا گناہ کبیرہ ہے اور ایسا شخص مستحق قتل ہے

اگر کسی شخص نے جعلی روایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی تو ایسا شخص محدثین کے یہاں ہمیشہ کے لئے مردود الروایۃ ہوجاتا ہے، اس کی ساری روایتیں غیر معتبر ہوجاتی ہیں، لہٰذا اس طرح کی روایات کے نقل کرنے سے احتراز کرنا لازم اور اس سے بچنا واجب ہے، نگاہِ شارع میں ایسا شخص لائقِ قتل ہے، عبدالرزاق ''المصنف، ص:۳۰۸'' میں روایت کرتے ہیں:

Marfat.com

عَنِ ابْنِ التَّيْمِي عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَلِيًّا قَالَ فِيْمَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضْرَبُ عُنُقُهٗ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو آدمی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرے گا اُس کی گردن اتار دی جائے گی۔

حدیثِ موضوع کی تعریف

اَلْحَدِيْثُ الْمُخْتَلَقُ الْمَوْضُوْعُ الْمَكْذُوْبُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَدًا اَوْ خَطَأً

حدیث موضوع اس حدیث کو کہا جاتا ہے جو من گھڑت اور خود ساختہ ہو، اور جان بوجھ کر یا غلطی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس کی جھوٹی نسبت کی گئی ہو۔

ستر (۷۰) موضوع روایات

۱۔ اذان سے متعلق موضوع واقعہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ واقعہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان نہیں دی، بلکہ کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ نے اذان دی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا، پھر جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اذان دی تب جا کر سورج طلوع ہوا۔

اس واقعہ کو علماء کرام نے بے بنیاد اور موضوع قرار دیا ہے، چنانچہ خیر الفتاوی میں ہے کہ یہ واقعہ کسی حدیث میں مذکور نہیں، بلکہ یہ لوگوں میں ویسے مشہور ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ [۱]

۲۔ سورج سے متعلق موضوع واقعہ

کتب احادیث میں سورج کے متعلق ایک دوسرے واقعہ کا ذکر بھی آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت

---

[۱] خیر الفتاوی، ج:، ص:۴۸۵۔

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ کی گود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر مبارک رکھا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی، یہ کیفیت اتنی دیر برقرار رہی کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز قضاء ہوگئی، اور سورج غروب ہوگیا، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نزول وحی کی کیفیت جاتی رہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا تم نے عصر کی نماز نہیں پڑھی؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جی ہاں، میری نماز عصر قضاء ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی، اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھا، لہٰذا اس کیلئے سورج کو لوٹا دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سورج کو دوبارہ لوٹا دیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز ادا کی، جس کے بعد سورج دوبارہ غروب ہوگیا۔

امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی، علامہ ابن الجوزی، حافظ ابن تیمیہ، علامہ ذہبی، حافظ ابنِ قیم، اور علامہ ابن کثیر رحمہم اللہ جیسے جبالِ علم محدثین فرماتے ہیں یہ واقعہ موضوع اور من گھڑت ہے۔

۳۔ نماز قضا ہونے کے متعلق موضوع روایت

رُوِیَ اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَالَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی مَضٰی وَقْتُھَا، ثُمَّ قَضٰی، عُذِّبَ فِی النَّارِ حُقْبًا، وَالْحُقْبُ ثَمَانُوْنَ سَنَۃً، وَالسَّنَۃُ ثَلٰثُ مِائَۃٍ وَّسِتُّوْنَ یَوْمًا، کُلُّ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ اَلْفَ سَنَۃٍ [1]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے، گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے، پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا، اور حقب کی مقدار اسّی برس کی ہوتی ہے، ایک برس تین سو ساٹھ دن کا، اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ (اس حساب سے حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ہوئی ۲۸۸۰۰۰۰۰)۔

---

[1] کَذَا فِیْ مَجَالِسِ الْاَبْرَارِ۔

Marfat.com

دن رات میں پانچ وقت کی نماز کو پابندی کے ساتھ پڑھنا ہر عاقل، بالغ اور مکلف مسلمان پر فرض ہے، بلاعذر نماز کو قضا کر دینا گناہ ہے، اگر کبھی اتفاق سے نماز قضاء ہو جائے تو اس کو جلد از جلد ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، غفلت وکوتاہی کی وجہ سے قضاء ہونے پر استغفار بھی کرنا چاہئے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ اگر کسی کی ایک نماز کسی بھی وجہ سے قضاء ہو جائے، اور وہ پھر اس کو ادا بھی کر لے تب بھی اس کو ایک حقب یعنی دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کی مقدار جہنم میں جلنا پڑے گا، تو یہ حدیث کسی معتبر سند سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس کی تشہیر وتبلیغ کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے، اور نہ ہی اس کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہئے۔

نیز سورۂ نبا میں ''لَابِثِيْنَ فِيْهَا اَحْقَابًا'' کی وعید درحقیقت کفار کے بارے میں ہے، اور ''احقابا'' سے ایک محدود مدت مراد لے کر کفار کے لئے ''خُلُوْدٌ فِي النَّارِ'' کی نفی کرنا بھی درست نہیں، اسی طریقہ سے یہ کہنا کہ جس شخص کی نماز قضاء ہو جائے، اور وہ بعد میں اس کو ادا بھی کر لے، تو وہ اس ''غیّ'' کے عذاب کا مستحق ہوگا، جس کا ذکر سورۂ مریم کی آیت ''يَلْقَوْنَ غَيًّا'' یا سورۂ فرقان کی آیت ''وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا'' میں آیا ہے، یا اس ''ویل'' کے عذاب کا مستحق ہوگا جس کا ذکر سورۂ ماعون میں آیا ہے، اور اس سے مراد جہنم کی بہت گہری وادی ہے، جس میں پیپ ہوگی، وغیرہ وغیرہ، یہ بھی درست نہیں، البتہ نماز قضا کر دینا بطور خاص اس کی عادت بنا لینا کفار ومنافقین کی خصلت ہے، اور ان کے طرز عمل کی مشابہت کی وجہ سے اس طرح کی وعید کا اندیشہ ہے۔

مذکورہ تحقیق وتفصیل پر کسی کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح کی تحقیق وتفصیل کی وجہ سے تو لوگوں میں نماز کو قضا کرنے کے گناہ پر جرأت بڑھ سکتی ہے، جبکہ سخت وعیدوں کی وجہ سے لوگوں کو نماز قضا کرنے سے ڈر لگا رہے گا، اور نماز کو قضا کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ہم تو اس چیز کے مکلف ہیں کہ قرآن وسنت کی نصوص میں جس سزا وجزا کا ذکر آیا ہے اور جس چیز کو جس درجہ میں رکھ کر بیان کیا گیا ہے، اس کے اسی طرح سے بیان ونقل کرنے پر اکتفاء کریں

Marfat.com

اور اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ یا کمی نہ کریں، اور نہ ہی بے جا سختی اور غلو سے کام لیں، جسکے بعد عمل کرنے والے عمل کریں گے، اور عمل نہ کرنے والے عمل نہیں کریں گے، مگر اس کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

۴۔ فجر کی اذان میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہنا

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور شیخ، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہنے کے بارے میں لکھتے ہیں: لَا اَصْلَ لَہٗ ''یعنی ان الفاظ کی کوئی دلیل نہیں ہے''۔ [1]

حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں:

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَ بِالْحَقِّ نَطَقْتَ کہنا، کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ بعض سلف سے منقول ہے، بہتر یہ ہے کہ جواب میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ہی کہا جائے۔ [2]

لہٰذا صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کی بجائے "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کا جواب انہی الفاظ کے ساتھ دیا جائے، کیونکہ ایک صحیح بلکہ متفق علیہ حدیث میں موذن کے اذان کے جواب میں انہی الفاظ کو دہرانے کا حکم ہے۔

۵۔ نماز مومنین کی معراج ہے

اَلصَّلَاۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ ''نماز مومنین کی معراج ہے''۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے، شیخ الحدیث سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے، کسی کا مقولہ ہے، غالباً اس کا ماخذ حدیث اَلْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہے۔

---

[1] التلخیص الحبیر، ج ۱، ص: ۳۷۸۔ [2] احسن الفتاویٰ، ج: ۱۰، ص: ۲۰۶۔

Marfat.com

۶۔ حدیث: کُنْ فَیَکُوْنُ

سَمِعْتُ اللهَ مِنْ فَوْقِ الْعَرْشِ یَقُوْلُ لِلشَّیْءِ کُنْ فَیَکُوْنُ فَلَا تَبْلُغُ الْکَافُ النُّوْنَ إِلَّا یَکُوْنُ الَّذِیْ یَکُوْنُ

''جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دیتے ہیں کہ ''ہوجا'' تو لفظ ''کن'' کے کاف اور نون کے آپس میں ملنے سے پہلے وہ کام ہوجاتا ہے''۔

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: مَوْضُوْعٌ بِلَا شَكٍّ یہ روایت بلاشک وشبہ موضوع ہے۔[1]

۷۔ اپنے نفس کی پہچان سے رب کی پہچان

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا''۔

اس روایت کے متعلق بھی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: إِنَّهٗ لَیْسَ بِثَابِتٍ یَعْنِیْ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ یعنی یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔[2] اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نہیں ہے، بلکہ یحیی بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔[3]

۸۔ موضوع حدیثِ قدسی

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأَنْ أُعْرَفَ[4]

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، پس میں نے چاہا کہ اپنا تعارف کراؤں تو میں نے مخلوقات پیدا کیں''۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانی، امام زرکشی اور حافظ ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[5]

---

[1] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع۔ [2] الموضوعات الکبری۔ [3] المقاصد الحسنۃ۔ [4] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ،بَابُ الْإِیْمَانِ بِالْقَدَرِ۔
[5] تفسیر روح المعانی، ۲۱/۲۷۔

Marfat.com

۹۔ عقل کے سو حصوں میں سے ننانوے حصے آپ ﷺ کو دیئے گئے

لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْعَقْلَ قَالَ لَهُ: أَدْبِرْ فَأَدْبَرَ. ثُمَّ قَالَ لَهُ: أَقْبِلْ فَأَقْبَلَ. ثُمَّ قَالَ: مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْكَ .فَاَعْطَى اللهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ جُزْءًا ثُمَّ قَسَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ جُزْءًا وَّاحِدًا

''اللہ تعالیٰ نے عقل کی تخلیق کی، پھر اس کو حکم دیا کہ پیچھے ہو جا، تو وہ پیچھے ہو گئی، پھر اس کو حکم دیا آگے ہو جا، تو وہ آگے ہو گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں سے ننانوے حصے حضرت محمد ﷺ کو عطا کیئے، اور ایک حصہ باقی بندوں میں تقسیم کیا۔

اس حدیث کے بارے میں مشہور محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: إِنَّهُ كَذِبٌ مَوْضُوْعٌ اِتِّفَاقًا یعنی یہ حدیث بالاتفاق جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ [1]

۱۰۔ خَلَقَ اللهُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَهُ اَقْبِلْ... الخ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْعَقْلَ قَالَ لَهُ: قُمْ فَقَامَ ثُمَّ قَالَ لَهُ اللهُ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ لَهُ: اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَهُ اُقْعُدْ فَقَعَدَ فَقَالَ: مَا خَلَقْتُ خَلْقًا هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ وَلَا اَحْسَنُ مِنْكَ وَلَا اَكْرَمُ مِنْكَ، بِكَ اٰخُذُ وَبِكَ اُعْطِيْ وَبِكَ اُعْرَفُ وَبِكَ اُعَاقِبُ. لَكَ الثَّوَابُ وَعَلَيْكَ الْعِقَابُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اس کو کہا اُٹھ! تو کھڑی ہو گئی، پھر فرمایا پیچھے ہٹ جا تو وہ پیچھے ہٹ گئی، پھر فرمایا آگے آ! تو وہ آگے آ گئی، ثم فرمایا بیٹھ جا اور فرمایا کہ میں نے تجھ سے بہتر، خوبصورت اور مکرم کوئی چیز پیدا نہیں کی، تیری وجہ سے میں لوں گا، تیری وجہ سے عطا کروں گا، تیری وجہ سے میری معرفت حاصل ہو گی، تیری وجہ سے میں سزا دوں گا، ثواب بھی تیری وجہ سے اور عقاب بھی تیری وجہ سے ہو گا۔

---

[1] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، رقم الحدیث ۴۸۔

Marfat.com

یہ حدیث حافظ ابو احمد بن عدی نے الکامل میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيْثُ مَوْضُوْعٌ، لَيْسَ لَهٗ أَصْلٌ کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَا يَثْبُتُ فِيْ هٰذَا الْمَتْنِ شَيْءٌ کہ اس متن میں کچھ بھی ثابت نہیں۔

اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرٌ صَحِيْحٌ فِي الْعَقْلِ

"کہ عقل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔

اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، الفرقان ص ۴۴ پر فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيْثُ الَّذِيْ ذَكَرُوْهُ فِي الْعَقْلِ كِذْبٌ مَوْضُوْعٌ عِنْدَ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيْثِ كَمَا ذَكَرَ ذٰلِكَ أَبُوْ حَاتِمِ الْبَسْتِيُّ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ وَابْنُ عَدِيٍّ وَغَيْرُهُمْ

وہ حدیث جس کو لوگوں نے عقل کے متعلق ذکر کیا ہے وہ حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک نری جھوٹ اور موضوع روایت ہے، جیسا کہ ابو حاتم البستی، دارقطنی اور ابن عدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب کون ہے؟

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ زیادہ محبوب ہیں یا میں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو میں زیادہ محبوب ہوں کیونکہ آپ کو میرے پاس بھیجا جاتا ہے، پھر جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ زیادہ محبوب ہیں یا قرآن؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو میں زیادہ محبوب ہوں کیونکہ قرآن مجید مجھ پر اتارا جاتا ہے، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ زیادہ محبوب ہیں یا دین؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دین زیادہ محبوب ہے کیونکہ دین کی خاطر مجھے

Marfat.com

بھیجا گیا، اور دین کیلئے سارے انبیاء کرام علیہم السلام نے تکالیف برداشت کی ہیں۔

اس حدیث کے متعلق فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہوا ہے کہ ''ہماری نظر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گزری''، لہٰذا یہ روایت بھی موضوع ہے، اس حدیث کو بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۱۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی روایات

حضرت ایوب علیہ السلام پر بطور آزمائش لمبے عرصے تک بیماری آئی تھی، وہ بیماری ایسی نہیں تھی کہ جس سے لوگ گھن یا کراہت محسوس کریں، اس کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم کے ہر حصے پر پھوڑے نکل آئے تھے، یہاں تک کہ لوگوں نے گھن کی وجہ سے آپ کو ایک کوڑی پر ڈال دیا تھا، لیکن بعض محققین مفسرین نے ان آثار کو درست تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر بیماریاں آسکتی ہیں، لیکن انہیں ایسی بیماریوں میں مبتلا نہیں کیا جاتا جن سے لوگ گھن کرنے لگیں، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری بھی ایسی نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ کوئی عام قسم کی بیماری تھی، لہٰذا وہ آثار جن میں حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف پھوڑے پھنسیوں کی نسبت کی گئی ہے یا جن میں کہا گیا ہے کہ آپ کو کوڑی پر ڈال دیا گیا تھا، روایۃً اور درایۃً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ [1]

حافظ ابن حجر اور علامہ آلوسی رحمہما اللہ نے بھی ان روایات کو موضوع قرار دیا ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری میں بدن گلنے سڑنے کے متعلق مشہور ہیں۔ [2]

۱۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پرندے کا پانی ڈالنا

یہ روایت مشہور ہے کہ جب نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو ایک پرندہ ابابیل اپنی چونچ میں پانی بھر کر آگ پر ڈالتا رہا تاکہ آگ بجھ جائے، جبکہ گرگٹ اس آگ پر

---

[1] معارف القرآن، ج:۷، ص:۵۲۲۔ [2] روح المعانی، ج:۲۲۔

Marfat.com

پھونک مارتا رہا تاکہ وہ آگ مزید بھڑک اٹھے۔

یہ روایت بھی درست نہیں ہے اور نہ ہی کسی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

۱۴۔ آپ ﷺ کا ایک بوڑھی عورت کی گٹھڑی اٹھانا

یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی یہودی عورت سر پر گٹھڑی اٹھا کر مکہ مکرمہ سے جا رہی تھی، آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو اس سے گٹھڑی لے کر خود اپنے سر پر رکھ لی، جب اسے منزل پر پہنچایا تو اس بڑھیا نے آپ ﷺ کو نصیحت کی کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو لوگوں کو ان کے آبائی دین سے پھیر کر ایک نئے دین کی دعوت دیتا ہے، اور اس کا نام محمد (ﷺ) ہے، تم اس سے بچتے رہنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میں ہی ہوں، تو وہ بڑھیا آپ ﷺ کے حسن اخلاق سے متأثر ہو کر ایمان لے آئیں۔

یہ واقعہ بھی موضوع، بے بنیاد اور من گھڑت ہے، نیز اس واقعہ میں یہودی عورت کا ذکر ہے، یہود تو مدینہ منورہ میں آباد تھے نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔

۱۵۔ سب فرشتوں نے ٹاٹ کا لباس پہنا ہوا ہے

هَبَطَ عَلَيَّ جِبْرِيْلُ وَعَلَيْهِ طِنْفِسَةٌ وَهُوَ مُتَجَلِّلٌ بِهَا. فَقُلْتُ يَا جِبْرِيْلُ مَا نَزَلْتَ إِلَيَّ فِي مِثْلِ هٰذَا الزِّيِّ؟ قَالَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ تُجَلِّلَ فِي السَّمَاءِ كَتَجَلُّلِ أَبِي بَكْرٍ فِي الْأَرْضِ [1]

(آپ ﷺ سے روایت ہے) کہ مجھ پر جبرائیل علیہ السلام اس حال میں اترے، کہ وہ ٹاٹ کا لباس اوڑھے ہوئے تھے، تو میں نے کہا اے جبرائیل! تم پہلے کبھی اس حلیہ میں نہیں اترے؟ (آج اس قسم کے لباس پہننے کی کیا خاص وجہ ہے؟) تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آسمان میں وہ لباس پہنیں جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

[1] الموضوعات لابن الجوزی۔ کتاب الفضائل والمثالب۔

Marfat.com

زمین میں پہنا ہوا ہے۔

اس حدیث کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[1]

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الموضوعات میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ثابت اشنانی نے اپنی طرف سے گھڑا ہے، یہ شخص معرفتِ حدیث سے جاہل تھا۔[2]

۱۶۔ قیامت کے دن ایک عورت کی وجہ سے چار آدمیوں کا جہنم میں جانا

قیامت کے دن ایک عورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا، تو وہ عورت اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گی کہ اے اللہ! میرے باپ، بھائی، میرے بیٹے، اور میرے شوہر میں سے کسی نے مجھے دین نہیں سکھایا، جس کی وجہ سے آج مجھے جہنم میں ڈالا جا رہا ہے، اگر یہ مجھے دین سکھاتے تو آج میں جہنم نہ جاتی، تو اس کی اس شکایت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان چاروں کو بھی جہنم میں ڈال دیں گے۔

غالباً یہ حدیث بھی موضوع ہے، اگر کسی کو تحقیق ہو جائے تو مطلع کرے۔

۱۷۔ میری اُمت کے علماء

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ''میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی مثل ہیں''۔

اس روایت کے متعلق شیخ الحدیث سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِیْثٌ لَایَثْبُتُ وَقَدْ کُنْتُ اَجَبْتُ بِذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُ الطَّلَبَةِ اَنَّهٗ فِی الْبُخَارِیِّ فَاَجَبْتُهٗ بِاَنَّهٗ لَیْسَ فِی الصِّحَاحِ السِّتَّةِ وَلَایَصِحُّ لَفْظُهٗ عَنْ حَضْرَةِ النُّبُوَّةِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ رَأَیْتُ السَّخَاوِیَّ قَالَ فِی الْمَقَاصِدِ قَالَ شَیْخُنَا وَمِنْ قَبْلِهِ الدَّمِیْرِیُّ وَالزَّرْکَشِیُّ: اَنَّهٗ لَا اَصْلَ لَهٗ، زَادَ بَعْضُهُمْ وَلَا یُعْرَفُ فِیْ کِتَابٍ مُعْتَبَرٍ

---

[1] اللآلی المصنوعۃ، ۲۹۳/۱۔ [2] کتاب الموضوعات۔

Marfat.com

یہ حدیث ثابت نہیں، نہ اس کا صحاح ستہ میں کوئی ذکر ہے، آپ ﷺ سے اس کے الفاظ ثابت نہیں ہیں، علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ دمیری اور زرکشی سب نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے نہ کسی معتبر کتاب میں اس کا کوئی نام ونشان ہے۔

چنانچہ یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔

۱۸۔ عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے

اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْهِ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ ''عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے''۔

یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے، حافظ سخاوی، ملا علی قاری اور علامہ عجلونی رحمہم اللہ جیسے اساطینِ علمِ حدیث نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔[1]

۱۹۔ عالم کی نیند عبادت ہے

نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ ''عالم کی نیند بھی عبادت ہے''۔

اس روایت کو بھی محدثین عظام رحمہم اللہ نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے الموضوعات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے، البتہ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''حلیہ'' میں لکھا ہے کہ عالم کی نیند جاہل کی نماز سے افضل ہے، لہٰذا یہ کہنا تو درست ہے کہ عالم کی نیند عبادت ہے لیکن اس کو بطور حدیث بیان نہ کیا جائے۔

۲۰۔ علماء کرام کے پیچھے چلو

اِتَّبِعُوا الْعُلَمَاءَ فَاِنَّهُمْ سِرَاجُ الدُّنْيَا وَمَصَابِيْحُ الْاٰخِرَةِ

علماء کرام کے پیچھے چلو، کیونکہ وہ دنیا کے چراغ ہیں اور آخرت کی روشنیاں ہیں۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

---

[1] المقاصد الحسنۃ، رقم الحدیث: ۱۲۵۱، الموضوعات الکبریٰ۔

Marfat.com

ماخذ: اخرجه الديلمي في الفردوس والسيوطي في الجامع ،وفي الذيل أيضًا۔

۲۱۔ جس نے کسی عالم کی زیارت کی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی

مَنْ زَارَ الْعُلَمَاءَ فَكَأَنَّمَا زَارَنِي وَمَنْ صَافَحَ الْعُلَمَاءَ فَكَأَنَّمَا صَافَحَنِي وَمَنْ جَالَسَ الْعُلَمَاءَ فَكَأَنَّمَا جَالَسَنِي وَمَنْ جَالَسَنِي فِي الدُّنْيَا أُجْلِسَ إِلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) جس نے علماء کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زیارت کی ،اور جس نے علماء سے مصافحہ کیا گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا،اور جو علماء کے پاس بیٹھا گویا وہ میرے پاس بیٹھا،اور جو دنیا میں میرے پاس بیٹھا،تو قیامت کے دن بھی اس کو میرے پاس بٹھایا جائے گا۔

اس روایت کے بھی متعدد ائمہ حدیث نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ [1]

۲۲۔ حسین چہرے کو دیکھنے سے نظر تیز ہوتی ہے

النَّظَرُ إِلَى الْوَجْهِ الْحَسَنِ يَجْلُو الْبَصَرَ ’’حسین چہرے کو دیکھنے سے نظر تیز ہوتی ہے‘‘۔

محدثین فرماتے ہیں کہ یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے،اس کو بیان نہ کیا جائے۔ [2]

۲۳۔ استخارہ کے بارے میں موضوع روایت

مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ ’’استخارہ کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوگا،اور مشورہ کرنے والا کبھی پشیمان نہ ہوگا‘‘۔

اس حدیث کا مضمون اگر چہ درست ہے،لیکن اس روایت کو بطور حدیث بیان نہ کیا جائے،اس لئے کہ بعض حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے اور اکثر نے ضعیف قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس

---

[1] المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم الحديث: ۳۳۵، الفوائد المجموعة، رقم الحديث: ۸۹۰۔ [2] المقاصد الحسنة ، الموضوعات لابن الجوزي۔

Marfat.com

روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: اَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ رحمہ اللہ فِي الصَّغِيْرِ بِسَنَدٍ وَاهٍ جِدًّا [1] علامہ عجلونی رحمہ اللہ نے بھی یہی تبصرہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: وَفِي سَنَدِهٖ ضُعْفٌ جِدًّا [2]

بہر حال اس روایت کو بطور حدیثِ رسول بیان کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

۲۴۔ بے نمازی کی نحوست

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے گھر کی بے برکتی کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے گھر کے دروازے پر پردہ لٹکانے کا حکم دیا، تعمیل ارشاد کے کچھ دنوں بعد وہ صحابی تشریف لائے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس پردہ لٹکانے کے بعد میرے گھر کی بے برکتی ختم ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس راستے سے ایک بے نمازی گزرتا تھا اور تمھارے گھر پر پردہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نظر تمہارے گھر کے اندر پڑ جاتی تھی، جس کی وجہ سے تمہارے گھر میں بے برکتی تھی، اب پردے کی وجہ سے اس کی نظر تمھارے گھر کے اندر پڑنے سے رک گئی، اس لئے وہ بے برکتی ختم ہوگئی۔

یہ روایت بھی موضوع، خودساختہ اور من گھڑت ہے، اس لئے کہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، اس زمانے کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کھلم کھلا منافق کے علاوہ کسی کو جماعت چھوڑنے کی ہمت بھی نہ ہوتی تھی، چہ جائیکہ سرے سے نماز ہی چھوڑ دی جائے۔

۲۵۔ مسلمان کے جھوٹے میں شفاء

سُؤْرُ الْمُؤْمِنِ شِفَاءٌ ”مسلمان کے جھوٹے میں شفاء ہے“۔

یہ روایت مشہور ومعروف ہے لیکن یہ روایت بھی من گھڑت اور موضوع ہے، یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے، لیکن علامہ سخاوی رحمہ اللہ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا مضمون صحیح ہے۔

---

[1] فتح الباری، ۱۸۸/۱۱۔ [2] کشف الخفاء، رقم الحدیث: ۲۲۰۵۔

Marfat.com

۲۶۔ ناخن کاٹنے کا کوئی خاص مسنون طریقہ ثابت نہیں

عام طور پر مشہور ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کے ناخن کاٹنے سے ابتداء کی جائے، پھر اس کے ساتھ درمیانی انگلی اور اس طرح آخر تک دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کا ناخن کاٹ کر، پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک ترتیب وار ناخن کاٹے جائیں، اور سب سے آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹا جائے۔

یہ طریقہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کو ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ قرار دینا درست نہیں، مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

قَصُّ الْاَظْفَارِ اَیْ تَقْلِیْمُھَا وَ تَحْصِیْلُ سُنِّیَّتِھَا بِاَیِّ کَیْفِیَّةٍ کَانَتْ [1]
یعنی ناخن جس طریقے سے بھی کاٹے جائیں، تو اس کی سنت ادا ہو جائے گی۔

۲۷۔ دنیا کی مذمت

اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَّطُلَّابُھَا کِلَابٌ "دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں"۔

یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، بلکہ یہ موضوع حدیث ہے، علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اپنے مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ درست ہے کہ دنیا کی حقیقت ایسی ہی ہے، تاہم یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔ [2]

۲۸۔ وطن سے محبت ایمان کی علامت

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ "وطن سے محبت ایمان کی علامت ہے"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لَیْسَ بِثَابِتٍ، اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں:

---

[1] بذل المجہود، ج:۱، ص:۱۳۱۔ [2] کشف الخفاء، رقم الحدیث: ۱۳۱۳۔

Marfat.com

لَمْ اقف عَلَیْہِ یعنی ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں۔ [1]

۲۹۔ اٹھارہ ہزار مخلوقات

یہ روایت بھی عموماً بیانات میں بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل اٹھارہ ہزار مخلوقات پیدا کی ہیں۔

یہ روایت بھی موضوع ہے، اس لئے کہ اٹھارہ ہزار کی تعداد پر مشتمل یہ روایت مخلوقات کے بارے میں نہیں، بلکہ عالَم کی تعداد کے بارے میں ہے، چنانچہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے کل اٹھارہ ہزار عالَم پیدا کیے ہیں، اور یہ پوری دنیا اُن میں سے فقط ایک عالَم ہے"۔ لہٰذا مخلوقات کی تعداد اٹھارہ ہزار بیان کرنا درست نہیں۔

۳۰۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اہل مدینہ کی دعوت کرنا

یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تمام مدینہ والوں کی دعوت کی، تمام لوگ ان کی دعوت میں شریک ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو مسجد نبوی میں سوچ و بچار میں مصروف دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی سے پوچھا کہ تم کیوں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی دعوت میں شریک نہیں ہوئے، اور یہاں کس سوچ میں پڑے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس بات کیلئے متفکر ہوں کہ کیسے ساری دنیا کے انسان جہنم کی آگ سے بچ جائیں اور جنت والے بن جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی سے فرمایا کہ تمھارا ایک گھڑی کیلئے یہ سوچ وفکر کرنے کا اتنا اجر ہے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ایسی ہزار دعوتیں بھی کرلیں تو تمھارے اس اجر کو نہیں پہنچ سکتے۔

یہ قصہ بھی موضوع اور من گھڑت ہے، اس لئے کہ متعدد اہلِ علم حضرات نے اس قصے سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

---

[1] المقاصد الحسنۃ، رقم الحدیث: ۳۸۶۔

Marfat.com

۳۱۔ جہینہ قبیلہ کا آدمی

آخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ مِنْ جُهَيْنَةَ، يُقَالُ لَهُ: جُهَيْنَةُ فَيَسْأَلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ: هَلْ بَقِيَ أَحَدٌ يُعَذَّبُ؟ فَيَقُولُ: لَا، فَيَقُولُونَ: عِنْدَ جُهَيْنَةَ الْخَبَرُ الْيَقِيْنُ

سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا جہینہ قبیلہ کا آدمی ہوگا، اسے جہینہ کہا جائے گا، تو اہل جنت اس سے سوال کریں گے، کیا کوئی اور بھی باقی ہے، جسے عذاب دیا جا رہا ہو، تو وہ کہے گا: نہیں، تو اہل جنت کہیں گے، کہ جہینہ کے پاس یقینی خبر ہے، (یہ سچ بول رہا ہے)۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: رواه محمد بن المظفر في "غرائب مالك"، والدار قطني في "الغرائب"، والخطيب في "رواة مالك"۔

۳۲۔ ابراہیم علیہ السلام کا آخری کلمہ

آخِرُ مَا تَكَلَّمَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ حِيْنَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ

سب سے آخری کلمہ جسے ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے کے وقت فرمایا وہ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ہے، یعنی میرا اللہ ہی مجھے کافی ہے، اور کیا ہی وہ اچھا کارساز ہے۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: رواه ابو القاسم في "الفوائد" والخطيب في "تاريخ بغداد" وابن عساكر في "تاريخ دمشق" والسيوطي في "جمع الجوامع" والمتقي في "الكنز"۔

۳۳۔ چوپاؤں اور زمین کے کیڑے مکوڑوں کی مدت حیات تسبیح ہے

آجَالُ الْبَهَائِمِ كُلِّهَا وَخَشَاشِ الْأَرْضِ وَالْقُمَّلِ وَالْبَرَاغِيثِ وَالْجَرَادِ وَالْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالدَّوَابِّ كُلِّهَا وَالْبَقَرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ آجَالُهَا فِي التَّسْبِيحِ.....

Marfat.com

تمام چوپاؤں کی مدت حیات اور زمین کے کیڑے مکوڑوں کی مدت حیات اور جوؤں اور پسو، ٹڈی اور گھوڑوں اور خچر اور تمام زمین پر رہنے والے جانور اور گائے وغیرہ ان تمام کی مدت حیات تسبیح میں ہے، (یعنی جب تک تسبیح کرتے ہیں زندہ رہتے ہیں، اور جب تسبیح ترک کر دیتے ہیں مرجاتے ہیں)۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجه العقيلى فى "الضعفاء" وابن عساكر فى "التاريخ" وابن الجوزى فى "الموضوعات" وابن عراق فى "التنزيه" والحافظ فى "اللسان" والسيوطى فى "جمع الجوامع و اللآلى والتفسير"، والمتقى فى "كنز العمال"۔

۳۴۔ ہابیل کے قتل کے وقت سمندر کا پانی کھاری اور نمکین ہوگیا

(آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ) وَأَنَّهُ لَمَّا حَجَّ وَقَتَلَ قَابِيْلُ هَابِيْلَ مَلَحَ الْبَحْرُ وَتَغَيَّرَتْ طُعُوْمُ الثِّمَارِ

آدم علیہ السلام جب حج کرنے کیلئے گئے، تو قابیل نے ھابیل کو قتل کر دیا، تو سمندر کا پانی کھارا اور نمکین اور پھلوں کے ذائقے تبدیل ہو گئے۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اورده الحوت البيروتى فى "اسنى المطالب" و الشيخ ظافر الازهرى فى "تحذير المسلمين" بدون السند۔

۳۵۔ تین چیزیں دین کیلئے آفت ہیں

آفَةُ الدِّيْنِ ثَلَاثَةٌ: فَقِيْهٌ فَاجِرٌ وَإِمَامٌ جَائِرٌ وَمُجْتَهِدٌ جَاهِلٌ

تین چیزیں دین کے لئے آفت ہیں: (۱) گنہگار عالم، (۲) ظالم بادشاہ، (۳) جاہل ہو کر مسائل میں اجتہاد کرے۔

Marfat.com

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: رواہ الدیلمی فی "مسند الفردوس"، و ابو نعیم فی "اخبار اصبھان"، والسیوطی فی "الجامع"۔

۳۶۔ جس شخص کا نام احمد اور محمد ہوگا اسے جہنم میں داخل نہیں کروں گا

آلَيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّارَ مَنِ اسْمُهٗ أَحْمَدُ وَلَا مُحَمَّدٌ

مجھے میری ذات کی قسم، جس شخص کا نام احمد اور محمد ہوگا اسے جھنم میں داخل نہیں کروں گا۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات وابن عراق فی التنزیہ والسیوطی فی اللآلی وابن قیم فی المنار والشوکانی فی الفوائد والقاری فی الاسرار المرفوعة۔

۳۷۔ محمد نام رکھنے پر اللہ تعالیٰ بیٹا دیں گے

مَامِنْ مُسْلِمٍ دَنَا مِنْ زَوْجَتِهٖ وَهُوَ يَنْوِيْ اِنْ حَبَلَتْ مِنْهُ يُسَمِّيْهِ مُحَمَّدًا اِلَّا رَزَقَهُ اللهُ تَعَالٰى وَلَدًا ذَكَرًا کہ جو شخص بیوی کے پاس ہمبستری کے لئے جائے اور کہے اگر اس ہمبستری سے اللہ پاک نے حمل دیا تو اس کا نام محمد رکھوں گا، تو اللہ تعالیٰ بیٹا دیں گے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں كِذْبٌ یہ حدیث جھوٹی ہے۔

۳۸۔ نیکی کا حکم کرنے والا

اَلْاٰمِرُ بِالْمَعْرُوْفِ كَفَاعِلِهٖ نیکی کا حکم کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس۔

Marfat.com

۳۹۔ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ یہ حدیث باطل ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

۴۰۔ تیس ابدال

اَلْاَبْدَالُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ثَلَاثُوْنَ رَجُلًا قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ رَجُلًا ....

اس امت میں تیس ابدال ہوں گے، ان کے دل ابراہیم علیہ السلام کے دل کی طرح ہوں گے، جب بھی ان میں سے کوئی مرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا بھیج دے گا۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: رواہ احمد فی المسند و السیوطی فی الجامع۔

۴۱۔ موذنین اور قیامت کا دن

اَبْشِرْ يَا بِلَالُ ! قَالَ: بِمَ تُبَشِّرُنِيْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ؟ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يَجِيْئُ بِلَالٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَاحِلَةٍ رَحْلُهَا مِنْ ذَهَبٍ وَزِمَامُهَا دُرٌّ وَيَاقُوْتٌ، يَتْبَعُهُ الْمُؤَذِّنُوْنَ حَتّٰى يُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ، حَتّٰى إِنَّهٗ لَيَدْخُلُ مَنْ أَذَّنَ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا، يَطْلُبُ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ۔

اے بلال! تجھے خوشخبری ہو، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اے اللہ کے بندے تو مجھے کیسی خوشخبری سناتے ہو، تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن بلال ایک سواری پر سوار ہو کر آئیں گے، جس کا پالان سونے کا ہوگا، اور اس کی نکیل اور لگام موتی اور یاقوت کی ہوگی، تمام موذنین ان کے پیچھے پیچھے آئیں گے، اور وہ ان تمام کو جنت میں داخل کریں گے، حتی کہ وہ شخص بھی داخل ہوگا، جس نے چالیس دن اللہ کی رضا

Marfat.com

کیلئے اذان دی ہو۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: رواہ الدارقطنی فی السنن وابن الجوزی فی الموضوعات والسیوطی فی اللآلی۔

۴۲۔ باب الصبر

أَبْوَابُ الْجَنَّةِ كُلُّهَا مِصْرَاعَانِ إِلَّا بَابَ الصَّبْرِ فَإِنَّهُ مِصْرَاعٌ وَاحِدٌ وَأَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُهُ أَهْلُ الْبَلَاءِ وَأَمَامَهُمْ أَيُّوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

جنت کے تمام دروازوں کے دو دو کواڑ ہیں، سوائے باب الصبر (صبر کا دروازہ) اس کا صرف ایک ہی کواڑ ہوگا، سب سے پہلے اس سے وہ لوگ داخل ہوں گے، جن پر (دنیا میں) آزمائشیں آئی ہوں گی، اور ان سب کے آگے حضرت ایوب علیہ السلام ہوں گے۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجہ ابو طالب المکی فی قوت القلوب و الغزالی فی الاحیاء و الرازی فی التفسیر (البقرۃ بدون الاسناد۔

۴۳۔ سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما زمین و آسمان کی تمام مخلوق سے بہتر

اَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ خَيْرُ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَخَيْرُ مَنْ بَقِيَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

ابوبکر وعمر زمین و آسمان کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں، اور قیامت تک آنے والے تمام لوگوں سے بہتر ہیں۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجہ الدیلمی فی "الفردوس"۔

Marfat.com

۴۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے پر حد قائم کرنا

أَبُو شَحْمَةَ وَلَدُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا وَإِقَامَةُ عُمَرَ عَلَيْهِ الْحَدَّ وَمَوْتُهُ

ابو شحمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد قائم فرمائی، اور اس کو مار دیا۔

پوری حدیث اس طرح ہے:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ قَالَ: " كَانَتِ امْرَأَةٌ تَدْخُلُ عَلَى آلِ عُمَرَ أَوْ مَنْزِلِ عُمَرَ وَ مَعَهَا صَبِيٌّ، فَقَالَ: مَنْ ذَا الصَّبِيُّ مَعَكِ؟ فَقَالَتْ: هُوَ ابْنُكَ، وَقَعَ عَلَيَّ أَبُو شَحْمَةَ فَهُوَ ابْنُهُ، قَالَ: فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ عُمَرُ فَأَقَرَّ، فَقَالَ عُمَرُ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: اجْلِدْهُ. فَضَرَبَهُ عُمَرُ خَمْسِينَ، وَضَرَبَهُ عَلِيٌّ خَمْسِينَ، قَالَ: فَأُتِيَ بِهِ فَقَالَ لِعُمَرَ: يَا أَبَةِ قَتَلْتَنِي فَقَالَ: إِذَا لَقِيتَ رَبَّكَ عَزَّ وَجَلَّ فَأَخْبِرْهُ أَنَّ أَبَاكَ يُقِيمُ الْحُدُودَ"۔

حضرت سعد بن مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کے پاس گھر میں آئی، تو اس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ تیرے ساتھ کون ہے؟ تو اس عورت نے کہا یہ آپ کا بیٹا (پوتا) ہے، ابو شحمہ رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ وطی کی، پس وہ آپ کا بیٹا ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ابو شحمہ کو بلا بھیجا، تو اس نے اقرار کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس کو کوڑے مارو، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو پچاس کوڑے مارے، اور پچاس کوڑے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مارے، راوی کہتا ہے پھر ابو شحمہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اے ابا جان! آپ نے مجھے قتل کر دیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ سے تیری ملاقات ہو، تو اللہ تعالیٰ کو بتا دینا کہ تیرا باپ حدود قائم کرتا ہے۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجه الجوزقانی فی الاباطیل و ابن الجوزی فی الموضاعات والسیوطی فی اللالی۔

Marfat.com

۴۵۔ جنت کا حلوہ

أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ بِهَرِيْسَةٍ مِنَ الْجَنَّةِ فَأَكَلْتُهَا فَأُعْطِيْتُ قُوَّةَ أَرْبَعِيْنَ رَجُلًا فِي الْجِمَاعِ

میرے پاس جبرائیل علیہ السلام جنت سے حلوہ لائے ، میں نے اس کو کھایا تو مجھے جماع میں چالیس مردوں کی طاقت دی گئی۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجه ابن عدی فی الکامل و ابن الجوزی فی الموضوعات و السیوطی فی اللالی والقاری فی الاسرار۔

۴۶۔ جبرائیل علیہ السلام کے پروں پر بیٹھنا

عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَحَمَلَنِيْ عَلَى جَنَاحِهِ الْأَيْمَنِ فَكُنْتُ مِنْ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ كَ "قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى".. وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے ،اور مجھے اپنے دائیں پر پر اٹھایا اور میں اپنے رب کے اس قدر قریب ہوگیا کہ جیسے کمان کے دو،سروں کے درمیان فاصلہ ہے یااس سے بھی زیادہ قریب ہوگیا۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجه ابن جمیع فی "المعجم"۔

۴۷۔ يَا مُحَمَّدُ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ

أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ يَقُوْلُ: يَا مُحَمَّدُ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ۔

Marfat.com

میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ نہ ہوتے ،تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا ،اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں جہنم کو پیدا نہ کرتا۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

۴۸۔ جمعہ کا دن اور مقبول گھڑی

أَتَانِي جِبْرِيْلُ وَفِيْ كَفِّهِ كَالْمِرْآةِ الْبَيْضَاءِ فِيْهَا كَالنُّكْتَةِ السَّوْدَاءِ, فَقُلْتُ: مَا هٰذِهِ مَعَكَ يَاجِبْرِيْلُ؟ قَالَ: هٰذِهِ الْجُمُعَةُ, قُلْتُ: وَمَا يَوْمُ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ: لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ, قُلْتُ: وَمَا لَنَا فِيْهَا قَالَ: لَكُمْ فِيْهَا سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ فِيْهَا خَيْرًا هُوَ لَهُ قَسَمٌ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ, وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهَا قَسَمٌ ذُخِرَ لَهُ مَا هُوَ أَفْضَلُ مِنْهُ, وَلَا يَتَعَوَّذُ مِنْ شَيْءٍ هُوَ لَهُ إِلَّا صَرَفَهُ عَنْهُ, وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ مَكْتُوْبٌ صُرِفَ عَنْهُ مِنَ الْبَلَاءِ مَا هُوَ أَعْظَمُ مِنْهُ, قُلْتُ: وَمَاهٰذِهِ النُّكْتَةُ السَّوْدَاءُ الَّتِيْ فِيْهَا قَالَ: السَّاعَةُ تَقُوْمُ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ: وَهُوَ عِنْدَنَا سَيِّدُ الْأَيَّامِ وَنَدْعُوْهُ يَوْمَ الْمَزِيْدِ.........

میرے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے ،اور ان کے ہاتھ میں مثل سفید شیشے کے کوئی چیز تھی ،اور اس میں ایک سیاہ نکتہ تھا،تو میں نے کہا کہ اے جبرائیل !یہ آپ کے پاس کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ جمعہ ہے میں نے کہا، جمعہ کا دن کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اس میں آپ کیلئے بھلائی ہے، میں نے کہا اس میں ہمارے لئے کیا بھلائی ہے؟ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا اس میں آپ کیلئے ایک مقبول گھڑی ہے جو مسلمان بندہ اسے پالیتا ہے،اور اس میں اللہ تعالیٰ سے کسی بھلائی کا سوال کرتا ہے،تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتے ہیں،اور اگر اس میں اس کیلئے بھلائی نہ ہو،تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر چیز اس کیلئے محفوظ کردیتے ہیں.........الخ۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجه الهيثمي في بغية الباحث۔

Marfat.com

۴۹۔ ایک گنہگار عورت کا واقعہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: " صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَتَمَةَ ثُمَّ انْصَرَفْتُ، فَإِذَا امْرَأَةٌ عِنْدَ بَابِي فَسَلَّمَتْ ثُمَّ فَتَحْتُ وَدَخَلْتُ، فَبَيْنَا أَنَا فِي مَسْجِدِي أُصَلِّي إِذْ نَقَرَتِ الْبَابَ، فَأَذِنْتُ لَهَا فَدَخَلَتْ، فَقَالَتْ: إِنِّي جِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنْ عَمَلٍ عَمِلْتُهُ هَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ، إِنِّي زَنَيْتُ وَوَلَدْتُهُ وَقَتَلْتُهُ؟ فَقُلْتُ لَهَا: لَا نِعْمَةَ عَيْنٍ وَلَا كَرَامَةَ، فَسَلَّمَتْ وَهِيَ تَدْعُوا بِالْحَسْرَةِ وَتَقُولُ: وَاحَسْرَتَاهُ أَخُلِقَ هٰذَا الْجَسَدُ لِلنَّارِ. قَالَ: ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ ثُمَّ جَلَسْنَا نَنْتَظِرُ الْإِذْنَ عَلَيْهِ، فَأَذِنَ لَنَا فَدَخَلْنَا ثُمَّ خَرَجَ مَنْ كَانَ مَعِي وَتَخَلَّفْتُ، فَقَالَ مَالَكَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَلَكَ حَاجَةٌ؟ فَقُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، صَلَّيْتُ مَعَكَ الْعَتَمَةَ ثُمَّ انْصَرَفْتُ فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ مَا قَالَتِ الْمَرْأَةُ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا قُلْتَ لَهَا؟ قَالَ قُلْتُ: وَلَا نِعْمَةَ عَيْنٍ وَلَا كَرَامَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا قُلْتَ لَهَا، مَا كُنْتَ تَقْرَأُ هٰذِهِ الْآيَةَ: (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَخَرَجْتُ، فَلَمْ أَتْرُكْ بِالْمَدِينَةِ خُصًّا وَلَا دَارًا إِلَّا وَقَفْتُ عَلَيْهَا، فَقُلْتُ: إِنْ يَكُنْ فِيكُمُ الْمَرْأَةُ الَّتِي جَاءَتْ إِلَى أَبِي هُرَيْرَةَ الْبَارِحَةَ فَلْتَأْتِ وَلْتُبْشِرْ، فَلَمَّا صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَتَمَةَ، فَإِذَا هِيَ عِنْدَ بَابِي، فَقُلْتُ لَهَا: أَبْشِرِي فَإِنِّي دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهُ مَا قُلْتِ وَمَا قُلْتُ لَكِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِئْسَ مَا قُلْتَ لَهَا أَمَا كُنْتَ تَقْرَأُ هٰذِهِ الْآيَةَ؟ فَقَرَأْتُهَا عَلَيْهَا فَخَرَّتْ سَاجِدَةً، وَقَالَتِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ لِي مَخْرَجًا وَتَوْبَةً مِمَّا عَمِلْتُ، إِنَّ هٰذِهِ الْجَارِيَةَ وَابْنَهَا حُرَّانِ لِوَجْهِ اللهِ، وَإِنِّي قَدْ تُبْتُ مِمَّا عَمِلْتُ ".

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر میں چلا گیا، پس میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ میرے دروازے پر کھڑی ہوئی ہے، تو میں نے سلام کیا پھر میں نے دروازہ کھولا، اور گھر میں داخل ہو گیا، پس میں اپنے گھر کی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، تب اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، تو میں نے اس کو اندر آنے کی اجازت دی، پس وہ میرے گھر میں داخل ہوئی، اور کہنے لگی کہ میں اس لئے آئی ہوں تاکہ آپ سے ایک گناہ کے کام کے بارے میں سوال کروں جس کا میں نے ارتکاب کیا ہے، کیا اس کی توبہ کی کوئی صورت ہے؟ (اور گناہ یہ ہے کہ) میں نے زنا کیا ہے اور اس سے مجھے جو بچہ پیدا ہوا ہے اس کو قتل کر دیا، تو میں نے اس عورت کو کہا کہ آنکھوں کیلئے کوئی ٹھنڈک نہیں، اور نہ کوئی آسانی ہے (توبہ کا کوئی راستہ نہیں ہے) تو اس عورت نے سلام کیا، اور افسوس کرنے لگی، ہائے افسوس! کیا یہ جسم آگ میں جانے کیلئے پیدا کیا گیا، حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ہم لوگ پیچھے بیٹھ گئے، اور اپنے لئے اجازت کا انتظار کرنے لگے، پھر ہمیں اجازت مل گئی، پس ہم داخل ہوئے اور جو میرے ساتھی تھے، وہ چلے گئے، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اکیلا رہ گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوھریرہ کیا ہوا، آپ کو کوئی حاجت اور ضرورت ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں نے آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر میں چلا گیا، پس عورت سے جو میری بات چیت ہوئی اس کی تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتادی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے اس کو کیا جواب دیا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ آنکھوں کیلئے کوئی ٹھنڈک نہیں، اور نہ کوئی آسانی ہے (توبہ کا کوئی راستہ نہیں ہے)۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو آپ نے اس کو کہا غلط کہا ہے، کیا تو اس آیت کو نہیں پڑھتا، (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ) تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اٹھا، پس میں نے مدینہ کی کوئی جھونپڑی اور گھر نہیں چھوڑا، مگر اس کے پاس کھڑا ہوا اور آواز لگائی، کہ اگر تم میں وہ عورت ہو جو گزشتہ رات ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تھی، تو چاہیئے کہ وہ

Marfat.com

میرے پاس آئے، اور خوشخبری سن لے، تو جب میں نے آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، تو میں نے دیکھا کہ وہ عورت میرے دروازے پر کھڑی ہے، تو میں نے اس سے کہا کہ تجھے خوشخبری ہو، کیونکہ میں آپ ﷺ کے پاس گیا تھا اور جو تو نے مجھے کہا تھا اور جو میں نے تجھے کہا تھا وہ آپ ﷺ کو ذکر کر دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نے برا کیا، کیا تو اس آیت کو نہیں پڑھتا، تو میں نے وہ آیت پڑھی (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ) تو وہ عورت سجدہ ریز ہوگئی، اور کہنے لگی تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے میرے لئے ایک راستہ نکالا، اور جو گناہ میں نے کیا اس سے توبہ کی توفیق دی، اس پر یہ لونڈی اور اس کا بیٹا اللہ کی رضا کیلئے آزاد ہیں، اور یہ میرے گناہ کا فدیہ ہے۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجه العقيلى فى الضعفاء وابن الجوزى فى الموضوعات والذهبى فى الميزان والسيوطى فى اللالى -

۵۰۔ تہمت کی جگہوں سے بچو

اِتَّقُوا مِنْ مَوَاضِعِ التُّهْمَةِ "تہمت کی جگہوں سے بچو"۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اورده الغزالى فى الاحياء۔

۵۱۔ دو بہتر ہیں ایک سے

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "اثْنَانِ خَيْرٌ مِنْ وَاحِدٍ، وَثَلَاثَةٌ خَيْرٌ مِنِ اثْنَيْنِ، وَأَرْبَعَةٌ خَيْرٌ مِنْ ثَلَاثَةٍ، فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَنْ يَجْمَعَ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ

Marfat.com

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو بہتر ہیں ایک سے اور تین بہتر ہیں دو سے، چار بہتر ہیں تین سے، پس تم جماعت کو لازم پکڑو، کیونکہ اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر ہرگز جمع نہیں فرمائیں گے۔

یہ روایت بھی موضوع ہے۔

ماخذ: اخرجه عبد الله بن احمد فی زوائد المسند والسیوطی فی الجامع۔

۵۲۔ سورۃ الحشر کی فضیلت کے بارے میں موضوع روایات

پہلی روایت:

مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْحَشْرِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ

جو سورۃ الحشر کو پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

یہ روایت موضوع ہے، اس کا واضع میسرۃ بن عبد ربہ ہے، اس نے اپنے اس فعل (وضع) کا اعتراف کیا تھا اور وجہ یہ بتائی تھی کہ چونکہ لوگ قرآن سے دور ہو رہے ہیں لہٰذا انہیں قرآن کی طرف راغب کرنے کے لئے اس نے (اچھی نیت سے) یہ حدیث وضع کی ہے۔

دوسری روایت:

مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْحَشْرِ .... مَاتَ شَهِيْدًا

مفتیان کرام فرماتے ہیں کہ تلاش بسیار کے باوجود اس کی سند نہیں مل سکی، مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس متن کو بغیر سند کے لکھا ہے، ظاہر ہے کہ جب تک سند سامنے نہ ہو اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

۵۳۔ ''باغ جنت'' اور ''انیس الواعظین'' غیر معتبر ہیں

کتاب ''باغ جنت'' میں یہ حدیث مذکور ہے:

''جب کوئی مرد اپنی بیوی کا بوسہ لیتا ہے تو اس کو ہر بوسہ کے بدلے ہزار برس کی عبادت کا ثواب ملتا

Marfat.com

ہے، اور جب گلے لگاتا ہے تو دو ہزار برس کی عبادت کا ثواب ملتا ہے، اور صحبت کرتا ہے تو تین ہزار برس کی عبادت کا ثواب ملتا ہے، اور جب غسل کرتا ہے تو چار ہزار برس کی عبادت کا ثواب ملتا ہے، غرضیکہ دونوں میاں بیوی کو اتنا بڑا ثواب ملتا ہے''، اور انیس الواعظین کا حوالہ دیا ہے۔

اس کے متعلق شیخ الحدیث سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بے اصل ہے، انیس الواعظین غیر معتبر ہے۔

۵۴۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ ''علم طلب کرو، اگرچہ وہ چین میں ہو''۔

اس روایت کے متعلق شیخ الحدیث سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ضعیف حدیث ہے جو بیہقی نے شعب الایمان، ابونعیم نے اخبار اصفہان، خطیب نے الرحلۃ اور ابن عبدالبر نے الجامع میں روایت کی ہے، ابن حبان کہتے ہیں: بَاطِلٌ لَا اَصْلَ لَهٗ وَذَكَرَهُ ابْنُ الْجَوْزِيُّ فِي الْمَوْضُوْعَاتِ۔ یعنی ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

۵۵۔ کھانے کی ابتداء وانتہاء، نمک پر

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اِفْتَحِ الطَّعَامَ بِالْمِلْحِ وَاخْتِمْ بِهٖ فَاِنَّ فِيْهِ اَمَانًا مِنْ سَبْعِيْنَ آفَةً اَقَلُّهَا جُذَامٌ۔ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اے ابوہریرہ! کھانا نمک سے شروع کرو اور نمک کے ساتھ ختم کرو، کیونکہ ستر آفات سے امن ہے، جن میں سے کم ترین بیماری جذام ہے۔

شیخ الحدیث سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے اب تک حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نہیں ملی، لیکن اسی کے قریب ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

"یَا عَلِیُّ عَلَیْكَ بِالْمِلْحِ فَاِنَّهٗ شِفَاءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ دَاءً اَقَلُّهَا الْجُذَامُ وَالْبَرَصُ وَالْجُنُوْنُ"

''اے علیؓ! نمک کو لازم پکڑو، کیونکہ اس میں ستر بیماریوں سے شفاء ہے، جن میں سے کم ترین جذام، برص اور جنون ہیں۔

رَوَاهُ ابْنُ الْجَوْزِیِّ فِی الْمَوْضُوْعَاتِ وَقَالَ: لَا یَصِحُّ وَالْمُتَّهَمُ بِهٖ عَبْدُ اللهِ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ عَامِرٍ اَوْ اَبُوْهُ فَاِنَّهُمَا یَرْوِیَانِ عَنْ اَهْلِ الْبَیْتِ نُسْخَةً کُلُّهَا بَاطِلَةٌ

اس روایت کو ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں، اور اس میں متہم عبداللہ بن احمد بن عامر یا اس کا باپ ہے، اس لئے کہ یہ دونوں اہلِ بیت سے احادیث کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں، جو سارا کا سارا باطل ہے۔ نیز اس سلسلہ میں اکثر احادیث موضوعہ ہیں۔

کھانے کی ابتداء وانتہاء، نمک پر کرنے کی مزید تحقیق

بعض اہل علم حضرات نے کھانے کی ابتدا و انتہا نمک پر کرنے کو مستحب اور بعض نے سنت قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں بعض احادیث و آثار سے استدلال کیا ہے۔ کھانے کی ابتداء و انتہاء نمک سے کرنے کے سنت یا مستحب ہونے سے متعلق چند کتب فقہ وتصوف کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ وَمِنَ السُّنَّةِ اَنْ یَّبْدَءَ بِالْمِلْحِ وَیَخْتِمُ بِالْمِلْحِ [۱]

اور کھانے کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ کھانے کی ابتدا نمک سے کرے اور انتہا بھی نمک سے کرے۔

۲۔ ردالمحتار میں ہے:

وَمِنَ السُّنَّةِ الْبَدَاءَةُ بِالْمِلْحِ وَالْخَتْمُ بِهٖ بَلْ فِیْهِ شِفَاءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ دَاءً۔ [۲]

اور کھانے کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ کھانے کی ابتدا اور انتہا نمک سے کی جائے، بلکہ اس میں ستر (۷۰) بیماریوں سے شفا پائی جاتی ہے۔

---

[۱] خلاصہ الفتاوی، ج ۴، ص ۳۶۰، کتاب الکراھیۃ، الفصل الخامس فی الاکل۔ [۲] ردالمحتار، ج:۶، ص ۳۴۰، کتاب الحظر والاباحۃ۔

Marfat.com

۳۔ وَمِنَ السُّنَّةِ اَنْ يَّبْدَءَ بِالْمِلْحِ وَيَخْتِمَ بِالْمِلْحِ نمک سے کھانے کی ابتدا اور اختتام سنت ہے۔[1]

فتاویٰ تتارخانیہ کی مذکورہ عبارت کی تعلیق میں مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی جامعہ قاسمیہ مراد آباد ھند، لکھتے ہیں:

قَوْلُ الْمُصَنِّفِ: وَمِنَ السُّنَّةِ اَنْ يَّبْدَاَ بِالْمِلْحِ وَيَخْتِمَ بِالْمِلْحِ لَمْ اَجِدْ بِهٰذَا الْحُكْمِ حَدِيْثًا صَحِيْحًا (وَبَعْدَ نَقْلِ اَثَرِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَحَدِيْثِ مُعَاذٍ وَّعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ الْمُحَقِّقُ) قُلْتُ: مَا رَوَاهُ مِنَ الرِّوَايَاتِ بِهٰذَا الْمَوْضُوْعِ كُلُّهَا مَتْرُوْكَةٌ عِنْدَ الْمُحَدِّثِيْنَ. فَلِهٰذَا لَا يُسْتَدَلُّ بِاِحْدٰى مِنْ تِلْكَ الرِّوَايَاتِ[2]

مصنف کا یہ فرمانا کہ ''نمک سے کھانے کی ابتداء اور اختتام سنت ہے'' میں نے یہ حکم کسی صحیح حدیث میں نہیں پایا (جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث واثر اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے) تو اس مسئلہ کی تمام روایات محدثین کے نزدیک متروک ہیں، پس اس لئے ان روایات میں سے کسی سے مسئلہ ہذا پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

وَيَأْكُلُ بِالْيُمْنٰى وَيَبْدَءُ بِالْمِلْحِ وَيَخْتِمُ بِهٖ ''دائیں ہاتھ سے کھائے اور نمک سے ابتداء کرے، اور نمک پر اختتام کرے''۔[3]

۵۔ علامہ ابنِ ملقن شافعی رحمۃ اللہ علیہ التوضیح میں فرماتے ہیں:

نمک وغیرہ سے کھانے کی ابتدا کرے، ابن طاہر نے ''صفۃ التصوف'' میں اس کو ذکر کیا ہے، جعفر بن محمد کی اپنے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! (آپ کھانے میں) نمک سے ابتداء کریں اور نمک پر اختتام کریں، کیونکہ اس میں ستر (۷۰) بیماریوں کی دوا ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس حدیث

---

[1] الفتاویٰ التتارخانیۃ۔ [2] تعلیق الفتاویٰ التتارخانیۃ، حوالہ بالا۔ [3] احیاء علوم الدین، لابی حامد الغزالی، ج:۱، ص:۳۶۳۔

Marfat.com

کی سند ضعیف ہے۔[۱]

خلاصہ یہ ہے کہ اہل علم حضرات اور صوفیائے کرام سے کھانے کے شروع اور آخر میں نمک کے استعمال کا سنت اور بعض سے مستحب یا کھانے کے آداب میں سے ہونا مروی ہے۔

کھانے کے شروع وآخر میں نمک پر استدلال والی احادیث وروایات کی تحقیق

محدثین نے ان احادیث و روایات کی اسناد اور متن پر کلام کیا ہے اور ان کو ضعیف بلکہ بعض نے شدید ضعیف وموضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے اور بعض روایات کی سند ہی موجود نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سَيِّدُ إِدَامِكُمُ الْمِلْحُ کہ تمہارے سالن کا سردار ''نمک'' ہے۔

۱۔ امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ''عیسیٰ بن ابی عیسیٰ'' راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔[۲]

۲۔ علامہ بن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' میں اس حدیث کو ''عیسیٰ بن ابی عیسیٰ الحناط'' کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ عمرو بن علی نے عیسیٰ بن ابی عیسیٰ الحناط کو سخت ''مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ'' اور ''مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ'' کہا ہے، اور یحییٰ بن سعید نے ان کو ''سَيِّءُ الْحِفْظِ'' کہا ہے، جس کے بعد علامہ ابنِ عدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عیسیٰ بن ابی عیسیٰ کی احادیث کی متن اور سند کے اعتبار سے متابعت نہیں پائی جاتی۔[۳]

۳۔ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المجروحین میں عیسیٰ بن ابی عیسیٰ کو سَيِّءُ الْفَهْمِ وَالْحِفْظِ، كَثِيْرُ الْوَهْمِ، فَاحِشُ الْخَطَاءِ قرار دینے کے بعد ان کے مستحقِ ترک ہونے کا حکم لگایا ہے۔[۴]

۴۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب التہذیب میں عیسیٰ بن ابی عیسیٰ الحناط کو ''متروک'' قرار دیا ہے۔[۵]

۵۔ امام مزی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب الکمال میں عیسیٰ بن عیسیٰ الحناط کے متعلق محدثین کی تفصیلی جرح کا ذکر فرمایا

---

[۱] التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن ملقن، ج:۲۶، ص:۸۳، کتاب الاطعمہ۔ [۲] فیض القدیر للمناوی، رقم الحدیث:۴۷۵۵۔ [۳] الکامل فی ضعفاء الرجال، لابن عدی، ج:۶، ص:۴۳۶۔ [۴] المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین، لمحمد بن حبان، ج:۲، ص:۱۱۷۔ [۵] تقریب التہذیب، لابن حجر، ج:۱، ص:۷۷۳۔

Marfat.com

ہے، جن میں بعض جرح شدید نوعیت کی بھی ہیں۔[1]

۶۔ عرب کے مشہور عالم شیخ شعیب الارنؤوط نے سنن ابن ماجہ کی تعلیق میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی سند پر شدید ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے۔[2]

دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث سے کھانے کے شروع اور کھانے کے اختتام پر نمک کے سنت و مستحب ہونے پر بظاہر استدلال راجح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ بعض روایات میں سالن کا سردار نمک کے بجائے گوشت کو قرار دیا گیا ہے، اور گوشت کو بہترین سالن قرار دیا گیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہوگا کہ ان روایات کے پیش نظر نمک کے بجائے گوشت سے کھانے کی ابتداء و انتہاء کرنا سنت و مستحب ہو، جبکہ یہ استدلال فقہائے کرام سے منقول نہیں، اگرچہ ان روایات کی اسناد پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے، مگر سند پر کلام سے نمک کے سالن کا سردار ہونے والی حدیث بھی خالی نہیں، جیسا کہ گزرا۔

اسی طرح معتبر احادیث میں ''ثرید'' کو تمام کھانوں میں افضل قرار دیا گیا ہے۔[3]

نیز معتبر احادیث میں سرکہ کو نہایت عمدہ سالن قرار دیا گیا ہے۔[4]

لیکن اس کے باوجود ثرید یا سرکہ سے کھانے کی ابتداء و انتہاء کرنے کو سنت یا مستحب قرار نہیں دیا گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث

تاریخ جرجان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ذکر کی گئی ہے، جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> تم کھانے کی ابتداء نمک سے کرو، کیونکہ اس میں ستر سے زیادہ بیماریوں کی دوا ہے اور جس نے کھانے کی ابتدا نمک سے کی اور یہ دعا پڑھی: ''بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا وَارْزُقْنَا مَا هُوَ أَفْضَلُ مِنْهُ'' تو اللہ اس کی عذاب قبر سے حفاظت فرمائے

---

[1] تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، للمزی، ج: ۲۳،ص: ۱۸۔ [2] حاشیہ سنن ابن ماجہ، تحت رقم الحدیث: ۳۳۱۵۔ [3] صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۴۳۳، ۵۴۱۹، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۳۹۴۸۔ [4] صحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۰۵۱، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۸۳۹۔

Marfat.com

گا، پھر جب تک لقمہ اس کے پیٹ میں رہے گا، اللہ اس کی مغفرت فرمادے گا۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابو القاسم جرجانی نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے، اور اس حدیث میں موجود ''علی بن یزداد'' راوی ''متہم بالکذب'' ہیں۔ [1]

ابراہیم محمد طرابلسی شافعی (المتوفی ۸۴۱ ہجری) نے علی بن یزداد جرجانی کو متہم بالکذب اور موضوع باتیں روایت کرنے والا قرار دیا ہے۔ [2]

مندرجہ بالا تفصیل کے پیش نظر مذکورہ حدیث پر عقیدہ رکھنا یا اس کی تصدیق کرنا درست معلوم نہ ہوا، اور شدید ضعیف ہونے کے باعث اس سے مذکورہ فضیلت کو ثابت کرنا بھی راجح نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث

دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے بغیر سند کے یہ حدیث نقل کی ہے:

ثَلَاثُ لُقَمَاتٍ بِالْمِلْحِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَثَلَاثٌ بَعْدَ الطَّعَامِ يَصْرِفُ بِهِنَّ عَنِ ابْنِ آدَمَ اثْنَيْنِ وَسَبْعِيْنَ نَوْعًا مِّنَ الْبَلَاءِ مِنْهُ الْجُنُوْنُ وَالْجُذَامُ وَالْبَرَصُ [3]

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد نمک کے تین لقمے ابن آدم سے بہتر (۷۲) قسم کی بلاؤں کو دور کر دیتے ہیں، جن میں جنون اور کوڑھ پن اور برص کی بیماری بھی داخل ہے۔

لیکن دیلمی میں مذکورہ روایت کی سند مذکور نہیں، نیز کسی دوسری کتاب میں بھی یہ حدیث باسند طریقہ پر دستیاب نہیں ہو سکی، اس لئے اس کی تصدیق کرنا بھی مشکل ہے۔

۵۶- اِنَّ اللّٰهَ يُرِيْدُ الْعَذَابَ...الخ

اِنَّ اللّٰهَ يُرِيْدُ الْعَذَابَ بِأَهْلِ الْأَرْضِ فَإِذَا سَمِعَ تَعْلِيْمَ الصِّبْيَانِ (اَلْقُرْاٰن) صَرَفَ عَنْهُمُ الْعَذَابَ... الحدیث۔

---

[1] تاریخ جرجان، للجرجانی، رقم الحدیث: ۵۳۱۔ [2] الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث، ص: ۱۹۱۔ [3] الفردوس بماثور الخطاب لابی شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، رقم الحدیث: ۲۴۸۲۔

Marfat.com

بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ زمین کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے لیکن جب بچوں کو قرآن سیکھتے ہوئے سنتا ہے تو عذاب ہٹا لیتا ہے۔

اس حدیث کے متعلق شیخ الحدیث مولانا محمد یونس سہارنپوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے کہیں نہیں ملی۔

۵۷۔ اِنَّ اللهَ تَعَالٰی یَنْظُرُ اِلٰی وَجْهِ الشَّیْخِ ....الخ

اِنَّ اللهَ تَعَالٰی یَنْظُرُ اِلٰی وَجْهِ الشَّیْخِ صَبَاحًا وَّمَسَاءً وَّیَقُوْلُ: عَبْدِیْ قَدْ کَبُرَسِنُّكَ وَ رَقَّ جِلْدُكَ وَدَقَّ عَظْمُكَ وَاقْتَرَبَ اَجَلُكَ وَحَانَ قُدُوْمُكَ اِلَیَّ فَأَسْتَحْیِیْ مِنْ شَیْبَتِكَ اَنْ اُعَذِّبَكَ فِی النَّارِ۔

اللہ تعالیٰ صبح وشام بوڑھے شخص کی طرف نظر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اے میرے بندے! تیری عمر بڑی ہو چکی، تیرا چمڑا نرم ہو چکا، تیری ہڈیاں بوسیدہ ہو چکیں، تیری اجل قریب آ چکی اور تیرا میرے پاس آنے کا وقت ہو چکا، پس مجھے تیرے بڑھاپے کی وجہ سے حیاء آتی ہے کہ تجھے جہنم میں عذاب دوں۔

شیخ الحدیث سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بھی اب تک نہیں مل سکی۔

۵۸۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِیْ

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ نُوْرِیْ ''اول چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے''۔

هٰذَا حَدِیْثٌ مَشْهُوْرٌ عَلٰی اَلْسِنَةِ الْعَوَامِّ یَذْکُرُهُ الْقُصَّاصُ وَالْوُعَّاظُ وَقَدْ ذَکَرَهُ عَلِیُّ الْقَارِیْ فِی الْمِرْقَاةِ وَلَمْ یَذْکُرْ مَنْ خَرَّجَهُ ''یہ حدیث عوام الناس کی زبان پر مشہور ہو چکی ہے، قصہ گو اور واعظ قسم کے لوگ اس کو بیان کرتے ہیں، ملا علی قاری نے مرقات میں اس کو ذکر کیا ہے، لیکن صاحب تخریج کا ذکر نہیں کیا''۔

اس کے متعلق شیخ الحدیث مولانا محمد یونس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ کُنْتُ اَتَقَاعَدُ عَنْ حُکْمِ الْوَضْعِ حَتّٰی وَقَفْتُ عَلَی التَّعْلِیْقَاتِ الْحَافِلَةِ لِلشَّیْخِ

Marfat.com

عَبْدِ الْفَتَّاحِ فَقَدْ صَرَّحَ فِيهَا بِكَوْنِ الْحَدِيثِ مَوْضُوعًا وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللهِ

میں اس حدیث پر وضع کا حکم لگانے سے اجتناب کرتا رہا حتی کہ میں شیخ عبدالفتاح کی تعلیقات پر مطلع ہوا، انہوں نے اس میں اس حدیث کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے، حقیقی علم اللہ کے پاس ہے۔

الغرض حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِیْ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں ایک حدیث بحوالہ عبدالرزاق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، جس میں یَاجَابِرُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرَ نَبِيِّكَ ہے، اس کی سند باوجود تتبع بلیغ کے نہیں ملی، الفاظ کی بندش یہ بتاتی ہے کہ موضوع ہے، قسطلانی کے اعتماد پر بہت سے لوگ نقل کرتے ہیں لیکن قسطلانی ناقدین حدیث میں نہیں ہیں، اور اگر بالفرض ہوتے تو بھی دوسروں کو اختلاف کی گنجائش ہوتی۔

اوّل المخلوقات

روایات معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول المخلوقات دوسری اشیاء ہیں، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مسند احمد وترمذی وغیرہ میں ''اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمُ'' وارد ہوا ہے، اسی وجہ سے بہت سارے محدثین اول المخلوقات قلم کو مانتے ہیں۔

ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ عرش قلم سے بھی پہلے پیدا کیا گیا، حافظ ابوالعلاء الہمدانی نے یہ قول جمہور سے نقل کیا ہے۔ حضرت عمران بن حصین کی حدیث میں صحیحین میں ''كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْئٌ غَيْرُهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ'' وارد ہے، اور مسند احمد وترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ''خَلَقَ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ'' وارد ہے، اس کی بناء پر ایک جماعت کہتی ہے کہ پانی سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

بہرحال قدماء محدثین میں سے ابن جریر طبری وغیرہ نے اور ان کے بعد حافظ ابن تیمیہ [1] وغیرہ نے اول المخلوقات کے متعلق علماء کے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں، لیکن کسی نے بھی اس حدیث سے کوئی تعرض نہیں کیا

---

[1] ا/۱۰۰، حافظ ابن کثیر ا/۸، وحافظ ابن حجر ۷/۹۸۔

Marfat.com

ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء میں سے سب سے مقدم ہیں اگر چہ بعثت میں سب سے مؤخر ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ۔

۵۹۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ "اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپناؤ"۔

شیخ الحدیث سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صوفیانہ کلام ہے، حدیث کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا۔

۶۰۔ خُلِقَتِ النَّخْلَةُ وَالرُّمَّانَةُ وَالْعِنَبُ مِنْ فُضْلَةِ طِيْنَةِ آدَمَ

تفسیر مظہری میں پارہ ۱۶ آیت مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ کے تحت یہ حدیث ذکر فرمائی گئی ہے:

اَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خُلِقَتِ النَّخْلَةُ وَالرُّمَّانَةُ وَالْعِنَبُ مِنْ فُضْلَةِ طِيْنَةِ آدَمَ"۔

ابن عساکر نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کھجور، انار اور انگور آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ جِدًّا وَأَوْرَدَهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي الْمَوْضُوْعَاتِ وَقَالَ: لَا يَصِحُّ، مَسْرُوْرٌ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ يُرْوِيْ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ الْمَنَاكِيْرَ وَقَالَ ابْنُ حِبَّانٍ: مَسْرُوْرُ بْنُ سَعِيْدٍ يُرْوِيْ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ الْمَنَاكِيْرَ الَّتِيْ لَا يَجُوْزُ الْاِحْتِجَاجُ بِمَنْ يَرْوِيْهَا ثُمَّ ذَكَرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ۔

یہ حدیث انتہائی منکر ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ

Marfat.com

حدیث ثابت نہیں، مسرور منکر الحدیث ہے جو اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے منکر احادیث روایت کرتا ہے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسرور بن سعید اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسی منکر روایات بیان کرتا ہے کہ جن کے راویوں سے احتجاج درست نہیں، پھر مثال کے طور پر اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ یہ حدیث ابن حبان و ابن عدی و ابن کثیر کے نزدیک منکر ہے، عقیلی غیر محفوظ کہتے ہیں اور ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے، علامہ سیوطی نے اپنی عادت کے موافق ابن الجوزی پر تعقب کیا ہے، لیکن کوئی زوردار تائید نہیں پیش کر سکے، بہر حال یہ روایت اگر موضوع نہ بھی ہو تو قابل استناد نہیں ہے۔

۶۱۔ صبح کا کھانا کھانے کے بعد لیٹنا

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَغَدّٰى تَمَدّٰى کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کا کھانا کھاتے تو لیٹ جاتے۔

یہ حدیث نہیں بلکہ حکیم کا مقولہ ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ الاصابہ میں فرماتے ہیں:

رَوٰى دَاوٗدُ بْنُ رَشِيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَعْرُوْفٍ قَالَ لَمَّا احْتُضِرَ الْحَارِثُ اِجْتَمَعَ النَّاسُ اِلَيْهِ فَقَالُوْا: اَوْصِنَا فَقَالَ: لَا تَزَوَّجُوْا اِلَّا شَابَّةً وَلَا تَأْكُلُوا الْفَاكِهَةَ اِلَّا نَضْجَةً وَلَا يَتَعَالَجَنَّ اَحَدُكُمْ مَا احْتَمَلَ بَدَنُهُ الدَّاءَ، وَعَلَيْكُمْ بِالنُّوْرَةِ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ فَاِنَّهَا مُذْهِبَةُ الْبَلْغَمِ وَمَنْ تَغَدّٰى فَلْيَنَمْ بَعْدَهٗ وَمَنْ تَعَشّٰى فَلْيَمْشِ اَرْبَعِيْنَ خُطْوَةً

داؤد بن رشید نے عمرو بن معروف سے روایت کیا ہے کہ جب حارث بن کلدہ کی موت کا وقت قریب آیا تو لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے اور نصیحت کی درخواست کی تو اس نے کہا: نوجوان لڑکی سے شادی کرنا، صرف تازہ پھل کھانا، جب تک جسم بیماری کو برداشت کرے علاج نہ کروانا اور ہر مہینہ نورۃ کھاتے رہنا یہ بلغم کو ختم کرتا ہے اور جو صبح کھانا کھائے تو تو فوراً سو جائے اور جو شام کا کھانا کھائے تو اس کے فوراً بعد چالیس قدم چلے۔

Marfat.com

۶۲۔کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "یا حُمیراء" سے پکارتے تھے؟

ہمارے کافی مسلمان بھائی اپنی بچیوں کا نام "حُمیرا" ہی رکھتے ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی حُمیرا سے پکارتے تھے، حُمیرا کا معنی سرخ رنگ والی۔ مولانا منظور احمد صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے معارف الحدیث میں اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعاتِ کبیر میں اس بات کو رَدّ کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یا حُمیراء سے پکارا ہے وہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ جل جلالہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بی بی کو عشقیہ انداز سے کبھی بھی نہیں پکارتے تھے، شیعہ لوگ بُغض سے حُمیرا کو تصغیر کے ساتھ پڑھتے ہیں (حمارۃ) یعنی چھوٹی گدھی، نعوذ باللہ۔ [1]

۶۳۔ عصر کے بعد لکھائی سے گریز

مَنْ اَحَبَّ کَرِیْمَتَیْهِ فَلَا یَکْتُبَنَّ بَعْدَ الْعَصْرِ کہ جو شخص اپنی آنکھوں کی بینائی چاہتا ہے تو وہ عصر کے بعد لکھائی سے گریز کرے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے احباب کو اس کی وصیت فرماتے تھے کہ عصر کے بعد لکھنا آنکھوں کیلئے مضر ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ مشائخ اور بزرگوں کا قول ہے۔

۶۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابو جہل سے کشتی لڑنا

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مُصَارَعَتُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِاَبِیْ جَهْلٍ لَا اَصْلَ لَهٗ کہ ابو جہل کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کشتی لڑنا حدیث سے ثابت نہیں، ابو جہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا نہیں تھا، اکثر لوگ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا سمجھتے ہیں، اس لئے کہ ابو جہل کا خاندان بنو مخزوم تھا۔

---

[1] موضوعاتِ کبیر عربی ص ۹۴ از ملا علی قاریؒ، واز مولانا منظور نعمانیؒ معارف الحدیث۔

Marfat.com

۶۵۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ

اَنَامَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ [۱]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مُنْکَرٌ کہ یہ حدیث غلط ہے۔

۶۶۔ خیبر کے دروازے کو اُکھیڑنا

حَمَلَ عَلِیٌّ بَابَ خَیْبَرَ. اَنْکَرَهُ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیبر کے دروازے کو اکھیڑنا اور ڈھال کے طور پر استعمال کرنا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

۶۷۔ نہار منہ پانی پینے سے متعلق احادیث کی تحقیق

بعض لوگ کہتے ہیں کہ احادیث میں نہار منہ پانی پینے کی ممانعت آئی ہے، حالانکہ کسی حدیث میں نہار منہ پانی پینے کی ممانعت یا نہار منہ پانی پینے کا حکم نہیں آیا، ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

امام طبرانی ''المعجم الاوسط'' میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے:

''مَنْ شَرِبَ الْمَاءَ عَلَی الرِّیْقِ انْتَقَصَتْ قُوَّتُهُ'' [۲]

کہ جس نے نہار منہ پانی پیا، تو اس کی طاقت کم ہو جائے گی۔

یہ حدیث سند کے اعتبار سے مضبوط و معتبر نہیں ہے، اس کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، چنانچہ مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن مخلد رعینی راوی ضعیف ہیں۔ [۳]

محمد بن مخلد کے بارے میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عدی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ باطل احادیث کو روایت کرتا ہے، اور یہ منکر الحدیث ہے۔ [۴]

علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے دار قطنی سے محمد بن مخلد کے بارے میں متروک الحدیث ہونا نقل کیا ہے، اور

---

[۱] رواۃ الترمذی۔ [۲] المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۶۶۴۶۔ [۳] مجمع الزوائد، رقم الحدیث: ۸۲۹۲۔ [۴] میزان الاعتدال للذہبی، ج: ۴، ص: ۳۲، رقم الترجمہ: ۸۱۵۱۔

Marfat.com

بعض حضرات سے محمد بن مخلد کے بارے میں صالح ہونا بھی مروی ہے لیکن اکثر محدثین نے ان پر سخت جرح کی ہے۔[1]

علاوہ ازیں مذکورہ حدیث میں ایک دوسرے راوی ''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم'' پر بھی محدثین نے جرح فرمائی ہے۔[2]

جس کے پیشِ نظر مذکورہ حدیث کا شدید ضعیف ہونا راجح معلوم ہوتا ہے، اور اگر صرف ضعیف ہونا تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس کو طبی حکم سمجھنا چاہیے، شرعی حکم نہیں سمجھنا چاہیے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ نہار منہ پانی پینا یا نہ پینا شرعی مسئلہ نہیں، بلکہ یہ ایک طبی مسئلہ ہے، نہار منہ پانی پینے کی ممانعت بعض اطباء سے منقول ہے۔

۶۸۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ ''المعجم الاوسط'' میں ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک لمبی حدیث مروی ہے، جس میں یہ مضمون مذکور ہے:

مَنْ شَرِبَ الْمَآءَ عَلَى الرِّيْقِ انْتَقَصَتْ قُوَّتُهُ[3]

کہ جس نے نہار منہ پانی پیا، تو اس کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔

مذکورہ حدیث کو ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تاریخِ دمشق میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، جس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند اور متن غریب ہے۔[4]

مذکورہ حدیث کی سند میں ایک راوی ''عبدالاول ابو نعیم مصری'' موجود ہیں، جن کے بارے میں حضرت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جھوٹی باتیں روایت کرتے ہیں۔[5]

بعض دیگر اہلِ علم حضرات نے ان سے مروی بعض احادیث کو منکر اور غریب قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے بھی نہار منہ پانی پینے کی ممانعت ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

---

[1] ان المیزان لابن حجر عسقلانی، ج:۵، ص:۳۷۵۔ [2] تہذیب الاحکام فی اسماء الرجال للمزی، ج:۱۷، ص:۱۱۹۔ تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی، ج:۶، ص:۱۷۹۔ [3] المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۶۵۵۷۔ [4] تاریخ دمشق، لابن عساکر، ج:۲۴، ص:۴۵۶۔ [5] المغنی فی الضعفاء، للذہبی، ج:۱، ص:۳۶۵۔

Marfat.com

۶۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث

علامہ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' میں ''عاصم بن سلیمان عبدی'' کی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ نہار منہ پانی پینا (جسم سے) چربی کو ختم کر دیتا ہے۔

لیکن خود علامہ ابنِ عدی رحمۃ اللہ علیہ نے عاصم بن سلیمان عبدی کو حدیث گھڑنے والوں کی فہرست میں شمار کیا ہے، اور ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں پائی جاتی۔ اسی کے ساتھ علامہ ابنِ عدی رحمۃ اللہ علیہ نے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے ''عاصم بن سلیمان عبدی'' کے بارے میں متروک الحدیث ہونا نقل کیا ہے۔ نیز علامہ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عاصم بن سلیمان سے مروی عام احادیث سند یا متن کے اعتبار سے منکر ہیں، اور ان کی حدیث میں ضعف واضح ہے۔ [۱]

اور علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے عاصم بن سلیمان کی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ موضوع اور من گھڑت احادیث کو روایت کرتے ہیں، جن کی حدیث تعجب کے طور پر ہی لکھنا حلال ہے۔ [۲]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نہار منہ پانی پینے سے طاقت کم ہونے وغیرہ کی احادیث اسناد کے اعتبار سے ضعف بلکہ شدید ضعف سے خالی نہیں، اور اگر مذکورہ کسی حدیث کو بالفرض معتبر بھی مانا جائے، تب بھی اس کو ایک طبی درجہ میں رکھا جائے گا، اس کو شرعی حکم سمجھنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں نہار منہ پانی پینے کو جسمانی و بدنی کمزوری ہونے کا باعث ہونے پر اکتفاء کیا گیا ہے، ثواب یا گناہ وغیرہ قرار نہیں دیا گیا، لہٰذا مذکورہ احادیث پر عقیدہ رکھنا یا ان کو جرح کے بغیر روایت کرنا، راجح معلوم نہیں ہوتا۔

۷۰۔ نہار منہ پانی پینے سے متعلق اہلِ علم و ماہرین کے اقوال

۱۔ علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نہار منہ پانی پینے کی کثرت و عادت سے بدن کمزور ہو جاتا ہے۔

۲۔ ابنِ قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حکماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نہار منہ پانی پینا عقل میں فتور پیدا کرتا ہے۔

---

[۱] الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، ج:۶، ص:۴۱۳۔ [۲] المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین، لمحمد بن حبان، ج:۲، ص:۱۲۶۔

Marfat.com

۳۔ ملا علی قاری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ وغیرہ نے "مشکاۃ" کی شرح "مرقاۃ المفاتیح" میں فرمایا کہ خاص طور پر اہلِ عرب نہار منہ پانی پینے کو صحت کے لئے مضر اور نقصان دہ سمجھتے ہیں۔

۴۔ بہشتی زیور میں ہے:

سوتے اُٹھ کر فوراً پانی نہ پیو اور نہ یکلخت ہوا میں نکلو، اگر بہت ہی پیاس ہے تو عمدہ تدبیر یہ ہے کہ ناک پکڑ کر پانی پیو اور ایک ایک گھونٹ کر کے پیو اور پانی پی کر ذرا دیر تک ناک پکڑے رہو، سانس ناک سے مت لو، اسی طرح نہار منہ نہ پینا چاہیے۔[1]

۵۔ حکیم محمد سعید صاحب مرحوم اپنی مشہور تالیف "دیہاتی معالج" میں لکھتے ہیں:

نیند سے جاگنے کے بعد اور خالی پیٹ پانی پینا مناسب نہیں ہے، لیکن اگر پیاس بہت زیادہ لگی ہو تو اس کو بجھانے کیلئے تھوڑا پانی گھونٹ گھونٹ کر کے پی سکتے ہیں۔

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ کہ شرعی اعتبار سے نہار منہ پانی پینا گناہ یا ثواب نہیں، البتہ بعض احادیث میں نہار منہ پانی پینے کو بدن کی کمزوری اور بعض احادیث میں جسم سے چربی کے ختم ہونے کا باعث قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ احادیث سند کے اعتبار سے کمزور یا غیر معمولی کمزور معلوم ہوتی ہیں۔

اور برسبیلِ تسلیم بھی ان احادیث میں طبی مسئلہ بیان کیا گیا ہے نہ کہ شرعی مسئلہ، اور متعدد اطباء و ماہرین کے نزدیک نہار منہ پانی پینا صحت کے لئے مفید نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆ ☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند احادیثِ صحیحہ کی تحقیق

تَعَلَّمْنَا الْاِیْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ

حضرات صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ کے قول "تَعَلَّمْنَا الْاِیْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ" کی تحقیق:

اَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ مِنْ طَرِيْقِ حَمَّادِبْنِ نَجِيْحٍ عَنْ اَبِيْ عِمْرَانَ الْجُوْنِيِّ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ

[1] بہشتی زیور، ص:۵۸۶، حصہ نہم۔

عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهٖ اِيْمَانًا۔

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہم نوجوان تھے، پس ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان سیکھا، پھر ہم نے قرآن سیکھا تو ہمارے ایمان میں اضافہ ہوا۔

وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ كَمَا قَالَ الْعِرَاقِيُّ وَزَادَ الطَّبْرَانِيُّ فِيْهِ: وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَعَلَّمُوْنَ الْقُرْآنَ قَبْلَ الْاِيْمَانِ وَهُوَ صَحِيْحٌ اَيْضًا وَلَهٗ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ اَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ وَصَحَّحَهٗ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَالْبَيْهَقِيُّ: "لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِنَ الدَّهْرِ وَاَنَّ اَحَدَنَا يُؤْتَى الْاِيْمَانَ قَبْلَ الْقُرْآنِ" [1]

اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ شیخ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور طبرانی نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ: تم ایمان سے پہلے قرآن سیکھتے ہو، اور یہ سند بھی صحیح ہے اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کا شاھد بھی موجود ہے جس کی حاکم نے تخریج کی ہے اور شیخین کی شرط پر اس کو صحیح قرار دیا ہے اور بیہقی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ: ہم ایک لمبا عرصہ یہی دیکھتے رہے کہ ہمیں قرآن سے پہلے ایمان سکھایا جاتا تھا۔

جَزَى اللهُ عَنَّا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"جَزَى اللهُ عَنَّا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ" کا جو ثواب حضرت اقدس شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل درود شریف میں درج فرمایا اس کے لحاظ سے بعض ثقہ اہل علم کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟

اَخْرَجَهُ الطِّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَالْاَوْسَطِ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ وَابْنُ شَاهِيْنَ فِي التَّرْغِيْبِ لَهٗ وَاَبُو الشَّيْخِ وَالْخَطِيْبُ فِيْ تَارِيْخِهٖ ۸/۳۳۸ وَالْخَلْعِيُّ فِيْ فَوَائِدِهٖ وَابْنُ بَشْكَوَالٍ وَالرَّشِيْدُ الْعَطَّارُ مِنْ طَرِيْقِ هَانِيْ بْنِ الْمُتَوَكِّلِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَالَ: جَزَى اللهُ عَنَّا

Marfat.com

مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاهُوَاَهْلُهُ اَتْعَبَ سَبْعِيْنَ كَاتِبًا اَلْفَ صَبَاحٍ". هٰذَا لَفْظُ الطَّبْرَانِيِّ وَالْخَطِيْبِ وَلَفْظُ غَيْرِهِمَا: سَبْعِيْنَ مَلَكًا

اس حدیث کی طبرانی نے معجم کبیر، معجم اوسط میں، ابونعیم نے حلیہ میں، ابن شاھین نے ترغیب میں، ابوالشیخ، خطیب نے اپنی تاریخ میں اور خلفی نے اپنی فوائد میں، ابن الشکوال اور رشید العطار نے مذکورہ سند (ھانی بن المتوکل) سے تخریج کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کہا جَزَى اللهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَاهُوَ اَهْلُهٗ تو اس نے ایک ہزار صبح تک ستر کاتبوں کو تھکا دیا، یہ طبرانی اور خطیب کے الفاظ ہیں اور دوسرے حضرات کی روایت میں ستر ملائکہ کا لفظ ہے۔

اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ يَمِيْنُ اللهِ فِي الْاَرْضِ

بعض حضرات نے اس روایت پر عدمِ صحت کا حکم لگایا ہے، لیکن شیخ الحدیث سہارنپور حضرت مولانا محمد یونس رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

لٰكِنَّهٗ وَرَدَ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو كَمَا تَقَدَّمَ فِي كَلَامِ الْعِرَاقِيِّ وَقَدْ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَسَكَتَ عَنْهُ الْعِرَاقِيُّ وَقَدْ اَخْرَجَ ابْنُ مَاجَةَ ص:٢١٨ فِيْ حَدِيْثٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا: مَنْ فَاوَضَهُ فَاِنَّمَا يُفَاوِضُ يَدَ الرَّحْمٰنِ، وَفِيْ اِسْنَادِهٖ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عِيَاشٍ قَالَ الْمُنْذِرِيُّ وَحَسَّنَهٗ بَعْضُ مَشَائِخِنَا اِنْتَهٰى.

فَالْحَقُّ اَنْ يُّقَالَ: اَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ اَيْ حَدِيْثُ الْحَجَرِ يَمِيْنُ اللهِ وَارِدٌ عَلٰى مَعْنَى التَّشْبِيْهِ اَيْ اَنَّ الَّذِيْ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ فَكَاَنَّمَا يُقَبِّلُ يَدَ الرَّحْمٰنِ وَكَاَنَّمَا يُصَافِحُ يَدَ الرَّحْمٰنِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَقَدْ حَمَلَهُ الْغَزَالِيُّ عَلٰى مَعْنَى الْاِكْرَامِ وَقَدْ ذَكَرَ الْحَافِظُ ٣/٣٧٠ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ مَعَانِيْ فَرَاجِعْهُ

لیکن یہ حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی موجود ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، اور

---

[1] کذا فی تخریج الاحیاء ۱/ ۶۸ وراجع الاتحاف ، ص: ۴۲۴۔

Marfat.com

شیخ عراقی نے اس پر سکوت کیا ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث کی تخریج کی ہے کہ: مَنْ فَاوَضَهُ فَاِنَّمَا يُفَاوِضُ يَدَ الرَّحْمٰنِ۔ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے، شیخ منذری فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض مشائخ نے اس کی تحسین کی ہے۔

حق یہ ہے کہ یہ حدیث کہ ''حجر اسود زمین پر اللہ کا دایاں ہاتھ ہے''، تشبیہ کے معنی پر وارد ہے یعنی اس کا مطلب ہے کہ جس نے حجر اسود کا بوسہ لیا گویا وہ اللہ کے ہاتھ کا بوسہ لیتا ہے اور رحمن کے ہاتھ پر مصافحہ کرتا ہے، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اعزاز و اکرام کے معنی پر محمول کیا ہے۔

نو حصے رزق تجارت میں

تِسْعَةُ اَعْشَارِ الرِّزْقِ فِي التِّجَارَةِ وَالْعُشْرُ فِي الْمَوَاشِيْ

رزق کے نو حصے تجارت میں ہیں اور دسواں حصہ جانوروں میں ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں بروایت ابو یعلی نعیم بن عبد الرحمن الازدی اور یحییٰ بن جابر الطائی سے مرسلاً نقل کی ہے، حافظ عراقی نے اس کے رجال صحیح بتلائے ہیں، واللہ اعلم۔

عاشوراء کے دن توسع علی العیال میں علماء کا اختلاف

عاشوراء کے دن توسیع علی العیال، اچھے کھانے پکانا بعض روایات میں ہے، لیکن اکابر محدثین امام احمد، ابو جعفر عقیلی، ابن طاہر، ابن الجوزی، ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن المعز الحنفی، مجد الدین فیروز آبادی وغیرہ اس کے ثبوت کے قائل نہیں، اس کے برعکس بیہقی، ابن ناصر، عراقی، سخاوی، سیوطی، منادی، ابن عراق، علی قاری، شوکانی، زرقانی، ثبوت کے قائل ہیں۔

مرد اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِيْنِ خَلِيْلِهٖ کہ مرد اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

حضرات سلفؒ اور موجودہ سلفیوں میں فرق

دین اور شریعت

اللہ نے جو دین نازل فرمایا ہے اس کے دو حصے ہیں: (۱) عقائد (۲) اعمال، عام طور پر عقائد کو دین اور اعمال کو شریعت کہتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ "فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ " [۱] میں یہی عام معنی مراد ہیں، مگر دونوں میں بڑا فرق ہے اور وہ یہ کہ دین بمعنی عقائد آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ایک رہا ہے اور جب اب تک ایک رہا ہے تو قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی ایک ہی رہے گا، البتہ گزشتہ نبیوں کے زمانوں میں لوگوں نے دین میں اختلاف کیا اور اختلاف کرتے کرتے لوگ انبیاء کے دین سے بالکل ہٹ گئے، مگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اگرچہ عقائد میں اختلاف ہوگا، مگر اُمت مکمل دِین سے ہٹ جائے ایسا نہیں ہوگا، قیامت تک اُمت میں مسلسل ایک طائفہ موجود رہے گا جو دین حق پر برقرار رہے گا، ان کی مخالفت کرنے والے خواہ کتنی ہی مخالفت کریں ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، یہ مضمون ایک حدیث میں آیا ہے: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنۡ اُمَّتِيۡ ظَاهِرِيۡنَ عَلَى الۡحَقِّ، لَايَضُرُّهُمۡ مَنۡ خَذَلَهُمۡ۔ [۲]

لہٰذا پچھلی امتوں میں اور اس اُمت میں یہ فرق ہے کہ پچھلی اُمتیں اپنے انبیاء کے دین وعقائد سے ہٹیں اور مکمل طور پر ہٹ گئیں، ایک گروہ بھی صحیح عقیدہ پر باقی نہ رہا، اس وقت اللہ تعالیٰ دوسرا نبی مبعوث فرماتے تھے اور وہ ان کو صحیح دین وعقائد پر لاتا تھا، لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں، اب اگر تمام انسان عقائد حقہ سے ہٹ جائیں تو دنیا میں اندھیرا چھا جائے اور روشنی دکھانے کے لئے کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، اس لئے اللہ جل جلالہ نے اس کا انتظام یہ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اگرچہ عقائد میں اختلاف ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوگا کہ پوری

[۱] الروم: ۳۰۔ [۲] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۹۲۰۔

Marfat.com

اُمت غلط عقائد پر پڑ جائے، بلکہ قیامت تک ایک جماعت ضرور صحیح عقائد پر رہے گی۔

البتہ شریعتوں (احکام) کا حال مختلف ہے، آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نبیوں کی شریعتیں مختلف رہی ہیں، شریعت، اعمال کا نام ہے اور اعمال میں اختلاف رہا ہے، ایک نبی کی شریعت میں کچھ احکام ہوتے تھے، دوسرے نبی کی شریعت میں وہ منسوخ کئے جاتے تھے، اور دوسرے احکام آتے تھے۔ پس نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی احکام میں اختلاف ہوگا لیکن اس اختلاف میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ اختلاف تو شریعتوں میں بھی رہا ہے اور جب شریعتوں میں اختلاف رہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں بھی اعمال میں اختلاف ہوگا اور یہ اعمال میں اختلاف کوئی اہم بات نہیں، لیکن دین بمعنی عقائد میں اختلاف برداشت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ دین آدم علیہ السلام سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ایک ہی رہا ہے۔

البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں اختلاف صرف ایک فیصد رہا ہے، قوموں کے مزاج اور زمانوں کے تقاضوں کا لحاظ کر کے کچھ احکام علیحدہ دیئے جاتے تھے۔

عقائد میں اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہوا

اس اُمت کا پہلا قافلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا، ان کے زمانہ تک عقائد میں اختلاف نہیں ہوا، یہ اختلاف تابعین کے زمانہ سے شروع ہوا، اور اعمال میں اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی ہوا ہے، نہ صرف صحابہ کے زمانہ میں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں بھی صحابہ میں اختلاف ہوا ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ غزوۂ احزاب میں بنوقریظہ نے غداری کی تھی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد صحابہ کرام کو حکم دیا کہ فوراً تیاری کرو اور بنوقریظہ پر چڑھائی کرو اور عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھو، چنانچہ صحابہ نے ضروری سامان لیا اور بنوقریظہ کی طرف روانہ ہو گئے، راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو صحابہ کرام میں اختلاف ہوا، بعض نے کہا ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ عصر کی نماز بنوقریظہ میں جا کر پڑھو، لہٰذا ہم عصر کی نماز وہیں

Marfat.com

پڑھیں گے اور بعض نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا منشا یہ تھا کہ فوراً بنو قریظہ پہنچو، عصر کی نماز قضا کرو، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا نہیں تھا، چنانچہ کچھ صحابہ نے عصر کی نماز پڑھی اور باقیوں نے نہیں پڑھی، پھر آگے چلے، مغرب کا وقت ہوا تو سب نے مغرب پڑھی، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا تھا، پھر عشاء کے وقت لشکر بنو قریظہ پہنچا، وہاں جا کر جنہوں نے عصر نہیں پڑھی تھی، انہوں نے عصر پڑھی، پھر سب نے عشاء پڑھی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے دِن صبح پہنچے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ واقعہ ذکر کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں جماعتوں میں سے کسی سے کچھ نہیں کہا۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، ہم تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑ رہے تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حد تک غضبناک ہوئے کہ رُخِ انور سُرخ ہو گیا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں رخساروں میں انار نچوڑ دیئے گئے ہیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں اسی کا حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا میں اسی کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں؟ وہ لوگ جو تم سے پہلے ہوئے وہ اسی وقت ہلاک ہوئے، جب انہوں نے اس معاملہ میں جھگڑا شروع کیا، میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تقدیر میں مت جھگڑو''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگلے لوگوں نے جب تقدیر میں بحث و تکرار شروع کی تو ان میں فکری گمراہی رونما ہوئی اور وہ راہِ مستقیم سے ہٹ گئے، یہی معاملہ دیگر عقائد کا ہے، جب ان میں نزاع شروع ہوگا تو ضرور کچھ لوگ صراطِ مستقیم سے ہٹ جائیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کے درمیان احکام میں اختلاف ہوا ہے، لیکن عقائد میں اختلاف صحابہ کے زمانہ میں نہیں ہوا، عقائد کا اختلاف تابعین کے زمانہ سے شروع ہوا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اختلاف کی وجوہ

اور وہ جو تہتر (۷۳) فرقوں والی حدیث ہے اس حدیث کے شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سین استعمال کیا ہے، سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ [1] عنقریب میری اُمت میں اختلاف ہوگا، اس ''سین'' میں اشارہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ تک

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، رقم الحدیث: ۱۶۶۔

Marfat.com

یہ اختلاف نہیں ہوگا، اس کے بعد یہ اختلاف ہوگا، اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی پہلی وجہ: یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگرد تھے، اور تابعین، صحابہ کے شاگرد تھے، پھر تبع تابعین، تابعین کے شاگرد تھے۔ استاذ سے جتنا بُعد ہوتا جاتا ہے اثر کمزور پڑتا جاتا ہے، جیسے صحن میں کھڑے ہوئے شخص پر دھوپ براہِ راست پڑتی ہے اور دھوپ میں کھڑے ہوکر، آئینے سے مسجد میں عکس ڈالیں اور دھوپ مسجد میں آئے تو دونوں قسم کی دھوپ میں بڑا فرق ہوگا، کیونکہ وہاں سورج کی دھوپ براہِ راست آرہی ہے اور مسجد میں بالواسطہ دھوپ آرہی ہے، اس لئے اس میں کمزوری ہوگی، یا جیسے سورج نکل کر اپنی روشنی زمین پر براہِ راست ڈالتا ہے اور چاند پر بھی ڈالتا ہے، پھر چاند زمین پر روشنی ڈالتا ہے تو دونوں روشنیوں میں فرق ہوتا ہے، اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ صحابہ کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ ان کے معلم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، پھر آگے کمزوری آئی، کیونکہ معلم اوّل سے دوری ہوگئی اور معلم اوّل سے جتنی دوری ہوتی جائے گی، فتنے شروع ہونگے، اسی لئے حدیثوں میں قیامت کے قریب فتنوں کی خبریں دی گئی ہیں، کیونکہ معلم اوّل سے زمانہ دور ہوجائے گا۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت دوہری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براہِ راست کام کے اعتبار سے اُمیوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے، اور باقی دنیا کی طرف کام کے اعتبار سے صحابہ کے واسطے سے مبعوث فرمائے گئے تھے، اس طرح صحابہ بھی نیابۃً مبعوث ہیں اور انہوں نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ساری دنیا تک دین پہنچایا ہے، اس لئے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں، صحابہ محفوظ ہیں، اور عملی خرابی سے بڑی اعتقادی خرابی ہے، چنانچہ اللہ جل جلالہ نے دونوں قسم کی خرابیوں سے صحابہ کی حفاظت فرمائی۔

صفتِ کلام کی بحث

اللہ کی صفات بے شمار ہیں، ان میں سے ایک صفتِ کلام ہے، سب سے پہلے وہ زیر بحث آئی، اور اسی وجہ سے علم العقائد کا نام علم الکلام پڑا، قرآنِ کریم میں ہے: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا [1] اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے

---

[1] النساء: ۱۶۴۔

Marfat.com

کھل کر بات چیت کی، پس اللہ کے لئے صفتِ کلام ثابت ہوئی، یہ صفت زیر بحث آئی کیونکہ دوسری صفات کا پیکر محسوس نہیں تھا، جیسے اللہ سمیع ہیں تو سمیع کا کوئی پیکر نہیں، اللہ کے بصیر ہونے کا بھی کوئی پیکر محسوس نہیں، مگر اللہ کی صفتِ کلام کا پیکر محسوس قرآنِ کریم ہے، یہ قرآن جو اللہ جل جلالہ کا کلام ہے زیر بحث آیا کہ قرآن جو آج دنیا میں موجود ہے وہ قدیم ہے یا حادث؟ معتزلہ نے کہا کہ یہ قرآن اگرچہ اللہ کا کلام ہے، مگر قدیم نہیں، حادث ہے، یعنی اللہ کی صفتِ کلام تو قدیم ہے مگر اس کا یہ پیکر قدیم نہیں، یہ مخلوق ہے اور حادث ہے۔ ان کے نزدیک صفتِ کلام کا مطلب ہے، کسی محل میں کلام پیدا کرنا، پس قرآن مخلوق (پیدا کیا ہوا) ہے، وہ قاری کی زبان پر پیدا کیا جاتا ہے۔

اور اہل السنۃ والجماعۃ نے کہا کہ قرآن چونکہ اللہ کی صفت کلام کا پیکر محسوس ہے، اس لئے وہ قدیم اور غیر مخلوق ہے، اگر یہ حادث ہوگا تو اللہ کی صفتِ کلام حادث ہوگی اور اللہ کی صفت حادث نہیں ہوسکتی۔

سب کا اتفاق ہے کہ سارا عالم اللہ کی صفات کا پرتَو ہے، یعنی اثر، سایہ اور عکس ہے، صفات محسوس نہیں ہوتیں بلکہ ان کا اثر اور عکس محسوس ہوتا ہے، جیسے اللہ جل جلالہ رزاق ہیں، مگر ان کی صفت رزّاقیت نظر نہیں آتی، نظر رزق اور مرزوق آتے ہیں اور یہ دونوں مخلوق ہیں، رزق بھی مخلوق ہے اور مرزوق بھی، اسی طرح اللہ جل جلالہ خالق ہیں، مگر ان کی صفت خلق نظر نہیں آتی، مخلوقات نظر آتی ہیں، جو نو پید ہیں، قدیم نہیں ہیں، یہی حال صفتِ کلام کے علاوہ تمام صفات کا ہے۔

معتزلہ کی مجبوری یہ ہے کہ وہ ایک غلط نظریہ قائم کر چکے ہیں، وہ صفات باری کو عین ذات مان چکے ہیں، یعنی صفات ذات سے زائد کچھ نہیں، اب وہ کیسے قرآن کو غیر مخلوق (قدیم) کہیں!

اور اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ صفتِ کلام کا معاملہ دوسری صفات سے مختلف ہے، دیگر صفات کے پرتو موجود ہیں مگر صفتِ کلام کا پیکر محسوس قرآن کریم موجود ہے، اس لئے وہ غیر مخلوق (قدیم) ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر قرآن بھی پرتو ہوتا یعنی صفتِ کلام کا اثر ہوتا تو پھر اس کے ذریعہ تحدّی (چیلنج) کیسے واقع ہوتی؟

Marfat.com

لوگ اللہ کی صفت کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اثرات کا مماثل تو بنا سکتے ہیں وہ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْن ہیں، معلوم ہوا کہ کسی درجہ میں خالق اور بھی ہو سکتے ہیں، وہ أَحْكَمُ الْحَاكِمِيْن ہیں، معلوم ہوا کہ کسی درجہ میں حاکم اور بھی ہو سکتے ہیں، مگر قرآن کا مماثل کوئی نہیں بنا سکتا، اسکی وجہ یہی ہے کہ قرآن کریم اللہ کی صفتِ کلام کا پرتو نہیں ہے، بلکہ پیکر محسوس ہے، اور اللہ کی کسی بھی صفت کا کوئی مماثل نہیں بنا سکتا ہے، نہ لا سکتا ہے، پس ثابت ہوا کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور قدیم ہے۔

اور اُمت میں غالباً سب سے پہلا جھگڑا معتزلہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے درمیان یہی ہوا ہے، اس سے پہلے تک بات سادہ انداز میں چلی آرہی تھی کہ قرآن، اللہ کا کلام ہے، پرتو ہے یا پیکر محسوس؟ قدیم ہے یا حادث؟ یہ مسئلہ زیر بحث نہیں آیا تھا، مگر جب یہ مسئلہ چھڑا تو بڑا فتنہ برپا ہوا، مامون کے بعد معتصم آیا اس نے زبردستی مسلمانوں کو قائل کرنا چاہا کہ قرآن مخلوق ہے، اور سلف کے ہزاروں آدمیوں کو یہ بات نہ ماننے کی وجہ سے اس نے تہ تیغ کر دیا، یہ دور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اہل السنہ کی طرف سے مردانہ وار اس فتنہ کا مقابلہ کیا، ان کو جیل جانا پڑا، بار بار کوڑے کھائے، مگر وہ مستقیم رہے، پھر معتصم کی بیوی جو اچھے خیالات کی تھی اس نے معتصم پر زور ڈالا چنانچہ اس نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ دیا، پھر معتصم کے بعد جو بادشاہ آئے وہ معتزلہ کے اثر میں نہیں تھے، اس لئے فتنہ فرو ہوا۔

اصل سلف اور بعد کے سلف میں اختلاف

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بس اتنا ہی فرمایا تھا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق (قدیم) ہے، اس کی کوئی تفصیل نہیں کی تھی اور یہی سلف صالحین کا طریقہ تھا، جیسا کہ انہوں نے استواء علی العرش کی بھی تفصیل نہیں کی تھی، کیونکہ اللہ کی صفات کو پوری طرح سمجھنا ہمارے بس کی بات نہیں، مگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے ماننے والوں میں غلو پیدا ہوا، اور انہوں نے بات آگے بڑھائی، انہوں نے کہا کہ قرآن اللہ کی صفتِ کلام ہے اور قدیم ہے، روشنائی بھی قدیم ہے اور جلد بھی قدیم ہے، یہاں تک وہ لوگ پہنچ گئے، البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا، ان

Marfat.com

کو نیشاپور اور بخارا سے اس مسئلہ کی وجہ سے نکالا گیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب نیشاپور پہنچے ہیں تو ان کا بڑا استقبال کیا گیا تھا، پھر سبق میں کسی نے پوچھ لیا کہ ہم جو قرآن پڑھتے ہیں اور سامعین سنتے ہیں یہ حادث ہے یا قدیم؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لَفظِی بِالْقُرآنِ مَخْلُوقٌ میں جو قرآن پڑھتا ہوں وہ قدیم نہیں، پھر کیا تھا حنابلہ نے شور مچا دیا کہ یہ معتزلی ہے! اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کافر قرار دے دیا، چنانچہ وہ نیشاپور سے نکالے گئے اور جب بخارا پہنچے تو نیشاپور میں جو ان کی ٹکر کے محدث تھے بلکہ اُستاذ تھے، محمد بن یحییٰ ذہلی، انہوں نے بخارا کے امیر کو خط لکھا کہ وہ بخارا آرہا ہے اس نے یہاں بدعت (گمراہی) کی بات کہی ہے، پس اس کو باہر نکالو، چنانچہ آپ بخارا سے بھی نکالے گئے، حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات سو فیصد صحیح تھی، اور یہ بات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سو سال پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الفقہ الاکبر میں لکھ چکے تھے کہ کَلَامُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے بارے میں جو کہا تھا کہ وہ مخلوق نہیں ہے، قدیم ہے، اس کا مطلب امام بخاری بعد کے لوگوں کی بنسبت بہتر جانتے تھے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں، پس امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بات امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے تھی، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ کا مذہب صحیح سمجھ رہے تھے، مگر حنابلہ میں اتنا غلو ہو گیا تھا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ان کو ہضم نہیں ہوا۔

جب حنابلہ میں غلو پیدا ہوا، اور مسلمانوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ کاغذ بھی قدیم ہے، سیاہی بھی قدیم ہے، جلد بھی قدیم ہے، ہم جو قرآن پڑھتے ہیں وہ بھی قدیم ہے، آپ جو سنتے ہیں وہ بھی قدیم ہے، یہ بات کیسے مسلمانوں کے گلے اُترتی! حنابلہ جس طرح مسئلہ کو لے کر آگے بڑھے تھے، اس طرح مسئلہ کو سمجھنا ناممکن تھا اس لئے معتزلہ کا اثر بڑھتا جا رہا تھا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا ہے، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا ۳۰۳ھ میں اور امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا ۳۳۳ھ میں، پس یہ سب ایک زمانہ کے لوگ ہیں۔

Marfat.com

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے علم کلام میں جو مسلک چلا اور جس میں حنابلہ نے بعد میں غلو کیا اس کا نام سلفیت پڑا اور امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سے جو مسلک چلا وہ ماتریدیہ کہلایا، اور امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے جو مسلک چلا وہ اشعریت کہلایا اور اسی ایک مسئلہ کی وجہ سے یہ سب فرقے وجود میں آئے، رہی اللہ کی صفتِ کلام تو اگرچہ اس کی بحث ختم ہوگئی تھی مگر اس مسئلہ کی بھی اشاعرہ اور ماتریدیہ نے تاویل کی، اور کہا کہ ''کلام نفسی'' قدیم ہے، اور قرانِ کریم اس کا پیکر محسوس ہے، اس لئے وہ بھی قدیم ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر چیز کے چار وجود ہوتے ہیں، ان میں سے حقیقی وجود ایک ہوتا ہے، باقی اعتباری وجود ہوتے ہیں، جیسے آگ کا ایک نفس الامری وجود ہے، چولہے میں جو آگ جل رہی ہے وہ حقیقی آگ ہے، اور ہم جو ذہن میں آگ کا تصور کرتے ہیں، وہ آگ کا وجود ذہنی ہے، اور منہ سے لفظ ''آگ'' کا جو تلفظ کرتے ہیں، وہ اس کا لفظی وجود ہے، اور کاغذ وغیرہ پر جو لفظ آگ لکھتے ہیں، وہ اس کا کتابی وجود ہے، اور یہ تینوں وجود اعتباری ہیں، اس لئے ان پر آثار مرتب نہیں ہوتے، نہ ذہن جلتا ہے، نہ زبان، نہ کاغذ، آثار صرف نفس الامری وجود پر مرتب ہوتے ہیں۔

اسی طرح کلام کے بھی چار وجود ہیں، ایک نفس الامری وجود ہے، وہی حقیقی وجود ہے، باقی تین اعتباری وجود ہیں، اول، کلام نفسی ہے، اور وہ قدیم ہے، اور اس کا مظہر قرآن کریم ہے، اس لئے وہ بھی قدیم ہے، باقی ہم جو قرآن کو لکھتے ہیں یا حفظ کرتے ہیں یا پڑھتے ہیں، یہ تینوں اعتباری وجود ہیں، اس لئے وہ قدیم نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر قاری صاحب نے قرآن پڑھا اور آپ نے سنا، آپ نے کیا سنا؟ اللہ کا کلام سنا! اللہ کا کلام کیسے سنا؟ آپ نے قاری صاحب کا پڑھنا سنا، قاری صاحب نے کیا پڑھا؟ اللہ کا کلام پڑھا، اس کے بعد آگے سوچو، کیا اللہ کا کلام صرف یہی قرآن ہے؟ دیکھو میں متکلم ہوں، مجھے اللہ نے بولنے کی طاقت دی ہے اور آج کی جو تقریر ہے تو یہی میرا کلام ہے! اسی طرح اللہ کا کلام صرف یہ قرآن نہیں ہے، بلکہ قاری صاحب کا پڑھنا اللہ کی صفت کلام پر دلالت کرتا ہے، اور اللہ کا کلام صرف قرآن نہیں ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اللہ

Marfat.com

نے موسیٰ علیہ السلام سے کھل کر بات کی، اللہ جانے وہ بات کیا تھی؟ قرآن نہیں تھا، بہرحال قاری کا پڑھنا قرآن پر دلالت کرتا ہے اور قرآن کریم اللہ کی صفت کلام پر دلالت کرتا ہے، پس یہ جو اللہ کی صفت کلام ہے وہ قدیم ہے اور قرآن کریم صفتِ کلام کا پیکر محسوس ہے، اس لئے وہ بھی قدیم ہے، باقی اس سے نیچے جو کچھ ہے وہ مخلوق اور حادث ہے، جیسے ہم مخلوق ہیں اور ہمارا وجود اللہ کی صفتِ خلق پر دلالت کرتا ہے، پس ہم قدیم نہیں ہیں، ہمارا وجود جو اللہ کی صفت خلق پر دلالت کرتا ہے وہ صفت قدیم ہے۔

اشاعرہ ماتریدیہ نے کہا کہ قدیم اللہ کی صفتِ کلام ہے اور وہ کلام نفسی ہے اور اس کا ایک مظہر (پیکر محسوس) قرآن کریم ہے، پس وہ بھی قدیم ہے، مگر یہ قرآن ہمیں نظر نہیں آتا، اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھ کر سنایا، پس حضور کا پڑھنا حادث ہے، پھر اسے کاغذ پر لکھا گیا تو یہ بھی حادث ہے، پھر اس کو قاری نے پڑھا تو یہ بھی حادث ہے، اور آپ جو سنتے ہیں یہ بھی حادث ہے۔

اس انداز سے متکلمین نے سمجھایا وہ حنابلہ (سلفیوں) کے گلے نہیں اترا، انہوں نے کہا کہ تم مشرک ہو گئے! تم کافر ہو گئے! مگر جس طرح انہوں نے غلو کیا تھا اس کو کون عقیدہ بنائے گا؟ وہ تو اوّل نمبر کا شرک ہے کہ کاغذ بھی قدیم، سیاہی بھی قدیم، جلد بھی قدیم، پڑھنے والا بھی قدیم سُبْحَانَ اللهِ. هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ!

استواء علی العرش کا مسئلہ

پھر زمانہ آگے بڑھا تو اللہ کی ایک دوسری صفت زیر بحث آئی، قرآن کریم میں سات جگہ استواء علی العرش کا ذکر ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى [1] نہایت مہربان ہستی عرش پر مستوی ہوئی، ان سات جگہوں میں سے ایک جگہ سورہ یونس کے پہلے رکوع میں ہے وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ [2] اللہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں یعنی چھ دوروں میں پیدا کیا، وہ دن، دنیا کا بارہ گھنٹے کا دن نہیں تھا، کیونکہ اس وقت سورج نہیں تھا، بلکہ یہ اللہ کے یہاں

---

[1] طٰہٰ: ۵۔ [2] الیونس: ۳۔

Marfat.com

کا دن ہے، اس لئے لفظ دور استعمال کیا، ایک دور کتنے دن کا ہوتا ہے؟ معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں! غرض اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوئے، وہ پوری کائنات کا انتظام کر رہے ہیں۔

اس آیت سے ان ہندوؤں اور مشرکوں پر ردّ کرنا ہے جنہوں نے اللہ کی حکومت کے شعبے بنائے ہیں کہ بارش کا الٰہ یہ ہے، دولت کا الٰہ یہ ہے، صحت کا الٰہ یہ ہے، مشرکین مکہ نے بھی یہی کر رکھا تھا، وہ کہتے تھے بادشاہ اکیلا حکومت نہیں چلا سکتا، پھر اللہ اتنی بڑی کائنات کا انتظام کیسے کر سکتے ہیں؟ اللہ نے بھی الگ الگ شعبے قائم کر کے الگ الگ خداؤں کو سونپ دیئے ہیں، قرآن جگہ جگہ اس کی تردید کرتا ہے، کہتا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دوروں میں بنایا، پھر کوئی انتظام کسی کو نہیں سونپا، وہ خود عرش پر مستوی ہیں اور وہی معاملات کا انتظام کر رہے ہیں۔

استواء علی العرش میں سلف کا مذہب

سلف میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ قرآن میں جو استواء علی العرش آیا ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ سب نے ایک ہی جواب دیا کہ اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ، وَالْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ، وَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ، وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ [1] لغت میں استواء کے جو معنی ہیں وہ معلوم ہیں، جو بھی عربی جانتا ہے وہ اس کے معنی سمجھتا ہے، وہ معنی ہیں: سیدھا ہونا، جم کر بیٹھنا، اور اللہ کے عرش پر بیٹھنے کی کیفیت کیا ہے؟ وہ ہمیں معلوم نہیں، اور اللہ کے عرش پر بیٹھنے کی جو کیفیت ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں، ایمانیات میں سب سے پہلے ایمان بالغیب ہے، قرآنِ کریم کی دوسری سورت میں ہے اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ [2] اور غیب کیا ہے؟ جو بھی چیز حواس خمسہ ظاہرہ کے دائرے میں نہیں آتی وہ غیب ہے، ایسی چیزیں کیا ہیں؟ جنّت ہے، جنّت کی نعمتیں ہیں، جہنم ہے، جہنم کا عذاب ہے، فرشتے ہیں، اللہ ہے، اللہ کی صفات ہیں، یہ سب حواس خمسہ ظاہرہ کے دائرے میں نہیں آتے، پس یہ سب غیب ہیں، اور ان پر ایمان لانا واجب

---

[1] البرہان فی علوم القرآن، ۲/۷۸۔ [2] البقرۃ: ۳۔

Marfat.com

ہے، کس بنیاد پر؟ اللہ کے رسول جو سچی خبر دینے والے ہیں ان کی خبر پر اعتماد کر کے جنّت بھی ماننی ہے، ان کی نعمتیں بھی ماننی ہیں، جہنم بھی ماننی ہے، فرشتے بھی ماننے ہیں، اللہ کی جو صفات قرآن وحدیث میں آئی ہیں وہ سب ماننی ہیں۔

ان حضرات نے کہا کہ عرش الٰہی پر جم کر بیٹھنا یہ اللہ کی صفت ہے اور اللہ کی صفات غیب ہیں، لہٰذا ان کو پوری طرح سمجھے بغیر ماننا ضروری ہے، جیسے جنّت کو پوری طرح سمجھے بغیر ماننا ضروری ہے، جہنم کو بغیر سمجھے ماننا ضروری ہے، تھوڑا بہت تو سمجھیں گے مگر مکمل نہیں سمجھیں گے، ایسے ہی اللہ کی صفات کو تھوڑا بہت تو سمجھیں گے مگر پوری کیفیت نہیں سمجھ سکتے، اس لئے پوری کیفیت سمجھے بغیر ماننا ضروری ہے، اور یہ جو تم پوچھ رہے ہو کہ اللہ کے عرش پر جم کر بیٹھنے کی کیفیت کیا ہے؟ یہ سوال بدعت ہے، کیونکہ یہ آیتیں آج نہیں اُتریں اور کسی صحابی نے حضور ﷺ سے نہیں پوچھا، پھر تم کیوں پوچھتے ہو؟ سب نے یہی جواب دیا ہے، اور یہی اصل سلفیت ہے۔

پھر عراق ویمن میں حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، امام ابوالحسن اشعری خود پہلے معتزلی تھے، پھر توبہ کر کے اہل السنہ میں آئے تھے، چنانچہ وہ گھر کے بھیدوں سے واقف تھے، اور ماوراء النہر میں حضرت ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، عراق میں امام ابوالحسن اشعری نے معتزلہ کا مقابلہ کیا اور ماوراء النہر میں ابومنصور ماتریدی نے، اور حنابلہ جس طرح مسئلہ لے کر بڑھے تھے، اس طرح مسئلہ کو کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا، چنانچہ ان دونوں اماموں نے کہا کہ اگر آپ اللہ کی صفات کا کوئی مناسب مطلب بیان کریں اور مناسب تاویل کریں تو یہ جائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ عرش نشیں ہونے کا مطلب کائنات کا کنٹرول سنبھالنا ہے۔ جب انہوں نے یہ مطلب بیان کیا تو غالی حنابلہ نے کہا تاویل کُفر ہے، بس یہ کہو کہ اللہ تخت پر بیٹھے ہیں، ان دونوں اماموں نے کہا کہ نہیں اگر اس طرح کہیں گے تو کمزور ایمان والے لڑھک جائیں گے۔ ان کے لئے ذہن کو روک لینا مشکل ہوگا، جو دین میں پکا ہوگا وہ تو اپنے ذہن کو روک لے گا، لیکن جو عقلیت پسند ہے وہ نہیں روک سکتا یا تو وہ

Marfat.com

معطلہ میں شامل ہو جائے گا اور اللہ کی صفات کا انکار کردے گا یا مشبّہہ بن جائے گا اور کہے گا کہ اللہ کا تخت پر بیٹھنا انسانوں کے بیٹھنے کی طرح ہے یا وہ مجسّمہ کی طرف جائے گا کہ اللہ کا بھی جسم ہے، اور جیسے جسم والا بیٹھتا ہے اللہ بھی ویسے ہی بیٹھے ہیں، اور یہ سب گمراہیاں ہیں، لہٰذا مناسب تاویل کرنی چاہیئے۔لیکن یقین کے ساتھ نہیں، درجہ احتمال میں کہنا چاہیئے کہ اللہ نے چھ دن میں کائنات پیدا کر کے ساری کائنات کا کنٹرول خود سنبھالا ہے، جیسے ایک بادشاہ مرتا ہے تو دوسرا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے، مگر تخت پر بیٹھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعۃً وہ وہاں بیٹھ جاتا ہے، اور ہر وقت بیٹھا رہتا ہے، تخت پر بیٹھنا ایک محاورہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ نے ملک کا انتظام سنبھالا، اللہ کے عرش پر بیٹھنے کا بھی یہی مطلب ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کا اتنا حصہ گزرنے پر سمائے دنیا پر اُترتے ہیں، اب کوئی پوچھے کہ اللہ کیسے اُترتے ہیں؟ تو یہ مت کہو کہ ہم نہیں جانتے، کیونکہ اگر ایسا کہو گے تو بیمار ذہن نہیں رُکے گا، کچھ نہ کچھ سوچے گا، لہٰذا کوئی پوچھے کہ اللہ کے اُترنے کا کیا مطلب ہے؟ تو کہو کہ رات کے اس حصہ میں اللہ کی عنایتیں مخلوق کی طرف مبذول ہوتی ہیں، اب آگے وہ سوچنا چھوڑ دے گا۔ بہرحال اشاعرہ اور ماتریدیہ نے معتزلہ کے پھیلائے ہوئے فتنے کے دبانے کے لئے تاویل کا دروازہ کھولا۔

سلفی، اشعری اور ماتریدی، سب اہلِ حق ہیں

بہرحال ہم اشعری بھی ہیں اور ماتریدی بھی اور سلفی بھی، کیونکہ ان تینوں میں کوئی جھگڑا نہیں، یہ تینوں اہلِ حق ہیں، لیکن آج کے جو سلفی ہیں وہ اہلِ حق نہیں، وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تک جو سلفی تھے وہی اصل سلفی تھے اور بعد کے لوگ نام نہاد سلفی ہیں۔

ہندوستان کے غیر مقلد، سلفی کب سے بنے اور کیوں بنے؟

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ شافعی تھے، اس لئے دنیا کے تمام شوافع اشعری ہیں، اور امام ابومنصور ماتریدی حنفی

Marfat.com

تھے، اس لئے دنیا کے تمام حنفی ماتریدی ہیں اور سلفیت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے چلی ہے جس طرح حنبلیت ان سے چلی ہے، اس لئے تمام حنبلی سلفی ہیں اور مالکیہ میں تینوں مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

سعودیہ والے فقہ میں حنبلی ہیں اور علم کلام میں سلفی، پھر وہاں پٹرول نکل آیا تو ہندوستان کے غیر مقلدین نے خود کو سلفی کہنا شروع کر دیا، حالانکہ پہلے ان کا ہر عالم خود کو اشعری لکھتا تھا، ماتریدی وہ کبھی نہیں رہے، کیونکہ حنفیہ سے ان کو اللہ واسطے کی دشمنی ہے، اس لئے وہ ماتریدی نہیں ہو سکتے تھے، ہاں اشعری ہو سکتے تھے، کیونکہ امام ابوالحسن اشعری شافعی تھے، اور غیر مقلدوں کے شوافع سے فقہ میں ڈانڈے ملتے ہیں، شوافع بھی رفع یدین کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں، شوافع بھی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں، شوافع بھی آمین بالجہر کے قائل ہیں وہ یہ بھی یہی کہتے ہیں، چنانچہ وہ علم کلام میں اشعری بن گئے اور وہ خود کو اشعری کہتے اور لکھتے تھے۔

پھر جب انہوں نے دیکھا کہ اب سلفی بنے بغیر چارہ نہیں، یہ لبادہ اُوڑھے بغیر ریال ہاتھ نہیں آسکتے تو انہوں نے اشعریت کا لبادہ اُتار پھینکا اور سلفی بن گئے اور سعودیہ والے بے چارے دھوکہ میں آگئے، وہ سمجھے کہ یہ بھی ہمارے جیسے سلفی ہیں، حالانکہ وہ نقلی سلفی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج کل کے سلفی، چاہے وہ ظاہری ہوں یا سعودیہ والے حنبلی سلفی، سب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد غلو میں مبتلا ہو چکے ہیں، وہ غلو کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ ان کے نزدیک سارے عقیدے اور سارا علم کلام انہی دو باتوں میں منحصر ہو گیا ہے کہ اللہ کو عرش پر بیٹھا ہوا مانو، اور اللہ کو آسمانِ دنیا پر اُترتا ہوا مانو، تبھی تم مسلمان ہو، ورنہ تم مسلمان نہیں۔

Marfat.com

متفرق جواہر ولؤلؤ

آمین بالجہر یا بالسر؟

جاننا چاہئے کہ کبھی روایات میں تعارض ہوتا ہے، سنت کیا ہے اور حدیث کیا ہے؟ اس کی تعیین میں اختلاف ہوجاتا ہے، جیسے رفع یدین اور ترکِ رفع کی روایات میں تعارض ہے، پس ان میں سے کوئی ایک منسوخ ہے اور دوسری ناسخ، اور جو منسوخ ہے وہ صرف حدیث ہے اور جو ناسخ ہے وہ سنت بھی ہے، مگر اس کو طے کرنے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہوا ہے، چھوٹے دو امام (شافعی واحمد رحمہا اللہ) رفع کی روایات کو سنت کہتے ہیں اور بڑے دو امام (ابوحنیفہ ومالک رحمہا اللہ) ترکِ رفع کی روایات کو سنت کہتے ہیں۔

آمین کے مسئلہ میں بھی ایسا ہی اختلاف ہوا ہے، اور اتنی بات طے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جہراً آمین کہی ہے، مگر آپ ﷺ کا جہراً آمین کہنا سنت ہے یا کسی مصلحت سے تھا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے، امام شافعی، امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ نماز کی سنت ہے اور بڑے دو اماموں کی رائے یہ ہے کہ یہ تعلیم کی غرض سے تھا، پس سنت نہیں، جیسے نبی کریم ﷺ نے ظہر وعصر میں کبھی کوئی آیت جہراً پڑھی ہے، مگر وہ تشریع کے مقصد سے تھا اور وہ وجہ اب باقی نہیں رہی، اس لئے اب دنیا میں کوئی امام ظہر وعصر میں آیت نہیں سناتا، اسی طرح آنحضور ﷺ نے آمین مصلحتاً زور سے کہی تھی، اور اب وہ مصلحت باقی نہیں رہی اس لئے آمین سراً کہیں گے، کیونکہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل سر (آہستگی) ہے۔

آمین بالسر سنت ہے

آمین کے متعلق سنن نسائی میں ایک حدیث ہے، حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

سَمِعْتُهٗ وَاَنَا خَلْفَهٗ یعنی آپ ﷺ نے اتنی زور سے آمین کہی کہ میں نے سن لی، درانحالیکہ

Marfat.com

میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھا۔ [1]

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس لہجہ میں فاتحہ پڑھی تھی اس لہجہ میں آمین نہیں کہی تھی، ورنہ ساری مسجد سنتی۔

اور حافظ ابوبشر دولابی کی کتاب ''الاسماء والکنی'' میں حدیث کے الفاظ ہیں:

قَرَأَ (غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ) فَقَالَ: آمین، يَمُدُّ بِهَا صَوْتَهُ. مَا أَرَاهُ إِلَّا لِيُعَلِّمَنَا [2]

حضرت وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہراً آمین کہنا میرے خیال میں ہماری تعلیم کے لئے تھا۔

اور معجم طبرانی میں ہے:

فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ: آمِيْنَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ [3]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاتحہ سے فارغ ہو کر تین مرتبہ آمین کہی۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تین نمازوں میں جہراً آمین کہی، یعنی بیس دن کی باقی جہری نمازوں میں سراً آمین کہی، حافظ رحمہ اللہ کی یہ شرح، مواہب لدنیہ کی شرح زرقانی (۷: ۱۱۳) میں ہے اور معجم طبرانی کی اس حدیث کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ [4]

غرض روایت کے تمام طرق جمع کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زور سے آمین وقتی مصلحت سے کہی تھی، یعنی حضرت وائل رضی اللہ عنہ وغیرہ کی تعلیم کی غرض سے کہی تھی، پس یہ حدیث ضرور ہے مگر سنت نہیں ہے۔

اور اگر جہراً آمین کہنے کا معمول ہوتا تو روایات حد تواتر کو پہنچ جاتیں، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دس سال مسجد نبوی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں، مگر حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے علاوہ دوسری کوئی حدیث ایسی موجود نہیں جو صریح اور صحیح ہو، اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ یمن کے تھے انہوں نے صرف بیس دن مدینہ میں قیام کیا ہے، اور انہی کی حدیث پر سارا مدار ہے اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم جہراً آمین نہیں کہتے تھے، حضرت عمر

---

[1] نسائی، باب قول المأموم اذا عطس رقم ۹۳۲۔ [2] آثار السنن، ص: ۱۲۰، الجہر بالتامین در حاشیہ۔ [3] (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۳۸۔
[4] مجمع الزوائد، ۲: ۱۱۳ ورجالہ ثقات۔

Marfat.com

اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں سراً آمین کہنے کی صراحت ہے۔ [1]

البتہ بعض صغار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے دور میں جہراً آمین کہی ہے، مگر ان کا یہ عمل حفاظتِ حدیث کی غرض سے تھا۔

عقلی دلیل

علاوہ ازیں عقل کا فیصلہ بھی یہ ہے کہ آمین سراً ہو، کیونکہ نماز میں متعدد اذکار ہیں اور قرأت کے علاوہ ہر ذکر میں بالاجماع سِر سنت ہے، پس آمین میں بھی سِر سنت قرار پائے گا، اور امام کی تکبیرات انتقالیہ میں جہر ضرورۃً ہے، نیز آمین دعا ہے اور دعا میں اخفا افضل ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً پکارو اپنے پروردگار کو تذلل کے ساتھ اور چپکے سے۔ [2]

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ : اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا ، فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهٗ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ [3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، پس جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے ساتھ موافق ہو جائے گا اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

قَوْلُهٗ: فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ الخ: موافقت سے کیا مراد ہے، موافقت فی الزمان یا موافقت فی الاخلاص؟ آمین بالسر والوں کے نزدیک موافقت فی الزمان مراد ہے، یعنی جس وقت فرشتے آمین کہیں اسی وقت جو آمین کہے گا اس کے گناہ معاف ہوں گے اور جو خیالات میں کھویا رہے اور آمین کہنے میں دیر کرے وہ بخشش سے محروم رہے گا، کیونکہ فرشتے غافل نہیں ہوتے، وہ فاتحہ ختم ہوتے ہی آمین کہیں گے، پس جو شخص قرأت کی طرف متوجہ ہے وہ بروقت آمین کہے گا اور اس کی تامین ملائکہ کی تامین کے ساتھ موافق ہوگی۔

---

[1] شرح معانی الآثار، ۱۵۰ا باب قراءۃ بسم اللہ۔ [2] الاعراف: آیت ۵۵۔ [3] صحیح البخاری، بَابُ جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ، رقم الحدیث: ۷۸۰۔

Marfat.com

اور آمین بالجہر والوں کے نزدیک موافقت فی الاخلاص مراد ہے، یعنی جس طرح فرشتے اخلاص سے آمین کہتے ہیں مقتدی بھی اخلاص سے آمین کہیں تو ان کی مغفرت ہوگی، اور جو دکھانے سنانے کے لئے یا کسی کو چڑانے کے لئے جہراً آمین کہے اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔

ایک سبق آموز واقعہ

انگریزوں کے دور کا قصہ ہے، ایک مسجد میں حنفی اور غیر مقلد ساتھ نماز پڑھتے تھے، غیر مقلد شرارت کرتے تھے، حنفیوں کو چڑانے کے لئے چلّا کر آمین کہتے تھے، ان لوگوں کو ادلہ اربعہ سے سمجھایا مگر وہ ماننے والے کہاں تھے، چنانچہ لوگوں نے پانچویں دلیل استعمال کی، پانچویں دلیل کیل دار جوتہ ہے، ایک دن جم کر ان کی پٹائی کردی، پولیس کیس بن گیا، اور مقدمہ کورٹ میں پہنچ گیا، جج انگریز تھا، انگریز علم کے رسیا ہوتے ہیں، اس نے فریقین کے وکلاء سے کہا مجھے مسئلہ سمجھاؤ، آمین بالجہر کیا ہوتی ہے اور آمین بالسر کیا ہوتی ہے؟ وکیلوں نے کئی دن بحث کی، اور مسئلہ سمجھایا، جج نے مسئلہ سمجھ کر مندرجہ ذیل فیصلہ لکھا:

"میں دونوں فاضل وکیلوں کی بحث سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ پیغمبر اسلام سے دونوں طرح آمین کہنا ثابت ہے بالجہر بھی اور بالسر بھی، مگر آمین کہنے کی ایک تیسری قسم ہے جو پیغمبر اسلام سے ثابت نہیں، اور وہ ہے آمین بالشر یعنی لوگوں کو پریشان کرنے کے لئے چلّا کر آمین کہنا، اور مسجد میں غیر مقلد یہی حرکت کرتے تھے، اس لئے وہ مجرم ہیں، اور ان کو سزا دی جاتی ہے"۔

حدیث اور سنت میں فرق کی ایک مثال

عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ تَقُوْلُ سَمِعْتُ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ لِعَائِشَةَ وَاللهِ مَاتَطِيْبُ نَفْسِيْ اَنْ يَّرَانِي الْغُلَامُ قَدِاسْتَغْنٰى عَنِ الرَّضَاعَةِ فَقَالَتْ لِمَ قَدْجَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

Marfat.com

وَسَلَّمَ. فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللهِ! وَاللهِ اِنِّيْ لَاَرٰى فِيْ وَجْهِ اَبِيْ حُذَيْفَةَ مِنْ دُخُوْلِ سَالِمٍ قَالَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْضِعِيْهِ فَقَالَتْ اِنَّهٗ ذُوْلِحْيَةٍ فَقَالَ اَرْضِعِيْهِ يَذْهَبُ مَا فِيْ وَجْهِ اَبِيْ حُذَيْفَةَ فَقَالَتْ وَاللهِ مَا عَرَفْتُهٗ فِيْ وَجْهِ اَبِيْ حُذَيْفَةَ [1]

حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ جب ہمارا غلام گھر آتا ہے تو میرے خاوند ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو اس کو دودھ پلادے، تمہارا بیٹا بن جائے گا، وہ کہنے لگی وہ تو داڑھی والا یعنی بڑی عمر کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس کو دودھ پلادو، اس سے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ناگواری ختم ہو جائے گی، چنانچہ وہ کہتی ہیں ایسے ہی ہوا، پھر دوبارہ کبھی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناگواری نہیں دیکھی۔

حالانکہ وہ غلام بڑی عمر کا نوجوان تھا، اب یہ حدیث ہے صرف حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا والے قصہ کے لئے مخصوص ہے، کیونکہ کتاب اللہ میں آچکا ہے: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ [2] ''یعنی دودھ پلانے کی مدت دو سال مقرر کر دی گئی''۔ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس مدت میں جو عورت ایک قطرہ بھی دودھ پلائے گی، ماں بن جائے گی، اس مدت کے بعد دودھ پلانا ناجائز ہے، اور اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی، یہ چیز ضابطہ قرار دے دی گئی، یہ سنت ہے، پہلے والا حکم منسوخ ہو گیا۔

قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ

حنفیہ کے نزدیک دونوں قعدوں میں افتراش مسنون ہے، یعنی بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے، اور مالکیہ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورّک مسنون ہے، وَرِك کے معنی ہیں: سرین، اور تورك کے معنی ہیں: سیرین پر بیٹھنا۔ تورک کی دو صورتیں ہیں، تفصیل ابھی آرہی ہے۔

اور امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ کے نزدیک قعدۂ اولیٰ میں افتراش اور قعدۂ ثانیہ میں تورک مسنون ہے،

[1] صحیح مسلم، بَابُ رِضَاعَةِ الْكَبِيرِ، رقم الحديث: ۱۴۵۳۔ [2] البقرۃ: ۲۳۳۔

Marfat.com

پھر امام شافعی رحمہ اللہ مطلقاً قعدہ اولیٰ میں افتراش کو سنت کہتے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ قعدہ جس کے بعد سلام ہے اس میں تورک مسنون ہے، اور ثمرۂ اختلاف نماز فجر میں ظاہر ہوگا، اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک افتراش اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تورک سنت ہوگا۔

تورک کی دو صورتیں ہیں

پہلی صورت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر کے اور بایاں پاؤں اس کے نیچے سے دائیں جانب نکال دے اور سیرین پر بیٹھے، یہ کیفیت حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے، اس کو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں پیر دائیں جانب نکال دے اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے، اور یہ طریقہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔[1]

دلائل

حنفیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے[2] اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے[3] استدلال کیا ہے، ان میں بلا تفریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افتراش مروی ہے، بلکہ حضرت سمرۃ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایات میں تورک کی ممانعت آئی ہے، حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیہقی اور مستدرک حاکم میں ہے[4] اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ابن السکن اور سنن بیہقی میں ہے۔[5]

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے تمسک کیا ہے، اس میں بلا تفریق تورک مروی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، اس میں صرف آخری قعدہ میں تورک کا ذکر ہے۔

اور احناف نے ابن زبیر اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہما کی روایات کو عذر پر محمول کیا ہے، یعنی جو شخص بڑھاپے، موٹاپے یا کسی اور عذر کی بنا پر افتراش نہ کر سکتا ہو وہ تورک کرے، اس کے لئے یہی مسنون ہے۔

---

[1] مسلم، ۱:۵:۷، مصری، صفۃ الجلوس۔ [2] مسلم، مشکوٰۃ حدیث ۷۹۱ صفۃ الجلوس۔ [3] ترمذی حدیث ۲۸۷ کیف الجلوس فی التشہد۔ [4] اعلاء السنن ۳:۸۲۔ [5] بدائع الصنائع، ۱:۴۹۶۔

Marfat.com

فائدہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قعدہ میں بیٹھنے کا کون سا طریقہ مسنون ہے؟ حضرت نے واضح طور پر کوئی بات نہیں کہی، مگر شارحین کا خیال ہے کہ اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے، یعنی ان کے نزدیک بھی قعدۂ اولیٰ میں افتراش اور قعدۂ ثانیہ میں تورک مسنون ہے۔

عورت کے لئے قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں، دونوں کی کنیت ام الدرداء تھی، البتہ ایک کے ساتھ کبری اور دوسری کے ساتھ صغری لگتا ہے، ام الدرداء کبری کا نام خَیْرَۃ تھا اور وہ صحابیہ ہیں اور ام الدرداء صغری کا نام هُجَیْمَۃ ہے اور وہ تابعیہ ہیں، اور وہ فقیہہ تھیں، وہ قعدے میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں، اس لئے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرد و عورت کے قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ یکساں ہے، مگر فقہاء احناف عام طور پر پردہ کے خیال سے عورت کے لئے مطلقاً تورک کو مسنون قرار دیتے ہیں، مصنف ابن ابی شیبہ میں روایات موجود ہیں۔

فائدہ

چاروں فقہاء نے مرد و زن کی نمازوں میں فرق کیا ہے اور یہ فرق استحباب کے درجہ کا ہے وجوب کے درجہ کا نہیں ہے، عام طور پر مردوں کے ذہنوں میں بھی اور عورتوں کے ذہنوں میں بھی یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ عورت کو ہر حال میں یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہئے، پھر حمل کے زمانہ میں جب پیٹ بڑا ہو جاتا ہے یا عورت موٹی ہوتی ہے اور اس کے لئے زمین سے لگ کر سجدہ کرنا مشکل ہوتا ہے تو وہ بہت پریشان ہوتی ہے، اس لئے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فقہاء نے مرد و زن کی نماز میں جو فرق کیا ہے وہ افضلیت کا فرق ہے، پس مجبوری میں عورت مرد کی طرح سجدہ کر سکتی ہے، اس میں کوئی کراہیت نہیں۔

فائدہ

جب عورت مردوں کے بیچ میں نماز پڑھے مثلاً ٹرین میں نماز پڑھے یا پلیٹ فارم پر نماز پڑھے تو اس فرق کو

Marfat.com

خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہئے، اس میں تستر ہے، لیکن اگر عورت تنہا گھر میں نماز پڑھے اور وہاں کوئی مرد نہ ہو یا وہاں مرد ہو مگر عورت نے برقع اوڑھ رکھا ہو، اور وہ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھے تو کوئی کراہیت نہیں، کیونکہ اس فرق کی رعایت واجب نہیں، محض اولیٰ اور افضل ہے۔

حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لڑکے کا نام بھی عبداللہ تھا، اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز میں چارزانوں بیٹھے ہوئے دیکھا، پس وہ بھی اسی طرح بیٹھا، حالانکہ وہ جوان تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو ٹوکا اور فرمایا: نماز میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کر اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ، اس نے عرض کیا: اباجان! آپ تو چارزانو بیٹھتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میرے پاؤں میرا وزن برداشت نہیں کرتے، اس مجبوری میں، میں چارزانوں بیٹھتا ہوں۔

تشریح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قعدہ اخیرہ میں چارزانوں بیٹھتے تھے، ان کو افتراش میں تکلیف ہوتی تھی اور صاحبزادہ جوان تھا، جب وہ قعدۂ اخیرہ میں چارزانوں بیٹھا تو اس کو منع کیا، معلوم ہوا کہ پہلے میں بھی افتراش مسنون ہے اور دوسرے قعدہ میں بھی، البتہ معذور کا حکم الگ ہے، اس کے لئے جس طرح سہولت ہو بیٹھ سکتا ہے۔

تشہد میں اشارہ کرنے کا بیان

تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا مسنون ہے اور اس پر چاروں فقہاء کا اتفاق ہے، اگرچہ احناف کے یہاں پہلے اس مسئلہ میں شدید اختلاف تھا، فقہاء عراق جو حدیث سے مزاولت رکھتے تھے اشارہ کے قائل تھے اور فقہاء ماوراء النہر انکار کرتے تھے، اور یہ اختلاف برصغیر کے علماء احناف کے درمیان بھی طویل عرصہ تک رہا اور جانبین سے ایک دوسرے کے رَدّ میں رسائل بھی تصنیف ہوئے، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ بھی اشارہ کو تسلیم

Marfat.com

نہیں کرتے تھے اور انکے مکتوبات میں ایک طویل خط موجود ہے جس میں حضرت نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور اشارہ کو غیر مسنون ثابت کیا ہے [1]۔ مگر بعد میں یہ اختلاف ختم ہوگیا، اب سب احناف اشارہ کے قائل ہیں۔

اور اشارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر ترپن کا عقد بنا کر رکھے، ترپن کا عقد اس طرح بنتا ہے کہ چھوٹی اور بیچ کی اور ان کے درمیان کی تین انگلیاں بند کرلے، اور شہادت کی انگلی سیدھی رکھے، اور انگوٹھا اس کی جڑ میں لگائے، اس کے علاوہ دو طریقے اور بھی مروی ہیں، ایک: چھوٹی اور اس کے پاس والی دو انگلیاں بند کرے، دوسرا: تمام انگلیوں کی مٹھی بنالے اور بوقت اشارہ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، یہ تینوں صورتیں درست ہیں، اور شروع ہی سے یہ ہیئت بنائے یا جب اشارہ کا وقت آئے اس وقت بنائے یہ دونوں باتیں درست ہیں۔

پھر اشارہ کے بعد ہیئت آخر تک باقی رکھے اور اشارہ باقی رکھے یا ختم کردے؟ اس میں اختلاف ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اشارہ ختم کردے، فقہ کی کتابوں میں لفظ یَضَعُ آیا ہے یعنی انگلی رکھ دے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فتویٰ دیا تھا کہ آخر تک انگلی جھکا کر اشارہ باقی رکھے اس فتویٰ سے آپ نے رجوع کرلیا ہے، اور وہ رجوع بھی امداد الفتاوی میں ہے (۱:۲۰۷)۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخر تک اشارہ باقی رکھے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انگشت شہادت کو یَمِیْنًا وَّ شِمَالًا ہلکا ہلکا حرکت دیتا رہے۔

اور اشارہ کب کرے؟ اس میں بھی اختلاف ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تشہد پڑھتا ہوا لا الٰہ پر پہنچے تو نفی کے ساتھ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور اثبات کے ساتھ اشارہ ختم کردے، حنفیہ کے نزدیک اس اشارہ کی حکمت یہ ہے کہ لا الٰہ سے مطلق نفی ہوتی ہے اور ایک انگلی کے اشارہ سے اللہ کی الوہیت کا استثناء ہوتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ٹوکا اور فرمایا: اَحِّدْ اَحِّدْ ایک انگلی سے اشارہ کر، ایک انگلی سے اشارہ کر۔ [2]

اور جب الا اللہ کہے تو اشارہ ختم کردے، کیونکہ اب فعلی اثبات کی ضرورت باقی نہیں رہی، درمختار میں ہے:

[1] دیکھیں دفتر اوّل مکتوب ۳۱۲۔ [2] مشکوۃ، رقم الحدیث: ۹۱۳۔

Marfat.com

وَيَضَعُهَا عِنْدَ الْاِثْبَاتِ[1]

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اثبات کے ساتھ اشارہ ہے تاکہ قول وفعل میں مطابقت ہو جائے اور ایک معنوی حقیقت (توحید) نگاہوں کے سامنے پیکر محسوس بن کر آجائے۔

ایک سلام پھیرے یا دو؟

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُوْرِيُّ، نَا عَمْرُو بْنُ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ زُهَيْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيْمَةً وَاحِدَةً تَلْقَاءَ وَجْهِهِ، ثُمَّ يَمِيْلُ اِلَى الشِّقِّ الْاَيْمَنِ شَيْئًا[2]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں ایک سلام پھیرا کرتے تھے، سامنے چہرہ کی جانب میں، یعنی سلام پھیرتے وقت رُخ مبارک جانب قبلہ ہوتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں جانب تھوڑا چہرہ پھیرا کرتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی بناء پر یہ بات کہی ہے کہ امام صرف ایک سلام پھیرے گا اور اسی میں قبلہ کی جانب منہ رکھے گا، دائیں یا بائیں التفات نہیں کرے گا، اور مقتدی تین سلام پھیریں گے، دائیں جانب، سامنے اور بائیں جانب۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی مسجد میں امام ایک سلام پھیرے اور بڑی مسجد میں دو، اور آپ کا دوسرا قول تخییر کا بھی ہے، یعنی ایک پر اکتفا کرنا بھی درست ہے اور دو سلام پھیرنا بھی جائز ہے۔

اور احناف کہتے ہیں کہ امام، مقتدی اور منفرد سب دو سلام پھیریں گے، اور یہ حدیث اولاً تو قابل استدلال نہیں، کیونکہ زہیر بن محمد کا تلمیذ عمرو شامی ہے، پس یہ روایت معتبر نہیں، ثانیاً اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سلام یعنی پہلا سلام قبلہ کی جانب منہ رکھ کر پھیرتے تھے، پھر جب وہ سلام ختم ہونے کے قریب آتا تو دائیں جانب رخ کرتے، یعنی دائیں طرف التفات پہلے سلام کے بالکل آخر میں کرتے تھے، ایک ہی

[1] الدر المختار وحاشية ابن عابدين، رد المحتار، ۱/۵۰۸۔ [2] سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ فِي الصَّلَاةِ، رقم الحديث: ۲۹۶۔

Marfat.com

سلام پھیرتے تھے حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے، چنانچہ مسئلہ بھی یہی ہے کہ پہلے سلام میں السلام کی میم پر پہنچنے تک آدمی نماز ہی میں ہوتا ہے، پس اس سے پہلے منہ پھیر لینا نماز میں التفات ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے، لہٰذا اس سے پہلے تک منہ قبلہ کی جانب ہی رہنا چاہئے، البتہ دوسرے سلام کے لئے کوئی قید نہیں، دائیں جانب سے دوسرا سلام شروع کرے، سامنے سے شروع کرے یا بائیں جانب رخ پھیر کر سلام کرے، سب صورتیں درست ہیں، مگر یہ اختلاف اب عملاً ختم ہو گیا ہے، اب سب مسلمان دو ہی سلام پھیرتے ہیں۔

سلام کا حذف سنت ہے

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نَا عَبْدُاللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، وَالْهِقْلُ بْنُ زِيَادٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ قُرَّةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: حَذْفُ السَّلَامِ سُنَّةٌ- قَالَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ: وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: يَعْنِي أَنْ لَّا تَمُدَّهُ مَدًّا [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلام میں حذف سنت ہے۔ حذف کی تفسیر ابن المبارک علیہ رحمۃ اللہ نے یہ کی ہے کہ سلام کو بہت زیادہ کھینچنا نہیں چاہئے، بلکہ جس طرح نماز سے باہر سلام کیا جاتا ہے نماز کے اندر بھی سلام کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

بعض امام سلام اتنا لمبا کھینچتے ہیں کہ مقتدی کا سلام پہلے پورا ہو جاتا ہے، یہ غلط طریقہ ہے، اور ابراہیم نخعی علیہ رحمۃ اللہ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ سلام کے آخر میں جزم ہونا چاہئے، جس طرح تکبیر میں اگر ایک سانس میں دو یا چار کلمے ادا کئے جائیں تو ہر کلمہ مجزوم ہوتا ہے، اسی طرح سلام کے آخر میں بھی حرکت ظاہر نہیں کرنی چاہئے، اور یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے "سُنَّةٌ" کہنے کے بعد یہ حدیث مرفوع ہو گئی ہے۔

اب بھی بہت سے لوگ اقامہ (تکبیر) کہنے والے دو کلمات ملا کر کہتے ہیں اور پہلے کلمہ کے آخر کا اعراب ظاہر کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے۔

---

[1] سنن أبي داود، باب حَذْفِ التَّسْلِيمِ، رقم الحديث: ١٠٠٤۔

Marfat.com

مغرب سے پہلے نماز نفل کا بیان

مغرب سے پہلے اگر وقت میں گنجائش ہو تو نفل نماز پڑھنا جائز ہے، عصر کے فرضوں کے بعد جو نوافل کی ممانعت شروع ہوتی ہے وہ غروب پر ختم ہو جاتی ہے، مگر مغرب سے پہلے نوافل پڑھنا مسنون نہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ: وَهُوَ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ الْمُزَنِيُّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلُّوْا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ" قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: "لِمَنْ شَاءَ" كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔ [1]

حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا: مغرب کی نماز سے پہلے نماز پڑھو، پھر تیسری مرتبہ لِمَنْ شَاءَ بڑھایا، یعنی مغرب کی نماز سے پہلے کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لِمَنْ شَاءَ اس لئے بڑھایا کہ لوگ اس نماز کو سنت نہ بنالیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: "صَلُّوْا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ" مسئلہ سمجھانے کے لئے ہے، عصر کے فرض پڑھنے کے بعد جو نفلوں کی ممانعت شروع ہوتی ہے وہ غروب شمس تک ممتد ہے، سورج چھپتے ہی وہ کراہیت ختم ہو جاتی ہے، اب کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، مگر اس وقت نفلیں پڑھنا مسنون نہیں، صرف جائز ہے، رمضان میں دس منٹ کے بعد نماز کھڑی ہوتی ہے، پس کوئی کھجور سے افطار کر کے نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، لیکن اس کو سنت نہ بنالیا جائے کہ پورے سال دس منٹ کے بعد مغرب کی نماز کھڑی ہو، مغرب کی نماز میں تعجیل (جلدی کرنا) مطلوب ہے، پس یہ حدیث صرف حدیث ہے، سنت (عمومی اور کلّی طریقہ) نہیں، اور دونوں (حدیث اور سنت) میں فرق پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

مرثد بن عبداللہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا:

---

[1] صحیح البخاری، بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، رقم الحدیث: ۱۱۸۳۔

Marfat.com

اَلَا اُعَجِّبُكَ مِنْ اَبِیْ تَمِیْمٍ؟ یَرْکَعُ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ، فَقَالَ عُقْبَةُ: اِنَّا کُنَّا نَفْعَلُهُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: فَمَا یَمْنَعُكَ الْآنَ؟ قَالَ: الشُّغْلُ۔[1]

کیا میں آپ کو حضرت ابوتمیم عبداللہ بن مالک جیشانی رحمۃ اللہ علیہ (مخضرم تابعی) کی ایک حیرت انگیز بات نہ بتلاؤں؟ انہوں نے مغرب سے پہلے دو نفلیں پڑھیں! حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہم اس کو پڑھتے تھے، یعنی اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، عہد رسالت میں ہم مغرب سے پہلے دو نفلیں پڑھتے تھے، مرشد نے کہا پھر اب آپ کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے فرمایا مشغولیت مانع ہے۔

ابوتمیم رحمۃ اللہ علیہ کے مغرب سے پہلے دو نفلیں پڑھنے پر مرشد کو جو تعجب ہوا ہے وہ دلیل ہے کہ مسلمانوں میں اس نماز کا رواج نہیں تھا، ورنہ مرشد کو حیرت کیوں ہوتی؟ پس اس واقعہ سے جواز ثابت ہوتا ہے اور جواز تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے بھی ثابت ہے اور جواز میں کوئی کلام بھی نہیں۔

اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ کی تشریح

یعنی ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کمی زیادتی قبول کرنے کے قائل ہیں، اور بہت سے تراجم ابواب سے اس کو ثابت کیا ہے، چنانچہ وہ کتاب الایمان کے شروع میں فرماتے ہیں: "هُوَ قَوْلٌ وَّفِعْلٌ یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ"۔ ایمان میں کمی زیادتی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے جو ایک اور مسئلے پر متفرع ہے، وہ یہ کہ ایمان بسیط ہے صرف تصدیق قلب کا نام ہے یا مرکب ہے۔

اگر بسیط ہے تب تو ظاہر ہے کہ نقصان اور زیادۃ کو قبول نہیں کرے گا، اگر مرکب ہے تو قابل زیادۃ ونقصان ہوگا، معتزلہ، خوارج اس کو مرکب مانتے ہیں تصدیق قلب اور اعمال جوارح سے، اور اعمال ان کے نزدیک ایمان میں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ اعمال قابل زیادۃ ونقصان ہیں، اسی لئے ان کے نزدیک ایمان بھی قابلِ زیادۃ ونقصان ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، بَابُ الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، رقم الحدیث: ۱۱۸۴۔

Marfat.com

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایمان کی حقیقت تصدیقِ قلب ہے، اور تصدیق میں قلت اور زیادۃ کا احتمال نہیں، چنانچہ امام صاحب سے یہی منقول ہے، جیسا کہ شرح عقائد وغیرہ کتب میں یہ مسئلہ مشہور ہے، اس مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کا آپس میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے، دراصل ایک فرقہ ہے مرجئہ، وہ بھی ایمان کو بسیط مانتا ہے مگر اس طور پر کہ اعمال کو ایمان سے کوئی تعلق نہیں، نہ اعمال ان کے نزدیک حقیقت ایمان میں داخل ہیں نہ ان کا تعلق کمال ایمان سے ہے، جبکہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ ایمان کا کمال اعمال پر موقوف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ زیادہ واسطہ خوارج اور معتزلہ سے پڑا، جو اعمال کو حقیقت ایمان میں داخل مانتے ہیں، اور اس حیثیت سے وہ زیادۃ اور نقصان ایمان کے قائل ہیں، اس لئے امام صاحب نے ان کی تردید میں یہ تصریح فرمائی کہ ایمان زیادتی اور نقصان کو قبول نہیں کرتا، اور جمہور فقہاء ومحدثین کو فرقہ مرجئہ سے واسطہ پڑا جن کے نزدیک ایمان میں کمی، زیادتی کا کوئی خانہ ہی نہیں اور اعمال کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو ان کی تردید میں ان حضرات نے یہ فرمایا کہ ایمان زیادتی اور نقصان کو قبول کرتا ہے، یعنی اعمال کرنے سے اور نہ کرنے سے اس کے اندر نقصان وکمال پیدا ہوتا ہے، اس اختلافِ ماحول کی وجہ سے امام صاحب اور جمہور محدثین کے درمیان تعبیر میں فرق پایا گیا مدمقابل کی وجہ سے، چنانچہ جس طرح جمہور محدثین تارک اعمال کو کافر قرار نہیں دیتے اسی طرح امام صاحب بھی، اور جس طرح تارکِ اعمال کو امام صاحب فاسق قرار دیتے ہیں اسی طرح جمہور فقہاء ومحدثین بھی، بخلاف ان دوسرے فِرَق کے، ان میں معتزلہ اور خوارج تو تارکِ اعمال کو حدِ ایمان سے خارج مانتے ہیں اور مرجئہ اس کو فاسق بھی قرار نہیں دیتے۔

تو اصل اختلاف ان فرقوں کے درمیان ہوا نہ کہ خود اہل السنۃ والجماعۃ میں، جن لوگوں نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا، یا سمجھا لیکن تجاہل عارفانہ کے طور پر امام صاحب کے بارے میں کہا کہ وہ فرقہ مرجئہ میں سے تھے، جس طرح فرقہ مرجئہ کے نزدیک ایمان قابل زیادۃ ونقصان نہیں ہے اسی طرح امام صاحب کے نزدیک بھی، تو اس کا کسی نے الزامی جواب یہ دیا کہ اگر ایسا ہے تو پھر دوسرے حضرات جو اس کو قابل زیادۃ ونقصان مانتے ہیں ان کو معتزلہ ماننا چاہئے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

Marfat.com

انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت

(از مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ مع تغیر وترتیب)

دین اسلام کسی انسانی دماغ کا وضع کردہ مذہب وقانون نہیں ہے، کہ اس میں کسی طرح کے نقص اور تضاد کی نشاندہی کی جاسکے، انسانی دماغ بہرحال ضعف ونقص کا شکار ہے، اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ کمال کے تمام گوشوں کا احاطہ کرسکے، وہ اگر ایک سرا درست کرتا ہے تو دوسرے سرے میں عیب دکھائی دیتا ہے، یہ کمال تو صرف حق تعالیٰ کے لئے مختص ہے کہ اس کی خلقت وصنعت کے کسی پہلو میں کوئی عیب اور تفاوت نہیں مل سکتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ [1]

''رحمٰن کی صفت خلاقی میں تم کوئی تفاوت نہیں پاؤ گے''۔

اسی لئے شریعت کا کوئی حکم، دوسرے کسی حکم سے کہیں متعارض نہیں ہے، جہاں کہیں انسانی اجتہاد کا دخل ہے وہاں عارض وتضاد کو راہ مل سکتی ہے، مگر قرآنی اصول وقواعد نے ایسی ناکہ بندی کررکھی ہے، جہاں ادنیٰ درجہ کا بھی تضاد داخل ہوتا ہے، علماء اسلام فوراً چوکنا ہوجاتے ہیں، اور اس دخل اندازی کو ختم کردیتے ہیں۔

وہ مسائل جن میں بے اعتدالی اور تعارض کو راہ ملتی ہے، ان کا تعلق شریعت کے قطعیات سے نہیں ہوتا، بلکہ وہ اجتہادی مسائل ہوتے ہیں، انہیں مسائل میں باب نکاح کے اندر کفو کا مسئلہ ہے، قرآن کا اعلان ہے کہ:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ [2]

اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، دوسرے یہ کہ خاندان اور قبائل کی تقسیم تعارف اور شناخت کے لئے ہے، تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یا اللہ کے قانون

[1] ملک: ۳۔ [2] حجرات: ۱۳۔

Marfat.com

میں معزز وہی ہے جو متقی ہے۔

نسب تو انسانوں کا ایک ہے، ان سے خاندان اور قبائل البتہ وجود میں آئے ،مگر وہ عزت وشرافت کا مبنی نہیں ہیں ،عزت وشرافت کا مبنی تقویٰ ہے، اس میں صاف اور شرعی وضاحت کو بعض حضرات نے کفاءت نکاح کے مسئلہ میں داخل کر کے مشتبہ بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ناگوار صورتحال ہے، قدیم ہندوستان میں ذات اور برادریوں کی تقسیم نے وحدت انسانی کو پارہ پارہ کر دیا تھا، اور یہ چیز ہندوؤں میں اس درجہ راسخ ہوگئی ہے کہ ہزار کوششوں کے باوجود آج بھی یہ افتراق پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔

اس کا اثر مسلمانوں میں بھی آیا اور یہاں بھی ذات برادری کی تقسیم اور اس کی بنیاد پر اونچ نیچ کا ایسا تصور جم گیا ہے کہ جس چیز کو اسلام نے بیخ وبن سے اکھاڑنا چاہا تھا اس کے ریشے دلوں میں پیوست ہو کر رہ گئے ،لیکن یہ تفریق اور یہ اونچ نیچ کا تصور بہر حال ایک غیر اسلامی چیز ہے۔ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی قدس سرہ فرماتے ہیں:

> بعض رسائل اور تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تفاضل انساب شریعت اسلامیہ کی نظر میں بھی قابل اعتبار شئے ہے اور شریعت اس کو تسلیم کرتی ہے، ممکن ہے کہ ان مصنفین کی نیت صحیح ہو، لیکن فکر وتحقیق کی صحت واصابت یقیناً مشکوک ہے۔

نسبی تفاضل کی شرعی حیثیت

اسلام میں نسبی تفاضل یعنی کسی ایک نسب کا دوسرے نسب سے بہتر و برتر ہونا کوئی چیز نہیں ہے اور شارع کی نگاہ میں کوئی انسان بلحاظ نسب کسی دوسرے پر کوئی برتری نہیں رکھتا بلکہ شریعت میں اس لحاظ سے تمام بنی آدم ایک درجہ کے ہیں، اس دعویٰ کی سب سے بڑی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ [1]

---

[1] حجرات: ۱۳۔

Marfat.com

اے لوگو! بے شک پیدا کیا ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنایا تم کو مختلف خاندان اور مختلف قبیلہ تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

آیتِ کریمہ کا پہلا فقرہ نسبی مساوات پر یوں دلالت کرتا ہے کہ جب تم سب لوگ ایک ہی باپ (آدم علیہ السلام) اور ایک ہی ماں (حضرت حواء) سے پیدا کئے گئے ہو تو تم میں سے کسی کو کسی پر نسب کے لحاظ سے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ تم سب لوگ اس بات میں برابر ہو، اس فقرہ شریفہ کا یہ مدلول مفسرین میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل میں، علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر خازن میں، اور خطیب شربینی رحمۃ اللہ علیہ نے السراج المنیر میں بایں الفاظ بیان کیا ہے:

وَالْمَعْنٰی اَنَّکُمْ مُتَسَاوُوْنَ فِی النَّسَبِ [1]

''مطلب یہ ہے کہ تم سب لوگ نسب میں یکساں اور برابر ہو''۔

اور بعینہٖ یہی بات عینی نے شرح صحیح بخاری (ج:۸،ص:۴۷۸) میں لکھی ہے، عظیم مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَجَمِیْعُ النَّاسِ فِی الشَّرَفِ بِالنِّسْبَةِ الطِّیْنِیَّةِ اِلٰی اٰدَمَ وَحَوَّآءَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ سَوَآءٌ وَاِنَّمَا یَتَفَاضَلُوْنَ بِالْاُمُوْرِ الدِّیْنِیَّةِ وَهِیَ طَاعَةُ اللهِ تَعَالٰی وَمُتَابَعَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ [2]

حضرت آدم وحوا کی طرف خمیر کی نسبت کے لحاظ سے سارے لوگ شرف وبزرگی میں برابر ہیں، ہاں! صرف دینی امور میں اللہ واتباعِ رسول کی بناء پر ایک دوسرے کے مقابلہ میں برتری حاصل ہوسکتی ہے۔

مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کی صحت کی روشن دلیل آیت کا سببِ نزول ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی

---

[1] تفسیر البغوی، ۷/۳۴۷۔ [2] تفسیر ابن کثیر، ۷/۳۸۵۔

Marfat.com

داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو بیاضہ (عرب کا ایک شریف قبیلہ) سے فرمایا کہ ابو ہند کا (جو بنو بیاضہ کے غلام اور پچھنا لگانے کا پیشہ کرتے تھے) اپنے خاندان میں نکاح کر دو، بنو بیاضہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم اپنی لڑکیوں کو اپنے غلاموں سے بیاہ دیں، تب یہ آیت نازل ہوئی، اس آیت کے شان نزول سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ آیت میں نسبی مساوات کا اثبات منظور ہے، اور اس خیال کا ابطال کہ کوئی نسب پست اور کوئی بلند ہوتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم (ج: ۴، ص: ۲۶۲) مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں:

چوتھی قسم شرافتِ نفس پر غرور کرنا ہے، یہاں تک کہ بعض لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شرافتِ نسب اور ان کے آباء کی نجات ہی ان کے لئے باعث نجات ہے اور یہ کہ ان کی بخشش ہو چکی ہے اور بعض یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ سارے لوگ ان کے غلام اور نوکر ہیں، اس غرور کا علاج یہ ہے کہ سوچے کہ جب اس نے اپنے آباء واجداد کی مخالفت افعال و اخلاق میں کی، پھر بھی اپنے کو ان سے وابستہ سمجھ رہا ہے تو یہ اس کی جہالت ہے اور اگر وہ ان کے طریقہ پر ہے تو ان کا طریقہ غرور نہ تھا بلکہ ڈرتے رہنا اور اپنے کو کمتر جاننا اور ساری مخلوق کو اپنے سے بہتر اور بڑا سمجھنا اور اپنے نفس کو معیوب و مذموم قرار دینا تھا، اس کے آباء واجداد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، علم اور عمدہ خصلتوں کے سبب سے شریف ہوئے تھے تو اس کو بھی انہیں باتوں کو حاصل کر کے شریف بننا چاہئے، باقی رہا نسب، تو نسب اور قبیلہ میں تو بہت سے کافر بھی اس کے برابر کے شریک ہیں، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتوں سے بدتر اور سوروں سے بھی ذلیل و فرومایہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسی واسطے فرمایا "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى"[1] یعنی تم سب ایک اصل اور جڑ (یعنی آدم) میں جا کر مل جاتے ہو، اس لئے تمہارے نسبوں میں باہم کوئی پستی و بلندی نہیں ہے، نسب میں سارے انسان برابر ہیں، اس کے بعد مختلف قبائل کر دینے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے سے ممتاز کر سکیں، اس کے بعد بتایا کہ شرافت صرف تقویٰ سے

[1] الحجرات: ۱۳۔

Marfat.com

حاصل ہوتی ہے، نسب سے نہیں، چنانچہ ارشاد ہوا: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے اور حواریِ رسول (حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ) کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول غور سے پڑھنا چاہئے:

ذُکِرَ عِنْدَہٗ شَرَفُ الْجَاهِلِیَّةِ فَقَالَ دَعُوْا هٰذَا فَاِنَّ الْاِسْلَامَ عَمَّرَ بُیُوْتًا کَانَتْ خَامِلَةً وَاَخْمَلَ بُیُوْتًا کَانَتْ عَامِرَةً [1]

ان کے پاس جاہلیت کی شرافت کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ اجی! اس کو چھوڑ دو، اسلام نے ان خاندانوں کو جو بڑے نامی تھے گمنام بنا دیا اور جو گمنام تھے ان کو نامی بنا دیا۔

کیا شرافت واخلاق نسلوں میں منتقل ہوتے ہیں؟

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ [2]

"اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان کے ساتھ اتباع کیا، تو ہم ان کی ذریت کو ان کے ساتھ ملا دیں گے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے وہ بتاتی ہے کہ یہ الحاق ذریت کے کسی استحقاق کی بناء پر نہیں ہے، بلکہ محض لطفِ الٰہی ہے کہ آباء کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کو ان کی اولاد بھی ان کے ساتھ کر دی جائے گی۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "هٰذَا فَضْلُهٗ تَعَالٰی عَلَی الْاَبْنَآءِ بِبَرَکَةِ عَمَلِ الْاٰبَآءِ"۔

ایسا ہی مضمون دوسری تفسیروں میں بھی ہے اور اسی مقام پر تفسیروں سے آخرت کے درجات کا مدار اعمال پر ہونا بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ اَبْطَاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ یُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ [3]

یعنی جس کو اس کا عمل پیچھے ہٹائے اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے اعمال کی کوتاہی کی وجہ سے

---

[1] مجمع الزوائد، ج:۸، ص:۸۶۔ [2] الطور:۲۱۔ [3] ترمذی، ج:۲، ص:۱۱۸۔

Marfat.com

درجہ سعادت پانے کے قابل نہ ہو، اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب نسب سے نہیں اعمال صالحہ سے حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ''۔

اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ سلف وخلف کے اکثر وبیشتر علماء ایسے خاندانوں سے نہیں ہوئے جن پر فخر کیا جا سکے، بلکہ زیادہ تر تو عجمی یا غلام تھے، بایں ہمہ وہی امت کے سادات اور علم کے سرچشمے تھے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے کہ اے صفیہ! (حضور ﷺ کی پھوپھی) اور فاطمہ (حضور ﷺ کی صاحبزادی) تم قیامت کے دن میرے سامنے اپنے اعمال لانا، اپنے انساب نہ پیش کرنا۔[1]

اور ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نہایہ میں اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درّ نثیر میں اور علامہ طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع میں حدیث مذکور کے معنی یہ لکھے ہیں کہ جو بدکار ہو یا اعمال صالحہ میں اس نے کوتاہی کی ہو لَمْ یَنْفَعْهُ فِی الْاٰخِرَةِ شَرَفُ النَّسَبِ ''اس کو آخرت میں نسب کی شرافت کچھ کام نہ دے گی''۔

ذریّتِ ابراہیمی میں نبوت کے انحصار کی حقیقت؟

ذریّتِ ابراہیمی میں نبوت کے انحصار کا جو نکتہ ہے وہ محض ابراہیم علیہ السلام کی ذریّت ہونا نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نبوت کو چند اعمال شرعیہ کی بجا آوری اور اس امتحان میں ان کی بہترین کامیابی کا انعام قرار دیا ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا[2]

''جب ابراہیم کو ان کے ربّ نے چند باتوں میں آزمایا اور ابراہیم نے ان کو پورا کر دکھایا تو ان کے ربّ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کے لئے امام (نبی) بنانے والا ہوں''۔

اور اسی امتحان کی کامیابی کا انعام ان کی ذریت میں انبیاء کا مبعوث فرمانا بھی ہے، چنانچہ قرآن پاک کے اسی مقام پر مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی نبوت کی بشارت سے دلشاد ہو چکے تو درخواست کی یا پوچھا کہ ''وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ'' (اور میرے ذریت سے؟) تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ''

[1] حاشیہ ترمذی مصنفہ مولانا احمد، ج:۲، ص:۱۱۸۔ [2] البقرۃ:۱۲۴۔

Marfat.com

یعنی تمہاری ذریت سے بھی پیشوا (انبیاء) مبعوث ہوں گے مگر تمہاری ذریت میں جو ظالم ہوں گے ان کو ہمارا عہد نہ پہنچے گا۔

اسی بشارت کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں ''وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ'' [1] کے عنوان سے بیان فرمایا ہے، اس سوال و جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعتقاد یہ نہ تھا کہ کمال اخلاق لازمی طور پر موروث ہوتا ہے اور باپ سے بیٹے کی طرف یقیناً منتقل ہوتا ہے اور وہ اس کے بھی معتقد نہ تھے کہ نبوت کمال اخلاق پر دائر ہے، اس لئے کہ اگر ان دونوں باتوں کے وہ معتقد ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی کہ میری ذریت سے نبی ہوگا یا نہیں، بلکہ بذات خود فیصلہ کر لیتے کہ میرے اخلاق اولاد میں ضرور منتقل ہوں گے، اور جب نبوت کمالِ اخلاق ہی پر دائر ہے تو میری اولاد میں نبی بھی ضرور ہوں گے۔

نسب میں کمتر و برتر کی تفریق کا ابطال نصوص سے

اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت کی چیز تقویٰ کو قرار دیا ہے نہ کہ حسب و نسب کو، لوگوں کے ذہنوں میں جو کمتر و برتر کی تفریق موجود ہے، وہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا ابطال نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔

احادیثِ نبویہ:

۱۔ اَلْمُسْلِمُوْنَ اِخْوَةٌ لَا فَضْلَ لِاَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔ [2]

تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔

۲۔ اَلنَّاسُ کُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنَ التُّرَابِ وَلَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ (اِلٰی) اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔ [3]

سارے کے سارے لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں،

---

[1] العنکبوت: ۲۷۔ [2] درمنثور بحوالہ طبرانی۔ [3] درمنثور بحوالہ ابن مردویہ۔

Marfat.com

لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، مگر تقویٰ کی وجہ سے، (یعنی نیکی اور پرہیز گاری میں جو آگے بڑھ گیا)۔

۳ــ یَقُوْلُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ جَعَلْتُ نَسَبًا وَجَعَلْتُمْ نَسَبًا فَجَعَلْتُ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ فَاَبَیْتُمْ اِلَّا اَنْ تَقُوْلُوْا فُلَانٌ اَکْرَمُ مِنْ فُلَانٍ وَّ فُلَانٌ اَکْرَمُ مِنْ فُلَانٍ وَّاِنِّیْ الْیَوْمَ اَرْفَعُ نَسَبِیْ وَاَضَعُ نَسَبَکُمْ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَائِیْ الْمُتَّقُوْنَ [۱]

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے اے لوگو! بے شک میں نے (دنیا میں) ایک تعلق قائم کیا، اور تم نے بھی ایک تعلق قائم کیا، تم میں سے سب سے زیادہ مکرم اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ تقوے والا ہو، اور مجھے یہ بات ناگوار ہے کہ تم یہ کہو کہ فلاں فلاں سے زیادہ معزز ہے، فلاں فلاں سے زیادہ معزز ہے، اور بے شک میں آج اپنے تعلق کو بلند کروں گا، اور تمہارے تعلق کو پست کروں گا، سن لو بے شک میرے دوست متقی لوگ ہیں۔

۴ــ "کُلُّکُمْ لِاٰدَمَ وَحَوَّاءَ طَفُّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ وَاِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ فَمَنْ اَتَاکُمْ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَهٗ وَاَمَانَتَهٗ فَزَوِّجُوْهُ" [۲]

تم سب آدم اور حواء کے لئے ایسے ہو کہ جیسے ایک صاع دوسرے صاع کے مساوی ہوتا ہے، (یعنی کسی کو کسی پر برتری نہیں ہے، تم سب برابر ہو) تم میں سے سب سے زیادہ مکرم اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ تقوے والا ہو، پس جس کا دین اور امانت داری تمہیں پسند ہو، اس سے نکاح کردو۔

۵ــ "اَلنَّاسُ بَنُوْ اٰدَمَ وَخَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ. قَالَ اللّٰهُ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی... اِلٰی اٰخِرِهٖ" [۳]

سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا،

---

[۱] درمنثور بحوالہ طبرانی وغیرہ۔ [۲] درمنثور بحوالہ بیہقی۔ [۳] درمنثور بحوالہ ترمذی وغیرہ۔

Marfat.com

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اے لوگو بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

۶۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہاشمی نے فرمایا:

”لَا اَرٰی اَحَدًا یَّعْمَلُ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ یَااَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَا کُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی حَتّٰی بَلَغَ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَا کُمْ. فَیَقُوْلُ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ اَکْرَمُ مِنْكَ فَلَیْسَ اَحَدٌ اَکْرَمُ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِتَقْوَی اللّٰهِ“۔[1]

میں نہیں سمجھتا کہ کوئی آدمی اس آیت (یَااَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَا کُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی الخ) پر عمل کرے اور پھر دوسرے آدمی سے یوں کہے کہ میں تجھ سے زیادہ معزز ہوں، پس نہیں ہے تم سے کوئی کسی سے معزز مگر پرہیزگاری کی وجہ سے۔

۷۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا ارشاد مبارک ہے:

زَوَّجْتُ الْمِقْدَادَ وَزَیْدًا لِیَکُوْنَ اَشْرَفُکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَحْسَنَکُمْ خُلُقًا[2]

”کہ میں نے مقداد اور زید رضی اللہ عنہما کا اس لئے نکاح کر دیا تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک وہی زیادہ شریف ہے جس کے کسبی اخلاق زیادہ بہتر ہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کندی (یعنی غیر قریشی) تھے، بلکہ دوسری روایت کی بناء پر حبشی غلام تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح خاص اپنی چچازاد بہن سے کر دیا تھا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی غیر قریشی (یعنی کلبی) تھے، پھر آزاد شدہ غلام تھے، ان کا نکاح حضرت نے اپنی پھوپھی زاد بہن سے کر دیا تھا، اس حدیث میں انہیں نکاحوں کی (جن میں کفاءت کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے) علت غائی یہ بیان فرمائی ہے کہ میں نے ایسا اس لئے کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کی شریعت میں نسبی امتیازات درخور اعتناء نہیں ہیں بلکہ حسن اخلاق اور کسبی فضائل سے آراستگی ہے۔

---

[1] الدر المنثور فی التفسیر بالماثور۔ [2] کنز العمال، اتحاف المہرۃ لابن حجر۔

Marfat.com

تنبیہ

احادیث میں بنو ہاشم کو زکوۃ لینے کی جو ممانعت ہے اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اس حکم کا مبنی فضیلت نسبی ہے حالانکہ یہ غلط ہے یہ بات ہوتی تو عبدالمطلب بن ہاشم کی کل اولاد ہاشمیت اور مطلبیت میں برابر ہے اور اس نسبی جہت سے کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ عبدالمطلب کی صرف تین اولاد عباس، حارث اور ابو طالب ہی کی اولاد پر زکوۃ حرام ہے، اور عبدالمطلب کے باقی نو لڑکوں کی اولاد پر حلال ہے، نیز نسبی فضیلت اسکے حکم کا مبنی ہوتی تو بنی ہاشم کے موالی (غلام اور آزاد شدہ غلام) پر زکوۃ کیوں حرام ہوتی۔ اصل یہ ہے کہ اس حکم کا مبنی ہی غلط سمجھا گیا، صحیح مبنی یہ ہے کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا تعلق رکھتے تھے کہ ان کا نفع حضرت کا نفع ہے، اس لئے اگر آپ ان کے لئے زکوۃ لینا جائز قرار دے دیتے تو کفار کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی دعوت روپیہ جمع کرنے کے لئے دیتے ہیں، نیز ایسا کرنا ''لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی'' کے اعلان کے خلاف ہوتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے شرح بخاری میں لکھا ہے۔

ایک حنفی فقیہ کی شہادت

علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ خیریہ میں ایک مقام پر پیشہ ور کی شہادت کے مقبول ہونے پر ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ'' سے استدلال کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ بہت سے پیشہ وروں میں ہم وہ دینداری وتقویٰ پاتے ہیں جو عزت وجاہ والوں میں نہیں پاتے۔ [1]

مسئلہ کفاءت

علماء اسلام میں بہت سے لوگ تو دین کے سوا کسی اور بات میں کفاءت کا بالکل اعتبار نہیں کرتے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور تابعین میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور

[1] فتاویٰ خیریہ: ۲۶/۲۔

Marfat.com

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے۔ [1]

ائمہ حنفیہ میں امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مختار ہے، اور علامہ نوح آفندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی روایت نہ ہوتی تو یہ دونوں بزرگ ہرگز عدم اعتبار کفاءت کو اختیار نہ کرتے [2] لہٰذا ضرور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کوئی روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے۔

اور صاحب بدائع نے بھی یہی مذہب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی نقل کیا ہے۔ [3]

اور جمہور علماء اسلام کے نزدیک دین کے ساتھ نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے، لیکن نسباً کفاءت کا اعتبار عرب یعنی اولاد قحطان اور اولادِ اسماعیل کے ساتھ مخصوص ہے، عجمی نسل کے لوگوں میں اس کفاءت کا مطلقاً اعتبار نہیں ہے۔

پس اس اعتبار کفاءت کی رو سے بنا برقول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

۱۔قریش کے مختلف خاندان باہم کفو ہیں۔ ۲۔غیر قریشی عرب، قریش کا کفو نہیں۔ ۳۔تمام غیر قریشی عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ۴۔اور کوئی عجمی کسی غیر قریشی عرب کا بھی کفو نہیں ہے۔

لیکن یہ حکم اسی وقت تک ہے جب تک صرف عربیت وعجمیت کا مقابلہ ہو، اور اگر عجمیت کے ساتھ علم بھی ہو تو عجمی کا پلہ بھاری ہوجائے گا۔ جامع قاضی خان، بزازیہ، فتح القدیر اور نہر فائق میں ہے:

"فَالْعَالِمُ الْعَجَمِيُّ كُفُوٌّ لِلْجَاهِلِ الْعَرَبِيِّ وَالْعَلَوِيَّةِ لِاَنَّ شَرَفَ الْعِلْمِ فَوْقَ شَرَفِ النَّسَبِ"۔ [5]

عجمی عالم، عربی جاہل بلکہ علویوں کا بھی کفو ہے، اس لئے کہ علم کی شرافت نسب کی شرافت سے بڑھی ہوئی ہے۔

اور شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] عمدۃ القاری، ج:۳،ص:۷۷۰۳، فتح الباری، ج:۹،ص:۱۰۴۔ [2] شامی ص ۳۲۶۔ [3] بدائع، ج:۲،ص:۳۱۷۔ [4] شامی: ۲/۳۲۷۔ [5] شامی: ۳۳۱/۱۔

Marfat.com

شَرَفُ الْعِلْمِ اَقْوٰی مِنْ شَرَفِ النَّسَبِ بِدَلَالَةِ الْاٰيَةِ وَتَصْرِيْحِهِمْ بِذٰلِكَ

آیت قرآنی کی دلالت اور فقہاء کی تصریح کی بنا پر علمی شرافت، نسبی شرافت سے قوی تر ہے۔

اس کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ باوجود عربی النسل بلکہ قریشی بلکہ سید ہونے کے یوں اعلان حق فرماتے ہیں:

كَيْفَ يَصِحُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّقُوْلَ اِنَّ مِثْلَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى اَوِالْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى وَغَيْرِهِمَا مِمَّنْ لَيْسَ بِعَرَبِيٍّ اَنَّهٗ لَايَكُوْنُ كُفُوًا لِبِنْتِ قُرَشِيٍّ جَاهِلٍ اَوْ لِبِنْتِ عَرَبِيٍّ بَوَّالٍ عَلٰى عَقِيْبَيْهِ فَلَاجَزَمَ اَنَّهٗ جَزَمَ بِمَاقَالَهُ الْمَشَائِخُ صَاحِبُ الْمُحِيْطِ وَغَيْرُهٗ كَمَاعَلِمْتَ ، وَارْتَضَاهُ الْمُحَقِّقُ ابْنُ الْهَمَّامِ وَصَاحِبُ النَّهْرِ وَاتَّبَعَهُمُ الشَّارِحُ ۔[1]

یہ کہنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ کوئی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو جو عربی نہیں ہیں، یہ کہے کہ وہ ایک قریشی جاہل یا ایک عربی کی لڑکی کے کفو نہیں ہو سکتے، اسی وجہ سے ضروری ہوا کہ صاحب مجمع الفتاوٰی نے جزم کے ساتھ وہی کہا جو مشائخ مثلاً صاحب محیط وغیرہ نے کہا اور محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب نہر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو پسند کیا اور صاحب درمختار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

فائدہ

سید عبدالقادر عیدروس نے "اَلنُّوْرُ السَّافِرُ" ص ۳۳۱ میں لکھا ہے کہ ایک بار امام زہری رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ وقت عبدالملک بن مروان قریشی اُموی کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ فرمایا مکہ معظّمہ سے۔ عبدالملک نے پوچھا کہ مکہ کے تمام لوگ کس کے آگے سر اطاعت خم کرتے ہیں؟ فرمایا عطاء کے آگے، پوچھا وہ عربی ہیں یا غلام؟ فرمایا: غلام۔ عبدالملک نے کہا پھر ان کو یہ عزت کیونکر حاصل ہوگئی؟ فرمایا

[1] شامی: ۲/ ۳۳۲۔

Marfat.com

دینداری وعلم کی بدولت، اس نے کہا کیا دیندار و اہل علم ہی لوگوں کے لئے پیشوائی و سرداری زیبا ہے؟ فرمایا بے شک۔ اس کے بعد عبدالملک نے یمن، مصر، شام، جزیرہ (میسو پوٹامیا) خراسان اور بصرہ کے پیشواؤں کا پوچھا، امام زہری نے ترتیب وار طاؤس، یزید بن ابی حبیب، مکحول، میمون بن مہران، ضحاک بن مزاحم اور حسن بصری کے نام لئے اور فرمایا کہ یہ سب غیر عربی یا غلام ہیں اور بتایا کہ تمام دنیائے اسلام میں صرف غلاموں کو امامت و پیشوائی حاصل ہے، فقط ایک کوفہ مستثنیٰ ہے کہ وہاں کے پیشوا آج ابراہیم نخعی ہیں جو عربی النسل ہیں۔

جامع کمالات علمیہ وعملیہ امام جلیل وسید نبیل حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی عربی النسل نہ تھے بلکہ ایک ہندوستانی غلام کے لڑکے تھے جیسا کہ سید عبدالقادر مذکور نے علامہ قزوینی کی اخبار البلاد کے حوالہ سے لکھا ہے۔ [۱]

امام مذکور کا تو بڑا رتبہ ہے، ان کے باپ جو اس پایہ کے نہ تھے ان کا نکاح خود مرو کے اس قاضی نے جس کے وہ غلام تھے اپنی حقیقی لڑکی سے کر دیا تھا اور ابن المبارک اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے [۲]۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

کیا حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی ناقابلِ انکار عظمت کے باوجود نسبی شرافت والوں کے ہمسر اور کفو نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ بھی مجوسی النسل غیر عربی مسلمان ہیں، اور بہت اوپر نہیں بلکہ ان کے پردادا ہی آتش پرستی سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ [۳] مقدمہ فتح ص ۵۶۳۔

حضرت بایزید بسطامی و حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بھی کیا شریف النسب لوگوں کے کفو نہیں ہیں، اس لئے کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے دادا غیر عربی تھے اور مجوسیت سے اسلام میں آئے تھے [۳] اور معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بھی موالی (غیر عربیوں) میں سے تھے، اور ان کے باپ مسلمان ہوئے تھے [۴]۔ یا خود ہی مسلمان ہوئے تھے۔ [۵]

اس موقع پر وہ واقعہ بھی یاد کرنا چاہیے جس کو شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک صاحب تصانیف

---

[۱] النور السافر ص ۳۳۲۔ [۲] النور السافر ص: ۳۳۲۔ [۳] نفحات الانس ص ۵۹۔ [۴] نفحات ص ۳۹۔ [۵] تذکرۃ الاولیاء ص ۲۰۵۔

Marfat.com

علم زہیر بن بکیر نامی کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تک میرا یہ حال تھا کہ آسمان کے دروازہ تک تمام کے تمام غلام زادہ پرا باندھے ہوئے ہیں اور کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ لڑکے دیکھ یہ سب غلام زادہ ہیں، ان میں فقط ایک شخص عربی ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ابوالخیر نام کے تیرہ مستند بزرگوں کو جانتا ہوں وہ سب غلام زادہ ہیں مگر ساری دنیا کے پیشوا اور آقا ہیں۔ [1]

امام قاضی خان نے امام علی بزدوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

اَلْفَقِیْهُ یَکُوْنُ کُفُوءً لِلْعَلَوِیَّةِ لِاَنَّ شَرَفَ الْحَسَبِ فَوْقَ شَرَفِ النَّسَبِ۔ [2]

''کہ فقیہ علوی عورت کا کفو ہے، اس لئے کہ شرفِ حسب، شرفِ نسب سے برتر ہے''۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے:

اِنَّ الْعَالِمَ کُفُوءٌ لِلْعَلَوِیَّةِ اِذْ شَرَفُ الْعِلْمِ فَوْقَ النَّسَبِ [3]

''کہ عالم علوی عورت کا کفو ہے، اس لئے کہ شرافتِ علم شرفِ نسب سے برتر ہے''۔

اور قہستانی نے جامع الرموز میں صاحب مضمرات کا یہ قول کہ ''عالم (عجمی) علوی عورت کا کفو نہیں ہے'' نقل کر کے یوں رد کر دیا ہے کہ:

''لٰکِنْ فِی الْمُحِیْطِ وَغَیْرِهٖ اَنَّ الْعَالِمَ کُفُوٌّ لِلْعَلَوِیَّةِ اِذْ شَرَفُ الْعِلْمِ فَوْقَ شَرَفِ النَّسَبِ''۔

یعنی محیط وغیرہ میں ہے کہ عالم علوی عورت کا کفو ہے، اس لئے کہ شرافتِ علم شرافتِ نسب سے برتر ہے۔

قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نو مسلم عالم یا صاحب فضائل کے لئے یہ فتویٰ ہے:

اَلَّذِیْ اَسْلَمَ بِنَفْسِهٖ اَوْ عُتِقَ اِذَا اَحْرَزَ مِنَ الْفَضَائِلِ مَا یُقَابِلُ نَسَبَ الْاٰخَرِ کَانَ

[1] نفحات الانس: ص ۲۰۵۔ [2] قاضی خان: ۱/ ۱۶۲۔ [3] خلاصۃ الفتاویٰ، ج: ۲، ص: ۱۲۔

Marfat.com

کُفُوءًا لَّهُ [1]

جوخود مسلمان ہوا ہو یا جس نے غلام سے آزادی پائی ہو وہ اگر ایسے فضائل جمع کرے جو دوسرے کسی کے نسبی شرف کے ہم وزن ہو جائیں تو وہ نو مسلم اور آزاد شدہ غلام اس کا کفو ہو جائے گا۔

علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اور کرمانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اپنی شرح بخاری میں بتصریح لکھتے ہیں:

اَلْوَضِيْعُ الْعَالِمُ خَيْرٌ مِّنَ الشَّرِيْفِ الْجَاهِلِ وَالْعِلْمُ يَرْفَعُ كُلَّ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ

یعنی پست نسب عالم، شریف جاہل سے بہتر ہے، علم ہر پست کو بلند کر دیتا ہے۔ [2]

غیر عربی برادریوں میں نسبی کفاءت کا بالکل اعتبار نہیں

نیز فقہ حنفی کے مسئلہ کفاءت کی رو سے ہر عجمی (جو کسی عربی قبیلہ کی طرف منسوب نہ ہو) دوسرے عجمی کا کفو ہے لہٰذا راجپوت مسلمان، ارائیں قوم، کمبوہ، رانگی (جو اپنے کو عراقی کہتے ہیں)، پٹھانوں کی مختلف قسمیں، نعمانی، برادری قدوائی، روتارے، مغل قوم اور ہر نو مسلم جس کا باپ اور دادا بھی مسلمان ہو سب آپس میں کفو ہیں، اس لئے کہ فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ غیر عربی برادریوں میں نسبی کفاءت کا اعتبار نہیں ہے۔

پیشہ کے لحاظ سے کفاءت کے اعتبار کی صحیح تشریح

اسی طرح فقہ حنفی کی رو سے ایک جولاہہ اور دھنیا، ایک کنجڑا اور قصائی بھی مذکورہ بالا تمام قوموں کا باتفاق ائمہ کفو ہے بشرطیکہ وہ اپنا ذاتی پیشہ چھوڑ کر کوئی ایسا کام کرنے لگا ہو جو عرف عام میں ذلیل کام نہ سمجھا جاتا ہو، مثلاً وکالت، ملازمت، اخبار کی اڈیٹری، باعزت تجارت وغیرہ وغیرہ، اور یہ دوسرا کام کرتے کرتے اتنے دن ہو گئے ہوں کہ اس کے کپڑا بننے، روئی دھننے، ترکاری ساگ اور گوشت بیچنے کا قصہ بھولا ہوا افسانہ بن جائے۔ [3]

فقہ میں جولاہے اور دھنئے سے کون مراد ہے؟

فقہ کے اس مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جولاہا اور دھنیا فقہی اصطلاح میں وہی ہے جو خود یہ پیشہ کرتا ہو، لہٰذا

---

[1] شامی، ص: ۳۳۰۔ [2] عینی، ص: ۳۵۰۔ [3] شامی، ص: ۳۳۔

Marfat.com

جو شخص خود یہ پیشے نہیں کرتا نہ اس کے گھر میں یہ پیشے ہوتے، بلکہ کئی پشتوں سے ذاتی پیشے متروک ہو چکے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ قدیم زمانہ میں کبھی اس کے خاندان میں یہ پیشے ہوتے تھے تو ایسے شخص کو کوئی غیر پیشہ اور عجمی قوم (جیسے کنبوہ) فقہ حنفی کی رو سے جولاہہ یا دھنیا قرار دے کر اپنا غیر کفو نہیں کہہ سکتی، فقہ حنفی کی کسی کتاب سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ ایک جولاہے کا پوتا یا پڑپوتا بھی جولاہا ہے باوجودیکہ اس نے، اس کے باپ نے، اس کے دادا نے کبھی جولاہگی نہ کی ہو، اس مقام پر امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط کی ایک عبارت سے مدعا روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں:

اَلرَّابِعُ الْكَفَاءَةُ فِي الْحِرْفَةِ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اَنَّ ذٰلِكَ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ اَصْلًا وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى اَنَّهٗ مُعْتَبَرٌ وَكَاَنَّهُ اعْتَبَرَ الْعَادَةَ فِيْ ذٰلِكَ وَوَرَدَ حَدِيْثٌ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ: اَلنَّاسُ اَكْفَاءٌ اِلَّا الْحَائِكَ وَالْحَجَّامَ وَلٰكِنْ اَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ الْحَدِيْثُ شَاذٌّ لَا يُؤْخَذُ بِهٖ فِيْمَا تَعُمُّ بِهِ الْبَلْوٰى وَالْحِرْفَةُ لَيْسَتْ بِشَيْءٍ لَازِمٍ فَالْمَرْءُ تَارَةً يَحْتَرِفُ بِحِرْفَةٍ نَفِيْسَةٍ وَتَارَةً بِحِرْفَةٍ خَسِيْسَةٍ بِخِلَافِ النَّسَبِ فَاِنَّهٗ لَازِمٌ لَّهٗ [1]

دیکھئے اس عبارت میں کتنی صراحت سے مذکور ہے کہ:

(۱) اولاً تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیشہ کے لحاظ سے کفاءت معتبر ہی نہیں، لہٰذا ان کے قول کے بموجب تو ایک جولاہہ جولاہگی کرتے ہوئے بھی بے تکلف ایک کنبوہ ایک پٹھان کا کفو ہے۔

(۲) پیشہ نسب کی طرح لازم نہیں ہے یعنی یہ کہ کوئی آدمی ایک پیشہ کرتا رہا ہو پھر اس کو چھوڑ دے تو وہ اس پیشہ والا نہیں رہا، مثلاً کوئی کپڑا بننا چھوڑ دے تو اب وہ جولاہہ نہیں رہا، پیشہ کا تو یہ حال ہے کہ خسیس پیشہ کرے گا تو آدمی خسیس سمجھا جانے لگے گا، لیکن اس کو چھوڑ کر نفیس پیشہ اختیار کر لے تو خست ودناءت معدوم ہو جائے گی برخلاف نسب کے کہ وہ جو ہے وہی رہے گا، پس

[1] مبسوط، ج:۵، ص:۲۵۔

Marfat.com

جب امام سرخسی کی تصریح کے بموجب ایک جولاہہ جولاہگی چھوڑ دینے کے بعد جولاہہ نہیں رہتا، توجس نے کبھی جولاہگی کی ہی نہیں بلکہ اس کے باپ دادا نے کی ہے وہ کیسے جولاہہ کہا جاسکتا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ جوایک حدیث نقل کی جاتی ہے کہ سارے لوگ آپس میں کفو ہیں بجز جولاہے اور حجام کے تو اس کو تمام احناف کے پیشوائے اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ناقابل اعتبار واستدلال قرار دیا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اس حدیث کو شاذ (یعنی منکر) اور ناقابل استدلال قرار دیا ہے، اسی طرح حافظ ابوحاتم نے بھی منکر کہا ہے، بلکہ حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے تو اس کو منکر کے ساتھ موضوع بھی کہا ہے اور ابن حبان کا رجحان بھی اسی طرح ہے۔[1]

باقی رہا یہ کہنا کہ تعدد طرق سے اس کا ضعف رفع ہوجاتا ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ تعدد طرق سے صرف ضعف یسیر رفع ہوتا ہے، موضوع حدیث تعدد طرق واہیہ سے غیر موضوع نہیں ہوسکتی، نہ ایک وضاع یا منکر الحدیث راوی کی تائید ومتابعت کوئی ویسا ہی دوسرا راوی کردے تو ضعف رفع ہوسکتا ہے، علامہ شامی تدریب و تقریب سے ناقل ہیں: "هٰذَا اِذَا كَانَ ضُعْفُهٗ لِسُوْءِ حِفْظِ الرَّاوِي الصَّدُوْقِ الْاَمِيْنِ اَوْلِاِرْسَالٍ اَوْ تَدْلِيْسٍ اَوْجَهَالَةِ حَالٍ اَمَّالَوْ كَانَ لِفِسْقِ الرَّاوِيْ اَوْ كِذْبِهٖ فَلَايُؤَثِّرُفِيْهِ مُوَافَقَةُ مِثْلِهٖ لَهٗ وَلَايَرْتَقِيْ بِذٰلِكَ اِلَى الْحَسَنِ"۔[2]

بعض پیشہ وروں کی مذمت کی حدیثیں

بعض حضرات نے پیشہ وروں کی مذمت میں ضعیف حدیثیں پیش کی ہیں، حالانکہ ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ شدید الضعف نہ ہو، جیسا کہ ردالمختار جلد ۱ صفحہ ۹۰ پر مصرح ہے، لہٰذا معلوم

[1] عمدۃ القاری، ج:۹، ص:۳۰۷۔ [2] ردالمختار، ج:۱، ص:۹۰۔

Marfat.com

ہونا چاہئے کہ ایسی احادیث (جو پیشہ وروں کی مذمت میں پیش کی گئی ہیں) انتہائی ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہیں، نہ ان کی سند کا پتہ ہے، نہ کسی محدث نے ان کے یسیر الضعف ہونے کی تصریح کی ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ ایسی کتابوں سے منقول ہیں جن کی حدیثوں کی نسبت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (عجالہ نافعہ، ص: ۷، ۸) میں لکھتے ہیں کہ:

''ان کا نام ونشان قرونِ سابقہ (پہلی صدیوں) میں موجود نہ تھا، صرف پچھلے محدثین نے ان کو روایت کیا ہے، پس دو حال سے خالی نہیں، یا تو اگلے محدثین نے بحث وتفتیش کے بعد اس کی کوئی اصل نہیں پائی کہ ان کی روایت میں مشغول ہوں، یا کچھ اصل تو ملی لیکن اس میں کوئی علت اور خرابی دیکھی کہ ان حدیثوں کے چھوڑ دینے کا باعث بنی، بہر حال یہ حدیثیں اعتماد اور بھروسہ کے لائق نہیں ہیں کہ ان سے کسی عقیدہ یا عمل کو ثابت کیا جائے''۔

عالم ہونے کی صورت میں پیشہ کی کفاءت کا قطعاً اعتبار نہیں

اسی طرح فقہ کی کتابوں میں مسئلہ کفاءت کی جو تفریعات مذکور ہیں، ان کی رو سے کوئی ایسا شخص جو خود بنئے کا پیشہ کرتا ہو، مگر عالم دین ہو تو وہ ہر عجمی قوم کا بلکہ عربی کا بھی کفو ہے، اس لئے کہ جس طرح فقہائے حنفیہ نے نسب اور حرف کے لحاظ سے کفاءت کا معتبر ہونا بیان کیا ہے، اسی طرح یہ بھی تصریح کی ہے کہ علم کا شرف پیشہ کی پستی کا بدل بن جاتا ہے بلکہ اس سے زائد ہو جاتا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اِنَّ شَرَفَ النَّسَبِ اَوِ الْعِلْمِ یَجْبُرُ نَقْصَ الْحِرْفَةِ بَلْ یَفُوْقُ سَائِرَ الْحِرَفِ [1]

''نسب یا علم کی شرافت پیشے کی کمی کو پورا کر دیتی ہے، بلکہ سارے پیشوں سے بڑھ کر ہے''۔

اور فرماتے ہیں:

شَرَفُ الْعِلْمِ اَقْوٰی مِنْ شَرَفِ النَّسَبِ [2]

---

[1] شامی: ۲/۳۳۰۔ [2] شامی: ۲/۳۳۱۔

Marfat.com

''علم کی شرافت نسب کی شرافت سے زیادہ قوی (وبڑھ کر) ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کہنا جائز نہیں ہوسکتا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو عجمی تھے اور بزازی کا پیشہ کرتے تھے (یا بنئے کا جیسا کہ فتاویٰ براہنہ باب ۲۶ وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے) کسی جاہل قریشی (صدیقی، فاروقی وغیرہ) کی لڑکی کے کفو نہیں ہیں۔[1]

نسبی کفاءت کی شرعی حیثیت یا اعتبار کفاءت کا مطلب

یہاں پہنچ کر یہ بتادینا بھی بہت ضروری ہے کہ نکاح میں کفاءت کی شرعی حیثیت کیا ہے، اور یہ کہ فقہاء نے جو کفاءت کو معتبر قرار دیا ہے اس کا کیا مطلب ہے، یعنی یہ کہ کفاءت کا اعتبار بطریق وجوب، یا بطریق ندب، پھر اگر بطریق وجوب ہے تو نکاح کے صحیح وجائز ہونے کے لئے شرط ہے یا نہیں، نیز یہ کہ وہ حقوق اللہ جل جلالہ کی قبیل سے ہے یا از قبیل حقوق العباد تو سنئے!

ولی اور عورت کفاءت کا لحاظ نہ کریں تو کوئی باز پرس نہیں

یہ تو متفق علیہ ہے کہ وہ از قبیل حقوق العباد ہے، اور وہ بالکل حق شفعہ کی نظیر ہے، کہ جس کو شفعہ کا حق حاصل ہو اور وہ اپنے حق سے دستبردار ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی باز پرس نہیں ہوسکتی بلکہ ماجور ہونے کی اُمید ہے، اسی طرح اگر اولیاء اور عورت نسبی کفاءت کے باب میں اپنے حق کو استعمال نہ کریں تو کوئی مواخذہ نہیں ہوسکتا، اس میں چاروں اماموں کا کوئی اختلاف نہیں۔[2]

بلکہ کبار مشائخ حنفیہ کی تصریح کے مطابق تو متعدد احادیث کی بنا پر نسبی کفاءت کا لحاظ نہ کرنا اور اس حق سے دست بردار ہونا ہی افضل ہے، چنانچہ امام سرخسی اور ملک العلماء کاسانی نے وہ حدیث جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی بیاضہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ کی لڑکی سے اپنے غلام ابوطیبہ کا نکاح کردیں، اور وہ حدیث جس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا ہے کہ عرب کی قوم کے پاس جاکر کہو کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اپنے

---

[1] شامی: ۲/۳۳۱۔ [2] زاد المعاد لابن القیم۔

Marfat.com

قبیلہ میں میرا نکاح کردو، نقل کر کے لکھا ہے:

تَأْوِيْلُ الْحَدِيْثِ الْآخَرِ النَّدْبُ إِلَى التَّوَاضُعِ وَتَرْكِ طَلَبِ الْكَفَاءَةِ [1]

یعنی اس حدیث کا مقصد کفاءت کی طلبی سے دستبردار ہونے کو مندوب قرار دینا ہے۔

ملک العلماء کاسانی نے بھی تقریباً یہی بات لکھ کر فرمایا ہے کہ:

وَعِنْدَنَا الْأَفْضَلُ اعْتِبَارُ الدِّيْنِ وَالْاِقْتِصَارُ عَلَيْهِ [2]

یعنی ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک افضل یہی ہے کہ صرف دینداری کا لحاظ کیا جائے اور اسی پر اقتصار کیا جائے یعنی کفاءت کی جستجو نہ کی جائے۔

اعتبار کفاءت درجہ جواز میں ہے

ان دونوں اماموں کی انہیں تصریحات سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ نسبی کفاءت کے اعتبار کی جو تصریح فقہائے حنفیہ نے کی، اس سے صرف درجہ جواز میں معتبر ہونا مراد ہے، بلکہ ملک العلماء کاسانی نے تو اس کی تصریح بھی کی ہے، چنانچہ وہ حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ وبلال رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیثوں کی یہ مراد بیان کرنے کے بعد کہ یہ حدیث میں افضل بات کی ترغیب دینا مقصود ہے، یعنی اس بات کی ترغیب کہ صرف دینداری کو دیکھیں دینداری کے سوا اور کسی لحاظ سے کفاءت کی جستجو نہ کریں۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں اگرچہ اعتبار کفاءت کو وجوب کے درجہ میں لکھا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تصریح بھی کی ہے کہ اس وجوب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ولی کفاءت کے باب میں اپنا حق چھوڑ دے تو گناہگار ہوگا، نہ یہ مطلب ہے کہ بالغہ عورت اپنا حق چھوڑ دے تو گناہگار ہوگی اپنا اپنا حق چھوڑنے میں کوئی گناہگار نہ ہوگا بلکہ وجوب کا یہ مطلب ہے کہ عورت اولیاء کی رضامندی حاصل کئے بغیر اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے گی تو وہ اپنا حق کفاءت چھوڑنے کی وجہ سے تو گناہگار نہ ہوئی لیکن اس نے اولیاء کا حق کفاءت ضائع کیا اس لئے وہ گناہگار ہوگی۔

---

[1] مبسوط: ۵/ ۲۳۔ [2] بدائع: ۲/ ۳۱۷۔

Marfat.com

وجوب کی اس تفسیر کے بعد شیخ ابن الہمام کے وجوب اور امام سرخسی وغیرہ کے جواز میں کوئی قابل لحاظ فرق نہیں رہ جاتا، پھر لطف یہ ہے کہ شیخ ابن الہمام نے خود ہی اس کے بعد فقہ حنفی کے ایک متفق علیہ مسئلہ سے اپنے قول پر ایک ایسا اعتراض واشکال وارد کر دیا ہے جس کا وہ خود بھی کوئی حل پیدا نہیں کر سکے ہیں۔

کفاءت، صحت نکاح کے لئے معتبر ہے، یا لزوم نکاح کے لئے

بہر حال! دو باتیں تو بالکل صاف ہو چکی ہیں کہ:

۱۔ کفاءت بحیثیت حق اللہ نہیں بحیثیت حق العبد معتبر ہے۔

۲۔ اور وہ حق بھی جوازی ہے نہ کہ وجوبی۔

اب رہی یہ بات کہ کفاءت صحتِ نکاح کے لئے معتبر ہے یا لزومِ نکاح کے لئے، تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ منکوحہ اگر نابالغہ ہے، اور ولی باپ یا دادا ہے تو کفاءت نہ صحت کے لئے شرط ہے نہ لزوم کے لئے، یعنی یہ کہ:

۱۔ اگر باپ یا دادا نے اپنی نابالغ لڑکی یا پوتی کا غیر کفو سے نکاح کر دیا تو یہ نکاح صحیح ہے اور لازم بھی ہے فسخ نہیں ہوسکتا۔[1]

۲۔ اور اگر منکوحہ بالغہ ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے اور اس نے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا تو یہ نکاح بھی صحیح ولازم ہے، فسخ نہیں ہوسکتا۔[2]

۳۔ اسی طرح اگر ولی موجود ہو اور لڑکی کے ساتھ اس کا ولی بھی غیر کفو میں شادی ہونے پر رضامند ہو جائے تو یہ نکاح بھی صحیح ولازم ہے فسخ نہیں ہوسکتا۔

۴۔ لڑکی بالغ ہو اور اس کے متعدد ولی ہوں مثلاً باپ، چچا اور بھائی تو صرف ولی اقرب کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح صحیح ولازم ہو جائے گا، مثلاً صورت مفروضہ میں باپ رضامند ہو اور چچا اور بھائی ناراض ہوں جب بھی نکاح صحیح ولازم ہو جائے گا اور اگر سب اولیاء ایک درجہ کے ہوں مثلاً چار بھائی تو صرف ایک کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح صحیح ولازم ہو جائے گا۔[3]

---

[1] بدائع: ۲/۳۱۸، وفھایات الارب: ص ۱۹۔ [2] شامی: ۲/۳۰۴۔ [3] مبسوط: ۵/۲۶، بدائع: ۲/۳۱۸۔

Marfat.com

بالغہ لڑکی اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے تو نکاح صحیح ہے

اب صرف دو صورتیں رہ جاتی ہیں، ایک یہ کہ لڑکی نابالغ ہو اور باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی مثلاً چچا یا بھائی اس کا نکاح غیر کفو میں کردے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ چچا وغیرہ کی ولایت کمزور ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکی بالغہ ہو اور اس کا ولی موجود ہو اور لڑکی بلا رضا مندی ولی اپنا نکاح غیر کفو سے کرلے تو حسن بن زیاد کی شاذ روایت کی بنا پر اس صورت میں بھی نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن ظاہر الروایۃ کی بنا پر نکاح صحیح ہے، ہاں! ولی کو حق اعتراض حاصل ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مفتی بہ کون ہے؟ تو عموماً یہی ظاہر کیا جاتا ہے کہ حسن کی روایت مفتی بہ ہے، مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ مشائخ نے دونوں روایتوں پر فتوے دیئے ہیں، لہٰذا دونوں مفتی بہ ہیں، چنانچہ علامہ شامی ظاہر الروایۃ کی نسبت علامہ ابن نجیم کا قول نقل کرتے ہیں: وَبِهٖ اَفْتٰی كَثِيْرٌ مِّنَ الْمَشَائِخِ فَقَدِ اخْتَلَفَ الْاِفْتَاءُ [1] یعنی ظاہر الروایۃ ہی پر بہت سے مشائخ نے فتویٰ دیا ہے لہٰذا مفتی بہ ہونا بھی مختلف فیہ ہوگیا، یعنی بہتوں کے نزدیک یہ مفتی بہ ہے، اور بہتوں کے نزدیک وہ۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ کسی بالغہ لڑکی نے بلا رضائے ولی غیر کفو میں شادی کرلی تو بہت سے مشائخ نے ظاہر الروایۃ کی بنا پر فتویٰ دیا ہے کہ اس کو شوہر سے یہ کہنے کا حق نہیں، کہ میرے ولی راضی ہوجائیں تو میں تمہارے پاس رہوں گی ورنہ نہیں: وَ كَثِيْرٌ مِّنْ مَّشَائِخِنَا اَفْتَوْا بِظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لَيْسَ لَهَا اَنْ تَمْتَنِعَ [2]

مولانا عابد سندی نے نہر فائق سے اور صاحب نہر نے بزازیہ سے اور صاحب بزازیہ نے برہان الائمہ سے نقل کیا ہے کہ فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے، بسبب قوت دلیل کے كَمَا فِيْ غَايَةِ الْاَوْطَارِ، برہان الائمہ کا یہ قول خلاصۃ الفتاویٰ (جلد ۲ ص ۱۷) اور عالمگیری (ج ۲ ص ۳۰۰) میں بھی مذکور ہے۔

---

[1] شامی: ص ۳۰۵۔ [2] خلاصۃ الفتاویٰ: ۲/ ۱۴۔

Marfat.com

علامہ خیر الدین رملی نے لکھا ہے: فِيْهِ اخْتِلَافُ الْفَتْوٰى [1] یعنی اس میں فتویٰ مختلف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح حسن کی روایت کو مفتی بہ کہا گیا ہے، اسی طرح ظاہر الروایۃ کے مفتی بہ ہونے سے انکار ممکن نہیں، اور جب دونوں روایتیں مفتی بہ ٹھہریں تو ضرورت ہوئی کہ دوسرے وجوہ ترجیح سے ایک کا دوسرے پر رجحان معلوم کیا جائے۔

انتہائی غور وفکر سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر الروایۃ ہر طرح قابل ترجیح ہے:

۱۔ اولاً اس لئے کہ علامہ شامی، علامہ ابن نجیم سے ناقل ہیں:

اَلْفَتْوٰى إِذَا اخْتَلَفَ كَانَ التَّرْجِيْحُ لِظَاهِرِ الرِّوَايَةِ [2]

یعنی جب مشائخ کے فتوے مختلف ہوں تو ظاہر الروایۃ کو ترجیح ہوگی۔

۲۔ ثانیاً اس لئے کہ ظاہر الروایۃ ہی کے موافق حضرات صاحبین کا بھی قول ہے، اور صاحب درمختار وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ:

مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَصْحَابُنَا فِي الرِّوَايَاتِ الظَّاهِرَةِ يُفْتٰى بِهٖ قَطْعًا [3]

یعنی جس بات میں ہمارے تینوں اماموں کا روایات ظاہرہ میں اتفاق ہو اسی پر قطعاً فتویٰ دیا جائے گا۔

اب رہی یہ بات کہ حضرات صاحبین کا ظاہر الروایۃ سے اتفاق کہاں مذکور ہے، تو سنئے! کہ عالمگیری (جلد ۲ ص ۳۷) میں مذکور ہے، یہاں صرف عالمگیری، بحر اور فتح القدیر کی عبارت نقل کی جاتی ہے، عالمگیری میں ہے:

اَلْمَرْأَةُ إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْ غَيْرِ كُفْؤٍ صَحَّ النِّكَاحُ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ فَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ يُوْسُفَ آخِرًا وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ آخِرًا

اور فتح القدیر میں ہے:

فَتَحَصَّلَ أَنَّ الثَّابِتَ الْآنَ هُوَ اتِّفَاقُ الثَّلَاثَةِ عَلَى الْجَوَازِ مُطْلَقًا مِنَ الْكُفْؤِ وَغَيْرِهٖ

[1] خیریہ: ۱/۲۵۔ [2] ۱/۵۱۔ [3] درمختار برحاشیہ شامی: ۱/۴۹۔

Marfat.com

اور بحر میں ہے:

وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَنِ الثَّلَاثَةِ [1]

۳۔ ثالثًا ظاہر الروایۃ دلیل کے لحاظ سے بھی قوی ہے جیسا کہ غایۃ الاوطار کے حوالہ سے گزرا بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہی روایت بادلیل ہے، اور شامی نے لکھا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں اور مشائخ نے دونوں کی تصحیح کی ہو لیکن ان میں سے کسی ایک کے لئے کوئی دوسرا مرجح (مثلاً قوت دلیل یا اتفاق ائمہ ثلاثہ یا ظاہر الروایۃ ہونا) موجود ہو تو وہی ماخوذ و معتبر ہوگا، جس کے لئے مرجح موجود ہو۔[2]

۴۔ رابعًا اس لئے کہ متون میں یہی مذکور ہے۔ (قدوری اور کنز) اور اس پر بہت سے مشائخ نے فتویٰ بھی دیا ہے، لہٰذا یہی روایت راجح اور قابل قبول ہوگی، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب شروح کا قول متون کے خلاف ہو تو متون کو ترجیح ہوگی، علامہ شامی نے علامہ ابن نجیم سے نقل کیا ہے: إِذَا اخْتَلَفَ التَّصْحِيحُ وَالْفَتْوىٰ فَالْعَمَلُ بِمَا فِي الْمُتُوْنِ أَوْلىٰ[3]

۵۔ خامسًا، اس لئے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے رسالہ وصل السبب ضمیمہ نہایات الارب میں لکھا ہے کہ ''اصل قول امام صاحب کا وہی ہے جو ظاہر مذہب ہے اور ظاہر مذہب کا چھوڑنا بدون قوۃ دلیل کے جائز نہیں'' (صفحہ ۴) اور یہاں قوۃ دلیل تو درکنار سرے سے دلیل ہی نہیں ہے، لہٰذا بقول حضرت موصوف اس قول (روایت حسن) پر عمل کی اجازت نہیں۔

۶۔ سادسًا، اس لئے کہ یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق ہے: لَيْسَ نِكَاحُ غَيْرِ الْكُفَاءِ حَرَامًا فَأَرَدُّ بِهِ النِّكَاحَ وَإِنَّمَا هُوَ تَقْصِيْرٌ بِالْمَرْأَةِ وَالْأَوْلِيَاءِ فَإِذَا رَضُوْا صَحَّ۔[4]

تنبیہ

اوپر اجلہ مشائخ حنفیہ کی تصریحات سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ غیر کفو نسبی اگر عالم یا دیندار ہے تو یہی نہیں کہ

---

[1] بحر: ۱۲۸/۳۔ [2] شامی: ص ۵۱۔ [3] شامی: ۵۱/۱۔ [4] فتح الباری: ۱۰۴/۹۔

Marfat.com

اس سے نکاح کر دینا مناسب ہے بلکہ یہی افضل ہے، بلکہ احادیث نبویہ کی رو سے ایسا نہ کرنا ایک عظیم الشان فتنہ وفساد کا پیش خیمہ ہے، فرمایا:

اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِي الْاَرْضِ فِتْنَةٌ وَّفَسَادٌ عَرِيْضٌ [1]

جب ایسا شخص منگنی کرے جس کا دین اور اخلاق پسندیدہ ہوں تو اس کا نکاح ضرور کر دو نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

اسی حدیث میں بروایت حضرت ابوحاتم مزنی یہ بھی ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر یہ گزارش کی کہ یارسول اللہ! منگنی کرنے والے میں عدم کفاءت یا افلاس ہو تب بھی؟ تو اس سوال کے بعد بھی حضور ﷺ نے تین مرتبہ وہی الفاظ بتکرار فرمائے۔

غیر کفو میں نکاح کی چند مثالیں

جناب رسالت مآب ﷺ نے غیر کفو میں نکاح کی صرف زبانی ہی تعلیم نہیں دی بلکہ اس کے متعدد عملی نمونے بھی پیش فرما گئے ہیں:

۱۔ مقداد و ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی خاص چچازاد بہن حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کندی سے کر دیا تھا، ہمارے مخاطبین کو معلوم ہوگا کہ حضرت مقداد جس قبیلہ کے آدمی تھے (یعنی کندہ) وہ قریشی قبیلہ نہ تھا، لہٰذا فقہی نقطۂ نظر سے وہ ضباعہ کے کفو نہیں تھے، نیز اس قبیلہ کے افراد کو عرب کے لوگ بافندگی (کپڑا بننے) کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ بن حدیج کندی کی نسبت ابن النساجۃ اور اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی نسبت حائک بن حائک وغیرہ الفاظ تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں آج بھی موجود ہیں۔

---

[1] ترمذی: ۱۲۸۔

Marfat.com

۲۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے

حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کلبی تھے، مگر غلامی کی زندگی بسر کر چکے تھے، اسی لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن، حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کو پسند بھی نہ کرتی تھیں، بلکہ ابتداءً جب حضرت نے مشورہ دیا تو بہت برہم ہوئیں، لیکن سورۂ احزاب کی ایک آیت کے نزول کے بعد بہت پشیمان ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خود ہی کہلا بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس سے چاہیں میرا نکاح کر دیجئے۔

۳۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس کا نکاح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک قریشی خاتون تھیں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے قریشی حضرات ان کے خواستگار ہو چکے تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریشیوں کے مقابلہ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو جو قریشی نہ تھے بلکہ آزاد شدہ غلام کے لڑکے تھے، ترجیح دی، اور باوجودیکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرما کر ان کو آمادہ کر دیا کہ تم کو اللہ و رسول کا حکم ماننا بہتر ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آگے چل کر یہ رشتہ ایسا مبارک ثابت ہوا کہ عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔

۴۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے

حضرت سالم رضی اللہ عنہ فارسی النسل غلام تھے، یعنی عربی بھی نہ تھے مگر حضرت ابوحذیفہ قریشی نے ان کا نکاح اپنی بھتیجی ہند سے کر دیا تھا۔ [1]

۵۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نکاح

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق کس کو معلوم نہیں ہے کہ وہ حبشی غلام تھے، اور ان کی ایک شادی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قریشی کی بہن سے ہوئی تھی، اور ایک شادی ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنولیث

---

[1] بخاری۔

Marfat.com

میں کرادی تھی۔

۶۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہن کا نکاح اشعث رضی اللہ عنہ سے

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کندی تھے، اوران کو حائک بن حائک کہا جاتا تھا، بایں ہمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن اُم فروہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کردیا تھا [۱]۔ تجرید ذہبی میں ہے کہ اشعث کے بیٹے محمد وغیرہ اُم فروہ کے بطن سے ہیں۔ [۲]

۷۔ حضرت ابوہند حجام کا نکاح بنو بیاضہ میں

حضرت ابوہند غلام تھے اور پچھنا لگانے کا کام کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس قبیلہ کو جن کے وہ غلام تھے حکم دیا تھا کہ ان کی شادی اپنے قبیلہ میں کردو، مجمع الزوائد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ابوہند کو بیاہ دو اور ان سے رشتہ داری کرو۔ [۳]

۸۔ ہند بنت الحارث قرشیہ رضی اللہ عنہا: کی شادی معبد بن المقداد کندی رضی اللہ عنہ سے ہوئی ہے۔ [۴]

۹۔ بنت ابی سفیان امویہ قرشیہ میمونہ رضی اللہ عنہا: کی شادی عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے اور ان کے بعد مغیرہ بن شعبہ ثقفی سے ہوئی ہے۔ [۵]

۱۰۔ صخرہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا: کا نکاح سعد بن الاخنس سلمی رضی اللہ عنہ سے۔ [۶] حالانکہ فقہ حنفی کی رو سے قریشیہ عورت کا کفو غیر قریشی نہیں ہوسکتا۔

۱۱۔ ہند بنت مقوم بن عبدالمطلب بن ہاشم: کا نکاح ابوعمرہ انصاری رضی اللہ عنہ سے۔ [۷]

۱۲۔ ہند بنت ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب: کا نکاح حبان بن واسع انصاری رضی اللہ عنہ سے۔ [۸]

۱۳۔ یعلی بن امیہ قرشی کی بہن نفیسہ: کا نکاح سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے۔

۱۴۔ ام کلثوم بنت العباس بن عبدالمطلب ہاشمیہ: کا نکاح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہوا، اوران کے

---

[۱] مجمع الزوائد: ۹/ ۳۱۵۔ [۲] تجرید ذہبی: ۲/ ۳۴۸۔ [۳] ۹/ ۲۴۴۔ [۴] تہذیب التہذیب، ج: ۱۲، ص: ۴۵۷۔ [۵] فتح، ج: ۹، ص: ۱۳۳، ذہبی، ج: ۲، ص: ۳۲۲۔ [۶] تہذیب، ج: ۱۲، ص: ۴۵۵۔ [۷] تجرید، ج: ۲، ص: ۳۲۷۔ [۸] تجرید، ج: ۲، ص: ۳۲۶۔

Marfat.com

بیٹے موسیٰ انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ [1]

۱۵۔ام کلثوم بنت عقبہ قرشیہ: کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ [2]

۱۶۔ام الحکم قرشیہ (بنت ابی سفیان): کا نکاح عبداللہ بن عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ سے۔ [3]

۱۷۔اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہن قریبہ رضی اللہ عنہا: کا نکاح قیس بن سعد بن عبادہ انصاری سے ہوا۔ [4]

تتبع سے ایسی بہت سی مثالیں مل سکتی ہے، لیکن ہم بنظرِ اختصار اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں نسبی کفاءت کی مراعات میں جس تشدد اور عصبیت کا آج مظاہرہ کیا جارہا ہے، کچھ شبہ نہیں کہ وہ ہندوؤں کی ہم سائیگی کا اثر ہے، اور وہ بھی قرون متاخرہ کی نامسعود یادگار ہے، دوسرے بلاد میں ایسی شدید عصبیت کا مظاہرہ نہ آج کیا جاتا ہے نہ پہلے کبھی کیا جاتا تھا بلکہ خود ہندوستان میں بھی پہلے اتنی عصبیت نہ تھی۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا نکاح فاروقی گھرانے میں

کون نہیں جانتا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نعمانی (عجمی النسل) تھے اور ان کی شادی شیخ المشائخ حضرت شیخ عارف رودولوی فاروقی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ [5]

ایک اور ستم ظریفی

ہمارے ان ہندوستانی شرفاء کی ایک ستم ظریفی یہ بھی ہے کہ اگر ان سے کوئی یہ کہتا ہے کہ آپ اپنے نسب کی بنا پر اتنی شدید عصبیت کا مظاہرہ تو کرتے ہیں، لیکن آپ کے نسب کی کوئی قابل قبول دلیل بھی آپ کے پاس ہے؟ تو بے تامل یہ فرما دیتے ہیں کہ ثبوت نسب میں تسامع وتواتر کافی ہے، حالانکہ یہ صریح مغالطہ ہے، فقہ حنفی کے جس مسئلہ کی بنا پر یہ کہہ دیا جاتا ہے اس میں ثبوت نسب کا ذکر نہیں ہے، بلکہ شہادت علی النسب کا ذکر ہے، یعنی فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ کسی کے نسب کی شہادت دینے کے لئے تسامع وتواتر کافی ہے، مثلاً کسی نے قاضی کے پاس دعویٰ کیا، میں فلاں شخص کا پوتا یا پڑپوتا ہوں اور قاضی نے شہادت طلب کی تو جن لوگوں نے کم از کم دو متقی

[1] تجرید، ج:۲،ص:۳۵۰۔ [2] تجرید، ج:۲،ص:۳۵۰۔ [3] تجرید، ج:،ص:۳۳۳ و فتح الباری، ج:۹،ص:۱۱۳۔ [4] تجرید، ج:۲،ص:۳۱۴۔
[5] لطائف قدوسی، ص:۱۱، ۱۲۔

Marfat.com

آدمیوں سے سنا ہو کہ مدعی شخص مذکور کا پوتا یا پڑپوتا ہے وہ قاضی کے پاس شہادت دے سکتے ہیں۔

اس مسئلہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ فی الواقع ثبوت نسب یا کسی نسب کا بالجزم دعویٰ کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ چند آدمیوں کو ایسا کہتے سن لیا جائے، اگر ایسا ہوتا تو یہ فقہاء یہ کیسے لکھ دیتے "اَلْعَجَمُ ضَيَّعُوْا اَنْسَابَهُمْ" (عجمیوں نے اپنا نسب ضائع کر دیا) کیا عجمی قبائل میں یہ شہرت نہیں پائی جاتی کہ فلاں آدمی کسریٰ کی اولاد سے ہے اور فلاں آدمی ساسان کی اولاد سے ہے؟

پھر یہ بھی غور نہیں فرمایا گیا کہ فقہاء نے جو مسئلہ لکھا ہے وہ مَا نَحْنُ فِيْهِ میں اس لئے بھی جاری نہیں ہو سکتا کہ شہادت فرع ہے صحت و مسموعیت دعویٰ کی، اور یہاں دعویٰ ہی سرے سے نامسموع ہے، اس لئے کہ یہ دعویٰ اثبات حق یا دفع حق سے مجرد ہے، اور ایسا دعویٰ بتصریح فقہاء ناقابل سماعت ہے، خیر الدین رملی لکھتے ہیں:

دَعْوَى النَّسَبِ الْمُجَرَّدِ عَنْ ذَالِكَ لَيْسَ فِيْهِ ذَالِكَ وَبِهٖ يُعْلَمُ عَدَمُ سِمَاعِ دَعْوَى نُقَبَاءِ الْاَشْرَافِ اَنَّهٗ شَرِيْفٌ اَوْلَيْسَ بِشَرِيْفٍ

اور یہ بھی غور نہیں کیا گیا کہ حسب تصریح فقہاء اگر شاہد نسب یہ کہہ دے کہ میں تسامع کی بنا پر گواہی دیتا ہوں تو یہ گواہی نامقبول ہو جائے گی اور صورت مبحوث عنہا میں آپ حضرات نے اس کو ظاہر کر دیا ہے کہ ہم تسامع کی بنا پر کہتے ہیں۔

پھر یہ بھی غور نہیں کیا گیا کہ یہاں جس بات میں بحث ہے، اس کی نسبت تواتر ہی کہاں پایا جاتا ہے؟ ایک صدیقی یا فاروقی یا انصاری بزرگ کی نسبت یہ چیز بے شک متواتر ہو سکتی ہے کہ وہ فلاں کے بیٹے ہیں یا فلاں کے پوتے یا فلاں کے پڑپوتے ہیں، لیکن یہ کہ وہ حضرت صدیق یا حضرت فاروق کی نسل سے ہیں، تو یہ بات متواتر نہیں ہو سکتی، جب تک کہ نسب نامہ کی ہر کڑی اپنے زمانہ میں، اور ماقبل کی تمام کڑیاں ازمنہ مابعد میں بلا انقطاع متواتر ہوں، اور اس کا دعویٰ کوئی صدیقی یا فاروقی نہیں کر سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہماری مراد تواتر سے یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں ہماری نسبت اور ہمارے والد کے زمانہ

Marfat.com

میں ان کی نسبت اوران کے والد کے زمانہ میں ان کی نسبت یہ متواتر تھا اور ہے کہ ہم صدیقی یا فاروقی ہیں، تو گزارش ہے کہ اس کو تواتر کہنا تواتر کی توہین ہے، تواتر کے لئے یہ ضروری ہے کہ حضرت فاروق یا حضرت صدیق تک بلا انقطاع یہ سلسلہ چلا جائے اور یہاں یہ موجود نہیں، یہاں تو یہ صورت ہے کہ پانچویں یا چھٹی یا ساتویں صدی ہجری میں ایک بزرگ بغداد یا افغانستان یا عرب یا شام یا یمن سے آئے اور ساتویں یا آٹھویں یا نویں صدی میں کسی نے ان بزرگ کا ایک نسب نامہ لکھا جو ان کے خاندان میں نقل ہوتا رہا اور شہرت پاتا رہا، تو انصاف سے کہا جائے کہ کیا اس کا نام تواتر ہے؟ اگر اسی کا نام تواتر ہے تو تمام بے اصل افسانے اور ساری من گھڑت کہانیاں اور بہت سی موضوع حدیثیں سب متواتر اور یقینی ہیں۔

مثال کے طور پر ہندوستان کے اکثر فاروقی حضرات اپنے شجرۂ نسب میں حضرت ابراہیم ادہم کا نام لکھتے ہیں اور ان کا نسب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں، لہٰذا ہمارے مخاطبین کی تقریر کی بنا پر حضرت ابراہیم ادہم کا فاروقی ہونا متواتر ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم ادہم کا فاروقی ہونا متواتر تو درکنار ان کے کسی معاصر یا قریب زمانہ کے کسی نساب یا مورخ یا ماہر اسماء رجال یا تذکرہ نویس کا بیان آحاد بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف اسماء الرجال وغیرہ کی جتنی کتابوں میں ہم کو ان کا ذکر مل سکا ہے، سب میں ان کو عجلی یا تمیمی لکھا ہے، چنانچہ اسی بناء پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہات وصیت (ص:۷) میں لکھا ہے کہ:

> ''بروئے قواعد علم تاریخ محدثین کے قول کو ترجیح ہوگی اور فاروقیت اور سیادت بلا دلیل ہوگی، ادہمی کہنے تک کی گنجائش ہے اور اس سے آگے تجاوز کرنا بلا دلیل ہے اور بلا دلیل بات کہنا مخالفت ہے آیۃ ''وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ'' [1] کی''۔ [2]

ایک مثال یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ تنبیہات وصیت (ص:۵) میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''ہم لوگ ازروئے نسب نامہ ونیز تواتر حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں''۔

اور حضرت موصوف نے اپنا نسب نامہ جو مثنوی ''زیر وبم'' میں لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت کا

---

[1] الاسرائیل:۳۶۔ [2] تنبیہات وصیت:۷۔

سلسلہ نسب ابراہیم بن ادہم تک بواسطہ فرخ شاہ کابلی کے پہنچتا ہے، یعنی فرخ شاہ کابلی، ابراہیم بن ادہم کی اولاد میں ہیں اور فرخ شاہ کی اولاد میں حضرت تھانوی وغیرہ ہیں، لہٰذا لازمی بات ہے کہ جو حضرات فرخ شاہ کی اولاد میں ہوں ان سب کے نسب نامہ میں ابراہیم بن ادہم کا نام ضرور آئے، لیکن ایسا نہیں ہے، چنانچہ اشرف السوانح میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے نسب نامہ میں ابراہیم بن ادہم کا نام آتا ہے، نہ حضرت گنج شکر کے کسی نسب نامہ میں۔ [1]

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

کوئی یہ شبہہ کرے کہ تنبیہات وصیت کے جن مضامین کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، ان سے حضرت مولانا تھانوی نے رجوع کرلیا ہے، تو گزارش ہے کہ اس سے مذکورہ بالا بیان کی مزید تائید وتوثیق ہوتی ہے، اور وہ اس طرح کہ جب حضرت موصوف نے تنبیہات وصیت میں صرف اپنی ہی نہیں بلکہ تمام فاروقیان تھانہ بھون کا ادہمی ہونا متواتر فرمایا، پھر اپنے رجوع میں اس کو بالکل غلط قرار دے دیا، تو اس سے ثابت ہوگیا کہ نسب کے معاملہ میں کسی بات کے متواتر ہونے سے اس کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، بعض بے اصل اور بالکل بے سروپا اور غلط باتیں بھی نسب کے معاملہ میں متواتر ہوجاتی ہیں، لہٰذا نسب کے معاملہ میں کسی بات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کرنا بالکل بے سود ہے۔

دوسرے یہ کہ جب حضرت موصوف تنبیہات میں تصریح فرماتے ہیں کہ تمام فاروقیان تھانہ بھون کے نسب ناموں میں ابراہیم بن ادہم بلخی کا نام موجود ہے، اور النور میں اس کو غلط لکھتے ہیں، تو تمام نسب ناموں کے اس غلطی میں متفق ہونے کی وجہ سوا اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ پہلے کسی ایک شخص نے بلا تحقیق کے اپنا نسب نامہ لکھا پھر مختلف اوقات میں لوگوں نے اس کی نقلیں لیں، اور بعد کے ناموں کا اضافہ کرتے گئے، لہٰذا اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ نسب نامے قطعاً متواتر نہیں ہیں، بلکہ وہ کسی ایک کے بیان یا کتابت پر منتہی ہوتے ہیں اور

---

[1] مرآۃ الانساب مطبوعہ جے پور، ص: ۳۸ تا ۴۲۔

Marfat.com

جس پر منتہی ہوتے ہیں اس نے بلا تحقیق شجرہ تیار کر لیا ہے، لہٰذا اس کا بیان آحاد بھی قابل اعتبار نہیں جب تک کہ تحقیق نہ کر لی جائے۔

پھر اس بیان آحاد کی بھی کوئی سند موجود نہیں ہے، صرف خیال ہی خیال ہے، ایسی حالت میں اس کی صحت اور بھی مشکوک ہو جاتی ہے نیز اس کو مشکوک ثابت کرنے والی یہ بات بھی ہے کہ آج تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ یہ فاروقی حضرات ناصر بن عبداللہ بن عمر کی اولاد سے ہیں یا سالم بن عبداللہ بن عمر کی اولاد سے۔ پھر اگر ناصر کی اولاد سے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کسی لڑکے کا نام ناصر نہیں تھا۔[1]

اور اگر سالم کی اولاد سے ہیں تو سالم کے کسی لڑکے کا نام ابراہیم نہیں تھا[2]

پہلے اعتراض کا تو کوئی جواب میں نے نہیں دیکھا، ہاں دوسرے کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے سالم کی اولاد کی اولاد میں کسی کا نام ابراہیم ہو اور وسائط متروک ہو گئے ہوں، لیکن اس پر یہ گزارش ہے کہ پھر تو سب نسب نامے غلط ٹھہرے، اس لئے کہ کسی ایک میں بھی وسائط مذکورہ نہیں ہیں، اور یہیں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نسب کے پورے سلسلہ میں تواتر تو در کنار بیان آحاد کا تسلسل بھی نہیں ہے۔

نیز آج سے اکبر کے عہد تک کا نسب نامہ بھی کسی پختہ اور مستند ثبوت سے موجود نہیں ہے، بلکہ کچھ زبانی روایات اور کچھ کاغذات کی مدد سے تیار کیا جاتا ہے، تاہم وہ بھی غنیمت ہے، اس لئے کہ اکبر کے عہد سے آگے اور بھی اندھیرا ہے، اکبر کے عہد سے لے کر فرخ شاہ تک چودہ پشتیں گزر گئی ہیں، لیکن چار پشتوں کے سوا پانچویں کا نام معلوم نہیں۔

غلط فہمی یا کسی اور سبب سے ادعائے شرافت کی چند مثالیں

عالی خاندان ہونے کا دعویٰ کرنا تو بہت آسان ہے، لیکن عالی خاندان کا قابل قبول ثبوت پیش کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے، یہ مرض ہر جگہ پایا جاتا ہے، چنانچہ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

---

[1] طبقات ابن سعد۔ [2] طبقات ابن سعد: ۵/ ۱۳۳، ۱۳۵۔

Marfat.com

۱۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے نامی شاگردوں میں تقی الدین قلقشندی بلند پایہ عالم ہیں، انہوں نے اپنے قریشی ہونے کا دعویٰ کیا تو ان کے معاصر امام بقاعی نے اس پر سخت قدح کی۔ [۱]

۲۔ نویں صدی کے ایک ہندوستانی عالم راجہ عبدالرحمن مہاجر مکی، مکہ میں ایک قسم کا رومال یا اوڑھنی بنا کر بیچا کرتے تھے، جس کو عمر کہتے ہیں، اس لئے عمری کہلانے لگے تھے، لیکن علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ وہ اپنے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذریت سے قرار دینے لگے تھے۔ [۲]

۳۔ ایک مصری عالم ابن سوید تھے، ان کے باپ دادا نہایت پست حال تھے، بلکہ شاید نصرانیت سے اسلام میں آئے تھے، لیکن خود نہایت دولت مند و صاحب جاہ تھے، اس لئے اپنے کو بنوکنانہ کے خاندان سے بتانے لگے تھے۔ [۳]

۴۔ عبدالرحمن بن محمد کے باپ دادا زبیریہ (جگہ) کے رہنے والے ہونے کی وجہ سے زبیری کہے جاتے تھے، لیکن عبدالرحمن کے لڑکے نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے اپنا نسب جوڑ لیا، حالانکہ واقف کاروں نے ان کے زبیری ہونے کی نفی کی ہے۔ [۴]

۵۔ قاضی تاج الدین تاجی سامری الاصل (یہودی النسل) تھے، لیکن ماں کی جہت سے سید ہونے کے مدعی تھے، اس پر بعض شعراء نے پھبتی بھی کسی۔ [۵]

۶۔ محمد بن احمد حمید الدین نعمانی بڑے زبردست عالم تھے، ان کے باپ اپنے کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے بتاتے تھے، اس پر حافظ ابن حجر اور سخاوی نے لکھا ہے کہ یعرف من له ادنی ممارسة بالاخبار تلفیقه یعنی جس کو تاریخ سے ذرا سا بھی لگاؤ ہے وہ جانتا ہے کہ یہ نسب نامہ بناوٹی اور جوڑا ہوا ہے۔ [۶]

۷۔ محمد بن احمد فریانی کی نسبت مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اپنے نسب کے متعلق جھوٹ بولتے تھے،

---

[۱] الضوء اللامع: ۴/ ۴۸۔ [۲] ضوء لامع: ۴/ ۵۳۔ [۳] ضوء لامع: ۴/ ۷۴۔ [۴] ضوء لامع: ۴/ ۱۳۸۔ [۵] خلاصۃ الاثر: ۳/ ۱۰۳۔ [۶] ضوء لامع: ۷/ ۴۷۔

Marfat.com

کبھی اپنے کولخمی کہتے کبھی سفیانی اور کبھی علوی۔[۱]

۸۔ خلاصۃ الاثر اور سلک الدرر میں بہت سے علماء واعیان کو ابراہیم ادہم کی اولاد سے ذکر کیا ہے، حالانکہ حضرت تھانوی دام ظلہ تصریح فرماتے ہیں کہ ابراہیم ادہم کی نسل نہیں چلی۔

۹۔ بہت سے علماء واعیان اپنے کو خالدی مشہور کرتے ہیں، جیسا کہ درر کامنہ اور خلاصۃ الاثر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، حالانکہ خالد بن الولید (سیف اللہ) رضی اللہ عنہ کی نسل دو تین پشتوں کے بعد بالکل منقطع ہوگئی، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں اور علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے وفاء الوفا میں لکھا ہے۔[۲]

۱۰۔ محمد ابن احمد جروانی نے سید ہونے کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے ان پر طعن کیا اور کہا کہ پہلے یہ خود اپنے کو انصاری لکھتے تھے اور اب سید بن گئے۔[۳]

۱۱۔ ابن ابی الطیب نہاوندی ثم الدمشقی اپنے قلم سے اپنے کو عثمانی لکھتے تھے، لیکن سخاوی نے ان کے عثمانی ہونے کو غلط ثابت کیا ہے۔[۴]

۱۲۔ محمد بن عطاء اللہ رازی ثم الہروی اپنے آپ کو امام فخر الدین رازی کی اولاد سے بتاتے تھے، اسی طرح ہندوستان کے بعض صدیقی حضرات علماء بھی اپنا نسب نامہ امام موصوف سے ملاتے ہیں، حالانکہ حافظ ابن حجر اور سخاوی جیسے ماہرین تاریخ ورجال تصریح فرماتے ہیں کہ ہم کو اس کی صحت کا ثبوت نہیں ملا، نہ کسی مورخ کا ہم نے یہ بیان پایا کہ امام رازی کی کوئی مذکر اولاد بھی تھی۔[۵]

۱۳۔ شیخ ابوالبرکات عراقی، حافظ ابن حجر کے ہم عصر عالم ہیں، وہ اپنی نسبت خود کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نسبت یہ مشہور ہے کہ ہم مشہور ومعروف شیخ رسلان کی اولاد سے ہیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ میں نے اس کی کوئی شافی سند نہیں پائی۔[۶]

---

[۱] ضوء لامع: ۷/۶۹۔ [۲] تہذیب التہذیب، وفاء الوفاء، ج:۱،ص:۵۲۷۔ [۳] ضوء لامع: ۷/۱۳۰۔ [۴] ضوء لامع: ۸،۲۶۲۔ [۵] ضوء لامع: ۸/۱۵۱۔ [۶] ضوء لامع: ۹/۲۵۵۔

Marfat.com

۱۴۔ محبّ الدین خزرجی کا نسب نامہ حافظ ابن حجر نے لکھ کر فرمایا کہ محبّ الدین نے یہ نسب نامہ خود لکھوایا ہے، اور وہی اس کی صحت کے ذمہ دار ہیں، [۱] یعنی یہ کہ حافظ کی نگاہ میں اس کی صحت مشکوک ہے۔

۱۵۔ شمس الدین خراسانی امام عالی مقام حنفی اپنے کو سید کہتے تھے، نیز مدعی تھے کہ وہ حاکم مکہ رمیثہ کی اولاد سے ہیں، اس کی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں:

ان کی سیادت نئی چیز ہے، اسی طرح رمیثہ کی اولاد سے ہونے کے دعویٰ میں بڑا تامل ہے، اور مکہ کے لوگ متفقہ طور پر ان کے دعویٰ میں شک کرتے ہیں۔ [۲]

۱۶۔ علامہ شیخ مجد الدین فیروز آبادی مصنف قاموس کی جلالت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے، لیکن یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ پہلے اپنے کو شیخ ابو اسحاق شافعی کی اولاد سے بتاتے تھے، اس کے بعد جب یمن میں قاضی مقرر ہوئے تو اپنے کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے کہنے لگے، ان کے معاصر علماء کو ان کے دونوں دعوؤں سے سخت اختلاف تھا، حتیٰ کہ امام ذہبی نے تو صاف صاف لکھ دیا کہ شیخ ابو اسحاق نے شادی بھی نہیں کی تھی (یعنی پھر ان کی اولاد کہاں سے آئی) اور ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ شیخ ابو اسحاق نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، دوسرے دعویٰ کے متعلق بھی ابن حجر نے لکھا کہ اس کو دل کسی طرح قبول نہیں کرتا۔ [۳]

۱۷۔ علامہ تقی جیسے عالم ربانی اپنے کو حسینی بتاتے تھے، اور ان کا نسب نامہ ضوء لامع میں مذکور ہے، مگر نقیب الاشراف نے ان سے برملا یہ کہہ دیا کہ اِنَّ الشَّرَفَ قَدِ انْقَطَعَ فِيْ بَلَدِكُمْ مِنْ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ وَلَيْتَ نَسَبِيْ نَسَبُكَ وَاَكُوْنُ مِثْلَكَ فِي الْعِلْمِ وَالصَّلَاحِ [۴]

۱۸۔ عارف کبیر وولی مشہور حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی نے کسی تصنیف میں اپنی نسبی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف بیان کی ہے، اور اپنا نسب نامہ لکھا ہے، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ نسب

---

[۱] ضوء لامع: ۹/۱۹۸۔ [۲] ضوء لامع، ج: ۹، ص: ۲۲۳۔ [۳] ضوء لامع: ۱۰/۴۵۔ [۴] ضوء لامع: ۱۱/۸۲۔

Marfat.com

نامہ مجہول ہے اور صحیح وثابت نہیں ہے، یہی بہتر تھا کہ شیخ اس کو ترک فرماتے، نکت الہمیان [1]
میں ہے قَالَ الذَّهَبِيُّ هٰذَا نَسَبٌ مَجْهُوْلٌ لَا يَصِحُّ وَلَا يَثْبُتُ، وَكَانَ الْاَوْلٰى بِهٖ تَرْكُهٗ۔

ان مثالوں میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ دو چار پشتوں کے بعد ان کے خاندان والے اپنے نسب کے تواتر کا دعویٰ کر دیں تو اس کو بلا چوں چرا تسلیم نہیں کیا جاتا۔

حضر موت میں سادات باعلوی کا ایک معزز خاندان تھا، جب وہ خاندان حضر موت میں آباد ہوا اور اس کے سید ہونے کا چرچا ہوا تو وہاں کے حاکم وقت نے کہا کہ آپ لوگ اپنی سیادت پر شرعی حجت پیش کیجئے، اس وقت ان لوگوں نے یہ جواب نہیں دیا کہ شہرت وتسامع ہمارے ثبوت نسب کی شرعی حجت ہے، بلکہ امام حافظ مجتہد ابوالحسن علی بن محمد بن جدید نے خاص اسی مقصد کے لئے عراق کا جہاں سے نقل مکان کر کے حضر موت آئے تھے، سفر کیا، اور وہاں کے واقف کاروں کے بیانات پر سو ثقہ ومتدین اشخاص کو جو حج کے لئے جا رہے تھے گواہ بنایا، اس کے بعد انہیں حاجیوں کے ساتھ مکہ معظّمہ گئے اور وہاں پہنچ کر ان سو حاجیوں کے بیانات پر تمام حضر موتی حجاج کو گواہ بنایا، پھر ان حاجیوں نے حضر موت میں آ کر گواہی دی تو ان کے نسب کا ثبوت محقق ہوا۔[2]

اور جوزبیری اپنے کو ہادی بن موسیٰ بن مصعب بن الزبیر کی اولاد کہتے ہیں، ان کی نسبت لکھا ہے کہ ابن قتیبہ نے معارف میں صاف لکھا ہے کہ عیسیٰ اپنے باپ کے ساتھ قتل ہو گئے اور ان کے کوئی عقب نہ تھا، نہ مصعب بن زبیر کے کسی پوتے کا نام یا لقب ہادی بیان کیا گیا ہے جس کے ذریعہ یہ سلسلہ متصل ہوتا ہو۔[3]

امروہہ کے عباسی خاندان کے نسب میں یہ کلام ہے کہ وہ اپنے کو موسیٰ بن امین کی نسل سے بتاتے ہیں حالانکہ موسیٰ سے نسل نہیں چلی۔ نیز ان کے شجرۂ نسب میں قاعدہ کی رو سے دس واسطوں کی کمی ہے، جو اس کو جعلی ثابت کرتی ہے۔[4]

---

[1] ص ۲۱۳۔ [2] خلاصۃ الاثر: ۱/ ۷۵۔ [3] ص ۳۴۲۔ [4] مفصل بحث خاندان زبیری کنبوی (ص ۳۷۹ تا ۳۹۰) میں ہے۔

Marfat.com

تبدیل نسب کی حرمت

تبدیل نسب بلاشبہ حرام ہے، لیکن بعض حضرات نے تبدیلِ نسب کا معنی سمجھنے میں غلطی کی ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بعض لوگ جو اپنے آپ کو انصاری اور بعض قریشی وغیرہ کہتے ہیں یہ بھی تبدیلِ نسب ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، یعنی ہندوستان کی بعض قومیں جو اپنے کو انصاری اور بعض قریشی وغیرہ کہتی ہیں یہ تبدیل نسب نہیں ہے، اس کو تبدیل نسب کہنا لغۃً وشرعاً ہر طرح نادرست ہے، تبدیل نسب کا مفہوم صرف یہ ہے کہ کسی شخص کا زید کا بیٹا یا پوتا ہونا معلوم وثابت ہو یا اس کا مثلاً ترکی النسل ہونا قابل وثوق دلائل سے ثابت ہو، اور وہ اپنے کو بجائے زید کا بیٹا یا پوتا کہنے کے عمرو کا کہنے لگے، یا بجائے ترکی النسل کہنے کے اپنے کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نسل سے بتانے لگے اور یہاں یہ بات موجود نہیں ہے، اس لئے کہ جو قومیں اپنے کو انصاری یا قریشی کہتی ہیں، ان کا جولاہہ یا قصاب ہونا تو بے شک معروف ہے، لیکن جولاہا یا قصاب نسب کے مظہر نہیں ہیں، بلکہ پیشہ کے عنوان ہیں، لہٰذا جولاہے کے بجائے انصاری یا قصاب کے بجائے قریشی کہنے سے تبدیل نسب نہیں بلکہ تبدیل لقب لازم آئے گا۔

ہاں اگر ان قوموں کا غیر انصاری یا غیر قریشی (مثلاً ہندی یا ترکی، یا ساسانی یا افغانی) ہونا قابل وثوق دلائل سے ثابت ہوتا، پھر بھی وہ اپنے کو انصاری یا قریشی کہتیں، تو بے شک تبدیل نسب لازم آتا، اس بیان کی پرزور شہادت یہ ہے کہ:

> حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ عام طور پر رومی مشہور تھے اور لوگ یہی جانتے تھے کہ وہ رومی نسل سے ہیں، مگر وہ خود اپنا نسب نمر بن قاسط (ایک عربی قبیلہ) سے ملاتے تھے، چونکہ یہ بات شہرت عام کے خلاف تھی، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ٹوکا، صہیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں دراصل نمر ہی کے خاندان سے ہوں، لیکن بچپن میں کسی عربی قبیلے نے مجھ کو گرفتار کر کے رومیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا، میں نے انہی میں پرورش پائی اور انہیں کی زبان سیکھی، اس لئے میں رومی مشہور ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اس جواب سے تشفی ہوگئی۔ [1]

---

[1] مستدرک حاکم۔

Marfat.com

دیکھئے چونکہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو رومی کہنا قابل وثوق دلیل پر مبنی نہ تھا اس لئے انہوں نے اپنے کو نمری کہنا تبدیل نسب نہیں سمجھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی موافقت فرمائی، اسی طرح اگر کسی ہندوستانی قوم کا ہندی یا رومی ہونا قابل وثوق دلیل سے معلوم وثابت نہ ہو اور وہ اپنے کو انصاری یا قریشی ہونے کا دعویٰ کرے، تو یہ تبدیل نسب نہیں ہے، اب اگر یہ شبہ ہو کہ تبدیل نسب نہ سہی، ادعائے نسب تو ہے، تو جواب یہ ہے کہ ادعائے نسب مطلق حرام نہیں ہے، بلکہ اس وقت حرام ہے جب کہ یہ جانتا ہو کہ میرا اس نسب سے کوئی تعلق نہیں ہے، پھر بھی اسی نسب کا مدعی ہو، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ غَيْرُ اَبِيْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ [1]

جو اپنے باپ کے علاوہ کی طرف اپنے کو منسوب کرے یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابن بطال شارح بخاری سے اس حدیث کی شرح نقل کرتے ہیں:

اِنَّمَا الْمُرَادُ بِهٖ مَنْ تَحَوَّلَ عَنْ نِسْبَتِهٖ لِاَبِيْهِ اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ عَالِمًا عَامِدًا مُخْتَارًا [2]

یعنی حدیث میں اس پر یہ وعید ہے جو اپنے باپ کی طرف اپنی نسبت چھوڑ کر دوسرے کی طرف جان بوجھ کر قصداً اور اختیار وارادہ سے اپنے کو منسوب کرے۔

ظاہر ہے کہ ان قوموں نے یہ جان بوجھ کر کہ ہم ہندی یا رومی نسل سے ہیں، یا یہ جانتے ہوئے کہ ہم انصاری یا قریشی نہیں ہیں، اپنے کو انصاری یا قریشی کہنا شروع نہیں کردیا ہے، لہٰذا وہ ان حدیثوں کا مصداق نہیں ہوسکتیں۔

شناخت کے لئے کسی کی طرف نسبت تبدیلِ نسب نہیں ہے

حضرت مقداد کندی رضی اللہ عنہ اسود کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اسود کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) تھے، لیکن تمام کتب احادیث میں ان کا ذکر مقداد بن الاسود کے عنوان سے ہے، چنانچہ ابن بطال شارح بخاری فرماتے ہیں:

[1] صحیح البخاری، باب غزوۃ الطائف، رقم الحدیث: ۴۳۲۶۔ [2] فتح الباری: ۱۲/ ۴۳۔

Marfat.com

لٰكِنْ بَقِيَ بَعْضُهُمْ مَشْهُوْرًا بِمَنْ تَبَنَّاهُ فَيُذْكَرُ بِهٖ لِقَصْدِ التَّعْرِيْفِ لَا لِقَصْدِ النَّسَبِ الْحَقِيْقِيِّ كَالْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ [۱]

بعض لوگ اپنے متبنی بنانے کے ساتھ مشہور رہ گئے اس لئے شناخت کے لئے اسی کی طرف منسوب کر کے ان کا ذکر کیا جاتا ہے، حقیقی نسب کے قصد سے ایسا نہیں کیا جاتا ہے جیسے مقداد بن الاسود۔

اسی طرح بہت سے ائمہ ومشائخ ولاءً یا حلف وغیرہ کے لحاظ سے کسی قبیلہ کی طرف منسوب ہیں، اس قبیلہ سے ان کو کوئی نسبی تعلق نہیں ہے، مثلاً:

۱۔ امام سلیمان تیمی محدث وزاہد نسباً تیمی نہ تھے، بلکہ تیمیوں کے محلّہ میں آباد ہو گئے تھے، اس لئے تیمی کہے جانے لگے۔[۲]

۲۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ محدث وفقیہ وامام شام سند کے قیدیوں کی نسل سے تھے، مگر ولاءً یا جوراً اوزاعی کہے جاتے تھے، اوزاع قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔[۳]

۳۔ جعفر بن سلیمان ضبعی کو اس لئے ضبعی کہا جاتا ہے کہ بنوضبیعہ میں رہ پڑے تھے۔[۴]

۴۔ ابراہیم بن احمد ابوالسعود احمد بن علی طنتدائی، احمد بن موسیٰ، اسماعیل اور احمد بن علی (ثانی) کو نسباً نہیں بلکہ حسینیہ (قاہرہ) یا ابیات حسین (یمن) میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے حسینی کہا جاتا تھا۔[۵]

۵۔ اسی طرح ابراہیم بن احمد المعروف بابن المبلق حضرت حسین سبط شہید کی طرف نہیں بلکہ اپنے اجداد میں سے کسی حسین کی طرف نسبت کر کے اپنے کو حسینی کہتے تھے۔[۶]

۶۔ ابراہیم محدث دمشقی، قبیلہ قریش سے نہ تھے، کسی اور شخص کی طرف منسوب کر کے قریشی کہے جاتے تھے۔

۷۔ ابراہیم بن ابی بکر برلسی اس لئے حسنی کہلاتے تھے کہ وہ مضافات مصر میں محلہ حسن نامی ایک بستی میں رہتے تھے۔[۷]

---

[۱] فتح الباری: ۱۱/۴۲۔ [۲] تہذیب۔ [۳] قاموس۔ [۴] تہذیب: ۲/۹۰۔ [۵] الضوء لامع، علامہ سخاوی۔ [۶] ضوء لامع: ۱/۹۔ [۷] ضوء لامع: ۱/۳۵۔

Marfat.com

کیا یہ سب علماء و محدثین اور ان کو ان نسبتوں سے یاد کرنے والے دوسرے علماء وفضلاء سب کے سب تدلیس وفریب کے مرتکب تھے؟ اور سنئے!

۸۔ عبدالرحمن بن عبید شافعی وغیرہ قریشیہ (قریشیہ یمن کے قریب ایک بستی ہے) میں سکونت کے لحاظ سے قرشی کہلاتے تھے۔[۱]

۹۔ عبدالرحمن بن محمد، زبیریہ میں سکونت کی وجہ سے زبیری کہے جاتے تھے۔

۱۰۔ اسی طرح یمن کے دو نہایت مشہور محدث نفیس الدین سلیمان اور ان کے والد بلکہ ان کے بھائی وغیرہ بھی علوی کہے جاتے تھے، حالانکہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے نہ تھے، بلکہ ان کے اجداد میں ایک شخص علی بن راشد بن بولان تھے، انہی کی طرف یہ نسبت ہے۔[۲]

یہ محدثین علامہ شوکانی وغیرہ کے سلسلہ اسناد میں واقع ہیں۔

۱۱۔ علی ہذا القیاس ادیب ابوبکر بن منصور دمشقی فاروقی نہیں تھے، مگر عمری کہلاتے تھے، اس لئے کہ اُن کے باپ عمر نامی ایک بزرگ کے عقیدت مند و ملازم خدمت تھے۔[۳]

۱۲۔ اور بعض اجلہ علماء عباسیہ میں رہنے کی وجہ سے عباسی کہلاتے تھے۔[۴]

۱۳۔ اور بعض طائف میں پیدا ہونے کی وجہ سے عباسی کہے جاتے تھے، اس لئے کہ طائف کو بعض لوگ وادی عباس کہتے ہیں۔[۵]

۱۴۔ اور بعض اجلہ علماء حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے بجائے صلاح الدین یوسف بن ایوب غازی کی اولاد ہونے کی وجہ سے اپنے کو ایوبی لکھتے تھے مثلاً شمس محمد مجاہدی۔[۶]

۱۵۔ اور شرف الدین ابوالطیب عباسی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد سے نہ تھے بلکہ شیخ ابوالعباس نابینا (ایک معروف ولی) کے تعلق سے عباسی کہلاتے تھے۔[۷]

---

[۱] ضوء لامع: ۲/۹۶۔ [۲] ضوء لامع: ۳/۲۵۹۔ [۳] خلاصۃ الاثر، ج:۱، ص:۱۱۰۔ [۴] ضوء لامع، ج:۵، ص:۱۰۷۔ [۵] ضوء لامع، ج:۳، ص:۷۰۔ [۶] ضوء لامع، ج:۹، ص:۱۴۲۔ [۷] ضوء لامع، ج:۹، ص:۸۶۔

Marfat.com

۱۶۔ اور شمس الدین محمد منوفی اپنے مشہور و معروف ماموں شیخ خالد بن ایوب کے لگاؤ سے خالدی مشہور تھے [۱]

۱۷۔ اور موسیٰ زہرانی کا قبیلہ بنو خالد کی طرف نسبت کر کے اپنے کو خالدی کہتے تھے۔ [۲]

کسی قوم کی تنقیص

اس سلسلہ میں اس مسئلہ کی تحقیق کی بھی سخت ضرورت ہے کہ یہ جو بعض بے ہودہ امثال (کہاوتیں) اور بہت سے بے سروپا قصے زبان زد عوام و خواص ہیں، جن سے بعض قوموں کی تنقیص اور ان کی دل آزاری ہوتی ہے، ان کا وعظوں میں بیان کرنا یا کتابوں میں لکھنا جائز ہے یا نہیں۔

بعض اکابر علماء کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے جواز کے قائل ہیں، اور انہوں نے جواز کی سند میں ایک حدیث اور بعض کتابوں کی عبارتیں پیش کی ہیں، میں ان بعض اکابر کا پورا احترام کرتا ہوں اور ان کی عظمت وجلالت کا صدق دل سے معترف ہوں، لیکن حکمِ شرع اور حق بات اولی بالاحترام ہے، اس لئے میں (یعنی مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ) یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مجھے ان کی رائے سے دیانۃً اختلاف ہے، اور میں نے جہاں تک غور وفکر کیا ہے، میرے نزدیک ان امثال وحکایات کا بیان کرنا اور لکھنا جائز نہیں ہے۔

اس لئے کہ کسی فرد معین یا جماعۃ معینہ ومعلومہ کے باب میں کوئی ایسی بات کہنا جس سے اس کو اذیت یا ناگواری ہو غیبت یا ہجو وشتم ہے اور غیبت وشتم وہجو ہر مسلمان فرد یا جماعت کی حرام ہے، لہٰذا ان امثال وحکایت کا لکھنا اور بیان کرنا بھی حرام ہے کہ جن قوموں سے ان امثال وحکایات کا تعلق ہے، ان کو ان کے بیان سے اذیت وناگواری ہوتی ہے۔

جو حضرات جواز کے قائل ہوئے ہیں ان کی غلط فہمی کی بنیاد یہ ہے کہ اخلاق وفقہ کی کتابوں میں مجہول کی غیبت کو جائز لکھا ہے، اور ان حضرات نے قوم کی تنقیص کو مجہول ہی کی غیبت سمجھا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس صورت میں ایک خاص معین جماعت یا قوم کی برائی بیان کی جاتی ہے تو یہ مجہول کی غیبت کیونکر ہوئی، معین شے چاہے فرد ہو یا جماعت، معلوم ہے مجہول نہیں ہے۔

---

[۱] ضوء لامع، ج:۱۰، ص:۱۱۳۔ [۲] ضوء لامع، ج:۱۰، ص:۱۸۸۔

Marfat.com

ہمارے اس بیان سے سمجھا جاسکتا ہے کہ بعض حضرات نے جواز کی سند میں احیاء العلوم کی جو عبارت پیش کی ہے وہ ان کے مدعا اور مسئلہ نزاعی سے بے تعلق ہے، اس لئے کہ اس عبارت میں جو "قال قوم کذا" کو غیبت سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "قال قوم کذا" قوم معین نہیں ہے، لہٰذا مجہول ہے، برخلاف مسئلہ نزاعی کے کہ اس میں قوم معین ہے لہٰذا اس عبارت سے صورت نزاعی کے جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ صورت نزاعی میں قوم معین تو ضرور ہے لیکن ان امثال و حکایات کے بیان کرنے سے قوم من حیث القوم یا تمام افراد قوم کی تنقیص مقصود نہیں ہوتی بلکہ بعض افراد قوم کی جو معین نہیں ہیں، لہٰذا یہ مجہول کی غیبت ہوئی، تو گزارش ہے کہ قوم من حیث القوم کی تنقیص مقصود ہونے کی نفی تو کسی طرح ممکن نہیں جبکہ خود ہی ان حضرات کو اعتراف ہے کہ "بعض قوموں کے بعض خواص بطور امثال مشہور ہو گئے ہیں، وہ خاص مواقع پر زبان و قلم پر آجاتے ہیں"۔

جب یہ ثابت ہو چکا کہ ان امثال و حکایات سے قوم من حیث القوم کی تنقیص ہوتی ہے تو اب یہ کہنا ہی صحیح نہیں ہے کہ تمام افراد قوم کی تنقیص نہیں کی جاتی، اس لئے کہ جب قوم من حیث القوم کی تنقیص کی جائے گی تو وہ قوم کے ہر ہر فرد کی تنقیص ہوگی بالخصوص جبکہ کوئی ایسا لفظ بھی ذکر نہیں کیا جاتا جس سے کسی کا مستثنیٰ ہونا معلوم ہوتا ہو۔

اگر کہا جائے کہ ہاں کوئی لفظ تو نہیں ہوتا، مگر نیت بعض افراد ہی کی ہوتی ہے، تو گزارش ہے کہ جب اپنے کو انصاری کہنے والے یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم اپنے کو کسب وحرفت کے اعتبار سے انصاری کہتے ہیں تو اس وقت آپ حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ "ہر جگہ یہ تفسیر نہیں کی جاتی اور بدون تفسیر کے جو معنی متبادر ہوتے ہیں اس میں دوسری وعید ہے"، لہٰذا مسئلہ زیرِ بحث میں یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ ہر جگہ یہ تفسیر نہیں کی جاتی کہ بعض افراد مراد ہیں، بلکہ پوری قوم ہی کی تنقیص ہوتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ کوئی عام لفظ بول کر صرف نیت میں اس عام کے بعض افراد کا استثنیٰ کر لیا جائے۔

Marfat.com

اس استثناء کیلئے یہ کافی نہیں، آپ حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو قریش کی ہجو کرنے کا حکم دیا اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس کے لئے آمادہ ہوئے تو حضرت کو خیال ہوا کہ حسان رضی اللہ عنہ ہجو کریں گے تو قریش کا عام لفظ استعمال کر کے ہجو کریں گے، اور قریش میں میں بھی داخل ہوں تو آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ "فَكَيْفَ بِنَسَبِيْ فِيْهِمْ" یعنی میرا نسب بھی تو انہیں میں ہے تو میرے نسب کو کیا کرو گے، حضرت حسان بولے کہ:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! لَاَسُلَّنَّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ [1]

"یعنی یارسول اللہ! میں آپ کو اس میں سے اس طرح نکال لوں گا جس طرح آٹے سے بال نکالا جاتا ہے"۔

دیکھئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ قریش کی ہجو کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تو بہت بڑی ہے، وہ کسی عام مسلمان قریشی کی نیت بھی نہیں کر سکتے تھے اور حضرت کو بھی اس کا علم ویقین تھا پھر بھی آپ نے صرف نیت کے استثناء کو کافی نہیں سمجھا اور تصریحی استثناء کا ان سے اقرار لیا۔ اسی طرح ایک بار عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مشرکین قریش کی ہجو میں ایک شعر حضرت کو سنایا تو خود ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"فَنَظَرْتُ الْكَرَاهِيَةَ فِيْ وَجْهِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ جَعَلْتُ قَوْمَهٗ اثمان الْعَبَاءِ" [2]

یعنی میں نے حضرت کے چہرہ مبارک میں ناگواری کے آثار پائے اس لئے کہ میں نے آپ کی قوم کو "کمل دام" کہہ دیا تھا، ابن رواحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے آپ کی اور بنی ہاشم کی مدح میں چند اشعار کہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دعا دی۔

ہماری اس بحث پر ایک اور واقعہ سے روشنی پڑتی ہے، اس واقعہ کو ابن ہشام وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور صاحب مواہب لدنیہ وزرقانی وغیرہما نے اس کو تفصیل سے لکھا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت کعب بن

---

[1] شرح معانی الآثار، بَابُ رِوَايَةِ الشِّعْرِ، هَلْ هِيَ مَكْرُوْهَةٌ أَمْ لَا؟، رقم الحدیث: ۶۹۹۳۔ [2] مجمع الزوائد، ج:۸، ۱۲۴۔

Marfat.com

زہیر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوئے اور لوگوں نے ان کو پہچانا کہ یہ کعب ہیں، تو اس بناء پر کہ اسلام سے پہلے ان سے بعض نازیبا حرکتیں صادر ہوئیں تھیں، ایک انصاری نے ان کے قتل کی اجازت چاہی، مگر حضرت نے یہ درخواست رَدّ کردی، اس کے بعد کعب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں اپنا مشہور قصیدہ تصنیف کیا تو ایک شعر میں ضمناً انصار کی ہجو کی، وہ شعر یہ ہے۔

يَمْشُوْنَ مَشْيَ الْجِمَالِ الزُّهْرِ يَعْصِمُهُمْ

ضَرْبٌ إِذَا عَرَّدَ السُّوْدُ التَّنَابِيْلُ

یعنی شعر کے اخیر فقرہ میں کعب رضی اللہ عنہ نے انصار کو کوتاہ قامت اور سیاہ فام کہہ کر ہجو کی اور لڑائی میں بھاگنے کا ان کو طعنہ دیا، انصار یہ سن کر بہت غضب ناک ہوئے، حضرت نے بھی انصار ہی کی حمایت کی اور کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے انصار کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیوں نہیں کیا؟ چنانچہ کعب نے اس کے بعد انصار کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ [1]

ان حدیثوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو لفظ کسی قبیلہ یا قوم کا لقب یا عنوان ہو اس کو بول کر اگر ہجو یا تنقیص کی جائے گی تو اس سے اس قوم یا قبیلے کے کل افراد کی ہجو یا تنقیص ہوگی۔

کسی قوم کی تنقیص کے جواز پر بعض لوگ ترمذی شریف کی ایک حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ ثقیف، بنی امیہ اور بنی حنفیہ کو ناپسند رکھتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قوم کے عیوب بیان کئے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بیان پر بالیقین کوئی حکم شرعی مرتب ہوگا، محض تنقیص وہجو مقصود نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھوی ونفسانیت کے دواعی سے پاک ومنزہ تھے، لہذا اس کو تنقیص ومذمت کے لئے سند جواز بنانا صحیح نہیں ہے، علامہ خطابی لکھتے ہیں:

"لَيْسَ فِيْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أُمَّتِهٖ بِالْأُمُوْرِ الَّتِيْ يُسَمِّيْهِمْ بِهَا وَيُضِيْفُهَا إِلَيْهِمْ مِنَ الْمَكْرُوْهِ غِيْبَةٌ وَإِنَّمَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ مِنْ بَعْضِهِمْ فِيْ بَعْضٍ بَلِ

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، كَعْبُ بْنُ زُهَيْرِ بْنِ أَبِي سُلْمَى الْمُزَنِيُّ رقم الحدیث: ۴۰۳۔

Marfat.com

الْوَاجِبُ عَلَيْهِ اَنْ يُّبَيِّنَ ذٰلِكَ وَيَفْصَحُ بِهٖ وَيُعَرِّفُ النَّاسَ اَمْرَهٗ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ بَابِ النَّصِيْحَةِ وَالشَّفْقَةِ عَلَى الْاُمَّةِ"۔[1]

"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے حق میں جو فرماتے ہیں اور کسی ناپسندیدہ صفت سے اس کو موسوم کرتے ہیں، یا کوئی برا وصف اس کی طرف منسوب کرتے ہیں تو یہ غیبت نہیں ہے، غیبت تو ایک امتی سے دوسرے امتی کے حق میں ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ کسی میں کوئی برائی ہو تو لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں ایسا کرنا امت کی خیر خواہی ہے"۔

بعض پیشہ والوں کی مذمت میں امثال وحکایات کے بیان کرنے پر غیبت کی تعریف صادق آتی ہو یا نہ آتی ہو، بہر حال ان امثال وحکایات کے بیان کرنے میں اس قوم کے افراد کی دل آزاری ہوتی ہے جس کا نام ان امثال وحکایات میں لیا جاتا ہے، اور دل آزاری وایذاء مسلم ناجائز ہے، لہٰذا ان امثال وحکایات کا بیان کرنا ناجائز ہے، اسی طرح ان حکایتوں کے بیان کرنے سے احتقار وازدراء مسلم لازم ہے، اور یہ بھی ناجائز ہے، حدیث میں ہے:

لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ [2]

"یعنی مسلمانوں کو نہ ایذاء پہنچاؤ اور نہ ان کو شرم وعار دلاؤ"۔

اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

حَسْبُ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يُّحَقِّرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ [3]

"یعنی کسی آدمی کے برے ہونے کو یہی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے اور اس کو حقیر سمجھے"۔

حاصل یہ کہ ہندوستان میں قومیت پر حملہ وتعریض اور قومیت پر طعن، عرب کے طعن فی النسب کے قائم مقام ہے، لہٰذا جس طرح طعن فی الانساب ناجائز ہے، اشتراک علت کی وجہ سے اس کو بھی ناجائز ہونا چاہئے۔

[1] فتح الباری، ج:۱۰، ص:۳۴۹۔ [2] ترمذی، باب ماجاء فی تعظیم المومن، رقم الحدیث:۲۰۳۲۔ [3] صحیح مسلم، رقم الحدیث:۲۵۶۴ ترمذی، احمد۔

Marfat.com

پھر یہ بات بھی احادیث سے ثابت ہے کہ کوئی بات چاہے بالکل سچی اور عین واقعہ ہی ہو، لیکن اس سے کسی مسلم کی دل آزاری ہوتی ہو تو ناجائز ہے، کون نہیں جانتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حبشی کا بیٹا کہہ دیا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو گالی قرار دیا اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِنَّكَ اِمْرَؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ [1]

''کہ تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کی بو بھی باقی ہے''۔

دیکھئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حبشی زادہ ہونا سچی بات تھی، مگر چونکہ شرعاً نہیں بلکہ عرفاً اور جاہلانہ خیال کے مطابق حبشی زادہ رذیل سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اس عنوان سے یاد کئے جانے کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذیت ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حمایت فرماتے ہوئے اس طرح خطاب کرنے کو جاہلیت کا کام قرار دیا احادیث میں اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں حدیث نبوی روایت کی ہے کہ "لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِي صحیح مسلم میں بھی یہ روایت موجود ہے: لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِي [2] یعنی یہ نہ کہنا چاہئے کہ میرا جی بہت گندہ ہو رہا ہے، اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابن ابی جمرة رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

وَيُؤْخَذُ مِنَ الْحَدِيْثِ اسْتِحْبَابُ مُجَانَبَةِ الْاَلْفَاظِ الْقَبِيْحَةِ وَالْاَسْمَاءِ، وَالْعُدُوْلِ اِلٰى مَالَا قُبْحَ فِيْهِ۔ [3]

یعنی اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے کہ برے ناموں اور لفظوں سے بچنے کی کوشش کرنا، اور ایسے ناموں اور لفظوں کی طرف منتقل ہونا جن میں قباحت و کراہت نہ ہو، مستحب ہے۔

اسی طرح اپنی قوم کی طرف سے مدافعت کرنا بھی تکبر نہیں ہے بلکہ مندوب ہے، مشکوٰۃ و کنز العمال میں ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے حدیث نبوی ہے:

---

[1] صحیح البخاری، بَابٌ: المَعَاصِي مِنْ أَمْرِ الجَاهِلِيَّةِ، وَلاَ يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا إِلَّا بِالشِّرْكِ، رقم الحدیث: ۳۰، صحیح مسلم، بَابُ إِطْعَامِ الْمَمْلُوكِ مِمَّا يَأْكُلُ، وَإِلْبَاسُهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا يُكَلِّفُهُ مَا يَغْلِبُهُ، رقم الحدیث: ۱۶۶۱۔ [2] صحیح مسلم، بَابُ كَرَاهَةِ قَوْلِ الْإِنْسَانِ خَبُثَتْ نَفْسِي، رقم الحدیث: ۲۲۵۱۔ [3] فتح، ج: ۱۰، ص: ۴۲۸۔

Marfat.com

خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ مَالَمْ يَأْثَمْ -[1]

''یعنی بہترین قوم وہ ہے جو اپنی قوم کی طرف سے مدافعت کرے بشرطیکہ مدافعت میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے''۔

پھر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ کسی مسلمان کے سامنے اس کے کافر باپ دادا کی بھی برائی بیان نہ کی جائے کہ اس سے اس مسلمان کو اذیت ہوگی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت صخرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے بعض صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث روایت فرماتے ہیں:

لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَتُؤْذُوا الْاَحْيَاءَ[2]

''یعنی مردوں کی برائی نہ بیان کرو کہ اس سے زندوں کو اذیت ہوگی''۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

عَنَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكُفَّارَ الَّذِيْنَ اَسْلَمَ اَوْلَادُهُمْ [3]

''یعنی اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں سے ان کافروں کو مراد لیا ہے جن کی اولاد مسلمان ہوگئی ہے''۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی سن لیجئے کہ ابولہب جیسا کافر اکفر جس کی مذمت میں قرآن پاک کی ایک مستقل سورت بھی نازل ہوئی ہے، اس کی مسلمان بیٹی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ لوگ مجھ کو دشمن خدا کی بیٹی کہتے ہیں، غور کیجئے تو بات سچی تھی اور بظاہر اس مسلمان بیٹی کو نہیں بلکہ اس کے کافر باپ کو برا کہا جا رہا تھا، اور وہ باپ ایسا تھا جس کا برا ہونا منصوص بنص قطعی ہے، بااین ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابولہب کو اس کی بیٹی کے سامنے برا کہنے سے منع فرمایا کہ اس سے اس کی مسلمان بیٹی کو اذیت ہوتی ہے۔[4]

اب سوچنا چاہئے کہ بعض قوموں یا پیشوں کی مذمت میں جن قصوں اور امثال کو بیان کیا جاتا ہے، ان

---

[1] سنن ابی داود، بابٌ فِي الْعَصَبِيَّةِ، رقم الحدیث: ۵۱۲۰۔ [2] سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّتْمِ، رقم الحدیث: ۱۹۸۲۔ [3] مجمع الزوائد، ج:۸، ص:۷۶۔ [4] مجمع الزوائد، ج:۸، ص:۷۶۔

Marfat.com

میں کسی کافر کی نہیں بلکہ ایک مسلم جماعت کی مذمت یا اس کا کوئی عیب مذکور ہوتا ہے، اور اس مسلم جماعت کے افراد بار بار شکوہ کرتے ہیں کہ ہم کو ان قصوں کے بیان کرنے سے اذیت ہوتی ہے تو ایسے قصوں اور کہانیوں کا بیان کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

مانا کہ ان قصوں میں کوئی معین شخص یا پوری قوم مراد نہیں ہوتی، اس لئے ان کا بیان کرنا غیبت نہیں ہے لیکن ابولہب کی برائی یا مذمت یا تنقیص بھی تو غیبت نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا کافر مرنا قطعی ہے، بایں ہمہ جب اس کی تنقیص اس کی مسلم اولاد کی دل آزاری کے اندیشہ سے منع ہوگئی تو ان قصوں کا بیان کرنا، اس قوم کی دل آزاری کے خیال سے کیوں نہیں ممنوع ہوگا۔

مومنوں کو رذیل کہنے والوں کے لئے تازیانۂ عبرت

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی کافر قوم کا مکالمہ جو قرآنِ پاک میں دو جگہ مذکور ہے، امام نسفی حنفی کی تفسیر کے ساتھ نقل کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ [1]

حضرت نوح علیہ السلام کی کافر قوم نے کہا کہ کیا ہم آپ پر ایمان لائیں درانحالیکہ رذیلوں نے آپ کی پیروی کی ہے۔

امام نسفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَاِنَّمَا اسۡتَرۡذَلُوۡهُمۡ لِاِتِّضَاعِ نَسَبِهِمۡ وَقِلَّةِ نَصِيۡبِهِمۡ مِنَ الدُّنۡيَا وَقِيۡلَ كَانُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الصَّنَاعَاتِ الدَّنِيۡئَةِ وَالصَّنَاعَةُ لَاتُزۡرِيۡ بِالدِّيَانَةِ فَالۡغِنٰى غِنَى الدِّيۡنِ وَالنَّسَبُ نَسَبُ التَّقۡوٰى وَلَايَجُوۡزُ اَنۡ يُّسَمَّى الۡمُؤۡمِنُ رَذِيۡلًا وَاِنۡ كَانَ اَفۡقَرَ النَّاسِ وَاَوۡضَعَهِمۡ نَسَبًا وَمَازَالَتۡ اَتۡبَاعُ الۡاَنۡبِيَاءِ كَذٰلِكَ۔ [2]

حضرت نوح علیہ السلام کے پیروؤں کو ان کی کافر قوم نے اس لئے رذیل قرار دیا کہ (ان کی نگاہ)

---

[1] الشعراء:۱۱۱۔ [2] مدارک۔

Marfat.com

میں ان کا نسب پست تھا، اور ان کے پاس مال و دولت کی کمی تھی، اور کہا گیا کہ وہ گھٹیا درجہ کے پیشے کرتے تھے، حالانکہ پیشہ سے دینداری پر کوئی حرف نہیں آتا، اصلی دولت، دین کی دولت اور حقیقی نسب تقویٰ کا نسب ہے، اور مومن چاہے کتنا ہی فقیر و محتاج اور عرفاً کتنا ہی پست نسب ہو اس کو رذیل کہنا جائز نہیں ہے، انبیاء کے پیرو ہمیشہ ایسے ہی لوگ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا جواب ذکر کیا، ارشاد ہے:

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۔ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ [1]

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ میں کیا جانوں اس کام کو جو وہ کرتے ہیں ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے، کاش! تم سمجھتے اور میں مومنوں کو اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے پیروؤں کو رذیل کہنے کے ساتھ ان کو یہ الزام بھی لگایا تھا کہ یہ لوگ دل سے نہیں بلکہ دکھانے کو صرف عزت حاصل کرنے کے لئے آپ کے پیرو بن گئے ہیں اور خواہش کی تھی کہ ان کو دور کر دیجئے تو ہم بھی آپ کے پاس بیٹھیں، حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کی انہی باتوں کا جواب آیاتِ سابقہ میں دیا ہے کہ مجھ کو ان کے پوشیدہ کاموں کا علم نہیں، اور نہ ہی میں اس کا محاسبہ کا ذمہ دار ہوں، باطن کا حساب تو اللہ جل جلالہ کے ذمہ ہے، میں تو ظاہر ہی پر حکم لگا سکتا ہوں، اور ظاہر میں وہ مومن ہیں، لہٰذا وہ قابل عزت ہیں، میں ان کو اپنے پاس سے دور کر کے ان کی تذلیل نہیں کر سکتا، اس فقرہ میں کافروں کے ان کو رذیل کہنے کا بھی جواب دے گئے۔

اور سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ [2]

---

[1] الشعراء: ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴۔ [2] الھود: ۲۷۔

Marfat.com

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر شریفوں نے کہا کہ (اے نوح!) ہم تم کو نہیں دیکھتے مگر اپنے ہی جیسا ایک بشر، اور ہم یہ بھی نہیں دیکھتے کہ تمہاری کسی نے پیروی کی ہو بجز ان لوگوں کے جو ہم میں رذیل ہیں، وہ بھی بلا غور کیے ہوئے۔

امام حافظ الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان کافر شریفوں نے ان ایمان والوں کو اس لئے رذیل قرار دیا کہ وہ مفلس تھے اور دنیاوی عزت کے اسباب ان کے پاس نہ تھے، اور یہ کافر جاہل تھے، دنیا کے ظاہری عزوجاہ کے سوا وہ کچھ نہ جانتے تھے، اس لئے ان کے نزدیک شریف وہی ہوسکتا تھا جو عزت دار اور دولت مند ہو۔ جیسا کہ آج بھی اکثر نام نہاد مسلمان یہی اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی پر عزت وذلت کی بنیاد رکھتے ہیں، وہ یہ بھول گئے کہ دنیاوی عزت وجاہ میں ترقی کسی کو اللہ جل جلالہ سے قریب نہیں کر سکتی بلکہ دور کر دے گی، اور بجائے بلند کرنے کے پست کر دے گی۔

آگے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو جواب دیا ہے اس میں ایک بات یہ ہے:

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۔ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ [1]

میں ایمانداروں کو دور نہیں کر سکتا، وہ بالیقین اپنے رب سے ملنے والے ہیں (لہٰذا وہاں میری شکایت کر دیں تو میں کیا کروں گا) لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو، اے قوم! اگر میں ان کو دور کر دوں تو مجھ کو اللہ جل جلالہ کے انتقام سے کون بچائے گا؟ کیا تم کچھ عبرت نہیں پکڑتے؟۔

امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے شریفوں کو جو جاہل بنایا ہے تو اُن کی جہالت یہی مومنین کو رذیل کہنا تھا۔ یا یہ کہ تم اس بات سے جاہل ہو کہ یہ (رذیل مومن ہی) تم سے بہتر ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں ایک بات یہ بھی کہی تھی:

وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ

---

[1] الھود: ۲۹، ۳۰۔

Marfat.com

اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ [1]

جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں ان کی نسبت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ جل جلالہ ان کو (دنیا و آخرت میں) کوئی بھلائی اور خوبی دے ہی نہیں سکتا، اللہ جل جلالہ ہی بہتر جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے، میں (اگر کہوں کہ اللہ جل جلالہ ان کو کوئی خوبی نہ دے گا) تو بے شبہ ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

ان آیات میں اچھی طرح تامل کیجئے اور دیکھئے کہ:

۱۔ اگر ارذلون سے مراد پارچہ باف (جولاہے) ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی نے بلکہ خود اللہ جل جلالہ نے ان کے مومن ہونے کی دو جگہ کیسی زوردار شہادت دی ہے۔

۲۔ اور یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں رذیل سمجھنے والوں کو جاہل کہا ہے۔

۳۔ اور یہ کہ ان کو دوسرے شرفا کے آنے کے وقت مجلسوں سے اٹھا دینا اور ان کو ان کے برابر جگہ نہ دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اولوالعزم نبی بھی بالفرض ایسا کریں تو ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ خود ان کی طرف سے انتقام لے اور اس انتقام سے کوئی طاقت بچا نہ سکے گی۔

۴۔ اور یہ کہ ان کی تذلیل ہرگز جائز نہیں: "لِلَّذِیۡنَ تَزۡدَرِیۡۤ اَعۡیُنُکُمۡ" اسی طرف اشارہ ہے۔

۵۔ اور یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے حکایۃً بھی ان کو اراذل کے عنوان سے یاد نہیں کیا بلکہ "لِلَّذِیۡنَ تَزۡدَرِیۡۤ اَعۡیُنُکُمۡ" فرمایا۔

۶۔ اور یہ کہ پارچہ بافوں کو رذیل کہنے کی ملعون رسم کافروں نے ایجاد کی ہے اور ان کو رذیل قرار دینے کی تردید اور ان کی حمایت سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے کی ہے اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ۔

جو لوگ کسی مومن قوم کو رذیل سمجھتے ہیں انہیں اپنے سے بدرجہا اشرف و اکرم ہستی (یعنی حضرت امام زین العابدین) کے اس قول کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے:

---

[1] الھود: ۳۱۔

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ بِالْإِسْلَامِ الْخَسِيْسَةَ وَاَتَمَّ النَّقِيْصَةَ وَاَكْرَمَ بِهٖ مِنَ اللُّؤْمِ فَلَا عَارَ عَلٰى مُسْلِمٍ۔ [1]

یعنی (اسلام سے پہلے جو سفلہ سمجھا جاتا رہا ہو وہ مسلمان ہو جائے تو) اللہ جل جلالہ نے اسلام کی بدولت اس کا سفلہ پن اور خست و دناءت دور کر دی اور جو کمی تھی وہ اسلام سے پوری کر دی اور اسلام کے ذریعہ اس کو کمینہ ہونے سے بچا لیا، لہٰذا کسی مسلمان پر (نسب یا پیشہ) کا کوئی عار و ننگ باقی ہی نہ رہا۔

سارے پیشے اباحت میں یکساں ہیں

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح کئی ابواب پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اسی طرح ایک کتاب ''الکسب'' بھی لکھی ہے جس کو عیسیٰ بن ابان نے ان سے روایت کیا ہے، اور امام سرخسی نے اس کی بھی مبسوط کے آخر میں شرح کی ہے، اس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ طلبِ کسب بھی فریضہ ہے، اور یہ کہ اس کا درجہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاد سے اونچا قرار دیا ہے۔ [2]

اس کے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ کسب کوئی بھی ہو وہ عبادت و قربت کے قائم کرنے اور بجالانے میں معین و مددگار ہے، تا آنکہ کپڑا بننا، رسی بٹنا اور پیالے اور گھڑا بنانا، طاعت و قربت کی اعانت ہے۔ [3]

اس کے بعد مبسوط میں بصراحت تمام یہ بھی مذکور ہے کہ اَلْمَذْهَبُ عِنْدَ جُمْهُوْرِ الْفُقَهَاءِ اَنَّ الْمَكَاسِبَ كُلَّهَا فِي الْإِبَاحَةِ سَوَآءٌ یعنی جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ پیشے (اور جائز) ذرائع معاش سب کے سب اباحت میں بدرجہ مساوی ہیں۔

اباحت میں مساوی قرار دینے کے بعد فرمایا ہے کہ افضلیت میں اختلاف ہے، اکثر مشائخ زراعت کو افضل بتاتے ہیں، لیکن زراعت کو جن وجوہ سے افضل قرار دیا گیا ہے ان وجوہ کو پیش نظر رکھ کر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ وجوہ صنعت میں بھی پائے جاتے ہیں [4]۔ اس کے بعد ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ اس کے مراتب مختلف ہیں اور احوال و اشخاص کے اختلاف سے بھی حکم پر اثر پڑتا ہے اور علامہ عینی نے

---

[1] نور ساقر: ص ۳۳۰۔ [2] مبسوط: ۳/ ۲۴۵۔ [3] مبسوط: ۳/ ۲۵۸۔ [4] مبسوط: ۳/ ۲۵۸۔

Marfat.com

نووی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث بخاری کی رو سے زراعت وصنعت کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔[1]

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض متقشفوں کے اس خیال کی کہ ''جو پیشے لوگوں کی نگاہ میں ذلیل سمجھے جاتے ہیں ان کو بلاضرورت شدیدہ اختیار نہ کرنا چاہیے'' نہایت شدومد سے تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ لوگوں کے حقیر سمجھنے کی بنیاد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ بعض پیشوں میں دیانت داری، ایفائے وعدہ اور جھوٹی قسم یا بخل سے پرہیز کا لحاظ کم ہوتا ہے ورنہ فی نفسہ ان میں کوئی نقص نہیں ہے، اور پارچہ بافی کے متعلق تو بتصریح لکھا ہے کہ اس کا بعض لوگوں کی نگاہ میں معیوب ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ اس میں صدقہ خیرات نہیں پایا جاتا[2]۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر صدقہ خیرات کا لحاظ رکھا جائے تو شرعاً تو کوئی نقص تھا ہی نہیں، عرفاً بھی کوئی وجہ تنقیص نہ رہے گی۔

پھر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ایک پیشہ میں کسی عارض کی وجہ سے کوئی دناءت پیدا ہو جائے تو اس پیشہ کا کرنے والا بھی لازم نہیں کہ دنی اور رذیل سمجھا جانے لگے، علامہ عینی شرح بخاری[3] میں بحوالہ ابن بطال لکھتے ہیں کہ قصائی کے کام میں ایک نوع کی پستی ہے لیکن اس سے قصاب میں نقص نہیں پیدا ہوتا بشرطیکہ وہ بدکار نہ ہو وَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُهٗ وَلَا يُسْقِطُ شَهَادَةً اِنْ كَانَ عَادِلًا۔

علماء تو یہ لکھتے ہیں کہ بذاتِ خود بھی قصائی کا پیشہ کوئی کرے تو اس پر کوئی حرف نہیں آتا، نہ اس میں نقص پیدا ہوتا ہے، چہ جائیکہ چار پشت اوپر اس کے خاندان میں کسی نے یہ پیشہ کیا ہے تو کیا وہ بھی ذلیل ہے؟

خاندان ولی اللہ کے چشم و چراغ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ''فتح العزیز'' میں جہاد، پھر تجارت بہ نیت خدمت اہل اسلام پھر کتابتِ علومِ دینیہ کے بعد ان حرفتوں کا درجہ بتاتے ہیں جن کا تعلق بقائے عالم سے ہے اور مثال میں سوت کاتنے اور کپڑا بننے کا نام بھی لیتے ہیں، اور اس کو عطر فروشی، رنگریزی اور نقاشی وغیرہ سے بہتر قرار دیتے ہیں۔

شرفاءِ پاک وہند کے شجر ہائے نسب

ہمارے پاک وہند میں ایک بڑی ناانصافی یہ بھی ہے کہ جو لوگ خود کوئی پیشہ کرتے ہیں، یا خود نہیں کرتے

---

[1] ۵/۱۹ا۔ [2] مبسوط: ۳۰/۲۶۰۔ [3] جلد ۵، ص ۴۳۲۔

Marfat.com

لیکن ان کے خاندان میں کبھی وہ پیشہ ہوا ہو اور وہ صفائی سے اس پیشہ کی طرف اپنی نسبت کر دیتے ہیں تو دوسرے لوگ صرف اتنی بات سے ان کو غیر شریف قرار دے دیتے ہیں، اسی طرح جو قومیں پہلے سے اپنے کو کسی عربی نسب کی طرف منسوب نہیں کرتی آئی ہیں ان کا شمار بھی شرفاء میں نہیں ہوتا، اور اس کے برعکس جو لوگ اپنے کو پہلے سے صدیقی یا فاروقی یا انصاری یا کچھ اور کہتے آئے ہیں ان کو بے تامل شریف مان لیا جاتا ہے، چاہے یہ انتساب غلط ہو یا صحیح اور چاہے وہ شجرہائے نسب جن کی بنا پر یہ انتسابات کئے جاتے ہیں عقلاً و نقلاً بالکل باطل ہوں یا حق۔

اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ بعض حضرات اپنا شجرۂ نسب حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے ملاتے ہیں، جبکہ مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ لاولد تھے اور ان کی نسل ہی نہیں چلی۔ [1]

۲۔ ہندوستان میں بہت سے لوگ اپنے کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی نسل سے بتاتے ہیں، حالانکہ مولانا عبدالحئی طرب الاماثل میں، اور حکیم عبدالحئی نزہۃ الخواطر صفحہ ۱۴۸ میں اور علامہ سمہودی وفاء الوفاء [2] میں لکھتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی نسل نہیں چلی۔

۳۔ ہندوستان کے اکثر فاروقی حضرات اپنے کو حضرت ابراہیم ادہم رحمہ اللہ کی اولاد سے بتاتے ہیں، اور ابراہیم ادہم کا سلسلہ نسب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاتے ہیں، حالانکہ حضرت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ نے ''تنبیہات وصیت'' میں تصریح کی ہے کہ ''ترجیح محدثین کے قول کو ہے'' یعنی یہ کہ ابراہیم ادہم رحمہ اللہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تو درکنار وہ قریشی بھی نہیں ہیں، بلکہ عجلی یا تمیمی ہیں۔ اسی طرح مولانا حکیم سید عبدالحئی نے نزہۃ الخواطر میں لکھا ہے کہ ابراہیم ادہم رحمہ اللہ عمری (فاروقی) نہ تھے۔

اس سلسلہ میں ایک دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ ابراہیم ادہم رحمہ اللہ کا نسب نامہ بعض لوگ یوں ذکر کرتے ہیں:

---

[1] استاذ العلماء، ص ۲۔ [2] ج ۱ ص ۵۲۷۔

Marfat.com

اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَدْهَمَ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ نَاصِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ [1]

اور بعض لوگ یوں ذکر کرتے ہیں:

اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَدْهَمَ بْنِ بَدِيْعِ الدِّيْنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِي الْمُجَاهِدِ بْنِ اَبِي الْقَاسِمِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِالرَّزَّاقِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ۔[2]

الف) یعنی کچھ لوگ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان آٹھ پشتیں بتاتے ہیں اور کچھ لوگ صرف چار۔

ب) اور کچھ لوگ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کا نام سلیمان بتاتے ہیں اور کچھ لوگ بدیع الدین۔

ج) اور کچھ لوگ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے عبدالرحمن کی اولاد سے بتاتے ہیں اور کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے ناصر کی اولاد سے۔

پھر تیسرا لطیفہ یہ ہے کہ برہانپور (خاندیس) کے فرمانرواؤں کو بھی لوگ فاروقی لکھتے ہیں، اور ان کا نسب نامہ فرشتہ (مؤلفِ تاریخ فرشتہ) نے نقل کیا ہے، اس میں ابراہیم ادہم کا نام آتا ہے مگر ابراہیم کا جو نسب نامہ فرشتہ نے نقل کیا ہے، وہ مذکورہ بالا دونوں نسب ناموں سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو:

اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَدْهَمَ بْنِ مَحْمُوْدِ بْنِ اَعْظَمَ بْنِ اَصْغَرَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ۔

اور حق یہ ہے کہ یہ دونوں نسب نامے غلط ہیں، اس لئے کہ ابراہیم بن ادہم کے پردادا کا نام نہ ناصر تھا، نہ محمد، بلکہ منصور تھا، جیسا کہ نفحات الانس (ص ۴۲) ولطائف اشرفی (ص ۳۴۵) میں مذکور ہے۔

۴۔ ملا جیون مصنف نور الانوار کی نسبت صاحب اصول المقصود کا بیان ہے کہ وہ شیخ عبدالعزیز مکی سرحلقہ قلندریہ کی اولاد سے تھے اور صاحب مرآۃ الاسرار کا بیان ہے کہ وہ شیخ صلاح الدین درویش کی اولاد سے تھے، اور شیخ صلاح الدین اسد قریشی جد مادری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے [3]

---

[1] تاریخ ظفر آباد: ص ۱۲۶۔ [2] نسب نامہ فاروقیان گوپامئو، منقولہ نزہۃ الخواطر: ص ۱۲۰۔ [3] تحفۃ الابرار قلمی ورق ۳۳، ۳۴، مصنفہ عزیز اللہ مداری۔

Marfat.com

اور غلام علی بلگرامی سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں کہ وہ صدیقی تھے۔

۵۔ شیخ محمد طاہر مصنف مجمع البحار خود اپنے کو ہندی نسب اور بوہرہ لکھتے ہیں، لیکن ان کی اولاد کو لوگوں نے صدیقی مشہور کیا، سبحۃ المرجان اور تفصار سے اس کا پتہ چل سکتا ہے۔

۶۔ بعض عثمانی حضرات اپنے کو عبداللہ اکبر بن حضرت عثمان کی اولاد سے بتاتے ہیں جیسا کہ مرآۃ الانساب میں مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی کے نسب نامہ سے ظاہر ہوتا ہے، حالانکہ عبداللہ اکبر لاولد فوت ہوئے اور ان کی نسل ہی نہیں چلی۔[1]

۷۔ مخدوم یک لکھی سمرقندی جونپور کے ایک بزرگ ہیں، ضلع اعظم گڑھ کے دو خاندان اپنے کو انہیں بزرگ کی نسل سے قرار دیتے ہیں، مگر ایک خاندان، جس میں مولوی بدر الدین صاحب پروفیسر علی گڑھ شامل ہیں، مخدوم موصوف کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک بواسطہ عباس بن علی پہنچا تا ہے، اور دوسرا خاندان موصوف کا سلسلہ حضرت عبداللہ بن عباس ابن عبدالمطلب تک پہنچاتا ہے، اور اسی بنا پر ایک خاندان علوی مشہور ہے اور دوسرا عباسی۔

۸۔ عباسیان کاکوری اپنے کو قاضی محمد حاکم قلعہ ٹھٹھہ کی اولاد سے بتاتے ہیں، اور قاضی محمد کو ساتویں پشت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاتے ہیں، اس لحاظ سے قاضی محمد، خلیفہ واثق باللہ عباسی کے ہم زمانہ ہیں، اب سندھ کی تاریخیں پڑھیے، تو واثق کیا ابن المعز باللہ کے عہد تک بھی کوئی آدمی قاضی محمد نامی حاکم قلعہ ٹھٹھہ نہیں ملتا۔ بلاذری، واثق کے بھائی متوکل کا خاص ساتھی ہے، اپنی تاریخ میں اپنے زمانہ تک سندھ کی فتوحات اور اس کے احکام کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے، لیکن قاضی محمد کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔

---

[1] کمافی حواشی تحفۃ الابرار۔

Marfat.com

۹۔ حضرت قطب الدین بیناد ل کوبھی فاروقی بتایا جاتا ہے لیکن مولوی ظفر حسین عینی مدرس کلکتہ اپنے شجرۂ نسب میں ان کو ناصر بن عبداللہ بن عمر کی اولاد سے اور مولانا تراب علی کاکوروی اصول المقصود میں عبدالرحمن بن عبداللہ بن عمر کی اولاد سے لکھتے ہیں۔

۱۰۔ چراغ نور (تاریخ جون پور) میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو قریشی اور اسد بن عبد مناف کی اولاد سے بتایا ہے بلکہ پورا نسب نامہ بھی لکھ دیا ہے، حالانکہ وہ سراسر جھوٹ ہے اس لئے کہ ابن بطوطہ سیاح بذات خود حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی پوتے شیخ رکن الدین بن شیخ شمس الدین بن شیخ زکریا ملتانی سے مل چکا ہے اور وہ شیخ رکن الدین کا بیان نقل کرتا ہے کہ ہمارے جدِ اعلیٰ محمد بن قاسم قریشی تھے اور وہ اس لشکر کے ساتھ آئے تھے جس کو حجاج والی عراق نے فتح سندھ کے لئے بھیجا تھا۔ [1]

اگر یہ محمد بن قاسم وہی مشہور فاتح سندھ ہیں تو شیخ کا بیان بھی غلط فہمی پر مبنی ہے، اس لئے کہ تاریخ بلاذری وغیرہ سے ثابت ہے کہ وہ قریشی نہیں تھے بلکہ ثقفی تھے۔

اس بیان کو پڑھنے کے بعد چراغ نور میں لکھے ہوئے نسب نامہ کو شروع سے آخر تک پڑھ جایئے اور دیکھئے کہ اس میں محمد بن قاسم کا نام کہاں آتا ہے؟ نیز چراغ نور کا مصنف شیخ زکریا ملتانی قدس سرہ کے دادا کا نام کمال الدین علی شاہ ابی بکر بتاتا ہے اور انہیں کو اول اول ہندوستان میں آنے والا قرار دیتا ہے، حالانکہ شیخ رکن الدین کے بیان کے مطابق محمد بن قاسم پہلے پہل ہندوستان آئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

---

[1] ابن بطوطہ: ۲/ ۴، مطبوعہ ازہریہ مصر۔

Marfat.com

دلچسپ مفید معلومات

سب سے پہلے

☆...... سب سے پہلے جس شخص نے منبر پر خطبہ دیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جس شخص نے اللہ جل جلالہ کے راستے میں تیر چلایا وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے قرآنِ کریم کی جو آیات نازل ہوئیں وہ اِقْرَاءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (سے پانچ آیات ہیں)

☆...... سب سے پہلے جس شخص نے کالا خضاب لگایا وہ فرعون ہے۔

☆...... سب سے پہلے اسلام میں جس نے خضاب لگایا وہ ابوقحافہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد) ہیں۔

☆...... سب سے پہلا پہاڑ جو زمین پر رکھا گیا وہ جبل ابوقبیس (مکہ میں) ہے۔

☆...... سب سے پہلا کلمہ جو ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں گرائے جانے کے بعد پڑھا وہ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل ہے۔

☆...... سب سے پہلے (لکھنے والی چیزوں میں سے) جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ قلم ہے۔

☆...... سب سے پہلے بیت اللہ کا جس نے طواف کیا وہ فرشتے ہیں۔

☆...... سب سے پہلے (عبادات میں) قیامت کے دن بندہ سے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔

☆...... سب سے پہلے زمین پر جو مسجد تعمیر ہوئی وہ مسجدِ حرام ہے۔

☆...... سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام تھے اور سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام تھے۔

☆...... سب سے پہلے قیامت کے دِن جس شخص کو جوڑا پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

Marfat.com

☆...... سب سے پہلے جس شخص کے بال سفید ہوئے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جس شخص نے اللہ جل جلالہ کے راستے میں تلوار سونتی وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جو شخص (انبیا میں سے) فوت ہوا وہ آدم علیہ السلام ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جو شخص قبر سے باہر نکلیں گے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

☆...... سب سے پہلے نماز کی دو رکعتیں فرض ہوئیں۔

☆...... سب سے پہلے جو شخص (ہجرت کے بعد) جنت البقیع میں دفن ہوا وہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلی خاتون جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جس نے درخت کے نیچے بیعت (رضوان) کی وہ ابوسفیان بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جس نے ثرید بنائی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جس شخص نے رمضان میں لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز (تراویح) پر جمع کیا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلی چیز جو دین سے گم ہوگی وہ امامت اور آخری چیز نماز ہے۔

☆...... سب سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب زبور ہے۔

☆...... سب سے پہلے جو شخص عیدین میں منبر پر بیٹھا اور دونوں عیدوں میں اذان دی گئی وہ زیاد بن ابی سفیان ہے۔

☆...... سب سے پہلے جنت کا دروازہ جو شخصیت کھٹکھٹائے گی وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے۔

☆...... سب سے پہلے جس نے قرآن جمع کیا اور کلالہ کو وراثت دی وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلا دن جس میں مشرکین کے ساتھ مکر کیا گیا وہ اُحد کا دِن ہے۔

☆...... سب سے پہلے شخص جس نے اپنی بیوی سمیت حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف بھی وہ

Marfat.com

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلا دن جس میں خوارج نے کلام کی وہ جنگ جمل کا دن ہے۔

☆...... سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو لکھا وہ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ہے۔

☆...... سب سے پہلے ملک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے خود فرمایا۔

☆...... سب سے پہلے جس نے بیٹھ کر خطبہ دیا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے لوگوں سے اپنے پاؤں دکھنے کی وجہ سے معذرت کی۔

☆...... سب سے پہلے جنازہ کیلئے جو سوار ہو کر گئے وہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جہنم کا لباس جس کو پہنایا جائے گا وہ ابلیس ہے۔

☆...... سب سے پہلے (بچوں میں سے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

☆...... سب سے پہلے (مردوں میں سے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

☆...... سب سے پہلے آدم علیہ السلام کے وجود سے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ان کا سر اور آنکھیں ہیں۔

☆...... سب سے پہلا فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل تھا اور سب سے آخری فتنہ دجال کا ہوگا۔

☆...... سب سے پہلے جس شخص کی شہادت پر اللہ تعالیٰ مسکرائے اور عرش نے حرکت کی وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے بیت اللہ کا حج آدم علیہ السلام نے کیا۔

☆...... سب سے پہلے جو جمعہ ادا کیا گیا وہ مدینہ میں ادا کیا گیا تھا۔

☆...... سب سے پہلے اسلام میں جو امیر مقرر کئے گئے وہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جنت میں جو گروہ داخل ہوں گے وہ شہید، غلام جو مالکوں کے فرمانبردار اور فقیر اور کثیر الاولاد ہوں گے۔

Marfat.com

☆...... سب سے پہلے جو گروہ جہنم میں داخل ہوں گے وہ امرا، دولت منداور فقیر متکبر ہوں گے۔

☆...... سب سے پہلے حضور ﷺ نے جس شخص کے سود کو چھوڑا وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب ہیں۔

☆...... سب سے پہلے حضور ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے جس شخص کے خون کو معاف کر دیا وہ ایاس بن ربیعہ بن الحارث کا خون تھا۔

☆...... سب سے پہلے جمعہ کی اذان اوّل کے بعد ترک بیع کا طریقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نکالا۔

☆...... اللہ تعالیٰ نے جس دن کو پیدا کیا وہ ہفتہ کا دن ہے۔

☆...... سب سے پہلے حضور ﷺ جب سفر سے واپس ہوتے تو ابطح میں اترتے تھے۔

☆...... سب سے پہلے حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی اولاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے ملیں (یعنی فوت ہوئیں)۔

☆...... سب سے پہلے قیامت کی نشانی وہ آگ ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف لوگوں کو اکٹھا کرے گی۔

☆...... سب سے پہلا گروہ جو اُمتِ محمدیہ ﷺ کا جنت میں داخل ہوگا وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔

☆...... سب سے پہلے بچوں کی گواہی پر مروان بن الحکم نے فیصلہ کیا۔

☆...... سب سے پہلے صفا مروہ کی سعی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی۔

☆...... سب سے پہلے حرمت شراب میں یہ آیت نازل ہوئی: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ (الآیۃ)

☆...... سب سے پہلے جس نے اسلام میں ظہار کیا وہ خویلہ رضی اللہ عنہا کا خاوند تھا۔

☆...... سب سے پہلے جو حمام میں داخل ہوئے وہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام ہیں۔

☆...... سب سے پہلے دینار اور درہم کو آدم علیہ السلام نے بنایا اور فرمایا کہ معیشت ان دونوں کے بغیر درست نہیں۔

☆...... سب سے پہلے کتا، حضرت نوح علیہ السلام نے رکھا کیونکہ جب وہ کشتی بناتے تھے تو قوم والے خراب کر دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! کتا پکڑ، وہ حفاظت کرے گا۔

Marfat.com

☆...... سب سے پہلے جس کی ختنہ ہوئی اور جس نے ناخن کاٹے، مونچھیں کتریں، اُسترا استعمال کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

☆...... سب سے پہلے شرک کا آغاز (عرب میں) عمرو بن لحیی بن قمعتہ بن خندف نے کیا۔

☆...... سب سے پہلے جس نے مہر چار سو دینار مقرر کیا وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جو صفا مروہ کے درمیان دوڑیں وہ ام اسماعیل (ہاجرہ) ہیں۔

☆...... سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اُمّ المومنین میں سے جو فوت ہوئیں وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

☆...... سب سے پہلے اسلام میں جو خاتون شہید ہوئیں وہ اُم عمار رضی اللہ عنہا ہیں جن کو ابو جہل نے نیزہ مارا تھا۔

☆...... سب سے پہلے بدر کے دن مسلمانوں میں سے جو شہید ہوا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔

☆...... سب سے پہلے اسلام میں جو شخص سولی پر لٹکایا گیا وہ بنی لیث کا ایک آدمی تھا۔

☆...... سب سے پہلے (مدینہ آکر) اسلام میں جو بچہ پیدا ہوا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے شخص جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے قرآن کو پھیلایا وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جنہوں نے اذان دی وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جس نے اللہ جل جلالہ کے راستے میں اپنا گھوڑا دوڑایا وہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جن سات آدمیوں نے اسلام کو ظاہر کیا وہ یہ ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ۔

☆...... سب سے پہلے اسلام میں جس شخص کا سر ہدیہ کیا گیا وہ عمر بن الحمق کا سر تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

Marfat.com

☆...... سب سے پہلے مرنے کے بعد انسان کا پیٹ بدبودار ہوتا ہے۔

☆...... سب سے پہلے جو ذلت عرب میں داخل ہوئی وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل ہے۔

☆...... سب سے پہلے جس نے قتل کے وقت نماز (کی ادائیگی کا طریقہ) ایجاد کیا وہ خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے جس نے مسجدِ نبوی میں کنکریاں ڈلوائیں وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے اہل جنت جو چیز کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا زائد حصہ ہے۔ [1]

☆...... سب سے پہلے دنیا میں کھجور کا درخت پیدا ہوا۔

☆...... سب سے پہلے لوحِ محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھا۔

☆...... سب سے پہلے زمین کا جو ٹکڑا پیدا کیا گیا وہ خانہ کعبہ کی جگہ ہے۔

☆...... سب سے پہلے چہل حدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۸۱ھ نے تالیف کیں۔

☆...... سب سے پہلے طب میں حکیم بقراط نے اسباب وعلامات لکھے۔

☆...... سب سے پہلے علم اصول فقہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بنایا۔

☆...... سب سے پہلے آدم علیہ السلام کے بعد ادریس علیہ السلام نے لکھنا شروع کیا۔

☆...... سب سے پہلے سینا آدم علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام نے شروع کیا۔

☆...... سب سے پہلے دنیا میں زلزلہ اس وقت آیا جب آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔

☆...... سب سے پہلے شراب اور راگ باجا شیطان نے ایجاد کیا۔

☆...... سب سے پہلے خدائی کا دعویٰ نمرود نے کیا۔

☆...... سب سے پہلے یحییٰ نام زکریا علیہ السلام کے بیٹے کا ہوا۔

☆...... سب سے پہلے مسلمانوں میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازے پر تابوت (گہوارہ) بنایا گیا۔

☆...... سب سے پہلے مسجد میں چراغ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے جلایا۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ۔

Marfat.com

☆...... سب سے پہلے مسجد میں محراب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بنائی۔

☆...... سب سے پہلے قرآن مجید پر جس نے اعراب لگایا اور علم نحو ایجاد کیا وہ ابواسود، ولی تابعی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے قرآن مجید پر نقطے حجاج بن یوسف نے لگائے۔

☆...... سب سے پہلے خانہ کعبہ پر غلاف تبع اوّل (بادشاہ) نے ڈالا۔

☆...... سب سے پہلے اذان کیلئے منارہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے بنایا گیا۔

☆...... سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا، وہ عبد اللہ ہے جو کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوا۔

☆...... سب سے پہلے مسائل فقہ کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف فرمایا۔

☆...... سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عبد اللہ بن سبا یہودی نے بُرا کہنا شروع کیا۔

☆...... سب سے پہلے دنیا میں گندم کی کاشت حضرت آدم علیہ السلام نے کی۔

☆...... سب سے پہلے کپڑا حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا۔

☆...... سب سے پہلے علم کیمیا اور اس کے متعلقات پر جس مسلمان نے بحث کی وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پوتے خالد بن یزید تھے۔

☆...... سب سے پہلے پیمانہ اور وزن حضرت ادریس علیہ السلام نے بنائے۔

☆...... سب سے پہلے دنیا میں ظلم سے جو قتل ہوا وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل ۲۵ سال کی عمر میں قتل ہوئے۔

☆...... سب سے پہلے خدا کی راہ میں قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی۔

☆...... سب سے پہلے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جس پر نظر ڈالے گا، وہ نابینا صابر وشاکر ہے۔

☆...... سب سے پہلے خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھانا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شروع کیا۔

Marfat.com

☆...... سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد انصار کا جو بچہ پیدا ہوا وہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆...... سب سے پہلے کاتنا حضرت حوا علیہا السلام نے شروع کیا۔

☆...... سب سے پہلے دینار پر جس نے آیاتِ قرآنیہ لکھیں وہ عبدالملک بن مروان ہے، اس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ لکھی۔

☆...... سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد جو جمعہ ادا کیا وہ قبیلہ بنی سالم بن عوف میں ادا کیا۔

☆...... سب سے پہلے علم تجوید میں موسیٰ بن عبید اللہ بن یحییٰ بغدادی نے تصنیف کی۔[1]

سب سے پہلے کس نبی نے کون سی نماز ادا کی؟

(نمازوں کی فرضیت کی ترتیب)

☆...... فجر: جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ فجر کے وقت قبول ہوئی تو انہوں نے دو رکعت (شکر) ادا کیں، تو (اسی وجہ سے) فجر کی نماز (ہماری اُمت کیلئے) دو رکعت فرض ہوئی۔

☆...... ظہر: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ظہر کے وقت ادا کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعت ادا کی، اس لئے (ہماری اُمت کیلئے) ظہر کی نماز چار رکعت فرض ہوئی۔

☆...... عصر: جب حضرت عزیر علیہ السلام کو (سو سال کے بعد) اُٹھایا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ تم کتنی دیر تک اس حالت میں رہے تو انہوں نے فرمایا کہ ایک دِن، پھر انہوں نے سورج کی طرف دیکھا (جو ابھی کچھ باقی تھا) تو فرمایا دِن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں، اس وقت انہوں نے چار رکعت ادا کی تو عصر کی نماز

[1] احسن الوسائل۔

Marfat.com

(ہماری اُمت کیلئے) چار رکعت فرض ہوئی (بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی تو وہ عصر کا وقت تھا، انہوں نے چار رکعت نماز ادا کی۔

☆...... مغرب: جب حضرت داوٗد علیہ السلام کی لغزش اللہ تعالیٰ نے معاف فرمائی تو وہ مغرب کا وقت تھا، انہوں نے کھڑے ہوکر چار رکعت نماز پڑھنی شروع کی لیکن تھکاوٹ کی وجہ سے تیسری رکعت میں بیٹھ گئے، اس لئے مغرب کی نماز (ہماری اُمت کیلئے) تین رکعت فرض ہوئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ سب سے پہلے مغرب کی نماز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھی، اللہ تعالیٰ نے مغرب کے وقت ان کی طرف وحی کی کہ تمہاری قوم میرے بارے میں ثالث ثلاثہ کا عقیدہ رکھتی ہے، تو انہوں نے اس وقت تین رکعت ادا کیں۔

☆...... عشاء: سب سے پہلے عشاء کی نماز ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے نکلے تو راستہ بھول گئے، یہ عشاء کا وقت تھا تو آپ نے چار رکعت ادا فرمائیں تو (ہماری اُمت کیلئے) چار رکعت عشاء فرض ہوئیں۔

مذکورہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے وقت میں ان نمازوں کو شکرانہ کے طور پر ادا فرمایا اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے سب کا ثواب اور فضیلت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کیلئے مقدر فرمایا ہے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں

☆...... قدام بن نافع رضی اللہ عنہ بکسرا کے صحرا میں دفن ہیں۔

☆...... رافع انصاری رضی اللہ عنہ لیبیا میں دفن ہیں۔

☆...... ابوزمعہ انصاری رضی اللہ عنہ تیونس میں دفن ہیں۔

☆...... ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ تیونس میں دفن ہیں۔

[1] ملخص از شرح معانی الآثار عربی ص ۸۶، ج ا۔

Marfat.com

☆...... معبد بن عباس رضی اللہ عنہ شمالی امریکہ میں دفن ہیں۔

☆...... عبدالرحمن بن عباس رضی اللہ عنہ افریقہ میں دفن ہیں۔

☆...... عبدالرحمن الغاطی رضی اللہ عنہ جنوبی فرانس میں دفن ہیں۔

☆...... حضرت ہمام رضی اللہ عنہ ایران میں دفن ہیں۔

☆...... براء بن مالک رضی اللہ عنہ نستم ایران میں دفن ہیں۔

☆...... عمرو بن معدیکرب الزبیدی رضی اللہ عنہ مدین میں دفن ہیں۔

☆...... نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نہاوند ایران میں دفن ہیں۔

☆...... ابورافع غفاری رضی اللہ عنہ خراسان میں دفن ہیں۔

☆...... عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ خراسان میں دفن ہیں۔

☆...... خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام میں دفن ہیں۔

☆...... بلال حبشی رضی اللہ عنہ شام میں دفن ہیں۔

☆...... شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ شام میں دفن ہیں۔

☆...... ضرار بن اسود رضی اللہ عنہ شام میں دفن ہیں۔

☆...... عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ شام میں دفن ہیں۔

☆...... عبدالرحمن بن معاذ رضی اللہ عنہ شام میں دفن ہیں۔

☆...... حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شام میں دفن ہیں۔

☆...... جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شام میں دفن ہیں۔

☆...... سلمان فارسی رضی اللہ عنہ عراق میں دفن ہیں۔

☆...... ربیع بن زیادہ الحارثی رضی اللہ عنہ سجستان (جنوبی افغانستان) میں دفن ہیں۔

Marfat.com

☆...... قثم بن عباس رضی اللہ عنہ ترکستان (وسطِ ایشیاء) کے علاقے میں دفن ہیں۔

☆...... ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ استنبول میں دفن ہیں۔

☆...... ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بحیرہ روم کے ساحلی علاقے میں دفن ہیں۔

☆...... حضرت معاضم بن غضوبہ رضی اللہ عنہ مسقط عمان کے شہر سمائل میں دفن ہیں۔

حیرت انگیز معلومات

☆...... مصر فتح ہوا، عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے وہاں مسجد تعمیر کرائی، تقریباً اسی (۸۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا قبلہ سیدھا کیا۔

☆...... حضور علیہ السلام نے عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور غیلان بن مسلم رضی اللہ عنہ کو حرش بھیجا، وہاں منجنیق (توپ) اور دبابہ (ٹینک) کے استعمال کا طریقہ سیکھا، فتح طائف میں ان کو استعمال کیا۔

☆...... کفار نے خندق کو دیکھ کر کہا اِنَّ هٰذِهٖ لَمَكِيْدَةٌ مَا كَانَتْ لِلْعَرَبِ مَعْرِفَةٌ لَهَا یہ ایک تدبیر ہے عرب لوگ جس سے ناواقف تھے۔

☆...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بڑے بڑے اصطبل بنائے گئے جس میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے۔

☆...... مساجد کی تزئین کا شوق ایسا ہے جیسے مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر جان دینا، یہ ایسی قوم کا کام ہے جس کے بُرے دِن آجائیں۔

☆...... مسجد میں نجاست لائی جائے تو مسجد سمٹتی ہے، جیسے انسان کی کھال آگ میں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جب نماز کیلئے تشریف لاتے، عمدہ لباس پہن کر آتے تھے، فرماتے: اِنَّ اللهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ - [1]

☆...... علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس کے کپڑوں میں بدبو ہو مسجد میں نہ آئیں، جیسے زیاتین، دباغین،

---

[1] صحیح مسلم، بابُ تَحْرِيمِ الْكِبْرِ وَبَيَانِهٖ، رقم الحدیث: ۹۱۔

Marfat.com

کتا سین کے کپڑے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسے لوگوں کو آخری صف میں رہنا چاہیے کیونکہ ملائکہ اور نمازیوں کو ایذا پہنچتی ہے، اگر غالب گمان ہو کہ چھوٹا بچہ پیشاب کر دے گا تو اسے مسجد میں لانا ناجائز ہے

☆...... كَانَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلَ يَضَعُ نَعْلَيْهِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا يَجْعَلُهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ.

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے جوتوں کو اپنے سامنے رکھتے تھے، اور ان کو اپنے پاؤں کے درمیان میں نہیں رکھتے تھے۔

☆...... حضور علیہ السلام نے فرمایا عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِيْ حَتَّى الْقَذَاةِ يُخْرِجُ الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ یعنی جو کوئی ایک تنکا بھی مسجد سے نکالے گا، اُس پر بھی اَجر لکھا جائے گا [1]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔

☆...... قبلہ کی طرف پاؤں کرنا مکروہ ہے، عادت بنالینا کبیرہ گناہ ہے۔

☆...... کسی نے اس وجہ سے صف اوّل کو چھوڑا کہ مسلمان کو تکلیف پہنچ رہی ہے، اس کو صف اوّل سے دوگنا زیادہ ثواب ملے گا۔ [2]

☆...... ناپاک گارے سے مسجد کی لیپائی ناجائز ہے، مسجد کی دیوار سے تیمم کرنا جائز ہے، مگر بے ادبی ضرور ہے۔ [3]

☆...... مسجد سے نکالا ہوا کوڑا کرکٹ قابل احترام ہے، کھیت وغیرہ میں ڈال دینا چاہیے، گندگی کے ڈھیر پر ڈالنا تعظیم کے خلاف ہے۔

☆...... صالحین کا تجربہ ہے آیۃ العزّ کی برابر تلاوت کرنے سے اللہ تعالیٰ تنگدستی دور فرماتے ہیں، جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دیکھ کر مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھ لے تو اللہ تعالی موت تک تمام قسم کی آفات دُور کر دیتے ہیں، اسی طرح آیتِ کریمہ ایسی مرض میں جس میں انتقال ہو جائے، چالیس

---

[1] سنن ابوداود، بَابٌ فِي كَنْسِ الْمَسْجِدِ، رقم الحدیث: ۴۶۱۔ [2] الحدیث۔ شامی۔ [3] فتاوی عبدالحی۔

Marfat.com

(۴۰) مرتبہ پڑھی ہے تو شہید شمار ہوگا، اگر تندرست ہو گیا تو مغفور شمار ہوگا، صالحین کا تجربہ ہے کہ رمضان شریف کی پہلی رات کو سورۃ الفتح پڑھ لے تو سارا سال آفات و مصائب سے حفاظت ہوگی۔

☆...... پرندے عموماً اپنی گرمی منہ اور پھیپھڑوں سے خارج کرتے ہیں۔

☆...... پانچ سو (۵۰۰) درخت ایسے ہیں جن کی خوراک کیڑے مکوڑے ہیں۔

☆...... ننانوے فیصد کیلشیم ہڈیوں میں ہوتا ہے۔

☆...... پرندے قوۃ شامہ اور ذائقہ نہیں رکھتے، سانپ میں زبان کے اندر قوتِ شامہ ہوتی ہے۔

☆...... جھینگر ایک پرندہ ہے، اسکے کان (قوۃ سماعت) گھٹنوں میں ہوتے ہیں، مکھی کی قوۃ ذائقہ پاؤں میں ہے۔

☆...... کوا خود سیاہ ہے اور سیاہ رنگ کی چیز سے ڈرتا ہے۔

☆...... بارہ سنگا کی کھال اتنی گرم ہے کہ قطب شمالی کی برفانی راتوں میں سردی نہیں لگتی۔

☆...... ہاتھی روزانہ ۱۸ گھنٹے کھانے میں صرف کرتا ہے۔

☆...... فلسطین کی کھجور، برکت کے زمانے میں آدھ پاؤ کی تھی۔

☆...... علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اتنا بڑا خربوزہ دیکھا کہ دوسری طرف اس کے سایہ میں آدمی بیٹھ سکے، دو حصے بمنزلہ دو حوض کے، میٹھا اتنا کہ مصری کی ڈلی کی طرح۔

☆...... ہارون رشید کے پاس حج کے موقع میں انگور کے دو خوشے لائے گئے، ایک اونٹ کے ایک طرف، دوسرا دوسری طرف۔

☆...... آذربائیجان میں ایک درہم میں ۵۰ روٹیاں، نصف من گوشت، شہد، گھی، اخروٹ، کشمش کوئی جتنی لے جانا چاہے، عام اجازت تھی۔

☆...... ہمارا نظامِ شمسی تقریباً ساڑھے سات ارب میل میں پھیلا ہوا ہے، پانچ ارب کہکشائیں ہیں، فی کہکشاں دس کھرب تارے ہیں، ایسے سینکڑوں سیارے ہیں جن میں ایسے سینکڑوں نظامِ شمسی رکھے

Marfat.com

جا سکتے ہیں۔

☆...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک ہزار چھتیس (۱۰۳۶) شہر فتح ہوئے، چار ہزار (۴۰۰۰) مساجد، تعمیر ہوئیں، نوسو (۹۰۰) مساجد میں جمعہ شروع ہوا۔

☆...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جامع مسجد کوفہ کی داغ بیل ڈالی، چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) آدمیوں کی گنجائش تھی، بعد میں مزید اضافہ کیا گیا، ہر ستون پر سترہ سو (۱۷۰۰) درہم خرچ ہوئے، بعد میں صرف قرطبہ شہر میں اڑتیس سو تہتر (۳۸۷۳) مساجد تعمیر ہوئیں، جامع اُموی میں بیس ہزار (۲۰۰۰۰) آدمی نماز پڑھ سکتے تھے، قرطبہ کی جامع مسجد کے بارہ سو تیرانوے (۱۲۹۳) ستون تھے، جس پر دوسواسی (۲۸۰) درسگاہیں بنائی گئیں۔

علماء نے جہنم کے طبقات کی یوں ترتیب بتائی ہے، جو اغلبی ہے

☆...... جہنم: گناہگار مسلمانوں کے لئے۔

☆...... حُطَمَہ: عیسائیوں کے لئے۔

☆...... لَظٰی: یہودیوں کے لئے۔

☆...... سعیر: مجوسیوں کے لئے۔

☆...... سقر: چنگیز خان جیسے سورج کے پجاریوں کے لئے۔

☆...... جحیم: پتھر کے پجاریوں کے لئے۔

☆...... ھاویہ: منافقین کے لئے۔

نیت وعزم پر بادشاہ کی بخشش

خراسان کا ایک بادشاہ عمرو بن لیث عرف صفّار تھا، بعد وفات کسی نے دیکھا، پوچھا: اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ کہا کہ ایک پہاڑ پر میری فوج تھی، دیکھ کر بہت خوش ہوا، کاش میں اس لشکر کے ساتھ حضور علیہ السلام کے

Marfat.com

زمانے میں ہوتا، یہ فوج آپ ﷺ کی مدد کے لئے نچھاور کر دیتا، مرنے کے بعد رب العالمین نے میری اس نیت وعزم پر مجھے بخش دیا۔ یہ عمرو بن لیث بادشاہ جب سفر پر روانہ ہوتا تو چھ سو اونٹوں پر کھانے پینے، باورچی خانے کا سامان لدا ہوتا تھا، سات سو (۷۰۰) اونٹوں پر ذاتی مصرف کے کپڑے، ایک لاکھ بیس ہزار کپڑوں کے جوڑے، دس ہزار ریشمیں ازار بند ساتھ ہوتے۔

پہلے زمانے کے بادشاہ

پہلے زمانے میں بادشاہ لوگ بھی اپنی اولاد کا نام دین کی اعانت کی نسبت سے رکھتے تھے، مثلاً ناصر الدین، قطب الدین، رکن الدین، حضر الدین، غیاث الدین، قمر الدین، شہاب الدین غوری، فخر الدین، شمس الدین، سبغ الدین، تاج الدین، ظہیر الدین بابر، ناصر الدین ہمایوں، جلال الدین، نور الدین، محی الدین اورنگزیب۔

مختلف اقوال

☆...... سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ساری رات کی عبادت سے فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔

☆...... زکوٰۃ کی نیت سے ایک دانق (۶ رتی) کا دینا سونے کا پہاڑ بطور نفل خرچ کرنے سے بہتر ہے۔[۱]

☆...... علم میں تدبر و تفکر کرنا پانچ ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے افضل ہے[۲]۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ ایک دینی مسئلہ سیکھ لینا ایک ہزار نفل پڑھنے سے افضل ہے[۳]۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رات کے کچھ حصہ میں سیکھنا سکھانا، تمام رات کی عبادت سے افضل ہے۔[۴]

☆...... بعض علماء نے لکھا ہے دین کی باتیں سیکھنے میں ایک دِن گزارنا دس ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے۔

☆...... ابو درداء رضی اللہ عنہ جامع مسجد دمشق میں صبح کی نماز کے بعد لوگوں کے لئے تعلیم کے حلقے بناتے اور نگران مقرر کرتے، خود نگرانی کرتے، ایک دِن اُن کو شمار کیا تو تعداد سولہ سو (۱۶۰۰) تھی۔

☆...... حجاز کی آگ، ایسی آگ نکلی جس کی روشنی میں بُصری میں اونٹوں کی گردنیں دیکھی گئی، ۶۵۴ھ میں یہ

---

[۱] مکتوباتِ ربانی۔ [۲] فتاویٰ عالمگیری۔ [۳] عن ابی ذر رضی اللہ عنہ۔ [۴] فتاویٰ سراجیہ۔

Marfat.com

نمودار ہوئی، تین ماہ بڑھکتی رہی، جلے ہوئے پتھر وادی کے راستے میں جمع ہو گئے، وادی قناۃ کا پانی ایک ڈیم کی شکل اختیار کر گیا، اس کو عاقول ڈیم کہتے ہیں۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے، فرماتے ہیں جمعہ کے روز دوپہر کے قریب یہ آگ نمودار ہوئی، ایک بڑے شہر کی طرح نظر آتی تھی، بنو قریظہ کی طرف بڑھتی ہوئی وادی قناۃ میں بھڑکنے لگی، جب پہاڑ سے گزرتی ریزہ ریزہ کر دیتی، سمندر کی موجوں کی طرح پتھروں کو دور پھینکتی تھی، آواز آسمانی بجلی کی کڑک کی طرح تھی، پتھر وادی کے آخر میں جمع ہو گئے، بند کی شکل بن گئی، تاحد نظر پانی نظر آتا تھا۔ ۶۹۰ھ میں یہ بند ٹوٹ پڑا، پھر وادی بہنے لگی۔

☆...... حدیث: اِنَّكُمْ فِيْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِهٖ هَلَكَ ثُمَّ يَأْتِيْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِهٖ نَجَا۔۔۔الحدیث [1]

بیشک تم ایسے زمانے میں ہو کہ جو تم میں سے چھوڑ دے دسویں حصے کو، جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے، تو ہلاک ہو جائے گا، پھر ایک زمانہ آئے گا کہ ان میں سے جو دسویں حصے پر بھی عمل کرے گا، جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے، تو نجات پا جائے گا۔

پورے شہر کی خواتین قرآن کریم کی حافظات

ابن بطوطہ آٹھویں صدی میں دنیا کا مشہور و معروف سیاح گزرا ہے، وہ مراکش کا رہنے والا تھا، اس نے اپنی زندگی کے ستائیس برس سیاحت میں گزارے اور نصف دنیا کا سفر طے کیا، بالآخر اپنے ملک مراکش میں ہی جا کر فوت ہوا، اس نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ:

”جب میں ہندوستان پہنچا تو وہاں شمالی کنٹرا کے مشہور شہر ہانی لوٹوئیں قیام پذیر ہو کر میں نے شہر کا سروے کیا تو وہاں علم کا اس قدر چرچا تھا کہ اس شہر میں لڑکوں کے کثیر مدارس کے علاوہ ۱۳

[1] سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۲۶۷۔

Marfat.com

مدارس خواتین کے بھی تھے اور ان کا اثر پورے شہر پر یہ تھا کہ میں نے وہاں کوئی ایسی خاتون نہیں دیکھی جو کم از کم حافظہ قرآن نہ ہو، گویا کہ سارے شہر میں خواتین حافظہ تھیں۔[1]

دینی سیاست، عجم میں

امام ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمن الشہر زوری المتوفی ۶۴۳ھ لکھتے ہیں:

☆...... ہمارے پاس امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں عبدالملک بن مروان کے پاس آیا۔

☆...... اس نے کہا اے زہری! تو کہاں سے آیا ہے؟

☆...... میں نے کہا: مکہ سے۔

☆...... اس نے کہا تو نے مکہ میں پیچھے کس کو چھوڑا ہے، جو اُن کا سردار ہو؟

☆...... میں نے کہا عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کو۔

☆...... اس نے کہا وہ عرب میں سے ہے یا عجمیوں میں سے؟

☆...... میں نے کہا عجمیوں میں سے ہے۔

☆...... اس نے کہا وہ کس وجہ سے ان کا سردار بنا ہے؟

☆...... میں نے کہا دیانت اور روایت کی وجہ سے، (عطاء سردار بنا ہے)۔

☆...... اس نے کہا اہل یمن کی سرداری کون کرتا ہے؟

☆...... میں نے کہا یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ۔

☆...... اس نے کہا کہ وہ عرب میں سے ہے یا عجمیوں میں سے؟

☆...... میں نے کہا عجمیوں میں سے۔

☆...... اس نے کہا کہ اہل شام کی سرداری کون کرتا ہے؟

---

[1] ملخص از معالم العرفان فی دروس القرآن۔

Marfat.com

☆...... میں نے کہا مکحول رحمۃ اللہ علیہ۔

☆...... اس نے کہا کہ وہ عرب میں سے ہے یا عجمیوں میں سے؟

☆...... میں نے کہا عجمیوں میں سے، وہ حبشی غلام تھا جس کو (قبیلہ) ہذیل کی ایک عورت نے آزاد کیا تھا۔

☆...... اس نے کہا اہل جزیرہ کی سرداری کون کرتا ہے؟

☆...... میں نے کہا میمون بن مہران۔

☆...... اس نے کہا وہ عرب میں سے ہے یا عجمیوں میں سے؟

☆...... میں نے کہا عجمیوں میں سے۔

☆...... اس نے کہا اہل خراسان کی سرداری کون کرتا ہے؟

☆...... میں نے کہا ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہ۔

☆...... اس نے کہا وہ عرب میں سے ہے یا عجمیوں میں سے؟

☆...... میں نے کہا عجمیوں میں سے۔

☆...... اس نے کہا اہل بصرہ کی سرداری کون کرتا ہے؟

☆...... میں نے کہا حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ۔

☆...... اس نے کہا وہ عرب میں سے ہے یا عجمیوں میں سے؟

☆...... میں نے کہا عجمیوں میں سے۔

☆...... اس نے کہا تجھ پر افسوس ہے اہل کوفہ کی سرداری کون کرتا ہے؟ (یہ اس وجہ سے کہا کہ اب تک خلیفہ کے دریافت کردہ تمام محدثین عجمی تھے اور کسی بھی عربی محدث کا ذکر نہیں آیا تھا جس پر خلیفہ کو تعجب ہوا)

☆...... میں نے کہا ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ۔

☆...... اس نے کہا وہ عرب میں سے ہے یا عجمیوں میں سے؟

☆...... میں نے کہا عرب میں سے ہے۔

Marfat.com

☆...... اس نے کہا اے زہری! تجھ پر افسوس ہے (یہ خلیفہ نے خوشی کی وجہ سے کہا کیونکہ عربی محدث کا ذکر بھی آ گیا) تو نے میری پریشانی کو دور کر دیا، اللہ کی قسم البتہ عجمی لوگ عرب پر سرداری کرتے ہیں، یہاں تک وہ منبروں پر بیٹھ کر خطبہ دیتے ہیں اور عرب ان کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں۔

میں نے کہا امیر المومنین! یہ اللہ اور اس کے دین کا معاملہ ہے، جس نے اس کو محفوظ کیا ہے وہ سردار ہوا، اور جس نے اس کو ضائع کیا وہ گرا (چاہے وہ عربی ہو یا عجمی ہو)۔[1]

چار جانوروں کی خاصیت کی وجہ

نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اُتارے گئے تو ان کے ساتھ انجیر کے چار پتے اُتارے تھے، تمام حیوانات نے چاہا انہیں توبہ کی مبارک باد دیں لیکن چار جانور سب سے پہلے ان کے پاس پہنچے ان میں سے ایک ہرن تھا، انہوں نے ایک پتہ اسے کھلا دیا، اس سے مشک کا ظہور ہوا، دوسرا شہد کی مکھی تھی ایک پتہ اسے کھلا دیا، اس سے شہد پیدا ہوا، تیسرا ابریشم کا کیڑا تھا ایک پتہ اسے کھلا دیا تو اس سے ریشم پیدا ہوا، چوتھا دریائی گائے تھی ایک پتہ اسے کھلا دیا تو اس سے عنبر پیدا ہوا۔[2]

دس (۱۰) جنتی جانور

بعض تاریخی روایات میں ہے کہ دس جانور قیامت کے دن جنت میں داخل ہوں گے:

۱۔ براق: جس پر انبیاء علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری کی۔

۲۔ ناقۃ الصالح: وہ اونٹنی جو پتھر سے نکلی تھی، حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ تھی۔

۳۔ حمار عزیر علیہ السلام: حضرت عزیر علیہ السلام جس گدھے پر سوار تھے۔

۴۔ عجل خلیل علیہ السلام: وہ بچھڑا جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام بھون تل کر فرشتوں کی مہمانی کیلئے لائے تھے۔

۵۔ کبش اسماعیل علیہ السلام: وہ مینڈھا جو اللہ جل جلالہ نے جنت سے بھیجا تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے

---

[1] علوم الحدیث لابن الصلاح عربی۔ [2] نزہۃ المجالس مترجم۔

Marfat.com

بدلے میں۔

۶۔ ہدہد سلیمان علیہ السلام: وہ ہدہد کہ جب سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی تو وہ غیر حاضر تھا، جب وہ آیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کہاں تھا؟ وہ کہنے لگا میں وہ خبر لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں۔

۷۔ نملۃ سلیمان علیہ السلام: وہ چیونٹی کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام لشکر کے ساتھ آرہے تھے تو کہنے لگی: اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ۔

۸۔ کلب اہل کہف: اصحابِ کہف کا کتا جس نے ان کا احترام کیا تھا۔

۹۔ حوت یونس علیہ السلام: وہ مچھلی جس کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام رہے۔

۱۰۔ بقرہ بنی اسرائیل: وہ گائے جس کو بنی اسرائیل نے سوالات وجوابات کے بعد ذبح کیا تھا۔

اَبجَدْ ھَوَّزْ کے معانی

اَبجَدْ: یہ حروفِ مفردات سے کنایہ ہے یعنی الف، با، تا، وغیرہ سے۔

اَبجَدْ، ھَوَّزْ، حُطِّیْ، کَلِمَنْ، سَعْفَصْ، قَرَشَتْ، ثَخَّذْ، ضَظَّغْ

یہ آٹھ کلمات جو کہ اعداد کی ترتیب سے مشہور ہیں، بحساب جمل حروف تہجی کو معین کہا گیا ہے، صاحبِ مدار الافاضل نے ان الفاظ کے معنی اس طرح لکھے ہیں:۔

اَبجَدْ بمعنی اَبِیْ وُجِدَ فِی الْمُغَالَطَۃِ یعنی میرے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی۔

ھَوَّزْ: اِتَّبَعَ ھَوَاہُ اس نے اپنی خواہشات کی اتباع کی۔

حُطِّیْ: اَیْ حُطَّ ذَنْبُہٗ بِالتَّوْبَۃِ وَالْاِسْتِغْفَارِ یعنی اس کے گناہ توبہ واستغفار سے ساقط ہوئے۔

کَلِمَنْ: اَیْ تَکَلَّمَ بِکَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ بِالْقُبُوْلِ وَالرَّحْمَۃِ یعنی اس نے چند کلمات سے تکلم کیا تو اللہ جل جلالہ نے اسے قبول کر کے اپنی رحمت سے معاف فرمایا یہ اشارہ ہے فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ [1] کی طرف۔

---

[1] البقرۃ: ۳۷۔

Marfat.com

سَعْفَصْ: اَیْ ضَاقَتْ عَلَيْهِ الدُّنْيَا فَأُفِيْضَتْ عَلَيْهِ یعنی دنیا اس پر تنگ تھی اللہ جل جلالہ نے کشادہ فرمائی۔

قَرْشَتْ: اَیْ اَقَرَّ ذَنْبَهُ فَشُرِّفَ بِالْكَرَامَةِ یعنی اس نے اپنے گناہ کا اقرار کیا تو کرامۃً معاف کیا گیا۔

ثَخَّذْ: اَیْ اَخَذَ مِنَ اللّٰهِ قُوَّةً یعنی اس نے اللہ جل جلالہ سے مدد لی۔

ضَظَّغْ: اَیْ سُدَّ عَنْهُ نَزْغُ الشَّيْطَانِ بِعَزِيْمَةٍ اَیْ بِكَلَامِ تَوْحِيْدٍ وَحَقٍّ یعنی کلمہ حق وتوحید کی بنا پر شیطان کے اِغوا سے محفوظ ہوا۔

تَفْسِيْر حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ

یہ تفسیر علامہ ابو یوسف عبد السلام بن محمد القزوینی المتوفی ۴۸۳ھ کی ہے جو تین سو جلدوں میں ہے۔ داؤدی نے ''طَبَقَاتُ الْمُفَسِّرِيْنَ'' میں لکھا ہے کہ ابن نجار نے کہا: میں نے اسے پانچ سو جلدوں میں پایا ہے، یہ غرائب اور عجائب کا مجموعہ ہے۔ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ کی تفسیر میں پوری ایک جلد ہے۔

قرآنِ کریم میں اعداد

ایک	:	لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ ۔[1]
دو	:	مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ ۔[2]
تین	:	ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۔[3]
چار	:	اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۔[4]
پانچ	:	خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ ۔[5]
چھ	:	سِتَّةِ اَيَّامٍ ۔[6]

[1] البقرۃ:۶۱۔ [2] الانعام:۱۴۳۔ [3] الکھف:۲۲۔ [4] النور:۸۔ [5] الکھف:۲۲۔ [6] الاعراف:۵۴۔

Marfat.com

سات	:	سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ ۔[1]
آٹھ	:	يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۔[2]
نو	:	وَكَانَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ تِسۡعَةُ رَهۡطٍ ۔[3]
دس	:	تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۔[4]
گیارہ	:	اَحَدَ عَشَرَ كَوۡكَبًا ۔[5]
بارہ	:	اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا ۔[6]
انیس	:	عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ۔[7]
بیس	:	اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صَابِرُوۡنَ ۔[8]
تیس	:	وَوٰعَدۡنَا مُوۡسٰى ثَلٰثِيۡنَ لَيۡلَةً ۔[9]
چالیس	:	وَاِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰٓى اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً ۔[10]
پچاس	:	اِلَّا خَمۡسِيۡنَ عَامًا ۔[11]
ساٹھ	:	سِتِّيۡنَ مِسۡكِيۡنًا ۔[12]
ستر	:	اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً ۔[13]
اسّی	:	ثَمٰنِيۡنَ جَلۡدَةً ۔[14]
ننانوے	:	لَهٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً ۔[15]
سو	:	فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ۔[16]
دوسو	:	يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۔[17]

[1] الكہف:۲۲۔ [2] الحاقہ:۱۷۔ [3] النمل:۴۸۔ [4] البقرۃ:۱۹۶۔ [5] الیوسف:۴۔ [6] التوبۃ:۳۶۔ [7] المدثر:۳۰۔ [8] الانفال:۶۵۔
[9] الاعراف:۱۴۲۔ [10] البقرۃ:۵۱۔ [11] العنکبوت:۱۴۔ [12] المجادلۃ:۴۔ [13] التوبۃ:۸۰۔ [14] النور:۴۔ [15] ص:۲۳۔
[16] البقرۃ:۲۵۹۔ [17] الانفال:۶۵۔

Marfat.com

تین سو	:	ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ - [۱]
ایک ہزار	:	یَغْلِبُوْٓا اَلْفًا -- [۲]
دو ہزار	:	یَغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ -- [۳]
تین ہزار	:	بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ -- [۴]
پانچ ہزار	:	بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ - [۵]
پچاس ہزار	:	خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ - [۶]
ایک لاکھ	:	مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ - [۷]

آلِ رسول میں حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما داخل ہیں

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حجاج بن یوسف کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن اور حضرت رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندان اور اہل بیت میں شمار کرتے ہیں تو حجاج نے والی خراسان قتیبہ بن مسلم کو تحریر کیا کہ یحییٰ بن یعمر کو میرے پاس بھیج دو''۔

حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ اس وقت خراسان میں سکونت پذیر تھے، چنانچہ حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ حجاج کے پاس تشریف لائے، حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں اس وقت حجاج کے پاس تھا''۔

حجاج نے حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو آپ ذرّیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں داخل سمجھتے ہیں''۔

حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''بالکل صحیح ہے''۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مجھے یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ کے جرأت مندانہ کلام سے حیرت ہوئی۔

---

[۱] الکہف: ۲۵۔ [۲] الانفال: ۶۵۔ [۳] الانفال: ۶۶۔ [۴] آل عمران: ۱۲۴۔ [۵] آل عمران: ۱۲۵۔ [۶] المعارج: ۴۔ [۷] الصافات: ۱۴۷۔

Marfat.com

حجاج نے غصہ میں آ کر کہا:

''اللہ کی قسم! اگر تو قرآن کی آیت سے ثابت نہ کر سکا تو میں تجھ کو قتل کر دوں گا''۔ لیکن نَدۡعُ اَبۡنَآءَ نَا وَاَبۡنَآءَ کُمۡ [1] آیت کے سوا دوسری آیت سے دلیل پیش کرنی ہوگی۔

حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اگر میں اس سے بھی زیادہ واضح دلیل سے ثابت کروں تو کیا مجھے امن ملے گا؟

حجاج نے کہا:

بے شک امن ملے گا۔

تو حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ‌ؕ كُلًّا هَدَيۡنَا‌ ۚ وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ‌ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ‌ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَۙ‏ وَزَكَرِيَّا وَيَحۡيٰى وَعِيۡسٰى وَاِلۡيَاسَ‌ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَۙ [2]

دیکھئے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد تو کوئی نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس آیت میں ان کو ذریۃ ابراھیم علیہ السلام میں داخل فرمایا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے والد کی حیثیت رکھتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہوتے ہیں۔ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان مدتِ طویلہ گزر چکی ہے، لیکن باوجود اس کے ان کو ذریتِ ابراہیم علیہ السلام میں شمار کیا گیا ہے۔

جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو قرابت کی نسبت ہے اس کے بالمقابل حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی قرابت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لہٰذا بطریق اولیٰ حضرات حسنین

[1] آل عمران: ۶۱۔ [2] الانعام: ۸۴، ۸۵۔

Marfat.com

کریمین رضی اللہ عنہما ذریتِ رسول میں داخل ہیں۔

حجاج نے کہا: تعجب کی بات ہے کہ اس آیت کو میں نے بہت مرتبہ پڑھا لیکن میرا خیال کبھی بھی یہاں تک نہیں پہنچا۔[1]

حضرت یحییٰ بن یعمر تابعی رحمۃ اللہ علیہ قرآن اور علم نحو کے بہت ماہر تھے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر حضرات کی عمریں

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی۔

۲۔ حضرت شیث علیہ السلام کی عمر نو سو سال تھی۔

۳۔ ان کے بیٹے مِہلَائیل کی عمر آٹھ سو پچانوے سال تھی۔

۴۔ اوران کے بیٹے حضرت ادریس علیہ السلام کی عمر تین سو پچانوے سال تھی۔

۵۔ ان کے بیٹے ہود علیہ السلام کی عمر نو سو باسٹھ سال تھی۔

۶۔ اوران کے بیٹے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر بروایتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک ہزار پچاس سال تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور ساڑھے نو سو برس تک قوم کو اللہ جل جلالہ کی طرف دعوت دیتے رہے اور پھر طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے۔[2] اس حساب سے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار پچاس سال بنتی ہے۔

۷۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی عمر تین ہزار پانچ سو سال تھی۔

۸۔ اکثم بن صیفی کی عمر تین سو ساٹھ سال تھی اور انہوں نے اسلام کو پایا۔

۹۔ سطیح کی عمر سات سو سال تھی۔

[1] حیوۃ الحیوان، باب الباء البعوض: ۱/۳۵۰۔ [2] تفسیر ابن کثیر: ص ۱۰۱۳، العنکبوت: ۱۴۔

Marfat.com

۱۰۔ قیس بن ساعدہ الایادی کی عمر سات سو سال تھی اور یہ حکمائے عرب میں سے تھے۔

۱۱۔ لبید بن ربیعہ (شاعر) نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔

۱۲۔ درید بن صمہ کی عمر ایک سو ستر سال تھی اور انہوں نے اسلام کو پایا لیکن اسلام کو قبول نہیں کیا۔

۱۳۔ عدی بن حاتم طائی کی عمر دو سو بیس سال تھی۔

۱۴۔ زہیر بن جنادہ کی عمر بھی دو سو بیس سال تھی۔

۱۵۔ ذوالاصابع العذری کی عمر دو سو بیس سال تھی اور یہ زمانہ جاہلیت میں حکمائے عرب میں سے تھا۔

۱۶۔ عمرو بن معد یکرب الزبیدی اور عبدالمسیح بن نضیلہ نے تین سو بیس سال کی عمر پائی اور اسلام کو بھی پایا۔[1]

مُجدِّدِین، پہلی صدی سے پندرہویں صدی تک

(یہ اغلبی قول ہے)

پہلی صدی میں	:	حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ
دوسری صدی میں	:	حضرت محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ
تیسری صدی میں	:	حضرت ابوالعباس احمد بن شریح رحمۃ اللہ علیہ
چوتھی صدی میں	:	ابوبکر بن الخطیب باقلانی رحمۃ اللہ علیہ
پانچویں صدی میں	:	ابوحامد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ
چھٹی صدی میں	:	ابوعبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ
ساتویں صدی میں	:	تقی الدین بن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ
آٹھویں صدی میں	:	زین الدین عراقی و شمس الدین جزری و سراج الدین بلقینی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم

[1] المستطرف فی کل فن مستظرف: ۲/۳۳۔

Marfat.com

نویں صدی میں	:	جلال الدین عبدالرحمن سیوطی وشمس الدین سخاوی رحمہا اللہ تعالیٰ
دسویں صدی میں	:	شہاب الدین رملی وملا علی قاری رحمہا اللہ تعالیٰ
گیارہویں صدی میں	:	حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
بارہویں صدی میں	:	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
تیرہویں صدی میں	:	سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ
چودھویں صدی میں	:	حضرت مولانا شاہ محمد الیاس اور حضرت شاہ اشرف علی تھانوی رحمہا اللہ تعالیٰ
پندرہویں صدی میں	:	مولانا ابرار الحق اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہا اللہ تعالیٰ علیہما [1]

اَلْأَرْبَعَةُ

حکماء فرماتے ہیں: عورتوں میں چار چیزیں کالی ہونا باعث زینت ہے:

۱۔ سر کے بال ۲۔ آنکھوں کی پلکیں ۳۔ آنکھ کے ابرو ۴۔ دونوں آنکھوں کی پتلی۔

چار کا سفید ہونا باعثِ زینت ہے:

۱۔ دانت ۲۔ پنڈلی ۳۔ جسم ۴۔ آنکھوں کی پتلی کے چاروں طرف۔

چار کا سرخ ہونا زینت ہے:

۱۔ زبان ۲۔ دونوں ہونٹ ۳۔ دونوں رخسار ۴۔ مسوڑھے۔

چار کا گول ہونا زینت ہے:

۱۔ چہرہ ۲۔ سر ۳۔ بازو ۴۔ ایڑی۔

چار کا لمبا ہونا زینت ہے:

۱۔ قد ۲۔ انگلیاں ۳۔ گردن ۴۔ بال۔

---

[1] عجائب المخلوقات: ص ۵٦، ومجموعہ فتویٰ: ۱/ ٦۵۔

Marfat.com

چار کا کشادہ ہونا زینت ہے:

ا۔ پیشانی ۲۔ سینہ ۳۔ دونوں آنکھیں ۴۔ دونوں رانیں۔

چار کا چھوٹا ہونا زینت ہے:

ا۔ ثدیین ۲۔ قدم ۳۔ منہ ۴۔ ہتھیلیاں۔

چار کا باریک ہونا زینت ہے:

ا۔ آنکھوں کے ابرو ۲۔ ناک ۳۔ ہونٹ ۴۔ ہاتھ کی انگلیاں۔

چار کا پاک دامن ہونا زینت ہے:

ا۔ آنکھوں کی نظر ۲۔ پیٹ ۳۔ زبان ۴۔ ہاتھ۔

چار کا موٹا ہونا زینت ہے:

ا۔ سرین ۲۔ ران ۳۔ پاؤں پر گوشت ۴۔ دونوں گھٹنے۔

انسان

انسان بمعنی آدمی۔ یہ لفظ واحد و جمع، مذکر و مونث سب میں برابر ہے۔
جب کہ انسانۃ بتائے تانیث بمعنی عورت بھی مستعمل ہے۔

لفظ انسان کے معنی:

ا۔ سر انگشت ۲۔ سایہ انسان ۳۔ پہاڑ کی چوٹی ۴۔ بے آباد زمین ۵۔ آنکھ وغیرہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

جمع اُناسِیَ، اُنَیْسِیَانٌ مُصَغَّر ہے انسان کی، سین کے بعد یاء خلاف قیاس ہے۔ بعض نے کہا ہے: انسان کی اصل اِنْسِیَان ہے، یاء کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا، اس لئے تصغیر میں وہ یا لوٹ آتی ہے، جیسا کہ اُنَیْسِیَانِ۔
اِنْسٌ بِکَسْرِ الهمزه بمعنی آدمی ''اَنَسِیٌّ وَاِنْسِیّ بالکسر وَانَا سِیٌّ بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ انَا سِیَۃٌ

Marfat.com

وَاَنَاسٌ ''اس کی جمع ہے۔

''اُمّ اُناس'' دختر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے، اور دختر قرط یعنی جدہ عبدالمطلب اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی جدہ کا نام ہے، ''اُنَاسٌ'' بالضم بمعنی آدمی، اس میں ہمزہ کو حذف کر کے ''نَاسٌ'' بولتے ہیں، یُونُس واو کے ساتھ اور تثلیث نون، کبھی مہموز بھی ہوتا ہے۔

یُونُس مُؤنِس اُنس دینے والا اور نام پنج شنبہ اور مُؤنِس کمُحَدِّث ایک صحابی کا نام ہے جس کے والد کا نام فضالہ ہے۔[1]

صاحبِ مزیل الاغلاط لفظِ ''یونس'' میں صرف بضمِ نون فرماتے ہیں، یہ غلط ہے۔[2]

رحمت کی ہوائیں

۱۔ نُشِرٰتٌ: ابر کو ابھار کر پراگندہ کرنے والی۔ کَقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا)[3]

۲۔ ذٰرِيٰتٌ: کَقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا)[4]

۳۔ مُبَشِّرٰتٍ: کَقَوْلِهٖ تَعَالٰى (وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ)[5]

یہ تین رحمت کی ہوائیں ہیں۔

عذاب کی چار ہوائیں

۱۔ صَرْصَرٍ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ)[6]

۲۔ اَلْعَقِيْمَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ)[7]

۳۔ اَلْقَاصِفُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ)[8]

۴۔ اَلْعَاصِفُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (وَفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ)[9]

---

[1] بحر الجواہر ص:۳۱۰۔ [2] خیابان شرح گلستان۔ [3] المرسلٰت:۳۔ [4] الذاریات:۱۔ [5] الروم:۴۶۔ [6] الحاقہ:۶۔ [7] الذاریات:۴۱۔ [8] بنی اسرائیل:۶۹۔ [9] الیونس:۲۲۔

Marfat.com

مدنی، مدینی اور مدائنی میں فرق

اَلْمَدَنِیْ: مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب۔

وَالْمَدِیْنِیْ: نسبت ہے مَدِیْنَۃُ الْمَنْصُوْر کی طرف۔

وَالْمَدَائِنِیْ: مدینہ کسریٰ کی طرف منسوب ہے۔

مدینہ ماخوذ ہے تمدن سے بمعنی جمع شدن، مختلف انواع کے صاحب حرفت اور مختلف لوگ شہر میں جمع ہوتے ہیں۔ [1]

شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ

ایمان کے شعبے

اَخِی الْمُسْلِمُ: تَعْرِفُ عَلٰی حَقِیْقَۃِ الْاِیْمَانِ وَ شُعَبِہٖ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ [2] مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِأَفْوَاھِھِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُھُمْ [3]

میرے مسلمان بھائی تو ایمان کی حقیقت اور اُس کے شعبوں کو پہچان، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ہیں مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے۔

اَلْحَقُّ اَنْ تَقُوْلَ بِلِسَانِكَ وَتَعْتَقِدَ بِقَلْبِكَ وَتُطَبِّقَ بِجَوَارِحِكَ، حَقِیْقَۃٌ قَوْلِیَّۃٌ، وَحَقِیْقَۃٌ قَلْبِیَّۃٌ، وَحَقِیْقَۃٌ عَمَلِیَّۃٌ، وَلَا یَصْلُحُ الْاِیْمَانُ اِلَّا بِالثَّلَاثِ، اِذَا نَقَصَتْ وَاحِدَۃٌ بَطَلَ الْاِیْمَانُ وَاَصْبَحَ الْاِنْسَانُ دَعِیَ کَاذِبٌ. قَالَ تَعَالٰی: وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنَافِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا [4]

حق یہ ہے کہ تو اپنی زبان کے ساتھ کہہ اور اپنے دل میں اعتقاد رکھ اور اپنے اعضاء پر منطبق کر، ایک قولی حقیقت ہے اور ایک قلبی حقیقت ہے اور ایک عملی حقیقت ہے، اور ایمان درست نہیں

---

[1] غیاث اللغات، ص:٤٦١۔ [2] البقرۃ:٨۔ [3] المائدۃ:٤١۔ [4] النساء:٦١۔

Marfat.com

ہوتا مگر انہی تینوں چیزوں کے ساتھ، جب ان میں سے کوئی ایک کم ہو جائے تو ایمان باطل ہو جاتا ہے اور انسان کو جھوٹا کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تم اس چیز کی طرف جسے اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول ﷺ کی طرف، تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ تم سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

ذُكِرَ فِي الْبُخَارِيِّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً. اَعْلَاهَا شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ۔ وَفِيْ مُسْلِمٍ: بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ایمان کے ۶۰ سے زائد شعبے ہیں جن میں سے اعلیٰ درجہ اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ان کا ادنیٰ درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ ایمان کے ۷۰ شعبے ہیں۔

وَاسْتَخْرَجُوا الْعُلَمَاءُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ كَمَا اسْتَخْرَجُوا الْغَوَّاصِيْنَ اللُّؤْلُؤَ مِنْ اَلْقَاعِ الْبِحَارِ۔ اَللِّسَانُ تُعَبِّرُ وَالْقَلْبُ يَعْتَقِدُ، وَتَأْتِي الْحَقِيْقَةُ الثَّالِثَةُ فِي الْجَوَارِحِ. اَلْإِيْمَانُ لَهٗ صُوْرَةٌ وَلَهٗ حَقِيْقَةٌ. اَلصُّوْرَةُ تُعَبِّرُ عَنِ الْحَقِيْقَةِ وَلٰكِنْ مَا تُغْنِيْ عَنِ الْحَقِيْقَةِ شَيْئًا

علماء نے کتاب اور سنّت سے ان کا استخراج کیا ہے جیسا کہ انہوں نے سمندروں کی تہہ سے غوطہ لگا کر موتی نکالے ہیں۔ زبان تعبیر کرتی ہے اور دل اعتقاد رکھتا ہے اور تیسری حقیقت اعضاء میں ظاہر ہوتی ہے، ایمان کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک اس کی حقیقت ہے، صورت حقیقت کو بیان کرتی ہے لیکن حقیقت سے بے نیاز نہیں کرتی۔

Marfat.com

سَبۡعٌ بِاللِّسَانِ ، وَاَرْبَعَةٌ وَّ عِشْرُوْنَ بِالْقَلْبِ ، وَ ثَمَانِيَةٌ وَّ ثَلَاثُوْنَ بِالْجَوَارِحِ
سات (شعبے) زبان سے متعلق ہیں اور چوبیس دل سے متعلق ہیں اوراڑھتیس اعضاء جوارح سے متعلق ہیں۔

سَبۡعٌ بِاللِّسَانِ (7)

سات (شعبے) جوزبان سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں:

۱- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ۲- قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ ۳- ذِكْرُ اللهِ ۴- وَتَعَلُّمُ الْعِلْمِ وَتَعْلِيْمِه ۵- وَالدُّعَاءُ بِالْيَقِيْنِ الصَّادِقِ ۶- اَلْاِسْتِغْفَارُ ۷- اَلْاِبْتِعَادُ عَنِ اللَّغْوِ
کلمہ طیبہ کی گواہی دینا، قرآن پاک کا پڑھنا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور علم حاصل کرنا اور اس کا سکھانا، سچے یقین کے ساتھ دعا کرنا، استغفار کرنا، فضول باتوں سے دور رہنا۔

مُتَعَلِّقَةٌ بِالْقَلْبِ (۲۴)

چوبیس شعبے جودل سے متعلق ہیں:

۱- اَلْاِيْمَانُ بِاللهِ وَيَشْمَلُ: اَلْاِيْمَانُ بِالْمَلَائِكَةِ، اَلْاِيْمَانُ بِالْكُتُبِ، اَلْاِيْمَانُ بِالرُّسُلِ، اَلْاِيْمَانُ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ ، اَلْاِيْمَانُ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَشْمَلُ: اَلْاِيْمَانُ بِعَذَابِ الْقَبْرِ، اَلْاِيْمَانُ بِالْحِسَابِ، اَلْاِيْمَانُ وَالْمِيْزَانُ، اَلْاِيْمَانُ بِالصِّرَاطِ -

۲- اَلْاِيْمَانُ بِالْجَنَّةِ ۳- اَلْاِيْمَانُ بِالنَّارِ ۴- مَحَبَّةُ اللهِ ۵- اَلْحُبُّ فِي اللهِ ۶- اَلْبُغْضُ فِي اللهِ ۷- مَحَبَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۸- اَلصَّلَاةُ عَلَيْهِ ۹- اَلْاِخْلَاصُ ۱۰- اَلتَّوْبَةُ ۱۱- اَلْخَوْفُ ۱۲- اَلرَّجَاءُ ۱۳- اَلشُّكْرُ وَالصَّبْرُ ۱۴- اَلْوَفَاءُ ۱۵- اَلرِّضَا بِالْقَضَاءِ ۱۶- اَلتَّوَكُّلُ ۱۷- اَلرَّحْمَةُ ۱۸- اَلتَّوَاضُعُ ۱۹- تَوْقِيْرُ الْكَبِيْرِ ۲۰- وَرَحْمَةُ الصَّغِيْرِ ۲۱- تَرْكُ الْكِبْرِ وَالْعُجْبِ ۲۲- تَرْكُ الْحَسَدِ ۲۳- تَرْكُ الْحِقْدِ ۲۴- تَرْكُ الْغَضَبِ-

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کو یہ بھی شامل ہے کہ فرشتوں پر کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان

Marfat.com

لانا، اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا اور آخرت کے دن پر ایمان لانا اور اس کو یہ بھی شامل ہے کہ عذاب قبر پر ایمان لانا، سزا و جزاء پر ایمان لانا، ترازو پر ایمان لانا، پل صراط پر ایمان لانا، (۲) جنّت پر ایمان لانا، (۳) جہنم پر ایمان لانا، (۴) اللہ تعالیٰ کی محبت پر یقین کرنا، (۵) اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا، (۶) اللہ تعالیٰ کے لئے نفرت کرنا، (۷) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنا، (۸) اُن پر درود و سلام بھیجنا، (۹) اخلاص اختیار کرنا، (۱۰) توبہ کرنا، (۱۱) ڈرنا، (۱۲) امید رکھنا، (۱۳) شکر اور صبر کرنا، (۱۴) وعدہ پورا کرنا، (۱۵) تقدیر کے فیصلے پر راضی ہونا، (۱۶) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، (۱۷) رحمت کا یقین کرنا، (۱۸) تواضع اختیار کرنا، (۱۹) بڑے کی عزت کرنا، (۲۰) چھوٹے پر شفقت کرنا، (۲۱) تکبر اور عجب پسندی کو چھوڑنا، (۲۲) حسد کو چھوڑنا، (۲۳) کینہ کو چھوڑ دینا، (۲۴) بغض کو چھوڑنا۔

مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجَوَارِحِ (38)

اڑتیس شعبے جو اعضاء سے متعلق ہیں:

۱-اَلطَّهَارَةُ ۲-سَتْرُ الْعَوْرَةِ ۳-اَلصَّلَاةُ ۴- اَلزَّكَاةُ ۵-فَكُّ الرِّقَابِ ۶- اَلْكَرَمُ ۷- اَلصِّيَامُ ۸-اَلْحَجُّ ۹-اَلْعُمْرَةُ ۱۰-اَلْاِعْتِكَافُ ۱۱-اِلْتِمَاسُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۱۲-اَلْفِرَارُ بِالدِّيْنِ ۱۳-اَلْوَفَاءُ بِالنَّذْرِ ۱۴-اَلتَّحَرِّيْ فِي الْإِيْمَانِ ۱۵-أَدَاءُ الْكَفَّارَاتِ ۱۶-اَلتَّعَفُّفُ بِالنِّكَاحِ ۱۷-اَلْقِيَامُ بِحُقُوْقِ الْعِيَالِ ۱۸-تَرْبِيَةُ الْأَوْلَادِ ۱۹-رَدُّ السَّلَامِ ۲۰-بِرُّ الْوَالِدَيْنِ ۲۱-صِلَةُ الرَّحِمِ ۲۲- اَلْعَدْلُ ۲۳-طَاعَةُ أُولِي الْأَمْرِ ۲۴- اَلْإِصْلَاحُ بَيْنَ النَّاسِ ۲۵-اَلْمُعَاوَنَةُ عَلَى الْبِرِّ ۲۶-اَلْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ ۲۷-اَلنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ ۲۸-إِقَامَةُ الْحُدُوْدِ ۲۹-اَلْجِهَادُ بِالْمَالِ وَالنَّفْسِ ۳۰-أَدَاءُ الْأَمَانَةِ ۳۱-اَلْقَرْضُ مَعَ وَفَائِهٖ ۳۲-إِكْرَامُ الْجَارِ ۳۳- حُسْنُ الْمُعَامَلَةِ ۳۴- تَرْكُ التَّبْذِيْرِ ۳۵-تَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ ۳۶-كَفُّ الْأَذٰى عَنِ النَّاسِ ۳۷-اِجْتِنَابُ اللَّهْوِ ۳۸-إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ -

Marfat.com

(۱) صفائی ، (۲) ستر کا چھپانا، (۳) نماز کا اہتمام کرنا، (۴) زکوٰۃ ادا کرنا، (۵) قیدیوں کو چھوڑانا، (۶) سخاوت کرنا، (۷) روزہ رکھنا، (۸) حج کرنا، (۹) عمرہ کرنا، (۱۰) اعتکاف کرنا، (۱۱) لیلۃ القدر کا تلاش کرنا، (۱۲) اپنے دین کو بچانا (۱۳) نذر کو پورا کرنا، (۱۴) ایمان کے بارے میں کوشش کرنا، (۱۵) کفارات کا ادا کرنا، (۱۶) نکاح کے ذریعے پاکدامنی اختیار کرنا، (۱۷) اہل وعیال کے حقوق ادا کرنا، (۱۸) اولاد کی تربیت کرنا، (۱۹) سلام کا جواب دینا، (۲۰) والدین سے حسن سلوک کرنا، (۲۱) صلہ رحمی کرنا، (۲۲) انصاف کرنا، (۲۳) امیر اور علماء کی اطاعت کرنا، (۲۴) لوگوں کے درمیان صلح کرانا، (۲۵) نیکی پر مدد کرنا، (۲۶) نیکی کا حکم کرنا، (۲۷) برائی سے روکنا، (۲۸) حدود کا قائم کرنا، (۲۹) جان ومال سے جہاد کرنا، (۳۰) امانت ادا کرنا، (۳۱) قرض ادا کرنا، (۳۲) پڑوسی کا اکرام کرنا، (۳۳) اچھا معاملہ کرنا، (۳۴) فضول خرچی کو چھوڑنا، (۳۵) چھینکنے والے کا جواب دینا۔ (۳۶) لوگوں سے تکلیف کو دور کرنا، (۳۷) فضول باتوں سے اجتناب کرنا، (۳۸) راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا۔

هٰذِهٖ حَقِيقَةُ الْاِيْمَانِ وَشُعَبُهُ التِّسْعَةُ وَسِتِّيْنَ شُعْبَةً. لَا بُدَّ مِنَ الرَّحِيْلِ اِلٰى دَارِ الْقُبُوْرِ مَا يَنْفَعُكَ فِي السَّاعَاتِ الْحَرِجَةِ لَا مَالٌ وَلَا جَاهٌ وَلَا مَنْصَبٌ اِلَّا الْاِيْمَانُ فِيْ بَيْتِ الظُّلْمَةِ فِيْ بَيْتِ الْوَحْشَةِ فِيْ بَيْتِ الدُّوْدِ اِلَّا الْاِيْمَانُ (اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ. اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا)۔[1]

یہ ایمان کی حقیقت اور اس کے ۶۹ شعبے ہیں، یقیناً قبر میں جانا ہے، مشکل حالات میں سوائے ایمان کے آپ کو کوئی چیز نفع نہیں دے گی۔ نہ مال، نہ عہدہ اور نہ ہی کوئی مقام ومرتبہ، تاریکی کے گھر میں، تنہائی کے گھر میں، کیڑوں کے گھر میں سوائے ایمان کے کوئی چیز نفع نہیں دے گی، جیسا کہ ان دو آیات سے معلوم ہوتا ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، مگر وہ جو ایمان لایا اور نیک عمل کئے۔

[1] للحافظ ابن حجر عن ابن حبان فتح الباری شرح البخاری۔

Marfat.com

فوائدِ متفرقہ

قرآن کریم کی طاقت

ابن بطوطہ مراکش سے نکلے، تمام اسلامی حکومتوں میں چکر لگایا، عرب سے عجم آئے، بخارا سے ہندوستان اور یہاں سے چین اور مختلف جزیروں میں چکر لگاتے ہوئے واپس اندلس کے راستے سے اپنے وطن گئے، تیس سال کے بعد اپنے وطن پہنچے، جزیرہ مالدیپ میں ان کی زبانی ایک ایمان افروز واقعہ سنیں:

فرمایا میں جب جزیرہ مالدیپ پہنچا، وہاں ایک خوبصورت مسجد کھڑی تھی، اور اس پر مراکش کے ایک حافظ کا نام درج تھا، لوگوں نے اس کا پس منظر کچھ یوں بتلایا کہ ایک حافظ یہاں مزدوری کے لئے مراکش سے آئے تھے، ایک بوڑھی عورت کے گھر میں اس کا قیام تھا، اس بوڑھی عورت کی ایک نوجوان بچی بھی تھی، ایک دفعہ وہ بوڑھی عورت رو رہی تھی، حافظ نے کہا اے بوڑھی اماں! کیوں روتی ہو؟ مجھے بتلاؤ شاید میں تمہاری مدد کرسکوں، بوڑھی نے کہا بیٹے تم یہ خدمت نہیں کرسکتے، بات یہ ہے کہ ہمارے شہر میں بڑا بت خانہ ہے، اس میں ہر مہینے کی یکم تاریخ کو کوئی بڑا جن آتا ہے، تو بادشاہِ وقت کی طرف سے یہ حکم ہے کہ نمبر کے ساتھ ہر یکم کو دلہن بنا کر اس بت خانے میں ایک لڑکی کو چھوڑنا ہے، وہ جن اس بچی پر تشدد کر کے اس کو ہلاک کر دیتا ہے، کوئی دلہن وہاں سے زندہ واپس نہیں آئی ہے، اگر ہم لڑکی کو نہ چھوڑیں تو وہ آبادی کو نقصان پہنچاتا ہے، تو آج رات کو میری بچی کا نمبر ہے، میری تو یہی ایک ہی بچی ہے، میں تو برباد ہو جاؤں گی۔

حافظ صاحب نے کہا کہ بوڑھی اماں! تم نے میری بڑی خدمت کی ہے، تمہاری بچی کی جگہ آج

Marfat.com

میں قربانی دیتا ہوں، مجھے دلہن والا لباس پہنا دیں، داڑھی مونچھ ویسے بھی میری قدرت کی طرف سے نہیں ہے، بوڑھی اماں نے کہا کہ یہ خدمت آپ سے لینا سراسر زیادتی ہے، اس لئے کہ یہ موت کا سودا ہے، فرمایا: بوڑھی اماں! میرے پاس الحمدللہ قرآن کی نعمت ہے، ان شاء اللہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوگا۔

حافظ کو شام کے وقت بت خانے میں چھوڑا گیا، حافظ کا بیان سنیں، فرمایا میں نے بت خانے میں مغرب، عشاء پڑھی، اور مسلسل قرآن کی تلاوت کرتا رہا، آدھی رات کو محسوس ہوا کہ وہ جن میرے پیچھے آیا کھڑا ہے، مگر کوئی نقصان نہیں دیا، اور نہ آبادی کو نقصان دیا اور چلا گیا، صبح بادشاہِ وقت تک رپورٹ پہنچ گئی، وہ بھاگتا ہوا آیا اور کہا کہ آپ کے پاس کون سا جادو ہے؟ میں نے کہا کہ میرے پاس قرآن مجید کی طاقت ہے اور اس پر پورا ملک بادشاہ سمیت مسلمان ہوگیا، بت خانے کو ختم کردیا اور وہاں جامع مسجد بنائی، اور اس مسجد کی پیشانی پر حافظ کا نام مبارک لکھوا دیا گیا۔ دیکھیں قرآن مجید کی برکت سے پورا ملک مسلمان ہوا، آج وہاں سو فیصد مسلمان ہیں۔ [۱]

قرآن کریم نے مالِ حلال کو فضل، خیر، حسنہ اور رحمت کہا ہے

شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ۲۵ مرتبہ مال کو اللہ جل جلالہ کا فضل کہا گیا ہے، ۲۱ جگہ اس کو خیر کہا گیا ہے، ۱۲ جگہ حسنہ اور ۱۲ جگہ رحمت کہا گیا ہے۔ مال مسلمان کے لئے ہتھیار ہے بشرطیکہ حلال اور طیب ہو، خصوصاً اس دور میں عزت کا معیار مال ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ [۲]

دوزخ میں سب سے پہلے کون داخل ہوگا؟

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو جس خاتون نے قتل کیا تھا اس کا نام تھاربۃ، اور بعض نے لکھا ہے کہ اس کا نام

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ۔ [۲] مقالات شبلی۔

Marfat.com

از میل تھا، اور اس بد بخت عورت نے ان کے قتل سے قبل بھی ۷۰ انبیاء کو قتل کیا تھا، اور دوزخ میں آگ کے منبر پر اس کو رکھا جائیگا، جس کی چیخیں جہنم کے نیچے والے طبقے بھی سنیں گے۔ [1]

حجر اسود کا کرشمہ اور محدث عبداللہ کی عالمانہ بصیرت

سات ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو بحرین کے حاکم ابوطاہر سلیمان قرامطی نے مکہ معظمہ پر قبضہ کرلیا، خوف وہراس کا یہ عالم تھا کہ اس سال ۳۱۷ھ کو حج بیت اللہ شریف نہ ہوسکا، کوئی بھی شخص عرفات نہ جاسکا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ، یہ اسلام میں پہلا موقع تھا کہ حج بیت اللہ موقوف ہوگیا۔

اسی ابوطاہر قرامطی نے حجر اسود کو خانہ کعبہ سے نکالا اور اپنے ساتھ بحرین لے گیا، پھر بنو عباس کے خلیفہ مقتدر باللہ نے ابوطاہر قرامطی کے ساتھ فیصلہ کیا اور تیس ہزار دینار دیدئے، تب حجر اسود خانہ کعبہ کو واپس کیا گیا، یہ واپسی ۳۳۹ھ کو ہوئی، گویا کہ ۲۲ سال تک خانہ کعبہ حجر اسود سے خالی رہا، جب فیصلہ ہوا کہ حجر اسود کو واپس کیا جائے گا تو اس سلسلے میں خلیفہ وقت نے ایک بڑے عالم محدث شیخ عبداللہ کو حجر اسود کی وصولی کے لئے ایک وفد کے ساتھ بحرین بھجوایا، یہ واقعہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ جب شیخ عبداللہ بحرین پہنچ گئے تو بحرین کے حاکم نے ایک تقریب کا اہتمام کیا، جس میں حجر اسود کو ان کے حوالہ کیا جائے گا، تو ان کے لئے ایک پتھر خوشبودار، خوبصورت غلاف میں سے نکالا گیا کہ یہ حجر اسود ہے، اسے لے جائیں، محدث عبداللہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ حجر اسود میں دو نشانیاں ہیں، اگر یہ پتھر اس معیار پر پورا اُترا تو یہ حجر اسود ہوگا اور ہم لے جائیں گے، پہلا یہ کہ پانی میں ڈوبتا نہیں ہے، دوسرا یہ کہ آگ سے گرم بھی نہیں ہوتا ہے، اب اس پتھر کو جب پانی میں ڈالا گیا تو وہ ڈوب گیا، پھر آگ میں اسے ڈالا تو سخت گرم ہوگیا، یہاں تک کہ پھٹ گیا، فرمایا یہ ہمارا حجر اسود نہیں، پھر دوسرا نکالا گیا، اس کے ساتھ بھی یہی عمل ہوا اور پانی میں ڈوب گیا اور آگ پر گرم ہوگیا، فرمایا ہم اصل حجر اسود لیں گے، پھر اصل حجر اسود جب لایا گیا اور آگ میں ڈالا گیا تو ٹھنڈا نکلا، پھر پانی میں ڈالا گیا تو وہ پھول کی طرح پانی کے اوپر تیرنے لگا تو محدث عبداللہ نے فرمایا یہی ہمارا حجر اسود ہے اور یہی

---

[1] کنز المدفون، ص: ۲۵۴۔

Marfat.com

خانہ کعبہ کی زینت ہے، اور یہی جنت والا پتھر ہے۔

اس وقت ابو طاہر قرامطی نے تعجب کیا اور کہا مِنْ اَیْنَ لَکُمْ ھٰذَا یہ باتیں آپ کو کہاں سے ملی ہیں؟ تو محدث عبداللہ نے فرمایا ھٰکَذَا وَرَدَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُغْرَقُ بِالْمَاءِ وَلَا یُحْمٰی بِالنَّارِ یہ باتیں ہمیں جناب رسول اللہ ﷺ سے ملی ہیں کہ حجر اسود پانی میں ڈوبے گا نہیں اور آگ سے گرم نہیں ہوگا،

فَقَالَ اَبُوْ طَاھِرٍ ھٰذَا دِیْنٌ مَضْبُوْطٌ بِالنَّقْلِ کہ یہ دین روایات سے بڑا مضبوط ہے۔

جب حجر اسود مسلمانوں کو مل گیا تو اسے ایک کمزور اونٹنی کے اوپر لادا گیا اور تیز رفتاری کے ساتھ اسے خانہ کعبہ پہنچایا گیا، اس اونٹنی میں قوت آ گئی، اس لئے کہ مرکز کی طرف جا رہا تھا، لیکن جب اسے خانہ کعبہ سے نکالا گیا تھا اور بحرین لے جا رہے تھے تو جس اونٹ پر لادا جاتا وہ مر جاتا حتیٰ کہ چالیس اونٹ اس کے نیچے مر گئے۔ وَذَالِكَ لَمَّا ذُهِبَ بِهٖ هَلَكَ تَحْتَهٗ اَرْبَعُوْنَ جَمَلًا۔ [1]

سومنات کا بُت

یہ بت مہادیو کے نفس کی شکل میں بنایا گیا تھا، دو گز زمین میں اور تین گز اوپر نصب تھا، اوپر ایک بڑی زنجیر لٹکی ہوئی تھی، اس بت کے اوپر تیرہ منزل اونچا مندر بنا ہوا تھا، بت سمیت اس مندر میں دو سو من سونا اور ایک ہزار من چاندی لگی ہوئی تھی، دو کروڑ دینار اندر پڑا ہوا تھا سونے چاندی کے برتن بھی اندر پڑے ہوئے تھے، ایک ہزار پنڈت وہاں اندر رہتے تھے، پانچ سو لڑکیاں خدمت کیلئے وقف تھیں، تین سو نوکر الگ خدمت کیلئے موجود تھے، دس ہزار گاؤں اس کیلئے وقف تھے، یہ مندر تین ہزار سال پرانا تھا، اور ۵۶ ستونوں پر مشتمل تھا۔

ریاست گجرات میں ساحل سمندر پر واقع تھا، سمندر میں مدوجزر کی بنا پر ہندو کہتے کہ سمندر اس کی عبادت کے لئے آتا ہے، ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق یہ مندر روحوں کا مرکز تھا۔ اب اس کا نام جونا گڑھ ہے، سومنات کو تباہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ہندو کہتے تھے کہ سومنات آس پاس کے بتوں سے ناراض تھا، اس لئے سلطان محمود غزنوی نے ان کو توڑا، اگر سومنات چاہے تو محمود کو بمع لشکر کے ایک لحظہ میں تباہ کر سکتا ہے،

[1] از کتاب تاریخ مکۃ محمد بن علی بن فضل الطبری المکی۔

Marfat.com

محمود غزنوی نے اس باطل کو غلط دکھانے کے لئے سومنات پر چڑھائی کی محمود غزنوی نے اس کو توڑا اور فتح کر دیا، محمود غزنوی غزنی سے براستہ میرانشاہ، بنوں، لکی مروت، ملتان اور پھر وہاں سے سندھ اور پھر آگے سومنات تک پہنچ گئے، اب سومنات کو جونا گڑھ کہا جاتا ہے ۴۱۶ ہجری میں اس کو فتح کر دیا اور ۴۲۱ ہجری میں محمود غزنوی کا انتقال ہوا۔

فوائدِ مہمہ

۱۔ ایک اعلیٰ قسم کا یاقوت محمود غزنوی کو سومنات کے مندر سے ملا تھا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا وزن ۱۱۴۵ کیرٹ تھا اور محمود غزنوی نے اس کو تاحیات اپنے پاس رکھا، مگر بعد میں اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

۲۔ روس کے عجائب گھر میں زار روس کے تاج کا ایک نگینہ موجود ہے جو اس نے ۱۷۸۱ھ میں حاصل کیا تھا، اس کا حجم چھوٹے انڈے کے برابر ہے اور وزن ۱۱۰ کیرٹ ہے، یہ بھی مشہور عالم یاقوت ہے۔

۳۔ ملکہ وکٹوریہ کے تاج میں ایک یاقوت جڑا ہوا ہے جو خوبصورتی کے لحاظ سے یکتا ہے۔

۴۔ شہنشاہ ایران کے پاس بھی ایک قیمتی یاقوت تھا جو آج کل ایران کے عجائب گھر میں ہے۔

۵۔ کوہ نور ہیرا آج سے تقریباً ۵۰۰۰ سال پہلے گوداوری کے دریا کے دہانے سے ملا تھا، یہ ہیرا ہندوستان کے اکثر شاہان اور شہزادگان کی ملکیت میں رہا اور روایت ہے کہ قیمتی لاثانی ہونے کی وجہ سے سب کی نظریں اس پر لگی ہوتی تھیں، یہ سازشوں کا باعث بنا، مالوہ کے راجہ اس کو اپنی پگڑی میں لگایا کرتے تھے۔

شہنشاہ ہمایوں نے یہ ہیرا، اپنے والد بابر کی خدمت میں پیش کیا، بابر نے یہ ہیرا پھر اپنے چہیتے بیٹے ہمایوں کو واپس کر دیا۔ ۱۷۳۸ ہجری میں نادر شاہ نے ہندوستان پر چڑھائی کر کے فتوحات حاصل کیں، بعد میں ایک دوستی کا معاہدہ مغلوں اور نادر شاہ میں ہوا، معاہدہ کی رسم دستخط کے وقت مغل شہزادہ اس ہیرے کو اپنی پگڑی میں لگا کر نادر شاہ

Marfat.com

کے سامنے آیا تو نادر شاہ نے اس ہیرے کو دیکھتے ہی اپنی پگڑی شہزادہ کے سر پر اور شہزادے کی پگڑی اپنے سر پر رکھ لی "جسے پگڑی بدلنا کہتے ہیں"، اس طرح یہ ہیرا نادر شاہ کے ہاتھ لگا، نادر شاہ کے بعد اس کے بیٹے شاہ رخ کو یہ ہیرا ملا اور پھر شاہ رخ سے افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ کو ملا اور پھر احمد شاہ کے جانشینوں سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھ لگا، لیکن ۱۸۴۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے دلیپ سنگھ کو انگریزوں کے ہاتھ شکست ہوگئی اور کوہ نور ہیرا برطانیہ کے قبضہ میں آیا اور ملکہ وکٹوریہ تک پہنچا اور آج تک وہیں شاہی خزانے میں محفوظ ہے۔

جواہرات کے بارے میں معلومات

۱۔ ہیرا شفاف کوئلے سے نکلتا ہے۔

۲۔ انتہائی قیمتی ہوتا ہے۔

۳۔ چمکدار ہوتا ہے۔

۴۔ اس کی صلابت (سختی) منفرد ہوتی ہے۔

۵۔ ہیرا جواہرات کا بادشاہ اور سب سے قیمتی ہوتا ہے، اس وصف میں اس سے صرف نادر قسم کا یاقوت ہی بڑھ سکتا ہے۔

۶۔ اس کی صنعت ۱۴۷۶ء سے شروع ہوئی۔

۷۔ آسٹریلیا میں انتہائی سفید ہیرے کے ایک پتھر کا علم ہوا، جس کو کاٹنے کے لئے کوئی آلہ کارگر نہ ہوا، لہٰذا اس سے زیورات نہ بنائے جا سکے۔

۸۔ ہیرا دوسرے ہیرے کے بغیر نہ تو کاٹا جا سکتا ہے اور نہ صیقل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے ہموار کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ ہیرا تمام قیمتی پتھروں کو کاٹتا ہے، انہیں ہموار کرنے کے کام بھی آتا ہے، شیشے کو چمکاتا ہے اور اس میں سوراخ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

۱۰۔ ہیرے کے ذریعے چٹانوں میں سوراخ کئے جاتے ہیں، المانیا میں ہیرے کی مدد سے ۶۲۶۵ قدم گہرا سوراخ لیبزج شہر میں کیا گیا تاکہ زمین کے طبقات کو معلوم کیا جا سکے، ماہرین نے فولادی ڈرل

Marfat.com

مشینوں کے آگے آٹھ ہیرے لگائے جن میں سے ہر ایک کا وزن دو قیراط تھا۔

۱۱۔ لوگوں کو فولادی تاریں بنانے کی ضرورت پڑتی ہے، جن کا قطر ایک انچ سے لے کر سولہ میٹر تک ہوتا ہے تو جو عام تاریں ہوتی ہیں وہ لوہے کے سانچوں میں بنائی جاتی ہیں، درمیانی فولاد کے سانچوں میں اور سب سے باریک تاروں کیلئے ہیرے یا یاقوت کے سانچے استعمال کئے جاتے ہیں، جبکہ یاقوت والے سانچے سب سے بہتر شمار ہوتے ہیں۔

۱۲۔ ہیروں کی بڑی بڑی کانیں ہندوستان، برازیل اور جنوبی افریقہ میں ہیں، قدیم زمانے میں ہندوستان کے علاوہ اور مقامات پر لوگ ہیروں کو نہیں جانتے تھے، ۱۷۲۷ء میں برازیل میں کانیں ظاہر ہوئیں اور وہاں کے لوگ ہیروں کو پہچاننے لگے، اسی طرح دیمنتینا میں کافی کانیں نکلیں، پھر غلقندہ مدراس ہندوستان میں، پھر جنوبی افریقہ میں کانیں نکلیں اور منڈیوں میں افریقی ہیرے چھا گئے۔

افریقہ میں ہیروں کا ظہور اس طرح ہوا کہ کسی نے ایک بچے کو ایک کنکر کے ساتھ نہر اورانج کے کنارے کھیلتا دیکھا اور پہچان لیا، اس کنکر کو لے کر جب برطانیہ بھیجا تو پانچ سو پاؤنڈ کا فروخت ہوا۔

۱۸۶۹ء میں اس نہر کے کنارے ایک اور پتھر ملا جو پچیس پاؤنڈ کا فروخت ہوا، ابھی ۱۸۷۰ء کا سال پورا نہیں ہوا تھا کہ نہر اورانج کے کنارے دس ہزار ماہر معدنیات موجود تھے۔

پانچ نادر ہیرے

جبل نور: مشہور ترین ہیروں میں سے ایک ہیرا جبل نور (کوہ نور) ہے، یہ مغل بادشاہوں کے تخت پر رکھی مور کی آنکھ کی زینت تھا، (اس کا کچھ تذکرہ ابھی اوپر گزرا ہے کہ) جب دہلی کا بادشاہ ایرانی بادشاہ نادر سے مغلوب ہو گیا تو یہ تخت دہلی سے ایران منتقل ہوا، نادر شاہ نے وہاں اس ہیرے کو گم پایا تو اسے بتایا گیا کہ دہلی کے بادشاہ نے اپنے عمامے میں چھپایا ہوا ہے، جب نادر شاہ نے دہلی کے بادشاہ کو تخت پر قائم رکھا تو اسے کہا کہ: میرا عمامہ تم لے لو اور اپنا عمامہ مجھے دے دو تا کہ یہ معاہدہ صلح کی علامت ہو تو وہ سخت پریشان ہوا، لیکن اس کے بغیر چارہ نہ تھا، اگرچہ وہ صفقہ مغبون کے ساتھ لوٹا، جب نادر شاہ نے عمامہ کھولا اور اس کی نظر اس ہیرے پر

Marfat.com

پڑی تو اس کی چمک نے اسے حیران کر دیا، تو نادر نے کہا کوہ نور اس سے اس کا یہ نام پڑ گیا، فارس کے بادشاہ مسلسل اس کے وارث رہے یہاں تک یہ ہیرا پھر ہندوستانی بادشاہوں کو لوٹ آیا اور لاہور کے خزانے میں محفوظ ہو گیا، جب انگریزوں کی حکومت پنجاب پر قائم ہوئی تو یہ ہیرا مشرقی جمعیۃ الھند کی تحویل میں چلا گیا، جمعیۃ الھند نے ۱۸۵۰ء میں ملکہ وکٹوریہ کو تحفے میں بھیجا، اس کا وزن 106.5 قیراط ہے۔

ارلف: ان نادر ہیروں میں سے دوسرا ہیرا ''ارلف'' ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہیرا ہندوستان میں واقع براھمہ کے عبادت خانے میں ایک بت کی آنکھ میں لگا ہوا تھا، وہاں سے ایک فرانسیسی سپاہی نے اچک لیا، لیکن اس سے بھی ایک کشتی کے ملاح نے چوری کر لیا، یہ ہیرا ۱۷۷۱ء میں امسٹرڈیم کے بازار میں بیچنے کیلئے لایا گیا، تو پرنس ارلف نے ملکہ کاترینا کیلئے خریدا جو روس کی دوسری ملکہ تھی، اس نے بادشاہ کے حکومتی عصا میں اسے جڑ دیا، کہا جاتا ہے کہ پرنس ارلف نے یہ ہیرا نوے ہزار پاؤنڈ نقد اور تاعمر آٹھ سو پاؤنڈ سالانہ ادا کرنے کے معاہدے پر لیا تھا۔

نجم الجنوب: ان ہیروں میں تیسرا ہیرا ''نجم الجنوب'' کے نام سے مشہور ہے، یہ ہیرا برازیل کی کانوں سے ۱۸۵۳ء میں ملا، یہ ایک حبشیہ کو ایک نہر سے ملا تھا، اس وقت اس کا وزن 254.5 تھا، اس کو کاٹ کر جب صیقل کیا گیا تو اس کا وزن ۱۲۵ قیراط رہ گیا، یہ اسی ہزار پاؤنڈ میں بیچا گیا۔

مغل عظیم: ان میں سے چوتھا ''مغل عظیم'' کہلاتا ہے، یہ بڑا ہیرا ہے جو غلقندہ کی کانوں سے ملا، اس کا وزن ۷۸۷ قیراط تھا، مغل بادشاہ نے یہ بندقیہ کے ایک جوہری کو کاٹنے اور صیقل کرنے کے لئے دیا تو کاٹنے اور صیقل کرنے کے بعد اس کا وزن گر کر ۲۵۰ قیراط رہ گیا۔

پت: مشہور ہیروں میں سے پانچواں ہیرا ''پت'' کے نام سے مشہور ہے، یہ یا تو ھند میں پایا گیا اور یا برینو میں، اس کو مدراس کے حاکم نے ۱۷۰۲ء میں بیس ہزار چار سو پاؤنڈ میں خریدا، کاٹنے اور صیقل کرنے کے بعد حاکم مدراس نے اسے ڈیوک اورلیان پر ایک لاکھ پینتیس ہزار پاؤنڈ میں بیچا، کہا جاتا ہے کہ یہ ہیرا کل جہاں

Marfat.com

کے ہیروں سے خوبصورت ہے، ابتداء میں یہ ۴۱۰ قیراط تھا، کاٹنے اور صیقل کرنے کے بعد یہ ۱۳۷ قیراط رہ گیا۔
یہ ہیرا فرانسیسی تاج سے انقلاب کے دوران چوری ہو گیا، پھر واپس ہوا اور آج تک فرانس میں موجود ہے۔

سب سے بڑا نایاب ہیرا

سب سے بڑا نایاب ہیرا، ۱۹۰۵ میں جنوبی افریقہ کی کان سے نکالا گیا، اس کی لمبائی گیارہ سینٹی میٹر چوڑائی ۵ سینٹی میٹر اور وزن ۳۰۳۲ قیراط (۶۷۶ گرام) ہے، یہ مکمل شفاف اور مکمل سفید ہے، اس کو دیکھنے والا اسے صاف ستھری برف کا ٹکڑا خیال کرتا ہے، اسے حاکم ترنسفال نے ۱۹۰۷ء میں خرید کر ادورک سابع کو تحفے میں دیا تھا۔

ہیروں کے کنوئیں

ہیرے آسمان سے بھی برستے ہیں جس طرح زمین سے نکلتے ہیں، روس وغیرہ کے کچھ علاقوں میں ایسے کنویں ملے ہیں جن میں سے چھوٹے چھوٹے پتھر نکلتے ہیں، اس کے خواص اور سارے امتیازات ہیروں جیسے ہیں، اس سے بعض لوگوں نے غلو میں دعویٰ کر دیا کہ جو ہیرا بھی زمین سے ملتا ہے وہ لازماً آسمان سے ہی آتا ہے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہیروں کے تمام کنویں آسمان سے ٹوٹ کر گرنے والے ستاروں کی وجہ سے ہیں۔

لیکن ہیروں کا آسمان سے برسنا دلائل کے ساتھ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا، بلکہ اکثر ہیرے زمین سے ہی نکلتے ہیں کیونکہ زمین سیاروں میں سے ہے، جس مادے سے دوسرے سیارے بنے ہیں اُسی سے زمین بھی بنی ہے تو جس طرح ہیروں کا دوسرے سیاروں میں بننا ممکن ہے اسی طرح خود زمین پر بننا بھی ممکن ہے۔

مصنوعی ہیرے

مصنوعی ہیرے کوئلے سے بنائے جاتے ہیں، شفاف لوہے کا ٹکڑا شکر کے جلانے سے حاصل ہونے والے کوئلے میں رکھا جاتا ہے اور اس پر چار ہزار درجے کی آگ جلائی جاتی ہے، جس سے یہ لوہا پگھلتا ہے، کوئلہ اسے پگھلاتا بھی ہے اور ساتھ ساتھ چوستا بھی ہے، پھر اس کو جلدی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے، لوہا ٹھنڈا ہو کر ایک سے

Marfat.com

دوسرے کے ساتھ شدت سے جڑ جاتا ہے، جس سے وہ ہیرے دار کوئلہ بن جاتا ہے، پھر اس کو سونے میں پگھلایا جاتا ہے تو اس سے حقیقی ہیرے کی طرح دانے نکلتے ہیں۔

لیکن یہ مصنوعی ہیرا ہیرے کی تمام خصوصیات رکھنے کے باوجود اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ زیورات وغیرہ بنانے کے کام نہیں آسکتا، کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہیرا کوئلے سے بنتا ہے اور کوئلہ درخت سے بنتا ہے اور درخت زمین کی ہوا پانی سے ہے۔

پھر یہ ہیرا خراش وغیرہ قبول کرنے کے لحاظ سے معدنیات میں سب سے زیادہ سخت ہے، معدنیات میں سب سے نرم ابرق ہے کہ معدنیات میں سے ہر ایک کو چھید سکتی ہے، لیکن یہ کسی میں خراش تک نہیں لگا سکتا، اس کے بعد چونا ہے کہ چونا ابرق کو چھید سکتا ہے لیکن ابرق چونے میں خراش نہیں لگا سکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خراش اور تاثیر کے اعتبار سے معدنیات کی دس قسمیں ہیں، جن میں سب سے سخت ہیرا ہے، اس سے ہر معدن کو خراشا جا سکتا ہے، کوئی معدن اس کو خراش نہیں سکتی۔

دیوارِ چین

یہ دیوار عجائبات دنیا میں سے ہے، ۳۰ فٹ چوڑی، ۵۰ فٹ اونچی اور ۵۰۰ میل لمبی ہے، لاکھوں مزدوروں نے سالہا سال اس میں کام کیا، کافی تعداد میں لوگ اس میں مر گئے، اور آخر یہ دیوار بن گئی۔ چین کا لفظ چن سے نکلا ہے، چن نامی ایک خاندان تھا، انہوں نے چین کی تمام ریاستوں پر قبضہ کر لیا اور یوں چین پر اس کی حکومت قائم ہوئی، چن خاندان کا پہلا شہنشاہ یہ چاہتا تھا کہ سارے اختیارات مرکزی حکومت کے پاس رہیں، اس لئے اس نے نظام جاگیرداری کو بالکل نیست و نابود کر دیا، اور اس سلسلے میں کافی حد تک ظلم سے کام لیا، چین کی شمالی سرحد پر آئے دن خانہ بدوش قبائل چھاپے مارتے تھے، ان کے حملوں کو روکنے کے لئے دیوارِ چین بنوائی، یہ شہنشاہ بڑا آزمودہ کار اور فوجی کاموں سے واقف تھا، ۲۲۱ ق م (یعنی قبل از مسیح) میں یہ دیوار بنی اور ابھی تک یہ دیوار قائم ہے۔ [1]

---

[1] تہذیب کی کہانی۔

Marfat.com

غیرت ایمانی کا ایمان افروز واقعہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں حضرت عبداللہ بن سبرۃ دمشقی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ دمشق شہر میں ایک مسلمان بچی اکیلی گھر میں رہتی تھی، ایک طرف اس کا پڑوسی حضرت عبداللہ بن سبرۃ دمشقی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف ایک یہودی طبیب کا مکان تھا، وہ طبیب اس مسلمان بچی کو تنگ کرتا تھا اور اس کی عزت کے پیچھے پڑا ہوا تھا، ایک دِن لڑکی نے تنگ آ کر کہا کہ او خبیث! تجھے شرم نہیں آتی، کاش میرا پڑوسی حضرت عبداللہ بن سبرۃ دمشقی رضی اللہ عنہ ہوتے تو تم یہ حرکت نہ کرتے، ادھر وہ صحابی آرمینیا اور آذربائیجان میں جہاد کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے، اللہ پاک جل جلالہ کی شان دیکھیں، اس کو الہام ہوا یا خواب دیکھا کہ میری پڑوسن وہ مسلمان بچی مجھے یاد کر رہی ہے اور اس کی عزت خطرے میں ہے، دمشق سے ہزاروں میل دور تھے، وہاں سے گھوڑے پر بیٹھ گئے، مہینوں کا سفر طے کر دیا، بالآخر ایک رات وہ دمشق پہنچ ہی گئے، اپنے گھر میں نہیں گئے بلکہ سیدھے اس مسلمان بچی کے گھر پر گئے، دروازے پر دستک دی، وہ نکلی، فرمایا کہ بیٹی! مجھے پہچان لیا؟ کہا جی یقیناً پہچان لیا، آپ میرے پڑوسی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی تو ہیں، فرمایا بیٹی! آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا؟ کہا یقیناً یاد کیا تھا کہ یہ میرا پڑوسی یہودی طبیب مجھے تنگ کر رہا ہے، میری عزت کے پیچھے پڑا ہوا ہے، فرمایا: اللہ کی قسم! میں آرمینیا سے صرف آپ کی عزت بچانے کی خاطر آیا ہوں، تم جاؤ، اس طبیب کو اپنے گھر میں بلاؤ۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ لڑکی کے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے، وہ یہودی ناچتا ہوا آ رہا تھا کہ آج تو خود لڑکی بلانے آئی ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کو پکڑ لیا اور قتل کر دیا، اس کی لاش باہر پھینک دی اور گھوڑے کو نکالا، جب گھوڑے پر بیٹھ گئے تو بچی نے پوچھا، حضرت کدھر جا رہے ہیں؟ ساتھ میں آپ کا مکان ہے، رات بچوں کے ہاں گزار لیں، کل پرسوں واپس چلے جایئے گا، فرمایا کہ بیٹی جس مقصد کے لئے آیا تھا، الحمد اللہ وہ مقصد پورا ہو گیا، ابھی میں واپس محاذ پر جا رہا ہوں، ان شاء اللہ بچوں کو ملنے کے لئے پھر کسی وقت آؤں گا، میرے ثواب میں فرق آ جائے گا اور پھر آرمینیا واپس چلے گئے، بچوں تک کو نہیں ملے۔[1]

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ج ۵ از حافظ ابن حجر عسقلانی۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں سے قصیٰ کا تذکرہ خیر

قصیٰ کا ایک عجیب کارنامہ

قصی کا عجیب کارنامہ یہ ہے کہ اس نے حرم کعبہ کے شمال میں دارالندوہ تعمیر کیا۔(اس کا دروازہ مسجد کی طرف تھا) دارالندوہ درحقیقت قریش کی پارلیمنٹ تھی جہاں تمام بڑے بڑے معاملات کے فیصلے ہوتے تھے، قریش پر دارالندوہ کے بڑے احسانات ہیں، کیونکہ یہ ان کی وحدت کا ضامن تھا اور یہیں ان کے الجھے ہوئے مسائل بحسن وخوبی طے ہوتے تھے۔[1]

قصیٰ کی سربراہی اور عظمت

قصی کو سربراہی اور عظمت کے حسب ذیل مظاہر حاصل تھے:

(۱) **دارالندوہ کی صدارت:** جہاں بڑے بڑے معاملات کے متعلق مشورے ہوتے تھے اور جہاں لوگ اپنی لڑکیوں کی شادیاں بھی کرتے تھے۔

(۲) **لواء:** یعنی جنگ کا پرچم قصی ہی کے ہاتھوں باندھا جاتا تھا۔

(۳) **حجابت:** یعنی خانہ کعبہ کی پاسبانی، اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا دروازہ قصی ہی کھولتا تھا اور وہی خانہ کعبہ کی خدمت اور کلید برداری کا کام انجام دیتا تھا۔

(۴) **سقایہ (پانی پلانا):** اس کی صورت یہ تھی کہ کچھ حوض میں حاجیوں کے لئے پانی بھر دیا جاتا تھا اور اس میں کچھ کھجور اور کشمش ڈال کر اسے شیریں بنا دیا جاتا تھا، جب حجاج مکہ آتے تھے تو اسے پیتے تھے۔

(۵) **رفادہ (حاجیوں کی میزبانی):** اس کے معنی یہ ہیں کہ حاجیوں کے لئے بطور ضیافت کھانا تیار کیا جاتا تھا، اس مقصد کے لئے قصی نے قریش پر ایک خاص رقم مقرر کر رکھی تھی، جو موسم حج میں قصی کے پاس جمع کی جاتی تھی، قصی اس رقم سے حاجیوں کے لئے کھانا تیار کراتا تھا، جو لوگ تنگ دست ہوتے یا جن کے پاس توشہ نہ ہوتا وہ

---

[1] ابن ہشام، ج:۱، ص:۱۲۴۔

Marfat.com

یہی کھانا کھاتے تھے۔

یہ سارے مناصب قصی کو حاصل تھے، قصی کا پہلا بیٹا عبدالدار تھا، مگراس کے بجائے دوسرا بیٹا عبدالمناف، قصی کی زندگی ہی میں شرف وسیادت کے مقام پر پہنچ گیا تھا، اس لئے قصی نے عبدالدار سے کہا کہ یہ لوگ اگرچہ شرف وسیادت میں تم پر بازی لے جاچکے ہیں مگر میں تمہیں ان کے ہم پلہ کر کے رہوں گا، چنانچہ قصی نے اپنے سارے مناصب اوراعزازات کی وصیت عبدالدار کے لئے کردی، یعنی دارالندوہ کی صدارت، خانہ کعبہ کی حجابت، لواء، سقایت اور رفادہ سب کچھ عبدالدار کو دے دیا، چونکہ کسی کام میں قصی کی مخالفت نہیں کی جاتی تھی اور نہ اس کی کوئی بات مسترد کی جاتی تھی، بلکہ اس کا ہر اقدام، اس کی زندگی میں بھی اوراس کی موت کے بعد بھی واجب الاتباع دین سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے کسی نزاع کے بغیر اس کی وصیت قائم رکھی۔

لیکن جب عبدمناف کی وفات ہوگئی تو اس کے بیٹوں نے ان مناصب کے سلسلے میں اپنے چچیرے بھائیوں یعنی عبدالدار کی اولاد سے تنافس کیا، اس کے نتیجے میں قریش دوگروہ میں بٹ گئے اور قریب تھا کہ دونوں میں جنگ ہوجاتی مگر پھر انہوں نے صلح کی آواز بلند کی اور ان مناصب کو باہم تقسیم کرلیا، چنانچہ سقایت اور رفادہ کے مناصب بنوعبدمناف کو دیئے گئے، اور دارالندوہ کی سربراہی، لواء اور حجابت بنوعبدالدار کے ہاتھ میں رہی، پھر بنوعبدمناف نے اپنے حاصل شدہ مناصب کے لئے قرعہ ڈالا تو قرعہ ہاشم بن عبدمناف کے نام نکلا، لہٰذا ہاشم ہی نے اپنی زندگی بھر سقایہ ورفادہ کا انتظام کیا، البتہ جب ہاشم کا انتقال ہوگیا تو ان کے بھائی مطلب نے ان کی جانشینی کی، مگر مطلب کے بعد ان کے بھتیجے عبدالمطلب بن ہاشم نے جو رسول اللہ ﷺ کے دادا تھے، یہ منصب سنبھال لیا اور ان کے بعد ان کی اولاد ان کی جانشین ہوئی، یہاں تک کہ جب اسلام کا دور آیا تو حضرت عباس بن عبدالمطلب اس منصب پر فائز تھے۔

Marfat.com

قریش کا پارلیمانی ادارہ

ان کے علاوہ کچھ اور مناصب بھی تھے جنہیں قریش نے باہم تقسیم کر رکھا تھا، ان مناصب اور انتظامات کے ذریعے قریش نے ایک چھوٹی سی حکومت بلکہ حکومت نما انتظامیہ قائم کر رکھی تھی، جس کے سرکاری ادارے اور تشکیلات کچھ اسی ڈھنگ کی تھیں جیسی آج کل پارلیمانی مجلسیں اور ادارے ہوا کرتے ہیں، ان مناصب کا خاکہ حسب ذیل ہے:

(۱) ایسار: یعنی فال گیری اور قسمت دریافت کرنے کے لئے بتوں کے پاس جو تیر رکھے رہتے تھے ان کی تولیت، یہ منصب بنوجمع کو حاصل تھا۔

(۲) مالیات کا نظم: یعنی بتوں کے تقرب کے لئے جو نذرانے اور قربانیاں پیش کی جاتی تھیں ان کا انتظام کرنا، نیز جھگڑے اور مقدمات کا فیصلہ کرنا، یہ کام بنوسہم کو سونپا گیا تھا۔

(۳) شوریٰ: یہ اعزاز بنواسد کو حاصل تھا۔

(۴) اشناق: یعنی دیت اور جرمانوں کا نظم، اس منصب پر بنوتیم فائز تھے۔

(۵) عقاب: یعنی قومی پرچم کی علمبرداری، یہ بنواُمیہ کا کام تھا۔

(۶) قبہ: یعنی فوجی کیمپ کا انتظام اور شہسواروں کی قیادت، یہ بنومخزوم کے حصے میں آیا تھا۔

(۷) سفارت: بنوعدی کا منصب تھا۔[1]

سردارانِ قریش کے مخصوص اور امتیازی حقوق

قریش کے سرداروں کے کچھ مخصوص اور امتیازی حقوق بھی ہوا کرتے تھے، مثلاً:

مِرْباع: مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ۔

صَفِی: وہ مال جسے تقسیم سے پہلے ہی سردار اپنے لئے منتخب کر لے۔

نشیطہ: وہ مال جو اصل قوم تک پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں سردار کے ہاتھ لگ جائے۔

---

[1] تاریخ ارض القرآن، ج۲، ص: ۱۰۴۔

Marfat.com

فضول: وہ مال جو تقسیم کے بعد بچ رہے اور غازیوں کی تعداد پر برابر تقسیم نہ ہو، وہ بھی سردار لے لیتا تھا۔

عرب میں بُت پرستی کا آغاز کب اور کیسے؟

بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن لُحَیّ مُلکِ شام سے ہُبَل نامی بُت لے آیا، اُسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کردیا، اس طرح عرب میں بُت پرستی کا آغاز ہوا۔ ہُبَل کے علاوہ عرب کے قدیم ترین بتوں میں سے مَناۃ ہے، یہ بحرِ احمر کے ساحل پر قُدَید کے قریب مُشَلَّل میں نصب تھا، اس کے بعد طائف میں لات نامی بت وجود میں آیا، پھر وادیٔ نخلہ میں عُزّٰی کی تنصیب عمل میں آئی، یہ تینوں عرب کے سب سے بڑے بُت تھے، اس کے بعد حجاز کے ہر خطے میں شرک کی کثرت اور بتوں کی بھرمار ہوگئی۔

کہا جاتا ہے کہ ایک جن عَمْرو بن لُحَیّ کے تابع تھا، اس نے بتایا کہ قومِ نوح کے بُت یعنی وَدّ، سُوَاع، یَغُوث، یَعُوق اور نَسر، جدہ میں مدفون ہیں، اس اطلاع پر عمرو بن لحی جدہ گیا اور ان بتوں کو کھود نکالا، پھر انہیں تہامہ لایا اور جب حج کا زمانہ آیا تو انہیں مختلف قبائل کے حوالے کیا، یہ قبائل ان بتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں لے گئے اس طرح ہر ہر قبیلے میں، پھر ہر ہر گھر میں ایک ایک بت ہوگیا۔

بتوں سے تقرب کی مختلف تدبیریں

بتوں سے تقرب کے لئے مشرکین مختلف تدبیریں اختیار کرتے تھے، بتوں کے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ مشرکین کھیتی اور چوپائے کے اندر مختلف قسم کی نذریں مانتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوۡا هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ ‌ۖ لَّا يَطۡعَمُهَاۤ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ بِزَعۡمِهِمۡ وَاَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَاَنۡعَامٌ لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ‌ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ [1]

ان مشرکین نے کہا کہ یہ چوپائے اور کھیتیاں ممنوع ہیں، انہیں وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں، ان کے خیال میں، اور یہ وہ چوپائے ہیں جن کی پیٹھ حرام کی گئی ہے (نہ ان پر سواری کی

---

[1] الانعام: ۱۳۸۔

Marfat.com

جا سکتی ہے نہ سامان لادا جا سکتا ہے) اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر یہ لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتے۔

ان ہی جانوروں میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی تھے، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بحیرہ، سائبہ کی بچی کو کہا جاتا ہے۔

سائبہ اور بحیرہ: سائبہ اس اُونٹنی کو کہا جاتا ہے جس سے دس بار پے در پے مادہ بچے پیدا ہوں، درمیان میں کوئی نَر نہ پیدا ہو، ایسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی، اس کے بال نہیں کاٹے جاتے تھے، اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ نہیں پیتا تھا، اس کے بعد یہ اونٹنی جو مادہ بچہ جنتی اس کا کان چیر دیا جاتا، اور اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جاتا، اس پر سواری نہ کی جاتی، اس کا بال نہ کاٹا جاتا اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ نہ پیتا، یہی بحیرہ ہے، اور اس کی ماں سائبہ ہے۔

وصیلہ: اُس بکری کو کہا جاتا تھا جو پانچ دفعہ پے در پے دو دو مادہ بچے جنتی (یعنی پانچ بار میں دس مادہ بچے پیدا ہوتے) درمیان میں کوئی نَر نہ پیدا ہوتا، اس بکری کو اس لئے وصیلہ کہا جاتا تھا کہ وہ سارے مادہ بچوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتی تھی، اس کے بعد اس بکری سے جو بچے پیدا ہوتے انہیں صرف مرد کھا سکتے تھے عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں، البتہ اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہوتا تو اس کو مرد عورت سبھی کھا سکتے تھے۔

حامی: اُس نَر اونٹ کو کہتے تھے جس کی جفتی سے پے در پے دس مادہ بچے پیدا ہوتے، درمیان میں کوئی نَر نہ پیدا ہوتا، ایسے اونٹ کی پیٹھ محفوظ کر دی جاتی تھی، نہ اس پر سواری کی جاتی تھی، نہ اس کا بال کاٹا جاتا تھا، بلکہ اسے اونٹوں کے ریوڑ میں جفتی کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اور اس کے سوا اس سے کوئی دوسرا فائدہ نہ اٹھایا جاتا تھا۔

جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں:

(۱) ایک تو وہی صورت تھی جو آج بھی لوگوں میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی زیر ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیغام دیتا، پھر منظوری کے بعد مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔

Marfat.com

(۲) دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کر اس سے اس کی شرمگاہ حاصل کرو (یعنی زنا کراؤ) اور شوہر خود اس سے الگ تھلگ رہتا اور اس کے قریب نہ جاتا، یہاں تک کہ واضح ہو جاتا کہ جس آدمی سے شرمگاہ حاصل کی تھی (یعنی زناء کرایا تھا) اس سے حمل ٹھہر گیا ہے، جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اگر شوہر چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا۔ ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو، اس نکاح کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا (اور اسی کو ہندوستان میں نیوگ کہتے ہیں)۔

(۳) نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھا ہوتی، سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرتے، جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند رات بعد وہ عورت سب کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا، مجال نہ تھی کہ کوئی نہ آئے، اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا وہ تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں اور اب میرے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں وہ تمہارا بیٹا ہے، وہ عورت ان میں سے جس کا نام چاہتی لے لیتی اور وہ اس کا بچہ مان لیا جاتا۔

(۴) چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھا ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے، وہ اپنے پاس کسی آنے والے سے انکار نہ کرتی، یہ رنڈیاں ہوتی تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں تاکہ یہ نشانی کا کام دے اور جو ان کے پاس جانا چاہے بے دھڑک چلا جائے، جب ایسی عورت حاملہ ہوتی، اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بلاتے، قیافہ شناس اپنی رائے کے مطابق اس لڑکے کو کسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا، پھر یہ اس سے مربوط ہو جاتا اور اسی کا لڑکا کہلاتا، وہ اس سے انکار نہ کر سکتا تھا۔

Marfat.com

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو جاہلیت کے سارے نکاح منہدم کر دیئے، صرف اسلامی نکاح باقی رہا جو آج رائج ہے۔[1]

عرب میں مرد و عورت کے ارتباط کی بعض صورتیں ایسی بھی تھیں جو تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک پر وجود میں آتی تھیں، یعنی قبائلی جنگوں میں غالب آنے والا قبیلہ مغلوب قبیلے کی عورتوں کو قید کر کے اپنے حرم میں داخل کر لیتا تھا، لیکن ایسی عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد زندگی بھر عار محسوس کرتی تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی، لوگ ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہن ہوتی تھیں، باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا، طلاق کا اختیار مرد کو حاصل تھا اور اس کی کوئی حد معین نہ تھی۔

زناکاری تمام طبقات میں عروج پر تھی، کوئی طبقہ یا انسانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنیٰ نہ تھی، البتہ کچھ مرد اور کچھ عورتیں ایسی ضرور تھیں جنہیں اپنی بڑائی کا احساس اس برائی کے کیچڑ میں لت پت ہونے سے باز رکھتا تھا، پھر آزاد عورتوں کا حال لونڈیوں کے مقابل نسبتاً اچھا تھا، اصل مصیبت لونڈیاں ہی تھیں، اور ایسا لگتا ہے کہ اہل جاہلیت کی غالب اکثریت اس برائی کی طرف منسوب ہونے میں کوئی عار بھی محسوس نہیں کرتی تھی، چنانچہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! فلاں شخص میرا بیٹا ہے، میں نے جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام میں ایسے دعوے کی کوئی گنجائش نہیں، جاہلیت کی بات گئی، اب تو لڑکا اسی کا ہوگا جس کی بیوی یا لونڈی ہو اور زناکار کے لئے پتھر ہے، اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ کے درمیان زمعہ کی لونڈی کے بیٹے عبدالرحمن بن زمعہ کے بارے میں جو جھگڑا پیش آیا تھا وہ بھی معلوم و معروف ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لانکاح الا بولی، ابوداؤد، باب وجوہ النکاح۔ [2] صحیح بخاری: ۱۰۲۵، ابوداؤد، الولد للفراش۔

Marfat.com

نبیِ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محبوبیت اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ جس گھر میں محمد نام والا ہوتا ہے وہ گھرانا پھلتا پھولتا ہے، اور اس گھرانے میں برکت ہوتی ہے اور سکون ہوتا ہے۔ [۱]

تیونس کے ایک عالم باعمل گزرے ہیں، ان کا نام ابوالبرکات محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد تھا، چودہ پشت تک نام محمد تھے، مدینہ منورہ میں کافی وقت گزارا، جب کسی مجبوری سے وہاں سے جانے کا ارادہ کیا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں آگئے کہ تم نے کس طرح ہماری جدائی گوارا کی، چنانچہ واپس آگئے اور وہیں ۷۲۴ ہجری میں انتقال فرماگئے۔

حضرت قطب الاقطاب مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کا نام محمد محمود احمد تھا، آپ کی حیات میں وفات پاگئے۔ [۲]

سمرقند میں ایک شہر ہے، جس کا نام ماکردین ہے، وہاں ایک قبرستان کا نام رکھا ہے، تربتہ المحمدین (محمدیوں کا قبرستان) یعنی اس قبرستان میں صرف وہی شخص دفن ہوگا، جس کا نام محمد ہوگا، چنانچہ چھٹی صدی ہجری تک اس قبرستان میں چار سو سے زیادہ وہ صاحبان تصنیف وتالیف واہل علم مدفون ہوئے تھے کہ جن کا نام محمد تھا، جب صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا، تو اس کو وہاں دفنانے نہ دیا کہ ان کے نام میں محمد کا لفظ نہیں تھا، تو قبرستان سے ذرا باہر انہیں دفنایا گیا۔ [۳]

قبر میں مسلمان سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھا جائے گا تو وہ تین بار کہے گا محمد محمد محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، حالانکہ ایک بار بھی کافی تھا، اس کے بارے میں علامہ نور الحق بن شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

---

[۱] الشفاء، ج:۱، ص:۱۰۵۔ [۲] رحمت کامل، ص:۲۵۶۔ [۳] الجواہر، ج:۱، ص:۴۔

Marfat.com

سہ بار نام شریف مے برد بہ جہت تاکید یا برائے التذاذ بنام محبوب خود یعنی تین مرتبہ محمد ﷺ کا نام مبارک قبر میں لے گا تاکید کیلئے یا لذت کے حصول کیلئے۔[1]

یہ نورانی چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا

ایک قافلہ جا رہا تھا اس میں ایک شخص طارق نامی تھا، رحمت عالم ﷺ نے اس سے اونٹ خریدا اور فرمایا کہ ابھی قیمت ادا کرتا ہوں، رحمت عالم ﷺ اونٹ گھر لے گئے، طارق پریشان ہو گیا کہ نامعلوم قیمت دیں گے یا کہ نہیں، میں نے تو نام بھی نہیں پوچھا، قافلے کی امیر ایک خاتون تھی، اس نے کہا کہ کتنے نورانی چہرے والا تھا، قیمت ضرور واپس کرے گا، یہ نورانی چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں، ورنہ میں اپنی طرف سے قیمت ادا کروں گی، قیمت میرے ذمے ہے، اَنَا ضَامِنَتُهٗ لِثَمَنِ الْبَعِيْرِ رَأَيْتُ وَجْهَهٗ مِثْلَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا يَخِيْسُ بِكُمْ (تمہیں دھوکہ نہیں دے گا)۔[2]

یہ تھی محبت

جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو ایک خاتون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئی کہ میں نے سرور عالم ﷺ کی قبر کی زیارت کرنی ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس کیلئے دروازہ کھولا، وہ اندر گئی اور ایک چیخ اس کی نکل گئی، میں جب اندر گئی تو اس خاتون کا انتقال ہو چکا تھا، یہ تھی محبت۔[3]

رسولِ رحمت ﷺ

ویسے تو آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں، مگر آپ ﷺ نے جتنی بھی جنگیں لڑی ہیں، ان میں بھی رحمت کا پہلو اجاگر ہوتا، کہ کم سے کم نقصان ہو، اس سلسلے میں ایک مختصر نقشہ حاضر خدمت ہے:

کل غزوات کی تعداد	=	27
کل سرایا کی تعداد	=	56

---

[1] تیسیر القاری، ج:۱ص:۵۲۔ [2] الشفاء، ج:۱ص:۱۵۹۔ [3] جمع الوسائل۔

Marfat.com

مجموعہ	=	83 جنگیں
کتنے غزوات میں جنگ کی نوبت آئی	=	8 غزوات میں اور 19 میں بغیر جنگ کے فتح ہوئی تھی۔
کل مسلمان شہدا کی تعداد	=	259
کل کفار مقتولین کی تعداد	=	759
مجموعہ	=	1018 [1]

حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ

حضور ﷺ نے منافق عبداللہ بن ابی ابن سلول کے کفن کیلئے کرتا عطا فرمایا تھا، اس عمل سے ایک ہزار آدمی ایمان لائے تھے، شرّاح نے لکھا ہے کہ جو منافق تھے، وہ خالص مؤمن ہوئے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ غزوہ بدر میں جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ گرفتار کر کے لائے گئے تھے، ان کے پاس کرتا نہیں تھا، تو عبداللہ بن ابی ابن سلول نے حضور ﷺ کے چچا کو اپنا کرتا دیا تھا، چونکہ اس شخص نے کرتا دیا تھا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا احسان میرے چچا پر رہے، اس کے بدلہ میں حضور ﷺ نے اپنا پیراہن عطا فرمایا کفن کیلئے، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا دامن پکڑ کر کھڑے ہو گئے تھے کہ حضور ﷺ اس کی جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں؟ اس نے ایسا کیا ایسا کیا، حضور ﷺ مسکرا رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً" [2] کہ ستر مرتبہ بھی استغفار کرو تو ان کی مغفرت نہیں ہوگی، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں زیادہ استغفار کرتا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ میرے کرتے سے کیا ہوا؟ کوئی نجات تھوڑی ہو جائے گی، اللہ نے اس کی بدولت اتنے آدمیوں کو مسلمان بنا دیا، جو اس معاملہ کو دیکھ کر ایمان لائے، آپ کے اس عمل سے ایک ہزار منافق ایمان میں داخل ہوئے۔

---

[1] بحوالہ رحمۃ للعالمین از قاضی سلیمان منصور پوری۔ [2] التوبۃ: ۸۰۔

Marfat.com

سید الکونین علیہ السلام سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کمالِ مشابہت وموافقت

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے درمیان کل دوسو وجوہِ مشابہت ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے صرف ۲۳ وجہ مشابہت یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

ا۔کریمانہ اخلاق: میں مشابہت تھی، دونوں کے لئے اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ [1] آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کس کیلئے تکلیف اُٹھاتے ہیں، غریب کے لئے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبتوں میں لوگوں کے ساتھ مدد کرتے ہیں''۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ فرمائے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے بارہ سال بعد ابن دغنہ نے یہ الفاظ کہے تھے، جب سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا۔ قَالَ ابْنُ الدَّغِنَةِ: إِنَّ مِثْلَكَ لَا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ، فَإِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، وَأَنَا لَكَ جَارٌ [2]

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سیدہ اُم المومنین کے الفاظ تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے رئیس مکہ کے تاثرات تھے۔

۲۔رافت ورحمت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قرآن مجید میں ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ [3]

اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْ بَكْرٍ [4]

۳۔غیرت مجسم: كَانَ اَغْيَرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْ بَكْرٍ [5] کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس اُمت کے سب سے بڑے غیرت مند انسان سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

۴۔جسد عنبرین: رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو کا گلی سے بھی پتہ چلتا تھا، یعنی جہاں سے بھی گزر جاتے۔

---

[1] صحیح البخاری، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رقم الحدیث: ۳۔ [2] صحیح البخاری، بَابُ جِوَارِ أَبِي بَكْرٍ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَقْدِهِ۔ [3] توبۃ: ۱۲۸۔ [4] سنن ابن ماجہ: ۱۵۴۔ [5] طبقات الکبری، ۱۳۱ / ۳۔

Marfat.com

اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لَقَدْ كَانَ رِيحُ اَبِي بَكْرٍ اَطْيَبَ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خوشبو کستوری سے بھی زیادہ پیاری تھی۔ [1]

۵۔ شاعری سے دوری: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قرآن مجید میں ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ [2] کہ ہم نے آپ کو اشعار نہیں سکھلائے تھے، اور صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے واللهِ مَا قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ شِعْرًا قَطُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْاِسْلَامِ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جاہلیت اور اسلام میں کبھی شعر نہیں پڑھا ہے۔ [3]

۶۔ شراب سے اجتناب: لَقَدْ كَانَ حَرَّمَ اَبُوْ بَكْرٍ الْخَمْرَ عَلٰى نَفْسِهٖ فِي الْجَاهِلِيَّةِ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے زمانے میں بھی اپنے آپ پر شراب کو حرام ٹھہرایا تھا۔ [4]

۷۔ عزم وثبات فی الدین: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دیں، پھر بھی میں اس مشن سے باز نہیں آؤں گا، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارتداد کے فتنہ میں فرمایا تھا: وَاللهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ یہاں تک کہ میری گردن کٹ جائے یا اللہ پاک دِین کو غالب کردے۔ [5]

۸۔ ہر دونوں کے داماد: آپ دونوں کے داماد عشرہ مبشرہ تھے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علی رضی اللہ عنہ داماد تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ داماد تھے۔

۹۔ ہر دو کی بنات (بچیاں) افضل النساء ہیں: فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْجَنَّةِ [6] کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ آپ جنت کی خواتین کی سردار بن جائیں، اور صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے ہے: فَضْلُ الْعَائِشَةِ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الْاَطْعِمَةِ [7] کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی

---

[1] حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۱۳۴/۴۔ ۵۔ ابونعیم۔ [2] یٰسین: ۶۹۔ [3] تاریخ الخلفاء، ص: ۲۹۔ [4] تاریخ الخلفاء، ص: ۲۹۔ [5] بخاری، رقم الحدیث: ۶۹۲۵۔ [6] بخاری، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْاِسْلَامِ، رقم الحدیث: ۳۶۲۴۔ [7] بخاری، رقم الحدیث: ۳۴۱۱۔

Marfat.com

ہے جیسے ثرید (صحبت کی روٹی) کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

۱۰۔ ہر دو بنات کی زندگی عسرت والی: فاطمہ رضی اللہ عنہا اور چکی پیسنا اور ہاتھوں میں نشان پڑنا، اسماء بنت صدیق رضی اللہ عنہا اور گھوڑے کی دیکھ بال اور گھر کا کام کرنا۔

۱۱۔ ہر دو کی بنات پر حملہ ہونا: زینب بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہجرت کے وقت حملہ ہونا اور سواری سے گرایا جانا، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جنگ جمل میں حملہ ہونا اور نیچے گرنا، دونوں کا ھودج میں ہونا، عائشہ رضی اللہ عنہا پر تیروں کی بارش ہونا اور زینب رضی اللہ عنہا پر پتھروں کی بارش ہونا۔

۱۲۔ دونوں کے نواسوں کا بیعت سے انکار کرنا: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ دونوں کا انکار، منصب خلافت پر دونوں کے ساتھیوں کا غداری کرنا اور دونوں کا شہادت کے بعد سر قطع ہونا، دونوں کے قاتلین اظلم الامت تھے، حجاج اور عبیداللہ بن زیاد۔

۱۳۔ دونوں کا زہر سے شہید ہونا: رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیبر میں زہر دیا گیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے دور میں خزیرہ میں زہر کھلانا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے وقت کہا تھا کہ میں اس زہر کا اثر محسوس کر رہا ہوں، صدیق، عتاب اور حارث بن کلدہ تینوں نے اکٹھا کھایا تھا اور ایک دن میں تینوں کا وفات پانا۔

۱۴۔ دونوں کی عمروں کا برابر ہونا: دونوں حضرات کی عمریں ۶۳ سال تھیں۔

۱۵۔ دونوں کا وقتِ تدفین ایک ہونا: دونوں حضرت کی تدفین رات کے وقت میں ہوئی۔

۱۶۔ دونوں کی بچیوں کی تدفین بھی رات کو ہونا: فاطمہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا۔[1]

۱۷۔ ہر دو کے خلفاء کا افضل الامت ہونا: رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

۱۸۔ دونوں کا مقامِ دفن ایک ہونا: دونوں حضرات ایک ہی حجرے میں دفن ہیں۔

---

[1] طبقات۔

Marfat.com

۱۹۔دونوں کا یومِ وصال ایک ہونا: دونوں حضرات کا وصال پر ملال سوموار کے دن ہوا۔

۲۰۔دونوں کا آخری وقت تک اسلامی خدمات میں مصروف ہونا: رحمتِ عالم ﷺ کا جیش اُسامہ کو بھیجنا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مرض وفات میں حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجنا فوج کے دستے پر امیر بنا کر۔

۲۱۔دونوں کی مٹی کا ایک ہونا: رحمتِ عالم ﷺ کی حدیث ہے اَنَا وَ اَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ خُلِقْنَا مِنْ تُرْبَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّفِيْهَا نُدْفَنُ کہ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ ایک مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور ایک ہی جگہ اسی مٹی میں دفن ہونگے۔[1]

۲۲۔صلح حدیبیہ میں دونوں کے مزاج کا ایک ہونا: عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دونوں حضرات کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار فرمایا، مگر دونوں کا جواب ایک ہی تھا کہ اسی میں ان شاء اللہ بہتری ہوگی۔

۲۳۔جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے لئے دونوں حضرات کا جدین بننا: جعفر صادق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے رشتے میں نواسے تھے، امام جعفر بن امام محمد باقر بن زین العابدین بن سیدنا حسین بن فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے، جعفر بن اُم فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

لطیفہ

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اہل تشیع نے پوچھا کہ آپ ابوبکر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا وَلَدَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ مَرَّتَيْنِ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے دومرتبہ پیدا کیا، یعنی ابوبکر میرے دوطرف سے نانے ہیں، تو کیا نواسہ اپنے نانے کو بُرا کہہ سکتا ہے؟ اس پر شیعہ خاموش ہو گئے۔جعفر صادق، بن اُم فروہ، بنت اسماء، بنت عبدالرحمن، بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔[2]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال پر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تاثرات

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

[1] خطیب کتاب المتفق والمفترق۔ [2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۶۰۵۶۔

Marfat.com

وَاَشْبَهُهُمْ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدْيًا وَسَمْتًا وَرَحْمَةً وَفَضْلًا

اور آپ رضی اللہ عنہ، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے، طریقہ سنت میں، راست روی میں، مہربانی اور فضیلت میں۔ [1]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے لئے روضۂ اقدس سے اجازت ملنا

جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آپہنچا تو لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ کی تدفین کہاں پر کریں گے؟ تو فرمایا کہ جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو روضۂ اقدس پر لے جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے لیں کہ حضرت آپ کے یارِ غار کا وصال ہو چکا ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں دفناتے ہیں، تو وہاں سے یہ آواز آگئی کہ دوست کو دوست کے پاس جلدی پہنچا دو، تو اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں جگہ مل گئی۔ [2]

ایک شخص نے حضرت قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پوچھا کہ شیخین کی قبروں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ہونا، اس میں کون سی فضیلت ہے؟ فرمایا کہ جب عرش سے صبح شام رحمت کی ہوائیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر نازل ہوتی ہیں تو ان میں شیخین کو بھی رحمتیں یقیناً نصیب ہوں گی۔

اوّلیاتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

یعنی وہ کام جو سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے کئے ہیں:

۱۔ سب سے پہلے بیت المال کا قیام آپ نے کیا۔

۲۔ عدالتوں کا قیام اور قاضی حضرات کا تقرر۔

۳۔ تاریخ اور سن ہجری کا آغاز کرنا۔

۴۔ سب سے پہلے امیر المومنین کا لقب اختیار کرنا۔

---

[1] الشریعۃ للآجری، بَابُ ذِكْرِ الْأَخْبَارِ الَّتِي دَلَّتْ عَلَى مَا قُلْنَا، رقم الحدیث: ۱۱۹۶۔ [2] فتاویٰ عزیزیہ از شاہ عبدالعزیز صاحب بروایت ابن عساکر۔

Marfat.com

۵۔ فوجی دفتروں کو ترتیب دینا۔

۶۔ نہروں کی کھدائی کروانا۔

۷۔ نئے شہروں کی آبادکاری کرنا۔

۸۔ دفتر مال کا قیام کرنا۔

۹۔ پیمائش کے طریقے کا اجرا کرنا۔

۱۰۔ با قاعدہ مردم شماری کرانا۔

۱۱۔ دریا کی پیداوار پر محصول لگانا۔

۱۲۔ حربی تاجروں یعنی غیر مسلموں کو ملک میں تجارت کیلئے آنے کی اجازت دینا۔

۱۳۔ درۃ (کوڑا) کا استعمال کرنا۔

۱۴۔ جیل خانے قائم کرنا۔

۱۵۔ محکمہ پولیس کا قیام کرنا۔

۱۶۔ راتوں کو گشت کرنا اور رعایا کی خبر گیری کرنا۔

۱۷۔ فوجی چھاؤنیوں کا قیام کرنا۔

۱۸۔ پرچہ نویسوں کا قیام کرنا۔

۱۹۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مسافروں کی حفاظت کیلئے چوکیاں قائم کرنا۔

۲۰۔ معلمین اور مدرسین کیلئے تنخواہ کا انتظام کرنا۔

۲۱۔ صدیق اکبرؓ سے باصرار، کلام اللہ کی تدوین کروانا۔

۲۲۔ قیاس کا اصول قائم کرنا۔

۲۳۔ باجماعت نماز تراویح کا انتظام کرنا۔

۲۴۔ وقف کا طریقہ ایجاد کرنا۔

Marfat.com

۲۵۔ نماز جنازہ میں چار تکبیرات پر اجماع قائم کرانا۔

۲۶۔ مساجد میں روشنی کا انتظام کرانا۔

۲۷۔ لاوارث بچوں کی پرورش کا انتظام کرنا۔

۲۸۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کیلئے روزینہ مقرر کرنا۔

۲۹۔ مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کرنا۔

۳۰۔ حکام اور ذمہ دار افسروں کیلئے احتساب کا نظام جاری کرانا۔ [۱]

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی عقل وذہانت کے چند ایک واقعات

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ میں میراث کے مسائل سب سے زیادہ جاننے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، ایک عورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی کہ آپ کے قاضی صاحب نے مجھے میراث میں ایک دینار دیا ہے، حالانکہ میرے بھائی نے چھ سو دینار ترکہ چھوڑا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوچا، پھر اس خاتون سے آپ نے کچھ سوالات پوچھے کہ مرحوم بھائی کی دو بچیاں بھی ہیں، عورت نے ہاں میں جواب دیا، فرمایا 2/3 وہ لے گئیں، یعنی چھ سو میں سے چار سو دینار، پھر پوچھا کہ مرحوم کی ماں بھی زندہ ہیں، عورت نے ہاں میں جواب دیا، فرمایا 1/6 وہ لے گئی، یعنی چھ سو میں سے ایک سو، پھر پوچھا کہ مرحوم کی بیوی بھی زندہ ہے، عورت نے ہاں میں جواب دیا، فرمایا: 1/8 وہ لے گئی، یعنی چھ سو میں سے 75 دینار، پھر پوچھا کہ بی بی کیا تمہارے بارہ بھائی بھی ہیں، اس نے ہاں میں جواب دیا، فرمایا: 24 دینار وہ لے گئے، تو آپ کا ایک دینار بنتا ہے اور قاضی صاحب کا فیصلہ صحیح ہے۔

400: دو بچیوں کیلئے، 100 ماں کیلئے، 75 بیوی کیلئے، 24، بارہ بھائیوں کے لئے، ایک تمہارے لیے، کل 600 دینار۔ [۲]

---

[۱] ابن خلکان۔ [۲] الطرق الحکمیہ۔

Marfat.com

۲۔ حضرت علی ؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور آپ سے کہا کہ سنا ہے کہ آپ ریاضی میں ماہر ہیں، ایسا عدد بتاؤ جو دو سے لے کر دس تک برابر تقسیم ہو سکے؟ یعنی کوئی کسر نہ آنے پائے، مکمل وہ تقسیم ہو سکے، تو آپ ؓ نے فرمایا: سادہ جواب دوں یا علمی جواب، تو اس نے کہا کہ حضرت سادہ جواب دیں، فرمایا: اسلامی سال میں 360 دن ہوتے ہیں، سال میں 12 مہینے ہوتے ہیں اور ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں، ان تینوں کو ضرب دو اس کا جو مجموعہ آئے وہ دو سے لے کر دس تک برابر تقسیم ہوگا:

30240 = 7 X 12 X 360

یہ مجموعہ عدد دس تک ہر ہندسہ سے مکمل تقسیم ہوگا، وہ آدمی حیران ہو گیا۔

۳۔ حضرت علی ؓ کے پاس دربار خلافت میں تین بندے آئے، جن کے پاس سترہ اونٹ تھے، ایک نے کہا کہ حضرت یہ اونٹ ہمارے درمیان مشترک ہیں، ان میں 2 / 1 ایک کے ہیں، یعنی سترہواں کا نصف، 3 / 1 یعنی ایک تہائی دوسرے کے ہیں اور 9 / 1 یعنی نواں حصہ تیسرے کا ہے۔ ان اونٹوں کو اس طرح تقسیم کر دیں کہ ان میں کسر نہ رہ جائے، یعنی ہر آدمی کو مکمل اونٹ ملے، مشترک اونٹ کسی کو نہ ملے، بلکہ مستقل اونٹ ہر ایک کو ملے، یعنی کسی اونٹ کو نہ کاٹا جائے اور نہ کسی اونٹ کو فروخت کرنے کی نوبت آئے۔ اب 17 کا عدد نہ تو 2 / 1 پر اور نہ 3 / 1 پر اور نہ ہی 9 / 1 پر پورا تقسیم ہوتا ہے، تو حضرت شیر خدا ؓ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ میرا اونٹ میرے گھر سے لے آئیں اور ان اونٹوں کے ساتھ کھڑا کر لیں، تو ٹوٹل 18 بن گئے تو جس کے 1/2 تھے اس سے فرمایا کہ 18 کا نصف 9 آپ لے جائیں، جس کے 1/3 تھے فرمایا 18 کا 1/3 چھ آپ لے جائیں، جس کے 1/9 تھے فرمایا 18 کا 1/9 دو آپ لے جائیں۔ 2+6+9 = ٹوٹل 17 نکلے اور اپنا اونٹ واپس گھر لے گئے اور ان کو حساب پورا پورا کر دیا اور ہر ایک کو مستقل اور پورا پورا اونٹ ملا، تو اپنے اونٹ سے ان کو حساب پورا کر دیا، ورنہ 17 سے حساب کسی طرح بھی نہیں بن رہا تھا۔[1]

۴۔ حضرت فاروق اعظم ؓ کی عدالت لگی ہوئی تھی، ایک لڑکی نے عجیب و غریب دعویٰ دائر کیا، دعویٰ

---

[1] الطرق الحکمیہ۔

Marfat.com

میں یہ بتلایا کہ فلاں لڑکے نے میری عزت پر حملہ کیا ہے اور میرے کپڑوں میں سے شلوار اور میری رانوں پر منی کے مخصوص دھبے بھی پڑے ہیں، مجھے انصاف دلوائیں؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جلال میں آ گئے، آپ رضی اللہ عنہ نے عورتوں کا بھی ایک بورڈ بٹھلایا تھا، لڑکی کو اس بورڈ کے حوالے کیا، انہوں نے تصدیق کی کہ واقعی ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، چونکہ شرعاً چار گواہ تو تھے نہیں کہ شرعی حد لگواتے، تعزیراً چند ایک کوڑوں کی سزا سنائی، لڑکا رو رہا تھا کہ حضرت اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں اس الزام سے بَری ہوں، لڑکے کو جلاّد کے حوالے کیا گیا، آگے سے شیرِ خدا آ رہے تھے، پوچھا کیا معاملہ ہے؟ آپ نے لڑکے کو واپس کیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے کہ اجازت ہو تو میں بھی تھوڑی تحقیق اور تفتیش کر لوں، فرمایا لڑکی کی شلوار میرے پاس لے آؤ، شلوار کے داغ دھبوں کو غور سے دیکھا اور فرمایا پانی گرم کر کے دے دو، جب ان مخصوص نشانات پر پانی ڈالا گیا تو شیر خدا نے وہ جگہ سونگھی، آپ نے تکبیر پڑھی کہ شرارت لڑکی کی ہے، لڑکا بے گناہ ہے، اور فرمایا کہ لڑکی نے انڈے کا سفید پانی کپڑے پر ڈالا ہے، یہ داغ انڈے کے پانی کے ہیں، دیکھیں ذائقہ بھی انڈے کا ہے، خوشبو بھی انڈے کی ہے اور تیسری بات یہ کہ جب گرم پانی میں نے ڈالا تو یہ مخصوص جگہ سکڑ گئی اور سمٹ گئی، اگر یہ منی ہوتی تو یہ جگہ پھیل جاتی، لڑکی نے کہا کہ لڑکا واقعی بے گناہ تھا، اس پر میں عاشق تھی، گناہ کی دعوت بار بار دیتی رہی، مگر وہ انکار کرتا رہا، تو اس کو سزا دینے کے لئے میں نے یہ فراڈ کیا تھا اور انڈے کا پانی شلوار پر ڈالا تھا۔ [1]

حاضر جوابی

ایک یہودی نے آپ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو مشکل سے ۲۵ سال ہو گئے ہیں اور تم مسلمان آپس میں اختلاف کرنے لگے، اتنا صبر بھی نہ کر سکے؟ تو شیر خدا نے فرمایا ۲۵ سال تو بہت زیادہ ہیں، آپ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بحیرہ قلزم سے مکمل نکلے بھی نہیں تھے، یعنی آپ کے پاؤں ابھی گیلے ہی تھے اور تم نے یہ کہا اِجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰـهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ [2] کہ حضرت! ہمیں ایسے خدا بنا کر دیدیں جیسے کہ ان لوگوں کے لئے ہیں، وہ یہ سن کر شرمندہ ہوا۔

---

[1] الطرق الحکمیہ لحافظ بن قیم الجوزیؒ۔ [2] الاعراف: ۱۳۸۔

Marfat.com

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حکیمانہ اقوال

۱۔ جب دنیا کسی پر مہربان ہو جاتی ہے تو دوسرے شخص کی اچھائیاں بھی اس کو دے دیتی ہے اور جب اس سے منہ موڑ لیتی ہے تو اس کی اپنی خوبیاں بھی کھینچ لیتی ہے۔

۲۔ جب تک تیرا بخت تیرے ساتھ ہے، تیرا عیب بھی چھپا ہوا ہے۔

۳۔ کسی شخص کی قیمت وہی ہوتی ہے جو وہ اپنے لئے مقرر کرتا ہے۔

۴۔ انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوتا ہے، یعنی بات چیت سے اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ کتنے پانی میں ہے۔

۵۔ تفکرات آدھا بڑھاپا ہوتے ہیں۔

۶۔ امیری میں سفر بھی وطن اور غریبی میں وطن بھی سفر۔

۷۔ اوباش وہ لوگ ہیں کہ جمع ہوں تو نقصان پہنچائیں اور منتشر ہوں تو فائدہ، کسی نے کہا جناب انتشار سے کیسے فائدہ؟ فرمایا: مزدور اپنا کام شروع کر دے گا، معمار اپنا، نانبائی اپنا، دوکاندار اور استاد اپنا اپنا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے علمی جوابات

* ---ایک یہودی نے آپ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے تو یہ قرآن کے حوالے سے بتلائیں کہ میری داڑھی جو چند بالوں سے عبارت ہے اور آپ کی داڑھی گھنی ہے، ایسا کیوں؟ قرآن سے حوالہ دو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا [1] اور جو شہر پاکیزہ ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو شہر خراب ہے اس میں نہیں نکلتا مگر ناقص۔

* ---آپ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ وہ کون سے دو دوست ہیں جو کبھی دشمن نہیں ہو سکتے؟ فرمایا جسم اور روح۔ پھر سوال ہوا وہ دو دشمن کون سے ہیں جو کبھی دوست نہیں بن سکتے؟ فرمایا: موت اور حیات۔

* ---ایک مجرم کو آپ رضی اللہ عنہ سزا دے رہے تھے، لوگ اس کو شرم دلا رہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم سب کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ اس میدان میں وہ رہے جس نے کبھی گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو، سارے لوگ وہاں سے نکل گئے۔

---

[1] الاعراف:۵۸۔

Marfat.com

فوائدِ عظیمہ

زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا

ترمذی شریف میں حدیث کا ایک راوی آتا ہے، جس کا نام ربعی بن حراش رحمۃ اللہ علیہ ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا، تو حضرت ربعی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک امتحان آیا، وہ یہ کہ ان کے دو لڑکوں پر حجاج بن یوسف نے بغاوت کا مقدمہ دائر کر دیا۔

ترمذی شریف میں آتا ہے کہ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار بندوں کو قتل کی سزا دی تھی، اب حضرت کے بچے روپوش ہو گئے، کسی نے کہا کہ بچوں کے باپ کو بلائیں، ان سے پوچھ لیں، آج تک انہوں نے جھوٹ نہیں بولا ہے، بڑی مخلوق کھڑی تھی کہ آج تو حضرت ربعی کی صداقت کا امتحان ہو رہا ہے، دیکھتے ہیں کہ آج بھی سچ بولتے ہیں یا نہیں؟ حجاج نے پوچھا کہ تمہارے بچے کدھر ہیں، حضرت خاموش ہو گئے، پھر دوبارہ، سہ بارہ اس نے پوچھا، فرمایا وہ گھر میں ہیں، اور ایک تہہ خانے میں بیٹھے ہیں، حجاج نے پوچھا کہ میں نے آپ سے تین مرتبہ پوچھا آپ خاموش کیوں ہو جاتے تھے؟ فرمایا کہ یہ سوچتا تھا کہ اگر سچ بولتا ہوں تو بچوں کی زندگی برباد ہو رہی ہے، اور جھوٹ بولتا ہوں تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، پھر سوچا کہ ٹھیک ہے بچے مجھے پیارے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات مجھے بچوں سے زیادہ پیاری ہے، میں بچوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کر سکتا، تو میں یہ سوچ رہا تھا اور آخر میں سچ بولنے پر مجبور ہو گیا۔ حجاج آپ کی صداقت سے اتنا متاثر ہوا کہ فوراً آپ کے بچوں کی معافی کا اعلان کر دیا، سچ کہا ہے اِنَّ الصِّدْقَ یُنْجِیْ صداقت نجات دلاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام پر داد و دہش

حضرت لیث بن سعد مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۷۵ھ میں انتقال فرمایا، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپ بہت بڑے مالدار اور جاگیردار تھے، ۸۰ ہزار دینار سالانہ آپ کی آمدنی تھی، مگر زکوٰۃ آپ پر کبھی واجب نہیں ہوئی،

Marfat.com

سال پورا ہونے سے پہلے پہلے آپ تقسیم کرلیتے، آپ کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ ۳۶۰ مہمانوں کو گھر میں کھلاتے، جب تک یہ تعداد پوری نہ ہوتی، خود اپنا کھانا نہیں کھاتے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آپ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے فقیہ تھے، مگر آپ کے شاگردوں نے آپ کا علم آگے نہیں پھیلایا۔[1]

قبلہ کی طرف تھوکنا بے ادبی ہے

حدیث شریف میں ایک شخص کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا تھا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہارِ ناراضگی فرمائی، پوری حدیث اس طرح ہے کہ حضرت ابوسہلہ سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے کچھ لوگوں کی امامت کروائی، دورانِ امامت انہوں نے قبلہ کی طرف تھوک دیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھ رہے تھے، جب وہ صاحب نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ صاحب آئندہ تمہاری امامت نہ کرائیں۔

ان صاحب نے اس واقعہ کے بعد جب دوبارہ ان لوگوں کی امامت کرانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے انہیں روک دیا اور کہا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے، ان صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں نے منع کیا تھا۔ حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ تم نے اللہ اور اللہ جل جلالہ کے رسول کو اذیت دی ہے۔[2]

انگلی اُٹھا کر اجازت لینا

أَخْرَجَ أَبُو دَاوُدَ فِي مَرَاسِيلِهِ عَنْ مُقَاتِلٍ كَانَ لَا يَخْرُجُ أَحَدٌ إِلَّا لِرُعَافٍ أَوْ إِحْدَاثٍ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهِ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ فَيَأْذَنُ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيرُهُ بِيَدِهِ[3]

---

[1] انوار الباری۔ [2] ابوداؤد شریف ج ۲، ص ۶۹۔ [3] المراسیل لابی داؤد، بابُ مَا جَاءَ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، جلالین حاشیہ ۳۰۲، تحت آیت یتسللون. اللهُ أَعْلَمُ بِصِحَّةِ إِسْنَادِهِ۔

Marfat.com

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی کسی ضرورت سے یعنی وضو ٹوٹنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے اُٹھنے کا ارادہ کر لیتے، تو شہادت والی انگلی کو اُٹھا کر اجازت مانگتے۔

کھجور کی چپل پہننے والے حقیقی مسلمان

افغانستان کا پہلا نام سجستان تھا اور دار السلطنت کابل تھا، یہاں ایک ترک راجہ کی حکومت تھی جو بدھ مذہب کا پیروکار تھا، اس کا خاندانی لقب رتبیل تھا۔ یہ علاقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی خلافت میں شامل ہوا، رُتبیل نے پہلے اسلامی فوج سے جنگ کی، آخر میں دس لاکھ درہم سالانہ خراج پر معاہدہ ہوا، رُتبیل ایک مدت تک خراج دیتا رہا، بعد میں خراج دینا بند کر دیا۔ تاریخ میں ہے کہ یزید بن عبدالملک اُموی کے زمانے میں دمشق کے کچھ نمائندے اس کے پاس خراج طلب کرنے کے لئے پہنچے تو اس نے مخاطب کر کے اُن کو کہا وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے؟ ان کے پیٹ فاقہ کشوں کی طرح دبے ہوتے تھے، ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے سیاہ نشان پڑے رہتے تھے، اور وہ کھجور کی چپلیں پہنا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ رُتبیل نے خراج دینا بند کر دیا اور تقریباً ۲۵ سال تک مسلمان فوج سے جنگ کرتا رہا۔

کھجور کی گٹھلی میں چار چیزیں

کھجور کی گٹھلی دیکھنے میں نہایت معمولی سی چیز ہے لیکن اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں ایسی بنائی ہیں جنہیں کسی چیز کے انتہائی قلیل اور معمولی ہونے میں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، وہ چار چیزیں درج ذیل ہیں:

(۱) فَتِيْل (۲) قِطْمِيْر (۳) نَقِيْر (۴) نَفْرُوْق۔

شیخ احمد الصاوی المالکی کے استاذ مکرم علامہ سلیمان الجمل الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۰۴) ارشاد باری وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ [1] ''اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے''، کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

[1] الفاطر: ۱۳۔

Marfat.com

وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ فِي النَّوَاةِ اَرْبَعَةَ اَشْيَاءٍ يُّضْرَبُ بِهِ الْمَثَلُ فِي الْقِلَّةِ، اَلْفَتِيْلُ وَهُوَ مَا فِي شَقِّ النَّوَاةِ وَالْقِطْمِيْرُ وَهُوَ اللِّفَافَةُ وَالنَّقِيْرُ وَهُوَ مَا فِي ظَهْرِهَا وَالنَّفْرُوْقُ وَهُوَ مَا بَيْنَ الْقِمَعِ وَالنَّوَاةِ۔ [1]

یہ بات معلوم رہنی چاہئے کہ کھجور کی گٹھلی میں چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں معمولی اور قلیل ہونے میں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے (۱) فتیل، کھجور کے شگاف کی باریک بتی، (۲) قطمیر، کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک جھلی، (۳) نقیر، کھجور کی گٹھلی کی پشت میں باریک نقطہ، (۴) نفروق، کھجور کی گٹھلی اور کھجور کے سرے پر جو پینڈی سی ہوتی ہے، اس کے درمیان معمولی سی چیز۔

ان چار چیزوں میں سے پہلی تین چیزوں کا تذکرہ خود قرآن میں موجود ہے، چنانچہ سورۂ نساء آیت نمبر ۷۷ میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا [2]

''اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے اور تم پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۲۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا [3]

''اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو، سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر ذرہ بھی ظلم نہیں ہوگا''۔

سورۂ فاطر آیت نمبر ۱۳ میں ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ [4]

---

[1] حاشیہ الجمل علی الجلالین، ج:۳، ص:۹۰، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔ [2] النساء: ۷۷۔ [3] النساء: ۱۲۴۔ [4] الفاطر: ۱۳۔

Marfat.com

اوراس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

کھجور کے سات اطوار

جس طرح انسانی تخلیق کے سات مدارج ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک پھل ایسا پیدا فرمایا ہے جس پر پے در پے سات اطوار گزرتے ہیں، یہ پھل کھجور ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ فرمایا ہے، اس پھل پر گزرنے والے اطوار درج ذیل ہیں:

(۱)طَلَع (۲)اِغْرِیض (۳)بَلَح (۴)زَھو (۵)بُسر (۶)رُطَب (۷)تمر

انسان کی عمر کے چار مراتب

علامہ علاء الدین علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۵ھ) آیت کریمہ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ [1] ''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا، پھر وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے اور بعض تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچائے جاتے ہیں، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں''، کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ عُمُرُ الْاِنْسَانِ لَهٗ اَرْبَعُ مَرَاتِبَ اَوَّلُهَا مِنَ النَّشْوِ وَالنَّمَا وَهُوَ مِنْ اَوَّلِ الْعُمُرِ اِلٰى بُلُوْغِ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِيْنَ سَنَةً وَهُوَ غَايَةُ سِنِّ الشَّبَابِ وَبُلُوْغُ الْاَشُدِّ ثُمَّ الْمَرْتَبَةُ الثَّانِيَةُ سِنُّ الْوُقُوْفِ وَهُوَ مِنْ ثَلٰثٍ وَثَلٰثِيْنَ سَنَةً اِلٰى اَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَهُوَ غَايَةُ الْقُوَّةِ وَكَمَالُ الْعَقْلِ، ثُمَّ الْمَرْتَبَةُ الثَّالِثَةُ سِنُّ الْكُهُوْلَةِ وَهُوَ مِنَ الْاَرْبَعِيْنَ اِلَى السِّتِّيْنَ وَهٰذِهِ الْمَرْتَبَةُ يَشْرَعُ الْاِنْسَانُ فِي النَّقْصِ لٰكِنَّهٗ يَكُوْنُ نَقْصًا خَفِيًّا لَا يَظْهَرُ ثُمَّ الْمَرْتَبَةُ (الرَّابِعَةُ) سِنُّ الشُّيُوْخَةِ وَالْاِنْحِطَاطِ مِنَ السِّتِّيْنَ اِلٰى آخِرِ الْعُمُرِ

[1] النحل: ۷۰۔

Marfat.com

وَفِيهَا يَتَبَيَّنُ النَّقْصُ وَيَكُوْنُ الْهَرِمُ الْخَرِفُ۔[1]

بعض علماء کا کہنا ہے کہ انسان کی عمر کے چار مراتب ہیں، پہلا مرتبہ نشونما کا ہے (جس میں انسان پھلتا پھولتا ہے) یہ مرتبہ آغازِ عمر سے لے کر تینتیس برس تک کی عمر کے درمیان کا ہے، جو انسان کے انتہائی شباب اور جوانی کا دور ہے، دوسرا مرتبہ موقوف کا ہے (یعنی اس مرتبہ میں انسان کے اندر ٹھہراؤ آجاتا ہے، نہ وہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے) یہ مرتبہ تینتیس سے لے کر چالیس برس تک کی عمر کے درمیان کا ہے، جو انسان کی جسمانی قوت کی انتہا اور انسانی عقل کے کمال کا دور ہے، تیسرا مرتبہ کُھوُلَت کا ہے، یہ مرتبہ چالیس سے لے کر ساٹھ برس تک کی عمر کے درمیان کا ہے، اس مرتبہ میں انسان گھٹنا شروع ہوجاتا ہے، تاہم یہ گھٹنا اتنا مخفی ہوتا ہے کہ اس کا پتہ نہیں چلتا، چوتھا مرتبہ شیخوخۃ اور انحطاط (یعنی بڑھاپے اور زوال) کا ہے، یہ مرتبہ ساٹھ سے لے کر زندگی کی اخیر تک کے درمیان کا ہے، اس میں انسان کا گھٹنا بالکل عیاں ہوجاتا ہے اور انسان انتہائی بوڑھا ہوکر سٹھیا جاتا ہے۔

ایک عجیب نسب نامہ

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے محدث کبیر مُسَدَّدْ ابنِ مُسَرْهَدْ رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۸) کا نسب نامہ اس طرح نقل فرمایا ہے:

مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدِ بْنِ مُجَرْهَدِ بْنِ مُسَرْبَلِ بْنِ مُغَرْبَلِ بْنِ مُرَعْبَلِ بْنِ مُطَرْبَلِ بْنِ
اَرَنْدَلِ بْنِ سَرَنْدَلِ بْنِ غَرَنْدَلِ بْنِ مَاسِكِ بْنِ مُسْتَوْرِدٍ

آپ فرماتے ہیں کہ "ان اسماء کے لطائف میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ اگر ان کو لکھ کر بخار زدہ شخص کے گلے میں لٹکا دیا جائے تو یہ انتہائی نفع مند تعویذ ثابت ہوتے ہیں (یعنی بخار چلا جاتا ہے) تجربہ سے ایسا ہی

---

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل، المعروف بہ تفسیر الخازن، ج: ۴، ص: ۸۴۔

Marfat.com

ثابت ہوا ہے، نیز اگر ان کو بسم اللہ شریف کے ساتھ پڑھ کر بچھو کے کاٹے پر دم کیا جائے تو آرام آجاتا ہے۔[1]

زمینِ محشر

زمینِ محشر زمینِ دنیا سے مختلف ہوگی، قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ[2]

''جس دن زمین تبدیل کی جائے گی پہلی زمین سے مختلف''۔

یہ تبدیلی ذاتی ہوگی یا صفاتی، ایک قول یہ ہے کہ ذاتی ہوگی، دوم یہ کہ صرف صفاتی ہوگی، سوم یہ کہ ایک بار صرف صفاتی ہوگی اور دوسری مرتبہ ذاتی، مختار میں یہی ہے کہ صرف صفاتی ہوگی، بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث آئی ہے: يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيهَا عَلَمٌ لِأَحَدٍ[3] جس کا معنی یہ ہے کہ لوگ ایسی زمین پر اٹھائے جائیں گے جو سفید گندم گونی کی طرف مائل ہوگی، جیسے میدے کی روٹی، اس پر کسی قسم کا نشان نہ ہوگا۔ اور صحیحین ہی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث آئی ہے: تَكُونُ الْأَرْضُ خُبْزَةً وَّاحِدَةً[4] کہ ہو جائے گی یہ زمین ایک روٹی۔ اور بعض روایات میں جو چاندی کا ذکر آیا ہے اس کا مطلب سفیدی میں چاندی سے مشابہت ہے نہ یہ کہ زمین درحقیقت چاندی کی ہوگی، بیہقی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح یہ الفاظ آئے ہیں: تُبَدَّلُ الْأَرْضُ أَرْضًا كَأَنَّهَا فِضَّةٌ یعنی دنیا کی زمین ایسی زمین کی صورت میں تبدیل ہوگی کہ وہ چاندی کی طرح سفید ہوگی، ابن جریر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث نقل کی ہے: تُبَدَّلُ أَرْضًا بَيْضَاءَ مِثْلَ الْفِضَّةِ[5] ''یہ زمین اس دن چاندی کی طرح سفید ہو جائے گی''۔

اکل و شربِ مؤمن

مؤمن کا میدانِ حشر میں کھانا پینا، زمینِ محشر بمنزلہ کیک کی ہوگی، مؤمن اس میں سے کھائیں گے، بدور

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود، ج:۱، ص:۲۰۔ [2] ابراهيم: ۴۸۔ [3] صحيح مسلم، رقم الحديث: ۲۷۹۰۔ [4] بخاري، رقم الحديث: ۶۵۲۰۔ [5] صفة الجنة لأبي نعيم الأصبهاني، ذِكْرُ أَرْضِ الْجَنَّةِ وَبَيَاضِ تُرْبَتِهَا، رقم: ۱۴۵۔

Marfat.com

السافرہ ص:۲۲ میں منقول ہے کہ مؤمن اپنے قدموں کی طرف اس سے کھائے گا اور کوثر کا پانی جو دودھ سے سفید، برف سے ٹھنڈا اور شہد سے میٹھا ہوگا پیئے گا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تاکہ مؤمن کو حشر کے دراز عرصہ میں بھوک پیاس کی تکلیف نہ ہو۔ بدور السافرہ ص:۱۰۶ میں طبرانی کے معجم اوسط سے مرفوعاً حدیث منقول ہے کہ عرش کے نیچے دسترخواں اللہ کی طرف سے بچھ جائے گا جس پر ایسی نعمتیں اور کھانے پینے کی چیزیں اور پھل ہوں گے جو کسی نے نہ دیکھے ہوں گے نہ تصور میں آئے ہوں گے، ان پر روزہ دار مسلمان بیٹھ کر کھائیں گے اور ان کی پہچان یہ ہوگی کہ ان کے منہ سے مشک وکستوری کی خوشبو کی لہریں پھیلیں گی۔

مسکنِ آدم آسمانی جنت تھی

جنت کا لفظ جب لام تعریف کے ساتھ ذکر ہو اور الفاظ میں زمین کے کسی باغ مراد لینے کا قرینہ موجود نہ ہو تو جنت سے مراد دار الثواب ہوگی، بالخصوص کہ مسکنِ آدم میں آسمانی جنت کے دو قرینے خود الفاظ قرآن میں موجود ہیں، ایک یہ کہ سورۂ طٰہٰ میں اس جنت کی جو صفات مذکور ہیں وہ زمینی جنت یا باغ کی صفات نہیں، بلکہ اس جنت کے صفات ہیں جو دار الجزاء ہے اور عالمِ بالا میں ہے، اللہ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں بھیجنے کے بعد ارشاد فرمایا:

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى. اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى. وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى [1]

یہ پانچ صفات ایسے ہیں جس سے دنیا کا کوئی مقام خالی نہیں، مثلاً یہ کہ اس جنت سے نکلنے کے بعد تم کو تکلیف ہوگی اور یہ کہ اس جنت میں تم کو نہ بھوک لگے گی اور نہ ننگا ہونا پڑے گا اور نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ لگے گی۔ یہ تمام خصوصیات بہشتِ بریں کے ہیں نہ کہ باغ دنیا کے، باغ دنیا میں اگر کچھ تھوڑے بہت فوائد ہیں تو اس سے نکلنے کے بعد کسی دوسرے باغ میں چلے جانے سے بھی وہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

---

[1] طٰہٰ: ۱۱۷ تا ۱۱۹۔

Marfat.com

دوسرا قرینہ کہ مسکن آدم بہشت تھا، سورہ بقرہ میں ہے: قُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ [1] جنت سے اترنے پر اس آیت میں دو نتیجے مرتب کئے گئے: اوّل یہ کہ تمہاری اولاد میں دشمنی ہوگی، جیسے اس سے پیشتر ملائکہ کی زبان سے بھی یہ ظاہر کیا گیا کہ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ [2] کہ تم ایسے لوگوں کو زمین میں جانشین بناتے ہو جو اس میں فساد اور خونریزی کریں گے۔

آیت مذکورہ میں اِهْبِطُوا کہ اترو، اس کے بعد جمع کے لفظ سے فرمایا کہ تمہاری اولاد ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، اور دوسری یہ کہ تم اور تمہاری اولاد کو زمین میں ایک مقرر وقت تک رہنا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا ہو گا، اگر مسکن آدم آسمانی نہ ہوتا بلکہ زمینی ہوتا تو یہ الفاظ اللہ نہ فرماتا، کیونکہ عداوت زندگی کا خاصہ ہے اور یہ بھی نہ فرماتا کہ تم اترنے کے بعد زمین میں رہو گے، جبکہ وہ پہلے بھی زمینی باغ میں رہتے تھے، معلوم ہوا کہ جس جنت سے اتارے گئے وہ زمینی باغ نہ تھا، بھوک باطنی ذلت ہے اور ننگا پن ظاہری ذلت، پیاس باطنی گرمی ہے اور دھوپ ظاہری گرمی، جس میں تقابل ہے، مسکن آدم ان سب سے پاک تھا۔

ذوالقرنین

ذوالقرنین کے تین سفر قرآن میں ذکر ہیں: مغربی، مشرقی اور تیسرا سفر غالباً شمالی ہے، ذوالقرنین کون تھا؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر سورۂ کہف میں لکھا ہے کہ مقدونیہ کا سکندر بن فیلقوس تھا، جو ارسطو کا شاگرد تھا، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ارسطو کے کافر ہونے کی تصریح کی ہے۔ بعضوں نے کیقباد کہا ہے اور بعضوں نے مغفور چین بتلایا ہے، بعضوں نے یمن کا بادشاہ ذونواس حمیری بتلایا ہے اور بعضوں نے سامی بادشاہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا، اس کو ذوالقرنین قرار دیا، بعض اس کو مصعب بن عبداللہ قرار دیتے ہیں جیسے ابن عبدالبر نے لکھا ہے،

---

[1] البقرۃ:۳۶۔ [2] البقرۃ:۳۰۔

Marfat.com

بعض نے عبداللہ بن ضحاک قرار دیا ہے، اور بعض نے سائرس جس کو گورش بھی کہتے ہیں، ذوالقرنین قرار دیا، یہ آخری قول صحیح ہے، باقی اقوال صحیح نہیں ہیں، یہاں اور اقوال بھی ہیں لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

مصعب بن عبداللہ وعبداللہ بن ضحاک کی سند صحیح نہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے تردید کی ہے اور معاصر حضرت ابراہیم علیہ السلام خواہ مصعب ہو یا عبداللہ بن ضحاک ہو، ان کی معاصرۃ، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تاریخاً ثابت نہیں اور نہ تعمیر سد کا انتساب ان کو ثابت ہے، باقی سلاطین مؤمن نہ تھے، حالانکہ قرآن ان کو کم ازکم رجل صالح بتاتا ہے اور ان کی طرف اس معین سد کی تعمیر کی نسبت کی صحت بھی ضروری قرار دیتا ہے، لہٰذا سائرس ذوالقرنین جو مومن صالح تھا، جو ۵۵۹ قبل از مسیح میں گزرے ہیں، ان کے تین اسفار بھی تاریخاً ثابت ہیں، سکندر نے قفقاز کا سفر نہیں کیا، نہ دیگر مذکورہ افراد نے سفر کیا ہے۔

ذوالقرنین کا مغربی سفر ایشیائے کوچک کا تھا اور سورج کا غروب عین حمئۃ میں سمرنا کے سمندر کے پانی میں تھا، جو سیاہ ہے، سائرس نے بابل فتح کر کے بنی اسرائیل کو نجات دی اور بیت المقدس کی تعمیر کی اور الیسع علیہ السلام نے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) سال قبل اس تعمیر بیت المقدس کی پیشین گوئی کی تھی کہ بابل میں ستر سال یہودی قید رہیں گے، پھر بیت المقدس آباد ہوگا۔

امام رازی رحمۃ اللہ نے بھی تفسیرِ کبیر میں تصریح کی ہے کہ سد کی تعمیر سائرس نے کی، ذوالقرنین یقیناً سائرس ہے، سائرس دانیال علیہ السلام کے دین کا پیرو تھا، یہی تحقیق تاریخ کے علاوہ صحیفہ الیسع علیہ السلام باب: ۴۵، آیۃ: ۱ تا ۴ ومکاشفہ دانیال باب: ۸، آیۃ: ۱ تا ۸، زکریا کی کتاب باب: ۶، آیت: ۱۲ وعزرا باب: ۱، آیۃ ۱ تا ۴ سے ماخوذ ہے، جو قدیم تاریخ کے اہم ترین ماخذ ہیں، ابراہیم زردشت بھی دانیال علیہ السلام کا شاگرد تھا، وہ موحد تھا، اس کا اوستا اعوذ باللہ و بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے، ابن کثیر کی بھی یہی تحقیق ہے، کتبات اصطخر میں دارا کو بھی مؤمن اور دشمن مجوسیت قرار دیا گیا ہے، سائرس ذوالقرنین دارا سے پہلے ہوگزرے ہیں۔

یاجوج ماجوج کے متعلق ان کے درازی قامت کے واقعات غلط ہیں، ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں اور

Marfat.com

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کے باب یاجوج ماجوج میں اس کی تردید کی ہے، اسی طرح ترمذی کی روایت، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کہ وہ سد کھودتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کل باقی کھودیں گے لیکن انشاء اللہ بھول جاتے ہیں تو سد اسی طرح ہوجاتا ہے، جب وقت آئے گا تو انشاء اللہ کہہ دیں گے تو کھود کر آئیں گے، یہ بھی ضعیف روایت ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ج:۳،ص:۱۰۵ میں نقل کیا کہ یہ خلاف القرآن ہے۔

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا [1]

''یاجوج ماجوج نہ سد پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ اس میں شگاف کر سکتے ہیں''۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار سے لی ہے، لوگوں نے غلطی سے مرفوع سمجھ لیا ہے۔ یاجوج ماجوج کا خروج جیسے عقیدۃ الاسلام میں ہے کہ ان کا خروج سد سے نہ ہوگا بلکہ بحیرہ کیپسین سے منچوریا تک کسی جگہ سے ہوگا، قرآن میں جہاں سد کا استحکام بیان کیا جاتا ہے تو اس کے توڑنے کو قیامت کی علامت قرار دیا ہے، لیکن جہاں خروج یاجوج ماجوج کا ذکر کیا وہاں سد کا ذکر تک نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج، سد کے راستے سے نہ ہوگا۔

حدیث متفق علیہ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهٖ [2] عمدۃ القاری، ج:۱۱ میں کرمانی سے منقول ہے کہ یہ استعارہ ہے شیوع فتن سے کہ بند فتنے انگلی کے حلقے کے انداز پر کھل گئے، خود سد کا کھل جانا مراد نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] الکہف: ۹۷۔ [2] صحیح البخاری، بَابُ قِصَّةِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، رقم الحدیث: ۳۳۴۶۔

Marfat.com

ثبوت باری اور دلائل قدرت باہرہ

پہلی دلیل: پہلی دلیل جس کا نام ہم دلیل غرقی رکھتے ہیں، امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے اللہ کے وجود پر دلیل دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ اگر تم سمندر میں کشتی میں سوار ہو اور کشتی ڈوب جائے اور اس کی کوئی تختی بھی تیرے ہاتھ میں نہ ہو اور تیرنا بھی نہ جانتے ہو تو پھر بھی تم کو سلامتی اور نجات کی امید باقی رہے گی؟ سائل نے کہا کہ امید تو رہے گی، امام موصوف نے فرمایا ظاہری اسباب نہ ہونے کے باوجود جس کے سہارے پر یہ امید قائم ہے وہی خدا ہے، یہ گویا ہستی باری تعالیٰ کی نفسیاتی دلیل ہے۔

دوسری دلیل: دلیل فلکی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ثبوت باری تعالیٰ پر یہ دلیل پیش کی کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک کشتی آپ سے آپ دریا کے کنارے سے خود بخود چل پڑے اور خود دوسرے کنارے پر پہنچ جائے؟ سائل نے کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ ایک چھوٹی سی کشتی خود بخود چلانے والے کے بغیر نہیں چل سکتی تو کارخانۂ عالم کی یہ بڑی کشتی خود بخود، چلانے والے کے بغیر کیسے چل سکتی ہے، لہٰذا اس کا چلانے والا موجود ہے اور وہی خدا ہے۔

تیسری دلیل: جس کو ہم دلیل تُوتی سے تعبیر کرتے ہیں، جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سائل کے جواب میں باری تعالیٰ کے اثبات میں پیش کی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا درخت توت کے پتے جب بکری کھاتی ہے تو اس کی مینگنیاں بن جاتی ہیں اور جب اس کو ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ریشم تیار ہوتا ہے اور جب شہد کی مکھی کھا لیتی ہے تو اس سے شہد بن جاتا ہے، گویا ایک ہی چیز سے تین مختلف حقیقتیں بن جاتی ہیں، یہ اس قادر مطلق کا فعل ہے جس کو ہم خدا کہتے ہیں۔

چوتھی دلیل: دلیل صوتی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ثبوت باری تعالیٰ کے متعلق فرمایا کہ ایک انسان کی آواز دوسرے انسان سے نہیں ملتی، اسی طرح شکل بھی، جو اس امر کی دلیل ہے کہ اصوات و اشکال کا یہ اختلاف ایک عظیم قوت کا فعل ہے جس کو ہم خدا کہتے ہیں۔

Marfat.com

پانچویں دلیل: دلیل بیضی، مرغی کے انڈے میں بچہ پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہو کر انڈے کے چھلکے کا مضبوط قلعہ توڑ دیتا ہے، جس سے بچہ باہر نکل آتا ہے اور بچہ نکلنے تک مرغی برابر انڈوں پر بیٹھی رہتی ہے، مرغی کو بیٹھنے کا پابند بنانا، بچہ کے بن جانے کا وقت معلوم کرنا، انڈے کو توڑنے کا وقت معلوم ہونا، یہ سب بذریعہ الہام ہے جس کا ملہم خدا ہے، اس نے بذریعہ الہام مرغی کو یہ سب کچھ بتلا دیا ہے۔

چھٹی دلیل: دلیل نباتی، ابونواس نے گونا گوں پتوں اور اس میں عجیب وغریب خوشنما پھولوں سے خدا کی ہستی پر استدلال کیا ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ پھولوں اور ان کے پودوں کا مادہ پانی اور مٹی ہے جو ایک نوعیت کی چیزیں ہیں، انہی میں سے مختلف پودوں اور رنگ برنگ خوشنما پھولوں کا بن جانا ایک عظیم قوت کی کارفرمائی ہے اور وہی قوت خدا ہے۔

نزولِ باری تعالیٰ کی حقیقت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَنْزِلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِيْنَ يَمْضِيْ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ فَيَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَدْعُوْنِيْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْاَلُنِيْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَاَغْفِرَ لَهٗ فَلَا يَزَالُ كَذَالِكَ حَتّٰى يُضِيْءَ الْفَجْرُ۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات جبکہ تہائی رات گزر جاتی ہے آسمان دنیا پر جلوہ فرما ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں بادشاہ مطلق ہوں کون شخص ہے جو مجھ سے دعا کرے پس میں اس کی دعا کو قبول کروں، کون شخص ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو عطا کروں، کون شخص ہے جو کہ مجھ سے مغفرت طلب کرے پس میں اس کو بخش دوں، برابر یہی شان رہتی ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

نزول کہتے ہیں ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال کرنے کو بشرطیکہ ایک مکان اونچا اور ایک نیچا

[1] ترمذی، ج:۱، ص:۵۹۔

Marfat.com

ہو، مکان اور زمان خصوصیاتِ جسم اور خصوصیاتِ حوادث میں سے ہیں اس لئے نزول کا استعمال باری تعالیٰ کے ساتھ کس طرح ہوگا؟ فرقہ مجسمہ اس قسم کی روایات کو حقیقت پر محمول کرتا ہے، لیکن حقیقت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، (اس مسئلہ میں) اہل سنت والجماعت کے تین اقوال ہیں:

۱۔ یہاں پر استعارہ بالکنایہ استعمال کیا گیا ہے یعنی خداوند کریم کی رحمت کا متوجہ ہونا بمنزلہ نزول کے ہے ایسے موقع پر مشبہ بہ کو ذکر کر کے مشبہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے رَأَیْتُ اَسَدًا فِی الْحَمَامِ اصل میں ہے رَأَیْتُ زَیْدًا کَالْاَسَدِ فِی الْحَمَامِ یہاں پر مشبہ کے لوازمات ذکر کر دیئے گئے ہیں، یہ استعارہ بالکنایہ کہلاتا ہے۔

۲۔ متکلمین اس جگہ پر مجاز بالحذف مانتے ہیں: یَنْزِلُ اللهُ کو یَنْزِلُ مَلَائِکَةُ اللهِ تَعَالٰی (یا) یَنْزِلُ اَمْرُ اللهِ تَعَالٰی (یا) یَنْزِلُ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کے معنی میں رکھتے ہیں، یہ توجیہ متکلمین متاخرین کی ہے (لیکن) متقدمین کہتے ہیں یَنْزِلُ اللهُ کَمَا یَلِیْقُ بِشَانِہٖ (اللہ تعالیٰ جس طرح بھی اس کے شان کے لائق ہے اس طرح نزول فرماتا ہے) یعنی ہمارے جیسا نزول نہیں ہے جس سے مکان وغیرہ کا مقید ہونا پڑے، باری تعالیٰ کیلئے ہمارے جیسا نزول یقیناً خلاف شان ہے، دیکھو آفتاب کی حرارت منتقل ہو کر آتشیں شیشے میں آتی ہے لیکن آفتاب کا نزول نہیں ہوتا، حرارت بعینہٖ شمس میں رہتی ہے، جبکہ بعض اجسام کی یہ حالت ہے تو باری تعالیٰ سبحانہ کا نزول بدرجہ اولیٰ اس کی شان کے مطابق ہوگا، ہمارا نزول ایک مکان کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں ہوتا ہے لیکن باری تعالیٰ سبحانہ کا نزول ایسا نہیں ہے (اگر نزول باری تعالیٰ پر تعجب ہے تو اس محسوس مثال پر غور کرو کہ کس طرح) آفتاب نزول کر کے چھوٹے سے آئینے میں آجاتا ہے حالانکہ وہ ہیئت قدیمہ کے نزدیک زمین سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے اور ہیئت جدیدہ کے نزدیک زمین سے کئی لاکھ گنا بڑا ہے، جب متاخرین نے دیکھا کہ لوگوں کے شکوک وشبہات بڑھتے چلے جاتے ہیں، تفلسف (فلسفہ) ان میں بڑھ رہا ہے تو انہوں نے تاویلات کیں۔

اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح گروہ اشاعرہ، ماتریدیہ تاویلات کرتے ہیں، اسی طرح معتزلہ وجہمیہ بھی

Marfat.com

تاویلات کرتے ہیں ان میں اور اُن میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کی تاویلات میں فرق یہ ہے کہ اشاعرہ ماتریدیہ تاویلات پر جزم نہیں کرتے برخلاف معتزلہ وغیرہ (اہل باطل) کے کہ وہ جو تاویلات کرتے ہیں ان کے متعلق کہتے ہیں کہ بس یہاں یہی معنی مراد ہے۔

۳۔ تیسری تاویل صوفیاء کی ہے صوفیاء کہتے ہیں کہ ایک شے کے ظہور متعدد طریقوں سے ہو سکتے ہیں، ہر ظہور میں درجات متفاوت ہوتے ہیں، اسی طرح ہر ظہور کیلئے لازم نہیں ہے کہ نفس شے اپنے شئون و صفات سے بدل جائے ایک آفتاب ہے اس کا ظہور شیشوں کے تغیرات کے موافق ہے، ان تغیرات سے بظاہر رنگ و کیفیت آفتاب میں فرق نظر آتا ہے (سبز شیشہ ہو تو دھوپ سبز اور سرخ ہے تو دھوپ سرخ معلوم ہوتی ہے) لیکن نفس آفتاب میں کوئی فرق نہیں آتا، اسی کو تجلی کہتے ہیں، خداوند کریم بھی مختلف مکانات میں اسی طرح تجلی کرتا ہے لیکن تجلیات کے اختلافات و تفاوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ متجلی (تجلی والا) بھی مختلف ہو جائے، خداوند کریم نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تجلی نار کے ساتھ فرمائی اگرچہ وہ نار و نور دونوں سے منزہ ہے لیکن اس کا ظہور انسانی استعداد کے مطابق ہوا۔

تجلی و تدلی کا فرق

تدلی کے معنی لٹک جانے کے ہیں جیسے ایک فرشتہ بصورت بشر آ جائے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آئے تھے، وہ تجرد جو اعلیٰ درجہ کی صفت تھی اس کو چھوڑ کر ادنیٰ درجے کو اختیار کیا، یہ تدلی ہے لیکن خداوند کریم کا نزول ہر رات کو سماء دنیا پر بطور تجلی ہوتا ہے۔

فائدہ: خداوند کریم کی جو صفات اشتباہ پیدا کرنے والی ہیں جیسے ضحک، قدم، غضب، ید، وغیرہ ان میں یا تو متکلمین متقدمین کا طریقہ جو کہ اسلم (محفوظ) ہے اختیار کیا جائے (کہا جائے کہ صفات اس کی شان کے مطابق ہیں نہ کہ ہماری جیسی) یا متاخرین کا احکم (مضبوط) طریقہ جو کہ لَا عَلٰی سَبِیْلِ الْجَزْمِ ہے (تاویلات پر جزم و حصر نہیں ہے) اختیار کیا جائے، لَا عَلٰی سَبِیْلِ الْجَزْمِ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان تاویلات پر جزم نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ممکن ہے ان تاویلات کے علاوہ دوسری تاویلات بھی ہو سکیں، ان تاویلات پر حصر نہیں ہے۔

Marfat.com

دوسری بحث

''اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا'' آسمان دنیا چونکہ ہم سے قریب ہے اس لئے مراد یہ ہے کہ رحمت الٰہی ہم سے بہت قریب ہو جاتی ہے، ''كُلَّ لَيْلَةٍ'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی رات مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر رات رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے مگر شبہ یہ ہوتا ہے کہ ہر جگہ ایک وقت میں رات نہیں ہوتی اور کوئی آن ایسی نہیں پائی جاتی جس میں کہیں نہ کہیں رات نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نزول الٰہیہ ہر وقت ہوتا ہے، اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مخصوص رحمت الٰہی ہر جگہ رات ہی کو نازل ہوگی اگرچہ عام رحمت کا تعلق ہر آن کے ساتھ ہے لیکن کیفیات میں فرق ہوگا۔

"حِيْنَ يَمْضِيْ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ" مصنف کے نزدیک "ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ" صحیح روایت ہے اور ''نِصْفُ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ، ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ'' والی دوسری روایت کو مرجوح قرار دیا جائے گا، یہی کہا جائے گا کہ جتنی رات گزرتی جائے گی جمالیت بڑھتی جائے گی، اول وقت جمالیت اتنی زیادہ نہ ہوگی، اس لئے کہا جائے گا کہ نزول رحمت شروع اول شب میں ہوتا ہے، نصف شب میں رحمت بڑھ جاتی ہے اور آخر شب میں رحمت الٰہی کا ظہور بہت زور سے ہوتا ہے، جس طرح برسات ساون کے آخر میں زور سے ہوتی ہے اگرچہ برسات ساون سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے لیکن اس کا اول و وسط اور آخر میں ظہور ہوتا ہے، یہی حال رات میں رحمت الٰہی کا ہے۔[1]

حدیث خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ کا معنی ومفہوم

یہ روایت بہت قوی ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، مگر معلوم ہے کہ حسب قواعد عربیہ ضمیر کو اقرب مراجع کی طرف لوٹانا چاہئے اور وہ لفظ آدم ہے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا، ایسا نہیں ہوا جیسا کہ عام آدمیوں میں ہو رہا ہے۔

---

[1] ماخوذ از ارشادات مدنیؒ۔

Marfat.com

صورت سے مراد صورت روحانیہ ہے

"صُوْرَتِہٖ" کی ضمیر حضرت آدم علیہ السلام ہی کی طرف راجع ہو اور مراد ان کی صورت روحانیہ ہو، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جسمانی اور مادی حیثیت ایسی ہی دی گئی جیسی ان کو روحانی صورت عطا کی گئی تھی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسانی ارواح بھی واقع میں مرکب ہیں، بسیط وہ نسمہ یعنی روح حیوانی، نفس ناطقہ، روح ملکوتی سے مرکب ہے اور اس میں مادۂ شیطانی اور مادۂ ملکی وغیرہ بھی رکھا گیا ہے، اس میں عالم علوی کی تمام موجودات کا عنصر اسی طرح رکھا ہوا ہے جس طرح اس کے جسم میں عالم سفلی کے تمام مواد خاک، نار، ہوا، نفس جمادی، نفس نباتی، نفس حیوانی وغیرہ موجود ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں وہ سب چیزیں اور قوتیں پیدا کی گئیں جو کہ اس کی روح میں کامل اور مستتر تھیں، اس کی روح میں قوت باصرہ تھی، اس کو آنکھ دی گئی، اس میں قوت بطش تھی اس کو ہاتھ دیئے گئے وَعَلٰی هٰذَا الْقِيَاسِ. اس کی روح میں قوت حاسہ تھی اس لئے اس کے جسم میں قوت حاسہ رکھی گئی، اس کی روح میں قوت واہمہ تھی اس کے دماغ میں یہ قوت رکھی گئی۔ اس کی روح میں قوت بہیمہ تھی اس کے جگر میں یہ قوت رکھی گئی عَلٰی هٰذَا الْقِيَاسِ. اس کو قلب دیا گیا تاکہ قوت سمعیہ کا مرکز ہو، اس کو دماغ دیا گیا تاکہ قویٰ عقلیہ کا تخت سلطنت بنے وَهٰكَذَا، غرض کہ مبداء فیاض سے انسان پر فیض کامل کیا گیا اور اس کی باطنی اور ظاہری دونوں طرح تکمیل فرمائی گئی۔

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ [1] (کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے بنایا اپنے ہاتھوں سے) ارشاد فرمایا گیا ہے، یہاں مخلوق ہے جس میں باطنی تکمیل ہے مگر ظاہری نہیں جیسے فرشتے وغیرہ یا ظاہری تکمیل ہے مگر باطنی نہیں جیسے حیوانات اور پہاڑ، نباتات وغیرہ بخلاف انسان کے کہ وہ خلاصۂ موجودات اور عالم اصغر بنایا گیا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ [2] (ہم نے بنایا آدمی

---

[1] ص: ۷۵۔ [2] التین: ۴۔

Marfat.com

خوب سے خوب اندازے پر) اس لئے اس پر بوجھ تشکر کا سب سے زیادہ رکھا گیا، اور اسی وجہ سے عدم شکر پر عذاب بھی زیادہ اور سب سے زیادہ رکھا گیا، قاعدہ ہے کہ جس پر زیادہ انعام ہوتا ہے اس سے باز پرس بھی زیادہ ہوتی ہے، ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ [1] (پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے) اور یہی وجہ ہے کہ وہی مستحق خلافت ربانیہ قرار دیا گیا، شہنشاہ کی نیابت ہر شخص کو نہیں دی جاتی۔

جمال روح آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کی روح ارواح میں سب سے زیادہ جامع اور خوبصورت پیدا کی گئی جس پر بشارت خلافت اور مجلس ملائکہ میں اس کو پیش کرنا بتلاتا ہے، اسی طرح ان کو جسم بھی تمام اجسام سے خوبصورت اور مکمل دیا گیا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔[2]

ایک اشکال کا جواب

اگر ضمیر "صُوْرَتِهٖ" کی لفظ "جَلَالَهٗ" کی طرف راجع کی جائے، اگرچہ یہ طریقہ شائعہ عربیہ کے خلاف ہے تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسے اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ الآية[3] اور وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا [4] ضمیر "تُسَبِّحُوْهُ" ابعد مذکور کی طرف راجع ہے، تو البتہ اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ باری عزاسمہ صورت اور شکل سے منزہ ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ [5] ذی صورت کیلئے محاط بحد یا محدود ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بشکل شئ محیط ہے وہ محاط نہیں ہوسکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورت اس جگہ بمعنی صفت ہے، جیسے مسائل عقلیہ غیر مادیہ کیلئے کہا جاتا ہے: صُوْرَةُ الْمَسْئَلَةِ كَذَا وَ كَذَا اَيْ صِفَتُهَا كَذَا وَ كَذَا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی تمام صفات کمالیہ میں سے حصہ دیا، ان کے ظلال و عکوس بتمامہا اس میں رکھ دیئے، اور مخلوقات سب کو جامع نہیں ہیں، جس طرح آئینہ مظہر نور شمس ہے اس طرح آدم علیہ السلام مظہر جملہ صفات کمالیہ باری عزاسمہ بنائے گئے، اور اسی لئے اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ ہوئے۔

---

[1] التین: ۵۔ [2] التین: ۴۔ [3] الانفال: ۷۳۔ [4] الفتح: ۹۔ [5] الشوریٰ: ۱۱۔

Marfat.com

ختمِ نبوت

لفظ خاتم النبیین اور مفسرین کرام

قرآن حکیم کی جس قدر تفاسیر عہد صحابہ سے لے کر عہد مرزا تک لکھی گئی ہیں یا بعد عہد مرزا یا قرآن کے جس قدر تراجم کئے گئے ہیں، سب نے خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح یہ کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی، لیکن جب گورداسپوری کو نبی بننے کی سوجھی، صرف اس نے وہ بھی اول میں نہیں بلکہ آخر میں ختمِ نبوت کے بارے میں اپنا عقیدہ اور اپنی تشریح ختم نبوت کو بدل ڈالا، تاکہ نبی بننے کی گنجائش نکل آئے، جس سے اس کو خلاف امید کامیابی ہوئی، اس کا اپنا بیان ہے کہ مجھے یہ گمان نہ تھا کہ مسلمان اس چیز کو قبول کریں گے کہ نبوت جاری ہے، لیکن انگریزی تعلیم اور انگریزی حکومت کی حمایت اور زوال فہم وعظمت دین نے ناممکن کو ممکن بنایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں تک کہ اس مصنوعی نبوت نے ایک کامیاب اور نفع بخش فیکٹری کی شکل اختیار کی اور مرتد سازی کا نام تبلیغ اسلام رکھ کر اس فیکٹری کی آمدنی میں خوب اضافہ کیا گیا۔ دوسری طرف اس نبوت کے ماننے والوں پر عہدوں اور تنخواہوں کی بارش ہونے لگی جس نے انہیں یہ احساس دلایا کہ یہ سب کچھ اس خودساختہ نبوت پر ایمان لانے کی برکت ہے یا بالفاظ دیگر مرزا کا معجزہ ہے جس سے مسلمانوں کی اکثریت محروم ہے۔

(۱) امام المفسرین ابن جریر الطبری اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَلٰكِنَّهُ رَسُوْلُ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ الَّذِىْ خَتَمَ النُّبُوَّةَ فَطَبَعَ عَلَيْهَا فَلَاتُفْتَحُ لِاَحَدٍ بَعْدَهٗ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ وَبِنَحْوِ الَّذِىْ قُلْنَا قَالَ اَهْلُ التَّاوِيْلِ [1]

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین جس نے نبوت کو ختم کیا اور اس پر مہر لگادی

---

[1] تفسیر طبری، ج:۲۲، ص:۱۱۔

Marfat.com

، پس وہ آپ ﷺ کے بعد کسی کے لئے نہ کھولی جائے گی قیامت کے قائم ہونے تک اور ایسا ہی آئمہ تفسیر، صحابہ وتابعین نے فرمایا۔

(۲) حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

بِكَسْرِ التَّاءِ مِنْ خَاتِمِ النَّبِيِّيْنَ بِمَعْنٰى اِنَّهٗ خَتَمَ النَّبِيِّيْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَقُرِءَ ذَالِكَ فِيْمَا يَذْكُرُ الْحَسَنُ وَالْعَاصِمُ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ بِفَتْحِ التَّاءِ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ آخِرُ النَّبِيِّيْنَ [1]

خاتِم النبیین بکسر التاء اس معنی میں کہ آپ ﷺ نے تمام انبیاء کو ختم کر دیا اور جیسا کہ منقول ہے قراء میں سے حسن اور عاصم نے اس کو بفتح التاء پڑھا ہے اس معنی میں آپ آخر النبیین ہیں۔

(۳) تفسیر ابن کثیر میں ہے:

فَهٰذِهِ الْاٰيَةُ نَصٌّ فِيْ اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ وَاِذَا كَانَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ فَلَا رَسُوْلَ بِالطَّرِيْقِ الْاَوْلٰى لِاَنَّ مَقَامَ الرِّسَالَةِ اَخَصُّ مِنْ مَقَامِ النُّبُوَّةِ فَاِنَّ كُلَّ رَسُوْلٍ نَبِيٌّ وَلَا يَنْعَكِسُ وَبِذَالِكَ وَرَدَتِ الْاَحَادِيْثُ الْمُتَوَاتِرَةُ مِنْ حَدِيْثِ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ [2]

یہ آیت نص صریح ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، جب کوئی نبی نہ ہو تو رسول بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا، کیونکہ رسالت نبوۃ سے خاص ہے، ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے اور ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں، اس پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ وارد ہوئیں جو صحابہ کی بڑی جماعت نے آپ ﷺ سے نقل کی ہیں۔

(۴) تفسیر روح المعانی میں ہے:

وَالْمُرَادُ بِالنَّبِيِّ مَاهُوَ اَعَمُّ مِنَ الرَّسُوْلِ فَيَلْزَمُ مِنْ كَوْنِهٖ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ كَوْنُهٗ خَاتَمَ الْمُرْسَلِيْنَ وَالْمُرَادُ بِكُوْنِهٖ خَاتَمُهُمْ اِنْقِطَاعُ حُدُوْثِ وَصْفِ النُّبُوَّةِ فِيْ اَحَدٍ

---

[1] ج:۲۲،ص:۱۱۔ [2] ابن کثیر، ج:۸،ص:۸۹۔

Marfat.com

مِنَ الثَّقَلَيۡنِ بَعۡدَ تَحَلِّيۡهِ عَلَيۡهِ السَّلَامُ بِهَا فِيۡ هٰذِهِ النَّشۡأَةِ وَلَا يَقۡدَحُ فِيۡ ذَالِكَ مَا اَجۡمَعَتۡ عَلَيۡهِ الۡاُمَّةُ وَاشۡتَهَرَتۡ فِيۡهِ الۡاَخۡبَارُ وَلَعَلَّهَا بَلَغَتۡ مَبۡلَغَ التَّوَاتُرِ الۡمَعۡنَوِيِّ وَنَطَقَ بِهِ الۡكِتَابُ عَلٰى قَوۡلٍ وَّوَجَبَ الۡاِيۡمَانُ وَاُكۡفِرَ مُنۡكِرُهٗ كَالۡفَلَاسَفَةِ مِنۡ نُزُوۡلِ عِيۡسٰى عَلَيۡهِ السَّلَامُ اٰخِرَ الزَّمَانِ لِاَنَّهٗ كَانَ نَبِيًّا قَبۡلَ تَحَلِّيۡ نَبِيِّنَا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عالم میں وصف نبوت سے متصف ہونے کے بعد نبوت کا پیدا ہونا منقطع ہو گیا اور ختم نبوت اس عقیدہ سے معارض نہیں۔ جس پر امت نے اجماع کیا اور جس میں احادیث شہرت کو پہنچی اور شاید درجہ تواتر معنوی کو پہنچ جائیں اور جس پر قرآن نے تصریح کی ہے اور جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے منکر فلاسفہ کو کافر سمجھا گیا، یعنی نزول عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصف نبوت سے متصف ہونے سے پہلے ہی نبی ہو چکے تھے۔

۵۔ تفسیر مدارک میں ہے:

خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ بِفَتۡحِ التَّاءِ عَاصِمٌ بِمَعۡنَى الطَّابِعِ اَیۡ اٰخِرُهُمۡ اَیۡ لَا يُنَبَّأُ اَحَدٌ بَعۡدَهٗ وَعِيۡسٰى مِمَّنۡ نُبِّئَ قَبۡلَهٗ وَغَيۡرُهٗ بِكَسۡرِ التَّاءِ بِمَعۡنَى الطَّابِعِ وَفَاعِلُ الۡخَتۡمِ وَتَقۡوِيَّةُ قِرَاءَةِ ابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ [1]

عاصم کی قرأت میں بفتح التاء بمعنی الطابع جس سے مراد آخر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نبی بنائے گئے اور عاصم کے بغیر سب قراء کے نزدیک بکسر التاء بمعنی مہر کرنے والا اور ختم کرنے والا جس کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت تائید کرتی ہے۔

۶۔ زرقانی شرح مواہب میں ہے خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اَیۡ اٰخِرُهُمۡ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں۔ [2]

---

[1] تفسیر مدارک، ج:۲، ص:۳۰۷۔ [2] زرقانی شرح مواہب، ج:۵، ص:۲۶۷۔ یہی معنی تفسیر بحر المحیط، ج:۷، ص:۲۳۶ اور ابو السعود برحاشیہ تفسیر کبیر، ص:۶۸۸ میں لکھا ہے۔

Marfat.com

اسی طرح تمام کتب تفاسیر میں یہی معنی خاتم النبیین کے بیان ہوئے ہیں اور چونسٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی معنی ختم النبوت فی الاثار میں منقول ہے۔

تحریفات وشیطانی وساوس کا ازالہ

عمومی انداز میں یہ مسئلہ کہ حضور ﷺ کے بعد نبوت کسی کو نہیں دی جاسکتی، ایک سو سے زائد آیات قرآن میں ثابت ہے، یہاں قادیانیوں کی چند تحریفات اور شیطانی وساوس کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں، جو آیت خاتم النبیین سے متعلق ہیں:

پہلی تحریف

اگر آیت خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اس کے خلاف ہے، اس کا جواب گزر گیا کہ ختم نبوت کا معنی عطاء نبوت کی بندش ہے، جس پر مہر لگ گئی ہے، لیکن پرانے نبی سے زوال نبوت مراد نہیں، لہٰذا دورِ محمدی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ایسی ہے جیسے ایک گورنر کے صوبے میں دوسرا گورنر آجائے، جو اس گورنر کے احکام کا تابع ہو کر آئے گا، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نزول عیسیٰ علیہ السلام دلیل ختم نبوت ہے، اگر آئندہ نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو سابق انبیاء میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لائے جانے کی ضرورت نہ تھی، انبیاء علیہم السلام کے سابق تعداد میں سے ایک نبی کو واپس لانا، اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد حضور علیہ السلام کی بعثت پر پوری ہوگئی، اس لئے دوبارہ لانے کیلئے سابق انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کیا گیا۔

تحریفِ دوم

خاتم النبیین کے معنی مہر کے ہیں، یعنی آپ ﷺ کے بعد آپ کی مہر وتصدیق سے انبیاء بنیں گے، اس کے لئے اولاً ہم یہ پوچھتے ہیں کہ یہ معنی لغت عربی کی کس کتاب میں لکھا ہے یا کس حدیث میں بیان ہوا ہے یا کون

Marfat.com

سی تفسیر میں لکھا ہے؟ جب کہ خود قرآن مثلاً خَتَمَ اللهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ [1] اَلۡيَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰٓى اَفۡوَاهِهِمۡ [2] اور احادیث متواترہ، اجماع امت میں مہر کے معنی بندش نبوت کے ہیں، تو مہر کے معنی اس کے خلاف نبوت جاری کرنے کے کیسے ہوسکتے ہیں، جبکہ خود مرزا صاحب نے بندش کے معنی کئے ہیں اور اگر مراد جاری کرنا ہوتا تو اس میں حضور ﷺ کی خصوصیت کیا رہی، جبکہ اور پیغمبروں کے بعد بھی نبوت جاری رہی اور آپ کے بعد بھی، بلکہ اگر اس سے مراد اجراء نبوت ہوتی تو کم از کم اس تیرہ سو سال میں کئی سو نبی آجانے چاہئے تھے کہ آپ کا یہ کمال خوب ظاہر ہوجائے اور اگر نبوت آپ کی اتباع سے ملتی تو نبوت وہی نہ رہی، کسبی ہوگئی۔

اس کے علاوہ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ تیرہ سو سال میں پیغمبر اسلام کا کوئی متبع کامل پیدا نہ ہوا کہ اس کو اتباع کے ثمرہ میں نبی بنایا جاتا، تیرہ سو سال کے بعد صرف آریہ ورت میں انگریز کی عنایت سے صرف ایک ہی پیدا ہوا اور اس کو بھی آخر تک اپنی نبوت میں شک رہا، کبھی اقرار کبھی انکار، یہاں تک کہ اس کے ماننے والے دو جماعتوں میں تقسیم ہوئے۔

تحریفِ سوم

آیت خاتم النبیین میں الف لام عہد خارجی یا ذہنی ہے، جس سے مراد صرف تشریعی انبیاء ہیں، گویا آپ تشریعی انبیاء کے خاتم ہیں، جواب یہ ہے کہ عہد خارجی کے لئے سابق کلام میں خاص تشریعی انبیاء علیہم السلام کا ذکر ضروری ہے جو یہاں نہیں، اور عہد ذہنی اس وقت لیا جاتا ہے جب استغراق ممکن نہ ہو جیسے اَكَلَهُ الذِّئۡبُ اور اِشۡتَرَى اللَّحۡمَ عِنۡدَ عَامَّةِ اَهۡلِ الۡاُصُوۡلِ الۡعَرَبِيَّةِ لَامُ التَّعۡرِيۡفِ سَوَاءٌ دَخَلَتۡ عَلَى الۡمُفۡرَدِ اَوِ الۡجَمۡعِ تُفِيۡدُ الۡاِسۡتِغۡرَاقَ اِلَّا اِذَا كَانَ مَعۡهُوۡدًا۔ [3]

تحریف چہارم

خاتم النبیین میں الف لام استغراق حقیقی کے لئے نہیں بلکہ عرفی کے لئے ہے، یعنی انبیاء تشریعی مراد ہیں نہ کہ

---

[1] البقرۃ: ۷۔ [2] یٰسین: ۶۵۔ [3] کلیات ابی البقاء۔

Marfat.com

مطلق انبیاء جیسے وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ میں صرف بعض وہ انبیاء مراد ہیں جو بنی اسرائیل کے زمانے میں تھے، جواب یہ ہے کہ استغراق عرفی وہاں لیا جاتا ہے جہاں استغراق حقیقی ممکن نہ ہو جیسے جَمَعَ الْاَمِيْرُ الصَّاغَةَ کیونکہ تمام دنیا کے سناروں کو جمع کرنا ممکن نہیں بلحاظ عرف وعادت کے، لیکن خاتم النبیین بلا تکلیف استغراق درست ہے بخلاف يَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ جہاں استغراق ممکن نہیں، ہم پوچھتے ہیں کہ آیت وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيِّيْنَ [1] اسی طرح وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ [2] وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ [3] کیا استغراق حقیقی مراد ہے یا عرفی۔

تحریفِ پنجم

خاتم کے معنی نگینہ انگشتری لے کر زینت مراد ہے، یعنی آپ ﷺ انبیاء کی زینت ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حقیقی معنی لینا جب تک محال نہ ہو، مجازی معنی مراد لینا درست نہیں اور یہاں حقیقی معنی درست ہے اور لغت، احادیث، اجماع نے اس کو متعین کیا ہے، لہٰذا مجاز لینا غلط ہے ورنہ قرآن کے کسی لفظ سے معنی کا تعین نہ ہو سکے گا، اور ہر لفظ مجازات اور تاویلات کا اکھاڑہ بن کر اپنی حقیقت کھو دے گا، اور صوم، صلوٰۃ، زکوٰۃ سب کے معنی بدل جائیں گے۔

ختمِ نبوت کی دلیلِ کمالی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [4]

اس آیت میں کمالِ دین کا اعلان ہوا ہے، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت ختم نبوت پر دال ہے بوجوہاتِ ذیل:

(۱) ایک خود کمال دین اس امر کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت سب سے اخیر میں ہوئی کہ فہرست نبوت میں کوئی نبی باقی نہ رہا۔

(۲) نبی کی آمد دین میں نقص کو دور کرنے کے لئے ہو، یا موقت احکام میں تنسیخ کے لئے یا محرف کی تحریف کو دور کرنے کے لئے، لیکن قرآن اور دین اسلام کامل ہے اس میں ترمیم و تنسیخ ہو نہیں سکتی

---

[1] البقرۃ:۱۷۷۔ [2] الزمر:۶۹۔ [3] آل عمران:۸۱۔ [4] المائدہ:۳۔

Marfat.com

اور اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ [1] میں قرآن کے الفاظ اور معانی بلکہ لفظ تک کی حفاظت کا اعلان ہے لہٰذا ازالہ تحریف کی بھی ضرورت نہیں، باقی رہی تجدید و تبلیغ دین، اس کیلئے نبی کی ضرورت نہیں بلکہ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ [2] یہ ساری امت کا اجتماعی وظیفہ اور فریضہ ہے۔

(۳) اگر نبوت جاری ہو تو دین اسلام ناقص رہے گا اور اسلام کے تمام احکام فضول قرار پائیں گے، کیونکہ جب تک اس نئے نبی پر مسلمان ایمان نہیں لائیں گے تو قرآن و حدیث اور پوری اسلامی شریعت پر اول سے آخر تک عمل کرنے کے باوجود وہ کافر اور ابدی جہنمی ہوں گے، تو کمال دین اس نبی پر ایمان لانے میں منحصر ہوا اور اس پر ایمان لائے بغیر پورا دین نامکمل بلکہ کالعدم رہا۔

دلیل میثاقی

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ [3]

جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب و حکمت دوں اور اس کے پیچھے ایسا رسول آئے جو تمہاری آسمانی کتابوں کی تصدیق کرے تو تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو۔

یہ تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم اروح میں عہد لیا گیا، اس میں ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ جس سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے ان کا سب انبیاء کے بعد تشریف لانا ثابت ہوتا ہے جو دلیل ہے کہ مشیتِ الٰہی میں جس قدر انبیاء مقدر تھے ان سب کو اللہ نے آپ سے پہلے مبعوث فرمایا اور آپ کو سب سے اخیر میں بھیجا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی بعثت باعث بندش نہیں ہوئی بلکہ مقدر آپ کو سب سے آخر میں بھیجنا تھا۔

---

[1] الحجرات:۹۔ [2] آل عمران:۱۱۰۔ [3] آل عمران:۸۱۔

Marfat.com

دلیل بعثتِ عمومی

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [1]

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا [2]

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ [3]

یہ آیات دال ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کی بعثت تمام اقوام اور ازمان کو شامل ہے تو قیامت تک کے انسان آپ کی امت ہیں اور آپ ان سب کی طرف مبعوث ہیں، جو دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ آپ کی موجودگی میں جو اکمل الانبیاء ہیں کسی نبی کی ضرورت نہیں، جیسے سورج کے بعد کسی چراغ اور دریا کے بعد شبنم کی حاجت نہیں اور آیت مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ میں پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نسبی ابوت کی نفی کی گئی اور وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ [4] میں روحانی اور دینی ابوت ثابت کی گئی، جس سے معلوم ہوا کہ جیسے ابوت نسبیہ میں تشارک نہیں تو ابوت دینیہ میں بھی تشارک نہیں، اگر ایک آدمی کے دو باپ نہیں ہو سکتے تو اسی طرح امت کے دو روحانی باپ نہیں ہو سکتے۔

ختم النبوۃ احادیث کی روشنی میں

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعًا قَالَ اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ [5]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو آراستہ کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ کونے میں چھوڑی، لوگ اس کے پاس گزرتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی، فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

---

[1] الاعراف: ۱۵۸۔ [2] الفرقان: ۱۔ [3] الانبیاء: ۱۰۷۔ [4] احزاب: ۴۰۔ [5] بخاری، رقم الحدیث: ۳۵۳۵۔

Marfat.com

۲۔ كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَاَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ۔ [۱]

بنی اسرائیل کی عنانِ سیاست انبیاء کے ہاتھوں میں رہی، جب ایک نبی فوت ہوتا تو اس کا جانشین نبی ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، عنقریب خلفاء کا سلسلہ شروع ہوگا، پس بکثرت ہونگے۔

۳۔ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ [۲]

تحقیق نبوت اور رسالت کا سلسلہ منقطع ہوگیا چنانچہ نہ میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔

۴۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی مَرْفُوْعًا اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمُقَفِّیْ [۳] قَالَ النَّوَوِیُّ الْمُقَفِّیْ، اَلْعَاقِبُ یعنی میں آخر الانبیاء ہوں۔

۵۔ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِی الْحِلْيَةِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ مَرْفُوْعًا يَا اَبَا ذَرٍّ اَوَّلُ الْاَنْبِيَاءِ اٰدَمُ وَاٰخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ

پہلا نبی آدم اور آخری حضرت محمد ﷺ۔ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کو صحیح کہا ہے۔

دار العلوم دیوبند کے عظیم محدث

حضرت اقدس علامہ انور شاہ کاشمیری (نور اللہ مرقدہ) کا عظیم الشان فرمان مبارک

علامہ انور شاہ کاشمیری (نور اللہ مرقدہ) اپنے حلقہ علمی میں بیٹھ کر فرماتے تھے کہ "یہ بات علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ حدیث کی خدمت بھی اللہ کا دین ہے، قرآن کی خدمت بھی بہت اہم خدمت ہے، تفسیر کی خدمت بھی بہت بڑی سعادت کی بات ہے، فقہ کی خدمت بھی بہت بڑی نعمت ہے، تبلیغ کرنا بھی بہت اہم کام ہے، لیکن ختم نبوت سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات کا تحفظ ہے، باقی چیزیں اقوال کا تحفظ ہیں، اعمال کا تحفظ ہیں، افعال کا تحفظ ہیں آپ کی سیرت کا تحفظ ہیں، آپ کی صورت کا تحفظ ہیں، آپ کے کردار کا تحفظ ہیں، آپ کی ہدایات کا تحفظ ہیں لیکن ذات کا تحفظ ان سب سے اولیٰ اور افضل ہے، حضرت فرماتے تھے "جس شخص نے بھی ختم نبوت کے عقیدے کیلئے ایک گھنٹہ بھی کام کرلیا اس کو آپ ﷺ کی شفاعت ان شاء اللہ ضرور نصیب ہوگی"۔ [۴]

---

[۱] بخاری، ج:۱، ص:۴۹۱ و مسلم کتاب الایمان۔ [۲] ترمذی، رقم الحدیث: ۲۲۷۲۔ [۳] رواہ مسلم، ج:۲، ص:۲۶۱۔ [۴] بروایت مولانا محمد مکی حجازی (مدرس حرم مکۃ المکرمۃ۔

Marfat.com

کاملین کا ذکر خیر

(۱) حضرت غندر رحمۃ اللہ علیہ: ان کا نام محمد بن جعفر ہذلی بصری رحمۃ اللہ علیہ تھا، غندر ان کا لقب تھا، اہل حجاز بہت زیادہ شور وشغب کرنے والے کو غندر سے پکارتے ہیں، محدث ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ جب بصرہ میں آئے، اور لوگوں کے سامنے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث بیان کی تو لوگوں نے ان پر اعتراض کیا، اور خوب شور مچایا، محمد بن جعفر شور مچانے میں سب سے سبقت لے گئے، اس پر ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اُسْکُتْ یَا غُنْدَرْ'' اے غندر! خاموش ہو جاؤ، اسی وجہ سے ان کا لقب غندر پڑ گیا، اس میں دال کا فتحہ مشہور ہے اور جوہری نے صحاح میں ضمہ اور فتحہ دونوں بیان کئے ہیں، آپ پچاس سال تک مسلسل ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح روزہ رکھنے کو صوم داؤدی فرمایا ہے، یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن ناغہ، اور حضرت داؤد علیہ السلام کا یہی معمول تھا، یاد رہے کہ سال میں پانچ دن روزہ رکھنا حرام ہے، چھوٹی عید کے دن، بڑی عید کے دن اور ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے دن کو بھی، غندر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۹۳ھ میں ہوا۔

(۲) حضرت ربعی بن حراش عبسی کوفی رحمۃ اللہ علیہ: آپ کوفہ کے رہنے والے تھے کنیت ابو مریم تھی، ان کا خاص حال یہ ہے کہ انہوں نے قسم اٹھائی تھی، ''اِنَّهٗ لَا یَضْحَكُ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیْنَ مَصْرَعُهٗ'' کہ جب یہ نہ دیکھوں کہ مرنے کے بعد میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا، اس وقت تک کبھی بھی نہیں ہنسوں گا، تو وفات کے بعد دیکھا گیا کہ آپ ہنس رہے تھے۔ ۱۰۱ھ میں وفات پا گئے، یَقُوْلُ الْجَارُوْدُ: سَمِعْتُ وَكِیْعًا یَقُوْلُ: لَمْ یَكْذِبْ رِبْعِیُّ بْنُ حِرَاشٍ فِی الْاِسْلَامِ كَذْبَةً آپ نے کبھی مدت العمر جھوٹ نہیں بولا۔[1]
حجاج بن یوسف گورنر عراق نے آپ کے دو بیٹوں کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے، ان پر

---

[1] ترمذی شریف، رقم الحدیث: ۱۷۵۔

Marfat.com

بغاوت کا مقدمہ دائر تھا، وہ روپوش ہو گئے، حجاج گورنر نے بچوں کے باپ حضرت ربعی بن خراش رحمۃ اللہ علیہ کو بلوایا اور پوچھا بچے کدھر ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا وہ دونوں گھر کے اندر ایک تہہ خانہ میں بیٹھے ہیں۔ اس صداقت پر حجاج سخت متاثر ہوا اور کہا تمہاری صداقت سے دونوں کو معاف کر دیا۔[1]

(۳) **حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ:** آپ صحابی رسول تھے، آپ سردار، مقتداء نہایت ہی حسین و جمیل، عظیم المرتبت اور دراز قد شخصیت کے مالک تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں "یُوْسُفُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ" یعنی اس امت کے یوسف، فرماتے تھے، آپ کا قد اونٹ کے کوہان تک پہنچتا تھا، اور آپ کی جوتی کی لمبائی ایک ہاتھ (ذراع) کے بقدر ہوتی تھی۔[2]

(۴) **حضرت یوسف الماجشون رحمۃ اللہ علیہ:** آپ کے والد کا نام یعقوب تھا، ماجشون در حقیقت آپ کے والد یعقوب کا لقب تھا، جو فارسی لفظ "ماہ گون" کا معرب ہے، جس کے معنی مشابہ قمر یا ہم رنگ گلاب سرخ کے ہیں، چونکہ یعقوب بہت سرخ، خوبصورت اور چمکدار رخسار اور چہرہ والے تھے، اس لئے ان کا لقب ماجشون ہو گیا۔ پھر اس کا استعمال ان کی اولاد میں بھی ہونے لگا، اسی لئے یوسف الماجشون اور یوسف بن الماجشون دونوں طرح واقع ہوا ہے، اور دونوں طرح ہی درست ہے۔[3]

(۵) **حضرت یزید الرشک رحمۃ اللہ علیہ:** رشک آپ کا عرفی نام تھا، جس کے مختلف معانی ہیں، چنانچہ امام ترمذیؒ اپنی کتاب شمائل میں فرماتے ہیں کہ رِشک اہل بصرہ کی لغت میں بمعنیٰ قسام ہے، یعنی تقسیم کرنے والا، اور بقول بعض کثیر اللحیۃ یعنی گھنی داڑھی والا، یا لغت فارسی میں عقرب یعنی بچھو کے معنیٰ میں ہے یزید کو رِشک اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ایک بار آپ کی گنجان داڑھی میں بچھو گھس گیا، جو مسلسل تین روز داڑھی میں رہا لیکن آپ کو اپنی داڑھی کی طوالت اور گنجان پن کی وجہ سے اس کا احساس تک نہ ہوا، شاید تین روز تک داڑھی میں غیر معمولی خارش اور حرکت ہوتی ہوگی، جس سے مدت معینہ کا علم ہوا، ابوعلی غسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو سند سے ذکر کیا ہے۔[4]

---

[1] قوۃ، ج:۳، ص:۱۹۰۔ [2] فتح الملہم، ج:۱، ص:۲۳۷۔ [3] فتح الملہم، ج:۲، ص:۲۳۴۔ [4] فتح الملہم، ج:۱، ص:۴۷۹۔

Marfat.com

(۶) حضرت شیخ ابوالقاسم منصور رحمۃ اللہ علیہ: آپ اہل اللہ میں سے تھے، اپنے باغ میں آپ کا قیام تھا، وہی باغ آپ کی آمدنی کا ذریعہ تھا، بہت ہی زیادہ متقی تھے۔ حلال، حرام میں بہت زیادہ احتیاط فرمایا کرتے تھے، خود بھی رزق حلال کا اہتمام کرتے تھے اور دوسروں کو بھی رزق حلال اپنانے پر زور دیتے تھے، آپ نے ایک جانور فروخت کر دیا وہ شخص اس جانور کو واپس لے آیا کہ یہ جانور خوراک نہیں کھاتا، حضرت شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے پوچھا کہ بھائی جان! تمہارا مشغلہ کیا ہے، اور کاروبار کیا ہے، اس نے کہا کہ میں بادشاہ وقت کا نوکر ہوں اور میری ڈیوٹی یہ ہے کہ میں بادشاہ کو گانا بجانا سناتا ہوں، اور اسی گانے بجانے پر مجھے تنخواہ ملتی ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: الحمد للہ! ہمارا جانور حرام چیز نہیں کھاتا، چونکہ تمہارا سارا کاروبار حرام ہی کا ہے۔ اس لئے مجھے جانور واپس کر دو، اور اپنے پیسے لے لو، یہ تھے اہل اللہ کہ خود تو حرام سے دور تھے ان کے جانور بھی حرام نہیں کھاتے تھے۔ [۱]

(۷) حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف رحمۃ اللہ علیہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف رحمۃ اللہ علیہ آف چارسدہ جب انتقال فرما گئے اور غار بابا کے قبرستان میں دفنائے گئے تو کسی شخص نے خواب دیکھا کہ اس قبرستان سے سانپ بھاگ رہے ہیں، حضرت خواجہ خواجگان مولانا خان محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو فرمایا کہ اس قبرستان میں اللہ پاک کا کوئی نیک بندہ دفنایا گیا ہوگا، اس کی برکت سے شیطان وہاں سے بھاگ رہے ہیں، جو سانپ کی شکل میں تھے۔ اس شخص نے کہا کہ حضرت! درست فرمایا، شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف وہاں دفنائے گئے ہیں، ایک بزرگ کی برکت سے پورے قبرستان والوں کو سکون مل گیا، اس لئے فرماتے ہیں کہ صالحین کی برکت وصال کے بعد بھی نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ زندگی میں نصیب ہوتی ہے۔ [۲]

---

[۱] البدایہ، ج:۳، ص:۲۴۳۔ [۲] ماہنامہ النصیحۃ چارسدہ۔

Marfat.com

نیک بندوں کے ساتھ محبت کرنے کا انعام

تفسیر جلالین کے حاشیہ (۱۶) ص (۲۴۲) پر لکھا ہے کہ اصحابِ کہف والے جب اپنے ایمان بچانے کیلئے اپنے شہر سے باہر پہاڑوں میں نکلے تو ان کے ساتھ ایک کتا بھی نکلا، راستے میں انہوں نے کتے کو واپس کرنا چاہا تو کتے کو اللہ پاک نے زبان دی کہ مجھے کیوں واپس کر رہے ہو، مجھے آپ کے ساتھ محبت ہے، اس لئے کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے ہیں اور صالحین میں سے ہیں تو انہوں نے کتے کو اپنے ساتھ رکھا۔

علامہ قرطبی عِشْلیہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابوالفضل جوہری نے مصر میں جامع مسجد کے منبر پر یہ بات فرمائی کہ جو شخص نیک لوگوں سے محبت کرے گا، ان کی برکات کو ضرور وہ شخص حاصل کرے گا، فرمایا کہ ایک کتا اصحابِ کہف کے ساتھ جو اللہ پاک کے مخلص بندے تھے محبت کرتا تھا تو اللہ پاک نے اس کتے کا ذکر قرآن مجید میں بیان فرمایا، پس خوش قسمت ہیں وہ مومنین جو اللہ پاک کے اولیاء اور صالحین سے محبت کرتے ہیں، ان کی کتنی شان ہوگی، اگرچہ ان محبین کا عمل کمزور ہو، لیکن کاملین کے ساتھ محبت کرنے سے اللہ پاک ان کو اونچے درجات سے نوازیں گے، کیا شان ہے کاملین سے محبت کرنے کی !!!۔ [1]

کیا خوب کہا ہے کسی کہنے والے نے ۔

وَ اِنِّیْ نَاقِصٌ فِیْ کُلِّ شَیْئٍ .... وَ لٰکِنِّیْ اُحِبُّ الْکَامِلِیْنَ
اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَ لَسْتُ مِنْهُمْ .... لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا

اور بیشک میں ہر عمل میں کمزور ہوں، لیکن مجھے کاملین یعنی نیک لوگوں کی محبت ہے، میں صالحین سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ خود صالح نہیں، شاید اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مجھے بھی نیک بنائیں۔

اصحابِ کہف کے نام یہ ہیں:

یَمْلِیْخَا مَکْسَلْمِیْنَا کَشْفُوْطَطْ طَبْیُوْنُسْ کَشَا فَطْیُوْنُسْ اَذَا فَطْیُوْنُسْ یُوَانِسْ بُوْسْ

اصحابِ کہف کے ناموں کی برکت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہاں آگ لگی ہو تو کاغذ پر یہ مبارک نام لکھ کر آگ کے بیچ

---

[1] جلالین ص ۲۴۲، حاشیہ ۱۶ تحت آیت کَلْبُهُمْ بَاسِطٌ۔

Marfat.com

میں ڈال دیں، کھیتی کی حفاظت کیلئے لکھ کر کھیت میں لٹکائیں، تو کھیت کی حفاظت ہوگی، ہر قسم کی پریشانیوں کیلئے بخار اور دردِ سر کیلئے یہ مبارک نام شفاء کا ذریعہ ہیں۔ [1]

فائدہ

یہ جو بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اصحابِ کہف کا کتا جنت میں جائے گا، یہ بات بلا سند اور بلا دلیل ہے، اس کیلئے قرآن وحدیث میں کوئی حوالہ نہیں، صرف علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حیاۃ الحیوان میں خالد بن معدان کے حوالے سے لکھا ہے، لیکن خالد بن معدان ایک صوفی بزرگ گزرے ہیں، اس کیلئے مضبوط حوالے کی ضرورت ہے، جب کتا گھر میں ہوتا ہے تو وہاں فرشتے نہیں جاتے تو جنت جو رحمتوں کا مرکز ہے، وہاں کتا کیسے جائے گا۔

کام کی درستگی اور مالی تنگی دور کرنے کے وظائف

1. امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک وظیفہ اپنے معمول میں رکھتے تھے، صبح کی نماز کے بعد چالیس مرتبہ مندرجہ ذیل دعا پڑھ لیتے تھے:

يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ لَآاِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے بھی اس وظیفہ کو اپنا معمول بنالیا ہے، حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ جو الٹا سیدھا کام کرتا ہوں، درست ہوجاتا ہے۔

2. حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے سنہ ۱۳۷۰ ہجری میں دو وظیفے بتلائے تھے، وہ اب تک میرے عمل میں ہیں، وہ یہ کہ صبح کی نماز کے بعد ستر مرتبہ یہ آیت پڑھی جائے:

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ [2] (اوّل آخر درود شریف)

---

[1] تفسیر نیشاپوری۔ [2] شوریٰ:۱۹۔

Marfat.com

فرماتے ہیں اس وظیفہ کی برکت ہے کہ بحمد اللہ کبھی مالی تنگی پیش نہیں آئی، اور دوسرا وظیفہ حل مشکلات کیلئے ہے:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل۔ تین سو اکتالیس (۳۴۱) مرتبہ۔

ایک اہم غلطی کی اصلاح

عام طور پر دعاؤں کی چھوٹی کتابوں میں کھانے کے بعد ایک دعا لکھی ہوتی ہے اور عموماً لوگوں کو وہ یاد بھی ہوتی ہے، لیکن وہ دعا غلط لکھی گئی ہے، وہ دعا اس طرح لکھتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

تو اس دعا میں ''من'' کا لفظ ثابت نہیں، صحیح دعا یہ ہے ''وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ'' [1] اس لئے کہ یہ دعا ترمذی شریف، شمائل ترمذی، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف، اور مشکوٰۃ شریف میں بغیر ''مِنْ'' کے ثابت ہے، نہ معلوم کہ مِنْ کا اضافہ لوگوں نے کیسے کر دیا، تو اس غلطی کی اصلاح کر دینی چاہیے، ''مِنْ'' کو نہیں پڑھنا، ''وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ'' پڑھنا چاہیے۔ چھوٹی کتابیں معتبر نہیں، معتبر اوپر والی پانچ کتابیں ہیں، جو صحاح ستہ میں سے ہیں اور ان میں لفظ ''مِنْ'' موجود نہیں۔

لفظِ طاغوت کے معنی کی وضاحت

لفظِ طاغوت قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے، اس کے متعلق حضرت شیخ صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نے اس کا ترجمہ شیطان سے کیا ہے، کسی نے اصنام سے، فرمایا ہمارے نزدیک سب سے بہترین ترجمہ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ كُلُّ مَا يَشْغُلُكَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتُكَ یعنی ہر وہ چیز جو راہِ حق سے آپ کو روک لے وہ طاغوت ہی ہے۔

چند اہم اور خاص مسائل

حضرت شیخ سرفراز صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ عموماً ان مندرجہ ذیل خاص خاص مسائل پر بڑا زور دیتے تھے:

[1] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۵۰۔

Marfat.com

۱۔ فرمایا جس کے ناخن بڑھے ہوئے ہوں اس کی نہ نماز ہوتی ہے اور نہ غسل، کیونکہ ناخنوں کے نیچے میل جم جاتی ہے، نیچے پانی نہیں پہنچتا۔

۲۔ جب خواتین آٹا گوندھ لیتی ہیں تو آٹے کو ناخنوں کے نیچے سے صاف کرنا چاہیے، ورنہ نیچے پانی نہیں پہنچتا تو غسل اور وضو دونوں نہیں ہوتے۔

۳۔ خواتین ناخن پالش نہ لگائیں کیونکہ ناخن پالش کے ہوتے ہوئے وضو اور غسل نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا۔

۴۔ وضو اور غسل کرتے وقت انگوٹھی کو ہلانا ضروری ہے تاکہ نیچے پانی پہنچ جائے، ورنہ وضو اور غسل نہ ہوگا۔

۵۔ خواتین بالی اور نتھ کی سوراخ میں پانی ضرور پہنچائیں، وضو اور غسل کے وقت ان دونوں جگہوں کو حرکت دیں اور ملا کریں، ورنہ وضو غسل نہیں ہوگا۔

۶۔ خاتون اگر باریک دوپٹہ پہن کر نماز پڑھے کہ جس سے سر کے بال نیچے نظر آ رہے ہوں تو اس دوپٹہ سے نماز نہیں ہوگی، اگرچہ بند کمرے میں بھی وہ نماز پڑھ رہی ہو، کیونکہ سر عورت کے ستر میں داخل ہے۔

۷۔ بعض لوگ نماز دل میں پڑھتے رہتے ہیں، زبان نہیں چلاتے، ان کی نماز نہیں ہوتی، بعض ہونٹ تو ہلاتے ہیں لیکن زبان کی آواز کانوں تک نہیں پہنچ پاتی، ایک قول کے مطابق ان کی بھی نماز نہیں ہوتی، نماز اس شخص کی صحیح ہے کہ زبان سے جو الفاظ نکال رہا ہے، وہ اپنے کانوں سے سن رہا ہوتا ہے، بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کافی حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فجر کی سنت میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص سنی ہے، تو اپنے کانوں تک آواز پہنچانا ضروری ہے۔

۸۔ آج کل جو تنکوں کی ٹوپیاں مسجدوں میں ہوتی ہیں، ان کو پہننا نماز کیلئے مکروہ ہے، نماز میں وہ کپڑا یا وہ چیز استعمال کر سکتے ہیں کہ اسی چیز کو پہن کر بازار میں بھی جا سکتے ہیں، یا دوستوں کی ملاقات بھی اس میں کر سکتے ہیں، جبکہ مسجد کی تنکوں والی ٹوپیوں کو پہن کر کوئی بھی شخص دوستوں کو ملنے نہیں جاتا، اس

Marfat.com

لئے یہ مکروہ ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ''ہر نماز کے وقت اچھا لباس پہنیں''۔ [1]

بعض لوگ گرمیوں میں صرف بنیان پہن لیتے ہیں، بعضوں کے کپڑوں میں بدبو ہوتی ہے، عطائؒ نے لکھا ہے کہ کنّاسین (جھاڑو دینے والے) صبّاغین (رنگریز) زیّاتین (تیلی) کو آخری صف میں نماز پڑھنی چاہئے، عموماً ان کے لباس سے بدبو آتی ہے۔ مسجد کی سیاہ اور گندی چٹائیاں بھی کراہت سے خالی نہیں۔

۹۔ بعض لوگ ننگے سر نماز پڑھتے ہیں، حضور اقدس ﷺ بازار، اور سفر میں بھی ننگے سر نہ رہتے تھے، یہ چیز انگریز نے ایجاد کی ہے، آپ ﷺ نے زندگی بھر ایک فرض نماز بھی ننگے سر نہیں پڑھائی۔

۱۰۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ توبہ سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، فرمایا یہ غلط ہے، اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قیامت کے دِن یہ کوئی نہ کہے کہ ہمیں کسی نے بتایا نہیں، حقوق العباد تو کسی صورت میں توبہ سے معاف نہیں ہوتے، اور حقوق اللہ میں نماز، روزہ، زکوٰۃ وعشر توبہ سے معاف نہیں ہوتے، البتہ گناہ توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں، اس لئے قضا نمازوں کو پڑھنا پڑے گا۔

حقوق والے حقوق ادا کرنا انتہائی ضروری ہے، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے اگر کسی نے دوسرے کے دو پیسے دینے ہیں، یعنی معمولی ترین رقم، قیامت کے دن اس کے بدلے میں سات سو (۷۰۰) قبول نمازیں لے لی جائیں گی۔

[1] الاعراف: ۳۱۔

Marfat.com

مختصر،فوائد عظیمہ

قلم کی تاثیر تلوار سے بھی زیادہ

امیر تیمور نے ایک ہنگامی اور فوری پیغام روانہ کرتے ہوئے قاصد کو حکم دیا، راہ میں جہاں اور جس کا گھوڑا بھی مل جائے، اس پر بیٹھ کر فوراً روانہ ہو جاؤ، قاصد ابھی تھوڑے ہی فاصلہ پر پہنچا تھا کہ اسے ایک خیمہ نصب ہوا دکھائی دیا، خیمے کے در پر چند گھوڑے موجود تھے، قاصد نے اس میں سے ایک گھوڑا کھولا، اور اس پر سوار ہونے والا ہی تھا کہ چند آدمی خیمے سے نکلے اور قاصد کو چور سمجھ کر پیٹنا شروع کر دیا، اس نے بتایا میں امیر تیمور کا قاصد ہوں، اور اس کے شاہی حکم کے مطابق کہ میں جس کا گھوڑا پاؤں پکڑ کر روانہ ہو جاؤں۔

ان لوگوں نے جواب دیا کہ تو بھی کان کھول کر سن لے یہ گھوڑے ہمارے امیر علامہ سعد الدین تفتازانی کے ہیں، اگر تو اپنی خیر چاہتا ہے تو فوراً یہاں سے بھاگ جا اور یہ بات اپنے امیر کو جا سنا، وہ واپس آ کر امیر تیمور کو شکایتاً عرض حال سناتا ہے، امیر تیمور نے ساری بات سن کر جواب دیا افسوس میں اس شخص کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، کیونکہ جس شہر میں فاتحانہ داخل ہوتا ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ علامہ سعد الدین تفتازانی کے قلم نے اس شہر کے لوگوں کو میری تلوار سے پہلے فتح کر رکھا ہے۔

اسے کہتے ہیں کمال انصاف

ایک دفعہ ایک امیر لڑکے نے سلطان محمد تغلق رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۵۲ھ کے خلاف قاضی کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ سلطان نے مجھے بلا سبب مارا ہے، قاضی نے فیصلہ کیا کہ سلطان یا تو لڑکے کو راضی کریں ورنہ قصاص دیں، ابن بطوطہ (عمر بن عبید اللہ ابن بطوطہ) مشہور سیاح لکھتا ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ سلطان نے دربار میں لڑکے کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں چھڑی دی اور قسم دلا کر کہا کہ تم اپنا بدلہ لے لو، جس طرح میں نے تجھے پیٹا تھا تم بھی مجھے مارو، اس کے بعد لڑکے نے سلطان کو اکیس چھڑیاں ماریں، یہاں تک کہ ایک مرتبہ سلطان کی ٹوپی سر

Marfat.com

سے گر پڑی۔[1]

افشاءراز

شیخ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال کے وقت وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ ایسا شخص پڑھائے جس میں یہ تین وصف جمع ہوں: (۱) ہمیشہ عفیف رہا ہو کسی غیر محرم پر اس نے کبھی نظر نہ اٹھائی ہو۔ (۲) اس کی عصر کی سنتیں قضاء نہ ہوئی ہوں۔ (۳) اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، نماز جنازہ کے وقت جب اس وصیت کا اعلان کیا گیا تو کوئی آگے نہیں بڑھا، کچھ دیر انتظار کے بعد سلطان التمش یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا کہ میری خواہش تو یہی تھی کہ میرا حال لوگوں سے پوشیدہ رہے لیکن خواجہ نے آج اس راز کو فاش کر دیا۔[2]

شیخ محمد بن عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان افروز واقعہ

آپ حنبلی مسلک کے امام تھے، یہ واقعہ ابن عماد رحمۃ اللہ علیہ نے شذور کتاب میں علامہ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، فرمایا:

میں (محمد بن عبد الباقی) مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کا مجاور تھا، اتفاقاً ایک دن یہ صورت پیش آئی کہ کھانے کیلئے میرے پاس چار دن سے کچھ بھی نہ تھا، چار دن کی بھوک سے حالت بہت کمزور ہوگئی، بس آبِ زم زم پر گزارہ کرتا تھا، اسی حال میں ایک دن میں جا رہا تھا کہ سامنے ایک بٹوہ جو راستے میں پڑا تھا ملا، اس کو اٹھایا، یہ ریشم کا بٹوہ تھا اور ریشم کی ڈور سے بندھا ہوا تھا، گھر لا کر جب میں نے اس کو کھولا تو دیکھا کہ موتیوں کا ایک خوبصورت ہار اس میں پڑا تھا، ایسے خوبصورت موتی زندگی میں کبھی نہیں دیکھے تھے، میں نے ہار کو بٹوہ میں واپس رکھ دیا، اور گھر سے باہر نکلا، سامنے دیکھا کہ ایک شخص پکار رہا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک رومال تھا، جس میں

---

[1] سفر نامہ ابن بطوطہ، ص:۱۳۸۔ [2] خزینۃ الاصفیاء، ج:۱، ص:۲۷۵۔

Marfat.com

کچھ بندھا ہوا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ میرا بٹوہ جس میں موتیوں کا ہار تھا گم ہو گیا ہے، جو صاحب اس کی اطلاع دے گا اسے یہ پانچ اشرفیاں انعام میں دوں گا، یہ دیکھ کر میں نے بڑے میاں کو بلایا گھر لے گیا، ان سے نشانات پوچھے، بتلانے پر وہ بٹوہ اس کے حوالے کیا، وہ بڑا ممنون ہوا، حسب وعدہ پانچ اشرفیاں مجھے دینے لگا، اس وقت ایمانی غیرت نے لینا گوارہ نہ کیا، میں نے شکریے کے ساتھ انعام واپس کیا، اس نے کافی اصرار کیا مگر میں نے انعام نہ لیا، وہ چلا گیا، حالانکہ مجھے کھانے تک کچھ بھی میسر نہ تھا، اور مجھے انعام کی ضرورت بھی تھی، لیکن ڈٹ گیا اور انعام واپس کیا۔

شیخ کا بیان ہے کہ کچھ عرصہ بعد میں بحری جہاز پر سوار ہو گیا کہ اچانک طوفانی ہوا نے جہاز کو اپنی گرفت میں لے لیا اور جہاز کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، مسافر سب ڈوب مرے، صرف میں اکیلا ایک تختے پر رہ گیا، اور یوں وہ تختہ تیرتا ہوا ایک جزیرے کے ساحل تک پہنچ گیا۔

اب یہیں سے اصل عبرت انگیز داستان شروع ہوتی ہے، قدرت کی کارفرمائیوں پر تعجب ہوتا ہے، شیخ محمد بن عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ نے دیانت اور امانت کے حقوق ادا کر دیئے، چاہتے تو اس ہار کو فقہی حیلوں سے جائز قرار دے سکتے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عمل حق تعالیٰ نے بڑا پسند فرمایا اور اس کا معاوضہ دنیا میں بھی دینا چاہا۔

کہتے ہیں کہ اس جزیرے میں لوگ آباد تھے، تختے سے اتر کر ان ہی کے پاس چلے گئے، معلوم ہوا کہ سب مسلمان ہیں، ایک مسجد پر نظر پڑی، وہیں جا کر ٹھہر گئے، نمازی نماز کیلئے آئے، تو مجھ سے حال دریافت کیا، میں نے سمندر کے طوفان کا پورا واقعہ سنا دیا، لوگ مجھ سے مانوس ہو گئے، ان پر جب واضح ہوا کہ میں قرآن مجید پڑھا ہوا ہوں اور قرآن مجید پڑھا سکتا ہوں تو لوگ مجھ سے قرآن مجید پڑھنے کیلئے آنے لگے، پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ پڑھانے کے سوا

Marfat.com

قرآن پاک لکھ بھی سکتا ہوں تب تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے، بچے چھوٹے بڑے میرے پاس آنا شروع ہو گئے، کوئی پڑھ رہا ہے، کوئی لکھائی سیکھ رہا ہے، خوب مجمع ہونے لگا، لوگ مجھے مالی امداد سے بھی نوازتے تھے، ان کی دلچسپیاں میرے ساتھ حد سے بڑھنے لگیں، حتی کہ میری شادی کا بندوبست کرنے لگے، وہ سب میرے پاس آئے کہ ہمارے ہاں ایک مالدار آدمی کی بچی ہے، باپ تو فوت ہو چکا ہے اس کی شادی کسی اچھے آدمی سے کرنا چاہتے ہیں، تم سے بہتر شوہر اس عورت کیلئے کون ہو سکتا ہے؟ اس لئے اس کی شادی آپ کے ساتھ کراتے ہیں، شیخ نے ان کی درخواست قبول کی اور شادی ہوگئی، جب شادی کی پہلی رات شیخ اپنی دلہن کے پاس پہنچ گئے تو دلہن کے گلے میں وہ ہار دیکھا جسے شیخ نے مکہ معظمہ میں ایک بوڑھے شیخ کے حوالے کیا تھا، شیخ نے دلہن سے کہا بڑا پیارا ہار تمہارے گلے میں ہے، تو وہ لڑکی رو پڑی اور کہا کہ میرا والد ایک ارمان لے کر دنیا سے چلا گیا، انہوں نے بتایا تھا کہ یہ ہار مجھ سے گم ہوا تھا، ایک نوجوان کو ملا اور مجھے واپس کیا، اس کو میں نے انعام بھی دیا مگر اس نے وہ انعام مجھے واپس کیا کہ میں نے ایک فرض پورا کیا ہے، اور آپ کو امانت واپس کی ہے، میں اس ثواب کو فروخت کرنا نہیں چاہتا۔

اور میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ میں اپنی بچی کا رشتہ اس نوجوان کو دوں گا اگر وہ مجھے مل گیا، جب بچی کو شیخ نے بتلایا کہ الحمد للہ تمہارے والد صاحب کا وہ ارمان پورا ہو گیا ہے، وہ نوجوان میں ہی تھا، وہ ہار مجھے ملا تھا، پھر تو بڑی خوش ہوگئی کہ الحمد للہ والد صاحب کا ارمان پورا ہو گیا ہے۔

وہ لڑکی والدین کی اکلوتی بچی تھی، شیخ سے شادی ہوئی، چند بچے ان سے میرے پیدا ہوئے، پہلے میری بیوی انتقال کر گئی، پھر بچے انتقال کر گئے، اب اس ہار کا میں اکیلا وارث بنا اور میرے قبضے میں آیا، پھر میں اس وطن سے اپنے علاقے میں واپس آیا، اس ہار کو ایک لاکھ اشرفیوں کے عوض میں نے فروخت کیا، شیخ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے

Marfat.com

پاس جو عظیم دولت تم دیکھتے ہو، یہ اسی ایک لاکھ اشرفیوں سے حاصل ہوئی جو ہار کو بیچ کر مجھے رقم ملی تھی۔ سچ کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امانت و دیانت میں برکت ہی برکت ہے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی اس میں ملتی ہے۔ [1]

زبیدہ بیگم کا عجیب وغریب خواب دیکھنا

یہ روایت مشہور ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون نے خواب میں دیکھا کہ دنیا کے لوگ آکر مجھ سے صحبت (ہمبستری) کر رہے ہیں، وہ بہت پریشان ہوگئی، فن تعبیر کے امام حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر بتلادی کہ اللہ پاک زبیدہ بیگم سے ایسا کام کرائے گا کہ اس سے ساری مخلوق فائدہ اٹھائے گی، چنانچہ جب اس نے نہر زبیدہ بنوائی تو اس کے خواب کی تعبیر درست ہوگئی۔ [2]

کیا ازواج مطہرات (رضوان اللہ اجمعین) سر کے بال کٹاتی تھیں؟

بعض لوگ مسلم شریف کی یہ حدیث دلیل میں پیش کرتے ہیں "یَأْخُذْنَ مِنْ رُؤُوْسِهِنَّ حَتّٰى تَكُوْنَ كَالْوَفْرَةِ" [3] کہ بعض ازواج مطہرات بال کٹا کر مثل وفرہ کر دیتی تھیں، وفرہ ان بالوں کو کہا جاتا ہے جو کانوں کی لو تک ہوں، اس اشکال کے جوابات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے فوائد علمیہ میں یہ دیئے ہیں:

(۱) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواج مطہرات نے زیب وزینت کو بالکل چھوڑ رکھا تھا اور درویشانہ زندگی گزارتی تھیں، اس لئے کنگھا اور تیل وغیرہ سروں میں استعمال نہیں کرتی تھیں، اس لئے ان کے بال چھوٹے نظر آتے تھے جبکہ صحیح معنوں میں بال چھوٹے نہیں ہوتے تھے۔

(۲) وفرہ کا اطلاق لغت میں "جُمّہ" پر بھی ہوتا ہے اور جُمّہ کا معنیٰ ہے کہ بال جب مونڈھے کو لگ جائیں تو اس معنیٰ پر کوئی اشکال نہیں کہ مونڈھوں تک بال تھے۔

(۳) تیسری توجیہ پیاری اور علمی ہے وہ یہ کہ ازواج مطہرات کثرتِ حج وعمرہ کی وجہ سے بالوں کو بار بار کٹاتی تھیں اس لئے ان کے بال چھوٹے ہوگئے تھے، اس لئے کہ ہر مرتبہ احرام کھولنے سے قبل عورت

---

[1] شذور، ج:۴۔ [2] فتاویٰ رحیمیہ، ج:۱۰، ص:۲۲۹۔ [3] صحیح مسلم:۳۲۰۔

Marfat.com

بالوں کو کٹاتی ہے تو آج فیشن ایبل عورت حج وعمرے میں کثرت کے ساتھ جایا کریں تو ان کے بال بھی چھوٹے ہو جائیں گے۔

(۴) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ ترک تزئین کی وجہ سے بالوں کو ہلکا رکھا تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں تو ہمارے لئے زینت کا کیا فائدہ۔

(۵) ایک جواب یہ بھی ہے کہ بال کنگھی کر کے گول شکل میں اکٹھے کر دیتی تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہندہ رضی اللہ عنہا کا حیران کن واقعہ

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ ہندہ کی پہلی شادی فاکہ بن مغیرہ قریشی کے ساتھ ہوئی، فاکہ نے اٹھنے بیٹھنے کیلئے ایک بیٹھک بنا رکھی تھی اس بیٹھک میں ہر شخص آ کر بیٹھ سکتا تھا، ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ فاکہ اور اس کی بیوی ہندہ بنت عتبہ اپنی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے فاکہ کسی ضرورت کیلئے اُٹھ کر چلا گیا اور ہندہ بیٹھک میں اکیلی رہ گئی، اچانک اس بیٹھک میں باہر سے ایک شخص داخل ہوا، جب اس نے دیکھا کہ کوئی عورت وہاں سوئی ہوئی ہے تو فوراً وہاں سے باہر نکلا، جونہی وہ شخص باہر نکلا، فاکہ واپس آ رہا تھا اس نے دیکھا کہ بیٹھک سے کوئی شخص باہر نکل رہا ہے، فاکہ اندر گیا تو آپ کی بیوی ہندہ اندر سو رہی تھی، غصے میں اس کو ٹھوکر ماری اور پوچھا کہ تیرے پاس یہ مرد کون آیا تھا؟ ہندہ نے کہا کہ میں اندر سو رہی تھی میں نے کسی کو بھی اندر آتا ہوا نہیں دیکھا، فاکہ کو ہندہ پر شک سا گزرا، اس لئے اس کو میکے اپنے والد عتبہ کے ہاں بھیجا، ادھر لوگوں میں اس واقعہ کا خوب چرچا ہوا، ہندہ کے والد نے اپنی بیٹی ہندہ سے پوچھا کہ تم مجھے سچ بتاؤ اگر یہ الزام جھوٹا ہے تو میں تمہارے خاوند کو کسی طرح سے قتل کرا دیتا ہوں تا کہ لوگ اس طعنہ زنی سے باز آ جائیں ورنہ یمن میں یہ معاملہ ایک کاہن (نجومی) کے ہاں لے جاتے ہیں، ہندہ نے والد سے کہا کہ میں اپنی پاکدامنی پر قسم اٹھانے کیلئے تیار ہوں، جب ہندہ کے والد عتبہ کو یقین ہو گیا کہ ہندہ سچ کہہ رہی ہے تو اس نے فاکہ کو مجبور کیا کہ چونکہ تم نے میری بیٹی پر ناجائز الزام لگایا ہے اس لئے اپنے قبیلے کے لوگوں کو ساتھ لیکر یمن میں کسی نجومی کے

Marfat.com

پاس چلتے ہیں۔

چنانچہ فاکہ بنو مخزوم کے معززین کو اور عتبہ عبد مناف کے بڑوں کو ساتھ لیکر یمن کی طرف روانہ ہوئے، جب وہاں جانے کیلئے ایک قافلہ تیار ہوا تو دوسری عورتیں بھی ساتھ ہو گئیں کہ ہم نے بھی وہاں نجومی سے فال نکلوانے ہیں، جب یہ قافلہ یمن کے قریب پہنچ گیا تو ہندہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، یہ حالت دیکھ کر اس کے والد عتبہ نے کہا کہ تیرے اس رنگ کے تغیر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تو گناہگار ہے، ہندہ نے کہا یہ بات نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ مجھے ایک ایسے شخص کے پاس لیجا رہے ہیں جس کی بات کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی غلط، اگر بلاوجہ اس نے مجھ پر تہمت لگائی اور مجھے قصور وار ٹھہرایا تو پھر سارے عرب میں رسوا ہو جاؤں گی، عتبہ نے کہا کہ میں تیرا معاملہ کاہن کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اس کا امتحان لوں گا، چنانچہ عتبہ نے گھوڑے کے نفس (ذکر) کے سوراخ میں گندم کا دانہ رکھ کر اوپر سے چمڑے کی پٹی باندھ لی۔

پھر یہ قافلہ جب کاہن کے پاس پہنچا، کاہن نے عرب کے معززین کو خوش آمدید کہا اور ان کی تواضع کیلئے اونٹ ذبح کیا، دسترخوان پر عتبہ نے اپنے میزبان (کاہن) سے کہا کہ ہم تمہارے پاس ایک کام لیکر آئے ہیں لیکن اس سے پہلے بغرض امتحان ہم نے ایک کام کیا ہے وہ بتادیں کہ ہم نے گندم کا دانہ کہاں رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ گھوڑے کے ذکر کے سوراخ میں رکھا ہے، عتبہ نے کہا آپ نے درست کہا۔

وہ نجومی ایک ایک عورت کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فال بتاتا جاتا تھا، جب ہندہ کے شانے (کندھے) پر ہاتھ رکھا تو نجومی نے کہا کہ تمہارے اوپر ایک ناجائز الزام لگ چکا ہے لیکن تم اس الزام سے بالکل پاک اور صاف ہو، نجومی نے دوسری بات یہ بتلا دی کہ تمہارے پیٹ سے ایک بادشاہ پیدا ہوگا، یہ سن کر ہندہ کے خاوند فاکہ نے ہندہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے معافی مانگنے لگا، مگر ہندہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا کہ مجھ سے دور ہو جاؤ، اگر نجومی کی یہ بات سچی ہو کہ میرے پیٹ سے بادشاہ پیدا ہوگا تو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ وہ بادشاہ تیرے نطفے (صلب) سے نہیں ہوگا، کسی اور سے ہوگا، الحاصل ہندہ رضی اللہ عنہا نے فاکہ کو چھوڑ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے شادی کی

Marfat.com

اوران سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ [1]

فائدہ: نجومی براہ راست غیب کی بات نہیں بتاتا، غیب کی بات صرف اور صرف اللہ رب العالمین جانتے ہیں البتہ نجومیوں کے قابو میں جنات ہوتے ہیں وہ ایسی باتیں انہیں بتاتے ہیں، قرآن مجید میں ہے "وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ" [2] اور بیشک شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے جھگڑا کریں۔

جامع اُموی دمشق

جامع اموی کسی زمانے میں فن تعمیر کے عجائب میں سے شمار ہوتی تھی، یہ مسجد بنوامیہ کے خلیفہ ولید بن عبد الملک نے تعمیر کی تھی، رومیوں کے عہد حکومت میں یہاں عیسائیوں کا ایک معبد خانہ تھا جو کنیسہ یوحنا کہلاتا تھا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں نے دمشق پر حملہ کیا تو آدھا شہر لڑائی کے ذریعے بزور قوت فتح ہوا، لیکن جب تقریباً آدھا شہر فتح ہو گیا تو اہل شہر نے ہتھیار ڈال کر مسلمانوں سے صلح کر لی، چنانچہ باقی نصف شہر صلح کے ذریعے فتح ہوا، اسلام کا اصول یہ ہے کہ دشمن کا جو علاقہ لڑائی کے ذریعے فتح ہو، اس کے بارے میں اسلامی حکومت کو مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس میں جو تصرف چاہے کرے لیکن جو علاقہ مصالحت کے ذریعے فتح ہو اس میں صلح کی شرائط کی پابندی کرنی پڑتی ہے، اتفاق سے اس کلیسا کا نصف حصہ لڑائی اور باقی نصف حصہ مصالحت سے فتح ہوا تھا جو حصہ لڑائی سے فتح ہوا تھا اس میں مسلمانوں نے اپنے شرعی اختیار پر عمل کرتے ہوئے مسجد بنالی لیکن باقی نصف حصہ جو صلحاً فتح ہوا تھا اس کو معاہدے کی شرائط کے تحت کلیسا ہی برقرار رکھا۔

چنانچہ فتح دمشق کے بعد سالہا سال تک یہاں مسجد اور کلیسا برابر قائم رہے، جب ولید بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو نماز پڑھنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ مسجد تنگ پڑ گئی دوسری طرف مسجد کے بالکل برابر کلیسا ہونے کی وجہ سے ایک مستقل بدمزگی شروع سے چلی آرہی تھی، ولید بن عبدالملک چاہتے تھے کہ کلیسا کا حصہ بھی مسجد میں شامل کرلیا جائے، لیکن معاہدے کی شرائط کے مطابق کلیسا قائم رکھنے پر مجبور تھے، انہوں نے کلیسا کے ذمہ

---

[1] تاریخ الخلفاء، ص: ۲۹۱ از علامہ سیوطیؒ۔ [2] الانعام: ۱۲۱۔

Marfat.com

داروں کو بلا کران سے بات چیت کی اور اس جگہ کے بدلے انہیں چار کلیساؤں کے برابر جگہ دینے یا اس کے معاوضے میں منہ مانگی رقم پیش کرنے کی پیش کش کی لیکن وہ یہاں سے کلیسا ہٹانے پر رضامند نہیں ہوئے۔

اس حد تک تو روایات متفق ہیں اس کے بعد روایات میں اختلاف ہے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے انکار کے بعد ولید بن عبدالملک نے زبردستی اس حصے پر قبضہ کر کے وہاں مسجد تعمیر کر دی، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور آیا تو عیسائیوں نے ان سے اس زبردستی کی شکایت کی، اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان عیسائیوں کے حق میں فیصلہ دیا اور اس حصے سے مسجد ختم کر کے اسے عیسائیوں کے حوالے کرنے کا ارادہ فرمالیا لیکن بعد میں دمشق کے حاکم نے عیسائیوں کو منہ مانگا معاوضہ دے کر راضی کر لیا اور پھر وہ بخوشی اس حصے سے دستبردار ہو گئے۔ اور بعض روایات سے اس کے برخلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولید بن عبدالملک نے شروع سے عیسائیوں پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی بلکہ یہ کہا تھا کہ اگر وہ یہ کلیسا کی زمین مسجد کیلئے دینے پر رضامند ہو جائیں تو دمشق اور اس کے مضافات کا جو حصہ مسلمانوں نے بزور فتح کیا تھا وہاں کے جن چار کلیساؤں کے انہدام کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ فیصلہ واپس لے لیا جائے گا، اور یہ چاروں کلیسا آپ کے واپس کر دیئے جائیں گے چنانچہ اس پر عیسائیوں نے اپنی رضامندی سے یہ کلیسا مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

بہرصورت! ولید نے جب کلیسا کو اپنی تحویل میں لے کر اسے منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو عیسائیوں نے کہا کہ ہمارے یہاں یہ عقیدہ مشہور ہے کہ جو شخص اس کلیسا کو منہدم کرے گا وہ پاگل ہو جائے گا لہٰذا آپ اسے منہدم نہ کیجئے لیکن ولید نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں اس کا انہدام خود اپنے ہاتھوں سے شروع کروں گا، چنانچہ سب سے پہلی کدال ولید نے ماری اور اس کے بعد دوسرے مسلمانوں نے اسے مسمار کر دیا۔

اب ولید بن عبدالملک نے دونوں حصوں کو ملا کر ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا جو اپنے فن تعمیر کے لحاظ سے اس دور کی سب سے عالیشان اور سب سے خوبصورت مسجد قرار پائی، کہتے ہیں کہ اس کی تعمیر پر ایک کروڑ بارہ لاکھ دینار خرچ ہوئے تھے۔

Marfat.com

مسجد کا اندرونی ہال جس میں محراب بنی ہوئی ہے شرقاً اور غرباً دو سو فٹ لمبا اور سو فٹ چوڑا تعمیر کیا گیا اس کے قبلے کی دیوار میں سنگ مرمر کے ساتھ سونا بھی جڑا گیا تھا، اس ہال کے اوپر ایک شاندار گنبد تعمیر کیا گیا جسے ''قبۃ النسر'' کہتے ہیں، یہ کسی زمانے میں دمشق کی بلند ترین عمارت تھی اور اس کا پرشکوہ منظر دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، اندلس کا مشہور سیاح محمد بن جبیر ۵۸۷ھ میں یہاں پہنچا تو اس گنبد پر چڑھنے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ہم نے دنیا میں عجیب وغریب مناظر دیکھے ہیں اور جن پرشکوہ عمارتوں کا مشاہدہ کیا ہے ان میں جامع اموی کے قبے پر چڑھنے کا تجربہ ایک عظیم تجربہ تھا، ابن جبیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ جامع اموی کے گنبدوں کی یہ خاصیت مشہور ہے کہ ان میں نہ مکڑی جالے بن سکتی ہے اور نہ چمگادڑیں ان کو اپنا مسکن بنا سکتی ہیں، مسجد کی دیوار قبلہ میں کئی محرابیں ہیں اور یہ خلافت عثمانیہ کے دور میں مختلف فقہی مذاہب کے علیحدہ علیحدہ مصلوں کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہیں، اب بھی جامع اموی میں حنفی اور شافعی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں لیکن دونوں جماعتوں میں محراب ایک ہی استعمال ہوتی ہے اور اب ان جماعتوں میں لوگوں کی شرکت کسی مخصوص فقہی مسلک سے وابستگی کی بنیاد پر کم اور اپنی سہولت کی بنیاد پر زیادہ ہوگئی ہے۔ مثلاً تمام اوقات میں شافعی مسلک کی جماعت پہلے ہوتی ہے اور حنفی مسلک کی بعد میں، اب جس شخص کو اپنی مصروفیات کے لحاظ سے جس جماعت میں شرکت کا موقع مل جاتا ہے وہ اس میں شریک ہو جاتا ہے خواہ حنفی ہو یا شافعی۔

مسجد کے ہال میں ایک مقبرہ بنا ہوا ہے جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ یہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک مدفون ہے۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جامع اموی کی تعمیر کے دوران ایک غار دریافت ہوا، ولید بن عبدالملک کو اس کی خبر کی گئی، ولید بن عبدالملک خود اس غار میں داخل ہوئے تو اس میں ایک صندوق رکھا ہوا ملا، اس صندوق میں ایک انسانی سر رکھا ہوا تھا اور اس پر لکھا تھا کہ ''یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر ہے'' زید بن واقد جو اس وقت مسجد کی تعمیر کی نگرانی کر رہے تھے ان کا بیان ہے کہ اس سر مبارک کی میں نے زیارت کی اس کے چہرے اور بالوں میں ذرا بھی تغیر نہیں آیا تھا، یہاں اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر کو سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

Marfat.com

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار کی مغربی جانب میں ایک طویل وعریض شمع لگی ہوئی ہے، یہ موم بتی ہے لیکن اس کی اونچائی بارہ فٹ اور گولائی تقریباً دو فٹ ہے، جامع اموی میں ایسی بہت سی شمعیں رکھی ہوئی تھیں، بجلی کی دریافت سے پہلے انہی شمعوں کو روشنی کیلئے استعمال کیا جاتا تھا، میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ رات کے وقت جب شمعیں گل کی جاتی تھیں تو پوری مسجد مشک کی خوشبو سے اس قدر مہک اٹھتی تھی کہ لوگ اس تیز خوشبو کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور باہر نکل جاتے تھے۔

مسجد کے صحن میں کھڑے ہوں تو چاروں طرف سے مسجد کا نظارہ بڑا خوبصورت معلوم ہوتا ہے، قبۃ النسر کے علاوہ مسجد کے تینوں مینار (غربی، شرقی اور منارۃ العروس) یہاں سے نظر آتے ہیں، کسی زمانے میں صحن کے اندر ایک فوارہ بھی تھا جس کا پانی ایک ہلالی نصف دائرہ آتا ہوا گرتا تھا اور اتنا دلکش تھا کہ لوگ اسے دور دور سے دیکھنے آتے تھے، اب یہ فوارہ موجود نہیں ہے، مؤرخین کا بیان ہے کہ جامع اموی کے صحن کی رونق لوگوں میں ضرب المثل تھی، یہ صحن صدیوں سے علم دین کے طالبوں اور بڑے بڑے اساتذہ ومشائخ کا مرکز رہا ہے، یہاں علم وفضل کے دریا امڈے ہیں، نہ جانے کتنی بے شمار کتابیں یہیں بیٹھ کر لکھی گئیں اور علم و دانش کے نہ جانے کتنے آفتاب و ماہتاب یہیں سے طلوع ہوئے، سنا ہے کہ آج بھی یہاں کچھ تدریسی حلقے ہوتے ہیں لیکن وہ زیادہ تر وعظ وارشاد کی محفلیں ہیں، علوم اسلامیہ کی درس وتدریس کا وہ ٹکسالی انداز تو اس ملک سے کبھی کا رخصت ہو چکا۔

اس عظیم تاریخی مسجد نے مسلمانوں کے عروج واقبال کے دن بھی دیکھے ہیں، اس کی زمین پر ان فرشتہ صفت انسانوں نے بھی سجدے کئے ہیں جو دنیا کیلئے ایک مثال بن کر آئے تھے، اور یہی مسجد اسی امت کے زوال و انحطاط کا بھی نظارہ رہی ہے اور ہم جیسوں کے بے روح سجدے بھی اسی زمین پر ثبت ہو رہے ہیں، اور ان شاء اللہ ایک دن وہ بھی آئے گا جب امت کا آخری حصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی کی سرکردگی میں اسی مسجد سے ہمت وعزیمت کا نیا قافلہ لے کر نکلے گا اس کے ہاتھوں میں ہدایت کی وہی مشعلیں ہوں گی جن کی ظلمتوں میں ڈوبی ہوئی انسانیت پر ایک بار پھر عدل وانصاف اور خدا پرستی کی کرنیں ضیا بار ہوں گی اور یہ دنیا جو آج ظلم و جہالت کی تیرگی میں پھنسی ہوئی ہے اس پر دوبارہ رشد وہدایت کا سویرا طلوع ہو جائے گا۔

Marfat.com

علم حدیث

ائمہ محدثین اور حفظِ حدیث

۱۔ سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ: مولانا شیخ فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے: سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کو بارہ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔

۲۔ شیخ فتح محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: اور اپنے متعلق فرماتے تھے کہ الحمد للہ مجھے چار ہزار حدیثیں حفظ یاد ہیں۔ [۱]

۳۔ ابوزرعۃ الرازی رحمۃ اللہ علیہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام عبید اللہ بن عبدالکریم ابوزرعۃ الرازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۶۴ھ) کے متعلق فرماتے تھے:

صحیح احادیث کی کل تعداد تقریباً سات لاکھ سے کچھ زائد ہے، جن میں سے چھ لاکھ احادیث اس بندۂ خدا نوجوان ابوزرعہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ کو یاد ہیں۔ [۲]

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بیان ہے کہ ایک لاکھ حدیث مجھے اس طرح یاد ہے جیسے عام لوگوں کو سورۃ الاخلاص یاد ہوتی ہے۔ [۳]

یعنی اگرچہ کئی لاکھ احادیث مجھے یاد ہیں اور ان کو بیان کرتے وقت مجھے فکر اور توجہ کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ایک لاکھ حدیث تو اس طرح مجھے یاد ہے کہ دماغ کو مستحضر کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور میں ان کو فی البدیہہ، پوری روانی کے ساتھ سنا سکتا ہوں، امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ مجھے دس ہزار حدیثیں تو صرف علم قرأت سے متعلق یاد ہیں۔ [۴]

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری وقت کا عجیب واقعہ

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات بھی بڑے عجیب طریقہ سے واقع ہوئی، مشہور محدث ابوجعفر محمد بن علی الساوی

---

[۱] الابقاء، ص:۱۷، ماہ رمضان ۱۳۵۶ھ ومعارف، ص:۳۵۱، بابت ماہ مئی ۱۹۴۴ء۔ [۲] تہذیب، ج:۷، ص:۳۳۔ [۳] تہذیب، ج:۷، ص:۳۳۔
[۴] تذکرہ، ج:۲، ص:۱۲۴۔

Marfat.com

عِشْلِیہ کا بیان ہے کہ ہم چند رفقاء جن میں امام ابو حاتم عِشْلِیہ ، امام محمد بن مسلم بن وارہ عِشْلِیہ اور امام منذر بن شاذان عِشْلِیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ، امام ابوزرعہ عِشْلِیہ کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہونے والے تھے اوران پر عالم نزع طاری تھا، ہم نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی تلقین کرنے کا ارادہ کیا ،لیکن امام عالی مقام کے سامنے صریح الفاظ میں تلقین کرنے کی جرأت نہ کر سکے ، ہم نے تکرار حدیث کے بہانہ سے اس حدیث کی سند شروع کی ، چنانچہ محدث ابن وارہ عِشْلِیہ نے سندیوں شروع کی :

ہم سے ضحاک بن مخلد عِشْلِیہ نے بیان کیا ، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالحمید بن جعفر عِشْلِیہ نے بیان کیا ، وہ صالح عِشْلِیہ سے روایت کرتے ہیں ، محدث ابن وارہ عِشْلِیہ جو ہم سب میں زیادہ جری تھے یہیں تک سند بیان کر سکے آگے نہ چل سکے اور باقی جملہ حضرات خاموش تھے ، امام ابوزرعہ عِشْلِیہ نے عالم نزع میں خود سند شروع کر دی :

حَدَّثَنَا بُنْدَارُ قَالَ ثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرَ عَنْ صَالِحِ بْنِ اَبِيْ عَرِيْبٍ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ . وَمَاتَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى [1]

کہ جس شخص کی آخری بات لا الہ الا اللہ پر ختم ہوگئی وہ جنت میں داخل ہوگا ، یہ پڑھا اور وہ وفات پا گئے ، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو۔

احادیث کی کثرتِ تعداد کی وجہ

حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ کی یہ جداگانہ اصطلاح ہے کہ اگر چہ متن حدیث ایک ہی ہو، جب اس کی سند اور سند کا کوئی ایک راوی بھی بدل جائے تو اس کو وہ اپنی اصطلاح میں الگ اور جداگانہ حدیث سمجھتے ہیں ، چنانچہ محدث جعفر بن خاقان عِشْلِیہ کا بیان ہے کہ میں نے مشہور محدث امام ابراہیم بن سعید الجوہری عِشْلِیہ جو الحافظ اور العلامہ تھے (المتوفی ۲۴۴ھ) سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث دریافت کی تو انہوں نے اپنی لونڈی

[1] معرفت علوم الحدیث ،ص: ۷۶۔

Marfat.com

سے فرمایا کہ جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کی تئیسویں جلد نکال لاؤ، ابن خاقان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حیران ہو گیا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بمشکل پچاس حدیثیں ہی ثابت ہیں، تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی احادیث کا اتنا مجموعہ کیسے اور کہاں سے تیار کر لیا، جن کی تئیس جلدیں بھی تیار کر لی گئیں، میں نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بات کیا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اتنی حدیثیں کہاں سے آگئیں، جن سے آپ نے تئیس جلدیں مرتب کر لی ہیں؟ حضرت ابراہیم بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ایک ایک حدیث جب تک سو سو طریقوں اور سندوں کے ساتھ مجھے نہیں ملتی تو میں اس حدیث کے متعلق اپنے آپ کو یتیم خیال کرتا ہوں۔ [1]

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ جب تک ایک ایک حدیث کئی کئی اسانید اور طرق سے حاصل نہ کر لیتے، دم نہ لیتے تھے اور ایسی صورت میں وہ خود کو یتیم تصور کرتے تھے۔

صحیح احادیث کی کل تعداد

متون احادیث کی تعداد لاکھوں تک نہیں پہنچتی، بلکہ وہ ہزاروں ہی میں منحصر ہے، چنانچہ جلیل القدر ائمہ حدیث میں سے حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام شعبۃ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ، امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ، امام عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا متفقہ فیصلہ ہے:

اِنَّ جُمْلَةَ الْاَحَادِيْثِ الْمُسْنَدَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَحِيْحَةٌ بِلَا تَكْرَارٍ اَرْبَعَةُ آلَافٍ وَاَرْبَعَةُ مِائَةِ حَدِيْثٍ۔ [2]

کہ وہ تمام صحیح اور مرفوع حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں بلا تکرار کے، چار ہزار اور چار سو (۴۴۰۰) ہیں۔

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۷۹ھ) تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ سَأَلَنِيْ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ

---

[1] تذکرہ، ج:۲، ص:۸۹۔ [2] توضیح الافکار، ص:۶۲، طبع مصر للامیر الیمانی۔

Marfat.com

اَوَّلَ مَا جَلَسَ اِلَیَّ فَقُلْتُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ سَلْمَۃَ فَقَالَ لَوْ کَانَ مِنْ کِتَابِکَ فَقُمْتُ لِاُخْرِجَ کِتَابِیْ فَقَبَضَ عَلَیَّ ثَوْبِیْ ثُمَّ قَالَ اَمْلِلْہُ عَلَیَّ فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ لَّا اَلْقَاکَ قَالَ فَاَمْلَیْتُہٗ عَلَیْہِ ثُمَّ اَخْرَجْتُ کِتَابِیْ فَقَرَأْتُ عَلَیْہِ [1]

امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ سنایا کہ یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس حدیث کی سماعت کے لئے آنا شروع ہوئے، تو آتے ہی انہوں نے مجھ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا، میں نے وہ حدیث سنانی شروع کی تو فرمانے لگے کاش آپ اپنی کتاب میں سے دیکھ کر سناتے تو زیادہ قابل اطمینان ہوتی، میں کتاب لینے کے لئے اندر جانے لگا تو یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور کہنے لگے پہلے مجھے زبانی ہی لکھاتے جایئے، موت وحیات کا کچھ اعتبار نہیں، معلوم نہیں میں آپ سے پھر مل سکوں یا نہ مل سکوں، حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں وہ حدیث پہلے زبانی سنائی، پھر کتاب لاکر دوبارہ دیکھ کر سنائی۔

حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مرض الوفات میں علمی مذاکرہ

کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۶۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

''ابراہیم بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں قاضی ابو یوسف سے اُن کے مرض الوفات میں ملنے کے لئے گیا، میں نے دیکھا کہ آپ پر غشی طاری ہے، جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں اور میری طرف دیکھ کر فرمایا: اے ابراہیم بتلاؤ حاجی کے لئے کیا افضل ہے؟ پیدل رمی کرے یا سوار ہو کر؟

میں نے عرض کیا پیدل کرنا افضل ہے، فرمایا غلط ہے، میں نے عرض کیا سوار ہو کر کرنا افضل ہوگا، فرمایا غلط ہے، پھر آپ نے خود ہی فرمایا کہ ہر وہ رمی جس کے بعد وقوف ہو، اسے پیدل کرنا افضل ہے اور ہر وہ رمی جس کے بعد وقوف نہ ہو، وہ سوار ہو کر کرنا افضل ہے، ابراہیم کہتے ہیں کہ

---

[1] شمائل ترمذی مع شرح المواہب اللدنیہ، ص: ۶۹۔

Marfat.com

یہ باتیں کر کے میں آپ کے پاس سے اُٹھا، ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ گھر سے عورتوں کے رونے کی آواز آنے لگی، معلوم ہوا کہ آپ کی وفات ہوگئی ہے، مجھے اس حالت میں آپ کی علمی حرص پر بڑا ہی تعجب ہوا۔[1]

پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ حدیثوں کا انتخاب

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے حماد رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سی وصیتیں کی تھیں، جن میں سے ایک وصیت یہ تھی:

اَنْ تَعْمَلَ بِخَمْسَةِ اَحَادِيْثَ جَمَعْتُهَا مِنْ خَمْسِ مِائَةِ اَلْفِ حَدِيْثٍ. (۱) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى. (۲) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ. (۳) لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (۴) اِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَالْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَرَاعٍ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهٗ. اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَهِيَ الْقَلْبُ. (۵) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔[2]

(اے میرے پیارے بیٹے) پانچ حدیثوں پر عمل کرنا جنہیں میں نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے: پہلی حدیث یہ ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی، دوسری حدیث یہ ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو چیز (دنیا و آخرت میں) اس کے لئے فائدہ مند نہ ہو اس کو چھوڑ دے، تیسری حدیث یہ ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) تم میں سے کوئی شخص بھی اس

[1] فتح القدیر، ج:۲، ص:۳۹۵۔ [2] مجموعہ وصایا امام اعظم، ص:۶۲، مرتبہ مولانا عاشق الٰہی مدنی مدظلہ۔

Marfat.com

وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، چوتھی حدیث یہ ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) بلاشبہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے، سو جو شخص شبہ والی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کرلیا اور جو شخص شبہہ والی چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ جائے گا جیسا کہ چرواہا اپنا ریوڑ (کسی کھیت کی باڑ) کے قریب چرائے تو عنقریب ایسا ہوگا کہ کھیت میں بھی اس کا ریوڑ چرنے لگے گا۔ خبردار ہر بادشاہ نے (اپنے قانون وضع کر کے ایک) باڑھ لگادی ہے اور اپنی رعایا کے لئے، حد بند کردی ہے، بلاشبہ اللہ کی حد بندی کی ہوئی چیزیں وہ ہیں جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے، خبردار انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوگا تو سارا جسم درست ہوجائے گا اور جب وہ ٹکڑا بگڑ جائے گا تو سارا جسم بگڑ جائے گا، خبردار وہ ٹکڑا دل ہے، پانچویں حدیث یہ ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

چار ہزار آٹھ سو احادیث میں سے چار کا انتخاب

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۴ھ) ''مصابیح الدجی شرح مصابیح الہدیٰ'' کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

> ''امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں جن میں سے چار ہزار آٹھ سو حدیثیں میں نے اپنی اس کتاب (سنن ابی داؤد) میں جمع کردی ہیں، جو سند کے لحاظ سے صحیح یا صحیح کے قریب ہیں، انسان کو دین پر عمل کرنے کے لئے اُن میں سے چار حدیثیں کافی ہیں۔ [1]

پھر آپ نے وہی چار حدیثیں ذکر فرمائیں جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وصیت میں نمبروار ذکر فرمائی ہیں۔

---

[1] دیباچہ سنن ابی داؤد طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

Marfat.com

فقہ کی کتاب مختصر القدوری کے متعلق اہم واقعہ

علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۵ھ) فقہ کی کتاب مختصر قدری کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ مِنْ أُسْتَاذِ الْكَبِيرِ يَقُوْلُ إِنَّ الْقُدُوْرِيَّ رَحِمَهُ اللهُ لَمَّا فَرَغَ مِنْ تَصْنِيْفِ مُخْتَصَرِهِ الْمَنْسُوْبِ إِلَيْهِ حَجَّ وَأَخَذَ الْمُخْتَصَرَ مَعَهُ وَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهِ سَأَلَ اللهَ سُبْحَانَهُ أَنْ يُّوَفِّقَهُ عَلَى خَطَاءٍ فِيْهِ وَسَهْوٍ مِنْهُ عَنْ قَلَمٍ ثُمَّ أَنَّهُ فَتَحَ الْمُخْتَصَرَ وَتَصَفَّحَهُ وَرَقَةً إِلَى آخِرٍ فَوَجَدَ فِيْهِ خَمْسَةَ مَوَاضِعَ أَوْ سِتَّةَ مَوَاضِعَ مَمْحُوَّةً وَهٰذَا يُعَدُّ مِنْ كَرَامَتِهِ [1]

میں نے ایک بڑے استاذ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی مختصر کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو آپ حج کے لئے تشریف لے گئے اور مختصر ساتھ لیتے گئے، جب آپ طواف کر چکے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی اگر مجھ سے اس میں کہیں غلطی یا بھول چوک ہو گئی ہو تو مجھے اس پر مطلع فرما، اس کے بعد آپ نے کتاب کو اوّل سے آخر تک ایک ایک ورق کھول کر دیکھا تو صرف پانچ یا چھ جگہ سے مضمون محو تھا۔

چند ایک خاص مسائل

(۱) چاندی کے علاوہ کسی اور دھات (مثلاً لوہا، پیتل اور سونا) کی انگوٹھی مرد کیلئے جائز نہیں، اسی طرح عورتوں کیلئے بھی سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی مکروہ ہے۔ [2]

(۲) سینٹ اور سپرے میں چونکہ الکوحل کو استعمال کیا جاتا ہے اس لئے اس کے ساتھ نماز تو ہو جاتی ہے مگر کراہت سے خالی نہیں، اس لئے نمازی کو احتیاطاً اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۳) عمامہ (پگڑی) کی طول و عرض کی کوئی حد متعین نہیں، لہٰذا امام صاحبان جو رومال سر پر باندھتے ہیں اس کو عمامہ کہہ سکتے ہیں۔

---

[1] البنایہ فی شرح الہدایہ کتاب الحج باب الاحرام، ج:۴،ص:۷۱۲ طبع بیروت۔ [2] فتاویٰ رحیمیہ، ج:۱۰، ص:۱۵۰۔

Marfat.com

(۴) بلاعذر شرعی کھلے سر پھرنے کی عادت ناپسندیدہ اور شرعاً مکروہ ہے۔[1]

(۵) حفاظ کی عزت افزائی کیلئے ختم قرآن پر جو ہار پہنایا جاتا ہے یہ رواج برا، قابل ترک ہے اور اس میں اسراف بھی ہے۔ اگر حفاظ کی عزت افزائی مقصود ہے تو عربی رومال یا شال انہیں کیوں نہیں پہناتے۔

چند ایک خاص باتیں

۱۔ جس چیز کو خود کھانا حرام ہے اسے اولاد کو کھلانا بھی حرام ہے بلکہ جانوروں کو بھی کھلانا حرام ہے، یاد رکھو کہ اپنی اولاد کو حرام مال نہ کھلانا بلکہ ان میں شرافت کا مادہ پیدا کرنا ہے۔

۲۔ اگر کوئی شخص صرف خلوت اور ترک کلام پر اکتفا کرے اور معاصی بھی ترک کر دے تو انشاء اللہ اسے نسبت باطنی حاصل ہو جائے گی چاہے بہت کم ذکر کرے۔

۳۔ رحمت الٰہی وہ چیز ہے جس کے حصول کیلئے لوگوں نے سلطنتیں چھوڑ دیں ہیں، مال و دولت کیا چیز ہے صرف ایک حسن خلق پیدا ہو جانا بندگان خدا کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

۴۔ حزن سے جس قدر جلد مراتب سلوک طے ہوتے ہیں، مجاہدہ سے اس قدر جلد طے نہیں ہوتے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔

۵۔ دوسروں کو اپنا ہم سر سمجھو، کمتر نہ سمجھو، مگر یہ تواضع سے پیدا ہو سکتا ہے، اور تواضع بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

۶۔ اگر گناہ ہو جائے تو فوراً دو رکعت توبہ کی نیت سے پڑھو کیونکہ نماز کے بعد دل توبہ کیلئے حاضر ہوگا اور قبول توبہ کیلئے حضور قلب ضروری ہے، نماز نفس اور شیطان پر شاق ہے اس طرح نفس گناہوں سے گھبرائے گا اور گناہ کرنا چھوڑ دے گا۔

۷۔ درود شریف جیسا حق اللہ ہے ویسا حق العبد بھی ہے، اس واسطے اس میں کوتاہی کرنے کا گناہ صرف توبہ سے معاف نہ ہوگا بلکہ کوتاہی کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ بھی کرے اور درود شریف کی خوب کثرت کرے یہاں تک کہ دل گواہی دے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو گئے ہیں۔

---

[1] غنیۃ الطالبین، ج:۱، ص:۱۳۔

Marfat.com

اسلام چہار دانگ عالم میں

۱۰۰ھ کا زمانہ ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا آفتاب تمام عالم کو جگمگائے ہوئے ہے، امن و امان کا چاروں طرف اس طرح ڈنکا بج رہا ہے کہ حقیقی معنوں میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پی رہے ہیں، اس وقت میں گورنر خلافت عدی بن ارطاۃ کا عریضہ آتا ہے اور وہ لوگوں کے بکثرت اسلام میں داخل ہونے سے گھبرا کر الفاظ ذیل میں لکھتا ہے:

لوگ اسلام میں بہت زیادہ داخل ہوتے جاتے ہیں، مجھ کو خوف ہے کہ آمدنی (خراج) میں کمی نہ پڑ جائے، خلیفہ وقت جواباً فرماتے ہیں: میں نے تمہارا خط سمجھا، اللہ کی قسم میری تمنا تو یہ ہے کہ تمام آدمی مسلمان ہو جائیں اور یہ نوبت پیش آجائے کہ آمدنی کی قلت کی وجہ سے تم اور میں کھیتی کر کے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہوا غلہ کھائیں۔

اسی زمانہ میں خراسان میں بھی ایسا واقعہ پیش آیا، وہاں بھی لوگ اسلام میں بہت کثرت سے داخل ہوتے جا رہے تھے اور چونکہ حکم یہ تھا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان سے جزیہ اٹھا دیا جائے، کیونکہ یہ فوجی خدمتوں کے عوض میں غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا اور وہ ان عسکری خدمتوں سے بالکل آزاد رکھے جاتے تھے، اس لئے گورنر خراسان (جراح) کو بعض لوگوں نے بھڑکایا کہ یہ لوگ محض جزیہ سے بچنے کیلئے مسلمان ہوتے ہیں، اسلام درحقیقت ان کے قلوب میں جاگزیں نہیں ہوا، ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے آمدنی بہت گھٹ گئی ہے، جب تک یہ ختنہ نہ کرائیں ان کا اسلام قبول نہ کیا جائے، گورنر مذکور نے اس کو پسند کیا اور حکم نافذ کر دیا کہ جب تک کوئی نومسلم ختنہ نہ کرائے گا اس کا اسلام قبول نہ ہوگا، اور پھر خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی، وہ بہت خفا ہوئے اور یہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے

Marfat.com

کیلئے بھیجا تھا، ختنہ کرنے کیلئے نہیں بھیجا تھا، فوراً اس حکم کو منسوخ کر دیا اور پھر اس گورنر کو معزول کر دیا۔

۱۰۲ھ میں افریقہ کے گورنر (یزید بن ابی مسلم رحمۃ اللہ علیہ) نے جب دیکھا کہ عام باشندگان افریقہ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے دیہاتوں کو چھوڑ کر شہری آبادی میں داخل ہوتے جاتے ہیں، جزیہ کی مقدار آمدنی کی حیثیت سے کم ہوتی جا رہی ہے تو اس نے حکم کر دیا کہ یہ تمام دیہاتی نومسلم اپنے اپنے دیہاتوں کو واپس کر دیئے جائیں اور جو مقدار جزیہ کی ان پر پہلے سے تھی بحال رہے، اس حکم کی بنا پر لوگوں میں سخت اضطراب پیدا ہو گیا، لوگوں نے بغاوت کر کے گورنر کو قتل کر دیا اور خلیفہ وقت یزید بن عبدالملک کو مضمون ذیل کی عرضی لکھی:

''ہم نے آپ کی تابعداری سے روگردانی نہیں کی، چونکہ گورنر حال نے خدا اور اسلام کے ناراض کرنے والے مظالم کو جاری کیا تھا، اس لئے ہم نے اس کو قتل کر دیا اور پہلے (قدیم) گورنر معزول کو اس کی جگہ قائم مقام کر دیا، خلیفہ نے ان کے عمل کو اسی طرح باقی رکھا اور یہ لکھ دیا کہ ''میں گورنر سابق (مقتول) کے ان اعمال سے جو کہ خلاف خدا اور اسلام تھے راضی نہیں ہوں''۔

۱۱۰ھ میں خراسان کے گورنر اشرس نے سنٹرل ایشیا کے حصہ ماوراء النہر (جیجون کا شمالی حصہ) میں دعوت اسلام اور تبلیغ کیلئے علامہ صالح بن ظرفی اور علامہ ربیع بن عمران کو مقرر کیا انہوں نے شرط لگائی کہ نومسلموں سے جزیہ نہ لیا جائے، کیونکہ یہی حکم شرعی تھا، گورنر مذکور نے اس کو قبول کر لیا، جب ان دونوں اماموں نے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ پوری جدوجہد سے کرنی شروع کی تو قوموں کی قومیں اور قبیلوں کے قبیلے سمرقند اور اس کے اطراف و جوانب میں مسلمان ہونے لگے، اسلام کا نہایت زور شور سے شیوع ہوا، یہاں تک کہ خزانہ کے واردات میں بہت زیادہ کمی واقع ہونے لگی، سمرقند کے دفتر دار نے گورنر مذکور (اشرس) کو اطلاع دی کہ مسلمان بہت زیادہ ہوتے جا رہے ہیں، اس لئے خزانہ کی آمدنی بہت کم ہو گئی ہے، گورنر مذکور نے لکھا:

''ان لوگوں کا بہت زیادہ مسلمان ہونا اسلامی رغبت کی بناء پر نہیں ہے بلکہ فقط جزیہ کی وجہ سے

Marfat.com

ہے، اس لئے تم جزیہ فقط ان لوگوں سے معاف کرو جن کی ختنہ ہوئی ہو، نماز پڑھتے ہوں، قرآن میں سے کم سے کم ایک سورت کے حافظ ہوں، پھر اس کے بعد سمرقند کے حکام نے گورنر خراسان اشرس مذکور کو لکھا کہ نومسلموں نے مسجدیں بنالی ہیں اور وہ بکثرت پائے جارہے ہیں، ہم ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں، گورنر مذکور نے حکم دیا کہ جن سے پہلے جزیہ لیا جاتا تھا اب پھر لینے لگو، اس بناء پر باوجود مخالفت حکم شریعت نومسلموں سے پھر جزیہ وصول کیا جانے لگا، اس لئے نہایت زیادہ شوروشغب ہوا، سات ہزار نومسلموں نے جزیہ دینے سے انکار کردیا اور بغاوت شروع ہوگئی، آخرکار اشرس کو معزول کیا گیا اور نصر بن سیار اس کی جگہ مقرر ہوا اور جب حکم سابق منسوخ کیا گیا تب سکون پیدا ہوا''۔

خلاصہ یہ کہ مبلغین اسلام کی انفرادی اور کبھی اجتماعی کوششوں کی روزافزوں ترقی سے اسلام سنٹرل ایشیاء میں پھیلتا رہا، اسی عرصہ میں شبق (قراخاں) مع اپنی جماعت کے مسلمان ہوا اور اس نے بلاساغون، قرارقورم، فاراب، اسبیجا، طراز وغیرہ میں اسلامی حکومت بناڈالی، اس دولت کا نام خانیہ رکھا گیا اور ان لوگوں کے مبلغین کی کوششوں سے بڑی دور تک ترکستانی قبائل جوق درجوق اسلام میں داخل ہوتے گئے، یہاں تک کہ ۳۴۹ھ میں غوز قبیلہ کا ایک سردار سلجوق دولاکھ ترکی خاندان لے کر مسلمان ہوا، اور ترکستان کے وسط سے ہجرت کرکے بخارا کے علاقے جند میں آکر سکونت گزیں ہوا، اور پھر آہستہ آہستہ ترقی کرکے اسی خاندان کے معزز افراد نے ایشیائے کوچک میں پہنچ کر دولت سلجوقیہ کی بنیاد ڈالی جو کہ شروع ایام دولت عثمانیہ تک، ان اطراف میں حکمران رہی، ۳۳۳ھ تک انتہائی ترکستان یعنی آخری حدود تک اسلام پہنچ گیا اور قبیلہ بلغار جو کہ آخری حدود کا رہنے والا تھا، وہ بھی سب کا سب مسلمان ہوگیا۔ [1]

---

[1] ماخوذ از ارشادات مدنیؒ۔

Marfat.com

سب سے پہلے اسلام مالابار میں

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام علاقہ سندھ میں آیا، لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں سب سے پہلے مالابار، سراندیپ وغیرہ جزائر شرق الہند میں پھیلا، مگر یہ اشاعت جنگ و جہاد کے ساتھ نہیں ہوئی بلکہ عرب تجار کی آمد و رفت کے سبب ہوئی، جہاد کی صورت میں اسلام کا فاتحانہ داخلہ بیشک سندھ سے شروع ہوا اور شاید اسی سبب سے اس کو ابتدائی داخلہ اسلام کہا گیا ہے۔

عربوں کی آمد و رفت پہلے ہی سے مالابار میں تھی، لہٰذا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حال مالابار میں آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا، اس زمانہ میں مالابار کا راجہ زمون یا سامری کے نام سے مشہور تھا جو خاندان پلویا سے تعلق رکھتا تھا، اس راجہ نے معجزہ شق القمر کو دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی اور اس واقعہ کو بطور یادداشت سرکاری روزنامچہ میں درج کرایا، بالآخر اس کو معلوم ہوا کہ عرب کے ملک میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے اور انہوں نے یہ معجزہ دکھایا ہے، یہ سن کر راجہ نے اسلام قبول کر لیا اور تخت و سلطنت اپنے ولی عہد کو سپرد کر کے خود کشتی پر سوار ہو کر ملکِ عرب کی جانب روانہ ہوا، لیکن راستہ ہی میں فوت ہو کر ساحلِ ملکِ یمن میں مدفون ہوا، راجہ کا یہ سفر چونکہ عام اطلاع کے بغیر پوشیدہ طور پر عمل میں آیا تھا لہٰذا لوگوں نے راجہ کے اس طرح غائب ہو جانے کی حقیقت کو نہ سمجھا۔

انہی ایام میں کچھ مسلمان تاجر سراندیپ میں آئے اور اسلام کا پیغام ساتھ لائے، جن عربوں نے اس جزیرہ میں تجارتی ضرورتوں کے سبب بود و باش اختیار کر لی تھی، اول وہ مسلمان ہوئے اور پھر بہت جلد جزیرہ میں اسلام پھیلنے لگا حتیٰ کہ سراندیپ کا راجہ بھی مسلمان ہو گیا اور اپنے آپ کو خلافت اسلامیہ کے ساتھ وابستہ کر لیا، یہ بات تحقیق طلب ہے کہ سراندیپ کا راجہ خلافت راشدہ کے زمانے میں مسلمان ہو چکا تھا یا خلافت بنوامیہ کے ابتدائی زمانہ میں مسلمان ہوا، بہر حال خلافت بنوامیہ کے ابتدائی زمانہ میں سراندیپ کا راجہ مسلمان تھا، فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:

Marfat.com

''ہر آئینہ حاکم سراندیپ از رایان دیگر مواضع ہندوستان بر حقیقت اسلام مطلع شدہ در عہد صحابہ کرام مقلد قلادہ شریعت مصطفوی گردیدہ بود''۔

سراندیپ کے بعد ہی لکا دیپ، مالدیپ اور مالا بار میں اسلام پھیل چکا تھا، مالا بار میں اسلام نے اس لئے اور بھی جلد ترقی کی کہ اسلام کی مساوات ورواداری، ذات پات کی قیود کو دور کر کے مظلوم ومغلوب لوگوں کے لئے ایک ابر رحمت اور سامانِ ترقی تھی، مالا بار کا راجہ بھی دوسری صدی ہجری کے اوائل میں چند مسلمان سیاحوں کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوگیا، عجائب الانظار کی روایت کے موافق اس وقت کا راجہ چیرامن پیرومل تھا، اس نے بھی مشرف باسلام ہونے کے بعد امور سلطنت اپنے نائبین کے سپرد کر کے حجاز مقدس کے سفر کا قصد کیا، مگر عجیب اتفاق سے یہ بھی وہاں نہ پہنچ سکا، راستہ ہی میں انتقال ہوگیا، آخر وقت میں اپنے رفقاء کو وصیت کی کہ مالا بار میں تبلیغ اسلام کے کام کو پوری مستعدی سے وسیع پیمانہ پر جاری کیا جائے، ساتھ ہی اس نے اپنے نائب السلطنت کے نام بھی اسی مضمون کا ایک خط لکھ دیا جس کو شرف بن مالک اور مالک بن دینار اور مالک بن حبیب وغیرہ لے کر مالا بار واپس آئے، نائب السلطنت نے ملک کے تمام سرداروں کو راجہ کے خط کا مضمون لکھ بھیجا، جس کے سبب راجہ کی قوم کے آدمی بکثرت اسلام میں داخل ہو گئے۔

مالک بن دینار وغیرہ نے کدنکلور (کالیکٹ) میں مسجد تعمیر کی اور اس کے بعد کل مالا بار کا دورہ کیا، جا بجا لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور مسجدیں تعمیر ہوئیں، پھر یہ حضرات دورہ کرتے ہوئے ساحل کارومنڈل تک پہنچے، وہاں بھی بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا، اور مسجدیں تعمیر ہوئیں، اس کے بعد جنوبی ہند کی طرح بحر الکاہل کے جزائر جاوا، سماٹرا، سنگاپور، ملایا وغیرہ میں بھی اسی طرح اسلام پھیلنا شروع ہوا اور بہت جلد ان بلاد میں عام ہوگیا۔ [1]

الغرض محمد بن قاسم ثقفی کے حملہ اور فتح سندھ سے پہلے جنوبی ہند سراندیپ اور مالا بار وغیرہ میں اسلام پھیل چکا تھا، اور تفصیل مذکور سے ظاہر ہے کہ ان بلاد میں اسلام کا داخلہ محض تبلیغی صورت سے ہوا، قہر وغلبہ اور جنگ و جہاد کا اس میں دخل نہ تھا۔

---

[1] یہ تمام مضمون تاریخ فرشتہ سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

غلام، تختِ سلطنت پر؟

ہندوستان میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ غلام خاندان کے افراد کو سلطنت کے لئے اہل سمجھا گیا، وہ ایسی خوبیوں اور صفات کے مالک تھے کہ ان کی مثالیں سلاطین میں بہت کم ہیں۔

قطب الدین ایبک سے ہندوستان میں جس خاندان کی سلطنت کی بنیاد پڑی وہ غلاموں کا خاندان کہلاتا ہے، اس خاندان میں قطب الدین ایبک، آرام شاہ، شمس الدین التمش، رکن الدین، رضیہ سلطانہ، بہرام شاہ، علاؤالدین مسعود، ناصرالدین محمود، غیاث الدین بلبن، کیقباد، کل دس بادشاہ تخت نشین ہوئے، اور ۶۰۳ھ سے ۶۸۹ھ تک چھیاسی سال حکومت کی۔

سلطنتِ غلاماں کی چند خصوصیات

۱۔ ان غلام سلاطین نے اپنے پورے عہد حکومت میں مفتوحہ علاقہ پر حکومت قائم رکھ کر امن وامان اور رعایا کے فلاح و بہبود میں پوری ہمت صرف کی، نئے ملکوں کو فتح کرنے کا خیال نہیں کیا۔

۲۔ اس خاندان کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے عہد میں مسلمانوں کے اندر صحیح اسلامی جذبات بہت نمایاں تھے اور یہی وجہ تھی کہ جو بادشاہ ان میں سلطنت کی قابلیت واہلیت رکھتا تھا اس کو حکومت کرنے کی آزاد مہلت ملی اور جو بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد نااہل ثابت ہوا تو فوراً مسلمان سرداروں نے اس کو معزول کر کے دوسرے کو تخت پر بٹھادیا۔

۳۔ اس عہد کی خوبیوں میں یہ بھی ایک قابل تذکرہ ہے کہ سلطنت کو کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھا گیا، شہاب الدین غوری کے بعد ان کے غلام قطب الدین ایبک خود مختار بادشاہ بنے، قطب الدین کے بعد جب ان کی اولاد کو نالائق دیکھا تو ان کے غلام شمس الدین التمش کو سب نے بخوشی بادشاہ تسلیم کرلیا، پھر سلطان التمش کی اولاد بھی نااہل ثابت ہوئی تو ان کے غلام غیاث الدین بلبن کو بادشاہ بنالیا گیا، اسی طرح پھر بلبن کی

Marfat.com

اولاد میں قابلیت سلطنت کی نہ دیکھی تو یہ تخت سلطنت خلجی خاندان کے ایک تجربہ کار آدمی کے سپرد کر دیا گیا۔

۴۔ اس غلام خاندان کے چند افراد تو سلطنت کے لئے اہل ثابت ہوئے کہ ان کی مثالیں سلاطین میں بہت کم ہیں، سلطان شمس الدین التمش کو بغداد کے خلیفہ عباسی المستنصر باللہ نے ۶۲۶ھ میں خلعت اور سند حکومت بھیجی، جس کی خوشی میں سلطان نے شہر کو آئینہ بند کر کے جشن ترتیب دیا، یہ سلطان بڑا خدا ترس، رحم دل، عابد، زاہد، سخی اور بہادر تھا، پنج وقتہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتا تھا، اور درویش خدا آگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اکثر حاضر رہتا تھا، سلطان قطب الدین نے دہلی کی فتح کے بعد مسجد قوۃ الاسلام اور قطب مینار کی تعمیر شروع کی تھی، قطب مینار کے صرف دو نیچے کے درجے تعمیر ہونے پائے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی، ان کے بعد سلطان التمش نے باقی اوپر کے درجے تعمیر کرا کر اس مینار کو مکمل کرایا اور مسجد قوۃ الاسلام میں بھی تین دروازے اضافہ کئے، حوض شمسی بھی ان کی یادگار ہے۔

ان کے عہد میں منڈاور ضلع بجنور جو قدیم عہد سے بودھ مذہب والوں کا مرکزی مقام تھا اس میں ملاحدہ نے مقامی راجپوتوں سے سازش کر کے سلطنت دہلی کے خلاف ایک نہایت خطرناک طاقت جمع کر دی تھی، ۶۲۴ھ میں سلطان نے فوج کشی کر کے قلعہ منڈاور کو فتح کیا اور دو مہینے منڈاور میں قیام کر کے کوہ ہمالیہ تک تمام سرکشوں کو سزائیں دیں، منڈاور میں جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج تک ان کی یادگار ہے، ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ میں سلطان التمش کا دہلی میں انتقال ہوا، ان کا مقبرہ پرانی دہلی میں مسجد قوۃ الاسلام کے متصل غیر مسقف آج تک موجود ہے۔ [۱]

۵۔ شمس الدین التمش کے بعد ان کے بیٹے رکن الدین کو تخت نشین کیا گیا مگر اس نے فضول خرچی اور بدنظمی شروع کی تو امراء سلطنت نے اس کو معزول کر کے سلطان شمس الدین کی بڑی لڑکی رضیہ سلطانہ کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا، اس نے نہایت خوبی سے سلطنت کا انتظام کیا، یہ تعلیم یافتہ تجربہ کار عورت تھی، گھوڑے پر سوار ہوتی اور

---

[۱] آئینہ، ص: ۲۶۰۔

Marfat.com

صف قتال میں شمشیر زنی کرتی تھی، اس نے اپنی بہادری اور ہوش مندی سے بہت سی بغاوتوں کو فرو کیا، مگر بعد میں اس کو ہندو فوج اور افسران فوج پر اعتماد اور دوسرے اسباب کی بنا پر شکست ہوئی اور صرف چار سال حکومت کے بعد ۶۳۸ھ میں شہید ہوگئی۔ اس کے بعد دو سال معز الدین بہرام شاہ نے، پھر چار سال التمش کے پوتے علاؤ الدین مسعود نے حکومت کی، یہ بھی معزول کئے گئے۔

۶۔ اس کے بعد التمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود تخت پر بٹھائے گئے، اس نے امور سلطنت میں بڑی قابلیت کا ثبوت دیا، تاتاری مغلوں کے پیہم حملے جو ہندوستان پر ہو رہے تھے، ان کو شکست دی اور اندرونی باغیوں کو سزائیں دے کر مطیع بنایا، ان کی عمر کا بڑا حصہ مغلوں کی مدافعت اور بغاوتوں کے فرو کرنے ہی میں گزرا، یہاں تک کہ ۶۵۸ھ میں مغلوں کے بادشاہ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کا سفیر سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت میں دہلی آیا، سلطان نے اس کی آمد پر ایک نہایت شاندار جشن مرتب کیا اور پچاس ہزار سوار اور دو لاکھ پیادوں کی زرق برق لباس اور جنگی ہتھیاروں سے آراستہ فوج اور دو ہزار جنگی ہاتھیوں کے سلسلہ میں گزارتے ہوئے اس کو دربار شاہی میں لایا گیا، جہاں سونے چاندی کے جواہرات کے آرائشی سامان کے ساتھ ایک پہلو میں سادات و مشائخ و قضاۃ و علماء کی صف تھی، دوسری جانب ان پچیس شہزادوں اور بادشاہوں کی قطار تھی جو خراسان، ایران و عراق، آذربائیجان وغیرہ ممالک سے اپنی سلطنتوں کو انہی تاتاری مغلوں کے ہاتھ برباد کرا کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے تھے، ایک قطار ہندو راناؤں اور راجاؤں کی تھی جو تخت شاہی کے گرد تھی، اس جشن کے مرعوب کن نظارہ کا یہ اثر ہوا کہ تاتاری مغلوں نے آئندہ کے لئے ہندوستان پر حملہ کا خیال دل سے نکال دیا اور اپنے سرحدی امیروں کے پاس احکام بھیج دیئے کہ آئندہ ہندوستان پر کوئی حملہ آور نہ ہو۔

اس کے بعد سلطان ناصر الدین محمود کے صرف آخری چھ سال ۶۵۸ھ سے ۶۶۴ھ تک امن و امان سے گزرے، یہ سلطان جیسا کہ امور سلطنت و سیاست میں ماہر اور شجاع و بہادر تھا ویسا ہی عابد، شب زندہ دار اور زاہد خوش اطوار بھی تھا۔ سال بھر میں دو قرآن مجید اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے فروخت کر کے اسی سے سال بھر

Marfat.com

اپنی گزر کرتا تھا۔

اس کی ایک بیوی تھی وہی اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی تھی، ایک مرتبہ اس بیگم نے عرض کیا کہ روٹی پکانے کے لئے کوئی خادمہ رکھ دیجئے، سلطان نے کہا کہ میری آمدنی میں اتنی گنجائش کہاں کہ نوکر رکھ سکوں، رہا شاہی خزانہ، وہ سب رعایا کا مال ہے، میں اس میں سے ایک کوڑی بھی اپنی ذات کے لئے نہیں لے سکتا۔

۱۱ جمادی الاول ۶۶۴ھ کو بیس سال حکومت کے بعد ان کی وفات ہوئی، ان کی اولاد میں کوئی شخص تخت و تاج سنبھالنے کے قابل نہ تھا، اس لئے امراء سلطنت نے باتفاق رائے وزیر سلطنت الغ خاں کو سلطان غیاث الدین بلبن کا لقب دے کر تخت سلطنت پر بٹھایا۔

سلطان غیاث الدین بلبن

سلطان غیاث الدین بلبن، سلطان التمش کے غلام اور ہم قوم تھے، ان کا دورِ حکومت بھی ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، عدل و انصاف میں کسی بڑے سے بڑے سردار کی پرواہ نہ تھی، فسق و فجور اور بے حیائی کے کاموں کا اس نے بالکل قلع قمع کر دیا تھا، نہایت عابد و زاہد متقی بادشاہ تھا، علماء کی مجلس میں عام لوگوں کی طرح شریک ہوتا تھا اور وعظ و نصیحت سن کر اکثر زار و زار رونے لگتا تھا، اس کے ساتھ رعب سلطانی کا یہ عالم تھا کہ حسب تحریر ضیاء برنی بڑے بڑے ارباب حکومت جب اس کے دربار میں آتے تو رعب سے مدہوش ہو جاتے تھے۔ [1]

سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد ہمایوں کا پہلا عہد تھا جس میں بیرونی حملوں سے اطمینان ہندوستان کو نصیب ہوا اور اندرونی رفاہِ عام اور رعایا کی صلاح و فلاح کے کاموں کی طرف پوری توجہ کی گئی، اس عہد کے وزیر اعظم خواجہ ذکی تھے جو خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمشیر زادے تھے، اس عہد ہمایوں میں دہلی میں بڑے بڑے علماء و مشائخ اور ہر علم و فن کے باکمال استاد موجود تھے، حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ صدر الدین ابن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ بدر الدین غزنوی خلیفہ حضرت شیخ قطب الدین

[1] آئینہ، ص: ۲۸۳۔

Marfat.com

بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مشائخ اس سلطان کے ہم عصر تھے، مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور مہذب طرز زندگی کو دیکھ کر ممکن نہ تھا کہ یہاں کے ہندو اسلام سے واقف ہونے کی کوشش نہ کرتے، چنانچہ اسی زمانہ میں ٹوانہ قوم کا مورث اعلیٰ ہندو راجپوت حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر برضا و رغبت مسلمان ہوا جس کی اولاد آج تک پنجاب کے ضلع شاہ پور وغیرہ میں آباد ہے، اسی زمانہ میں سہال، گھگر، کھوکھر، بھٹی، جاٹ وغیرہ قومیں انہی مشائخ عظام کی خدمت میں حاضر ہو کر پنجاب میں مسلمان ہونے لگیں۔

جواہر فریدیہ میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کی سولہ قومیں حضرت بابا صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں، سلطان بلبن کے عہد میں ہندوؤں کے اندر اسلام کو قدرتی طور پر رسوخ حاصل کرنا چاہئے تھا، کیونکہ سلطان ناصر الدین محمود کا آخری عہد اور سلطان بلبن کا پورا دور حکومت ہی ایسا زمانہ تھا جس میں سلطنت اسلامیہ نے ایک سکون کا وقت پایا، اور تمام تر ہمت رعایا کے امن و اطمینان اور رفاہیت و آرام کے لئے صرف کی۔ [1]

سو سالہ اسلامی سلطنت

غلاموں کی سلطنت کے چھیاسی سال اور اس کے بعد خاندان خلجی کے ابتدائی دور یعنی ۶۹۴ھ تک کا زمانہ جو تقریباً سو سال کا ہو جاتا ہے، ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے حدود رقبہ کے اعتبار سے ایک جمود کا زمانہ ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے وقت جس قدر رقبہ زیر نگیں آچکا تھا اس پوری ایک صدی کے مسلمان سلاطین اسی کو تھامنے اور برقرار رکھنے میں مشکل سے کامیاب ہو سکے، دکن اور جنوبی ہند کے ممالک کی طرف رخ کرنے کا کسی کو موقع نہیں ملا، کیونکہ یہ پوری صدی بیرونی اور اندرونی فتنوں اور طوفانوں سے اس طرح گھری رہی کہ ان میں سے کسی بادشاہ کو ان کے سلجھانے اور قابو میں لانے سے فرصت نہیں ملی۔

کیونکہ سلطان شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ جس فتنہ کے استیصال میں عمر بھر مشغول رہے اور آخر کار اسی کے

---

[1] آئینہ، ص: ۲۸۶۔

Marfat.com

ہاتھوں شہید ہوئے یعنی ''ملاحدہ الموت کا فتنہ'' اس کا بڑا حصہ اگر چہ سلطان کی کوششوں سے ختم ہو چکا تھا مگر اس کے ریشے ابھی تک ہندوستان کے اطراف خصوصاً نواحِ دہلی میں پھیلے ہوئے تھے اور ملتان پنجاب تو ان کا گھر تھا، ان کی شہادت کے بعد غلام خاندان کے بادشاہوں کو ان سے مڈھ بھیڑ کرنی پڑی، تا آنکہ تاتاری مغلوں کے سیلاب نے ۶۵۵ھ میں ملاحدہ کے مرکز الموت کو غارت کر کے ان کے آخری بادشاہ غور شاہ کو گرفتار کر لیا، اور ملاحدہ کے فتنہ سے عالم اسلامی نے نجات پائی، لیکن اب مغلوں کا فتنہ اس کے قائم مقام ہو گیا جو انجام کار سارے فتنوں سے زیادہ اشد ثابت ہوا، اس فتنہ نے ٹھیک اسی سال جنم لیا تھا جس سال ہندوستان کی سلطنت تختِ غزنی کی ماتحتی سے آزاد ہو کر مستقل ہوئی اور ملک قطب الدین ایبک اس کے خود مختار سلطان تسلیم کئے گئے۔

مغولانِ چنگیزی کا فتنہ تاتار

یہ فتنہ مغولان چنگیزی کا تھا جو فتنہ تاتار کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ملک قطب الدین ایبک کا جشن تاج پوشی ذیقعدہ ۶۰۲ھ میں ہوا، اور رجب ۶۰۲ھ میں تموچین نامی مشہور چنگیز خاں نے مغولستان میں اپنی خود مختار سلطنت کا اعلان کر دیا، ان تاتاری مغلوں کا اصل مذہب بودھوں کے مذہب سے ملتا ہے، یہ مورتیوں کو پوجتے تھے اور کچھ ان میں آتش پرستی شامل ہو گئی تھی، دوسری طرف ان لوگوں نے محض مکر و فریب سے یہ تلبیس بھی کر لی کہ بعض جگہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے لباس اور وضع میں پیش کیا جس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگے، راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند اپنی تاریخ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''چنگیز خاں اور اس کے ساتھ والے مسلمان لوگ نہ تھے بلکہ ایک قسم کے بودھ کا دین رکھتے اور مورتیوں کو پوجتے تھے''۔ [1]

سر ڈی منگیزی داس یورپی مصنف اپنی ''تاریخ داس'' میں لکھتا ہے کہ:

''ملک روس پر فرقہ پلافستی صاحب اقتدار تھا اس فرقہ نے ۶۶۱ھ میں مستلاف حاکم کلیشیا

---

[1] آئینہ حقیقت نما، ص: ۲۹۱۔

Marfat.com

کے پاس سفیر بھیجا کہ ہمارے ملک پر ایک ستم پیشہ اور قومی دشمن یعنی تاتار نے تاخت کی ہے، جنوبی سے بھی اور شمال سے بھی، یہ لوگ دیکھنے میں عجیب نظر آتے ہیں، گندم رنگ، کوچک چشم، موٹے موٹے ہونٹ، چوڑے چوڑے شانے، کالے کالے بال، ان سفیران نے یہ بھی کہا کہ آج ہمارے ملک پر ہے کل تمہارے ملک پر ہوگا، مستسلاف جانتا ہے پلافسٹی ہمارے ملک پر حملہ کیا کرتے ہیں لیکن اس جدید دشمن سے چونکہ ہم کو اور ان کو مساوی اندیشہ ہے لہٰذا مدد پر آمادہ ہوگیا اور گردونواح کے امیروں کو بھی ہمراہ کرلیا۔

مقابلہ ہونے پر سب نے تاتاریوں سے شکست کھائی، تاتاریوں نے پولینڈ، ہنگری، سریا تک کے ممالک کو برباد و غارت کر کے دریائے والگا کے جنوبی ملکوں میں آکر اس کے امراء کو پیغام بھیجا کہ ہمارے خاندان کی خدمت میں آکر حاضری دو۔

روسیوں کو اوّل معلوم نہ تھا کہ یہ قوی دشمن کون ہے، کہاں سے یہ لوگ آئے ہیں اور کیا مذہب رکھتے ہیں، نہ صرف کشور روس میں انہوں نے استیلاء پایا بلکہ ان کی وجہ سے مغربی یورپ اور انگلستان میں خوف سے لرزہ پیدا ہوگیا، یہ گروہ جو تمام براعظم ایشیاء میں پھیلا ہوا تھا اور جو وسط یورپ تک پہنچ گیا تھا دراصل چین کے شمال پہاڑوں میں دریائے آمور کے منبع کے قریب رہتا تھا، بارھویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) کے اختتام پر ان میں ایک آدمی پیدا ہوا جس کا قد مثل دیو کے تھا اور بہادری میں مشہور تھا، یہ دیو ہیکل آدمی چنگیز خاں تھا، گردونواح کی قوموں کو شکست دے کر اپنے لشکر میں شامل کر کے شمالی چین کے بڑے ملک پر قابض ہوگیا اور اپنا ایک سردار روس کی فتح کے لئے نامزد کر کے خود جانب مغرب روانہ ہوا، چنگیز خاں نہ صرف ظالم و سفاک تھا بلکہ ایک عظیم الشان ناظم و مقنن بھی تھا، چنگیز خاں کے پوتوں میں سے ایک نے سرحد

Marfat.com

روس پر ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی کہ عام طور پر اس کا نام جماعت طلائی مشہور تھا، والگا کی جانب جنوب میں ایک دارالسلطنت آباد کیا جس کا نام سرائی تھا، اب وہ آباد نہیں بلکہ ویران ہے۔[1]

یہی فتنہ تاتار یورپ وایشیا کے ممالک پر عام ہوتا ہوا خلافت عباسیہ بغداد کی تباہی کا سبب بنا، بغداد میں ایک ماہ تک مسلمانوں کا قتل عام کیا، لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان ان کی تلوار سے شہید ہوئے، علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ صرف شہر بغداد کے محاذ پر ایک کروڑ آٹھ لاکھ مسلمان شہید کئے گئے۔[2]

صرف غلاموں کی دو سلطنتیں بچ سکیں

سلطنت عباسیہ کے آخری خلیفہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا، اس طرح یہ تاتاری طوفان گویا دنیا کے سب گوشوں پر چھا گیا، اس کی زد سے اگر بچا تو صرف ہندوستان، اور مصر، اور یہ بھی عجائب عالم سے ہے کہ یہ دو ملک جو اس طوفان کی رو سے بچے، دونوں پر غلاموں کی سلطنت تھی، صرف انہی کی دو سلطنتیں ان کے مقابلہ میں فتح مند اور کامیاب ہوئیں، جس کا کھلا ہوا سبب مؤرخین کی نظر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان غلام بادشاہوں میں دینداری، مذہب پرستی، خداترسی غالب تھی، اور ان کے سوا مسلمان بادشاہوں میں بھی عام طور پر عیش پرستی اور حُبّ دنیا غالب تھی، وہ مذہب اور خداترسی کے اصول سے دور جا پڑے تھے۔

اس جگہ فتنہ، تاتار کی تاریخ لکھنا نہیں کہ یہ خونیں داستان ہے جو ایک مستقل تصنیف چاہتی ہے، اور علماء نے اس پر مستقل تصانیف لکھی بھی ہیں، اس جگہ تو صرف بتلانا منظور تھا کہ ہندوستان کی مستقل اسلامی سلطنت کو اپنی عمر کی پہلی ہی منزل میں کس قدر سخت طوفانِ حوادث سے دوچار ہونا پڑا اور یہ کہ مسلمانوں کے غلاموں نے ان حوادث کا کس طرح مقابلہ کیا۔

[1] از آئینہ حقیقت نما، ص: ۲۹۲۔ [2] طبقات الشافعیہ، ج: ۵، ص: ۱۱۵۔

Marfat.com

پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

مندرجہ بالا عنوان علامہ اقبال مرحوم کے مشہور شعر کا ایک مصرع ہے، پورا شعر اس طرح ہے:

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے۔۔۔ پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

یہ شعر علامہ اقبال نے تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام سے متعلق کہا تھا، ساتویں صدی ہجری میں فتنۂ تاتار کسی قیامت سے کم نہ تھا، تاتاری عالمِ اسلام کو بری طرح روندتے چلے جارہے تھے، قریب تھا کہ سارا عالم اسلام ان کے سیلاب میں بہہ جائے اور اسلام کا نام ونشان مٹ جائے کہ دفعتاً تاتاریوں میں اشاعت اسلام شروع ہوگئی اور جو کام مسلمانوں کی شمشیریں اور مسلمان بادشاہ نہ کرسکے، وہ اسلام کے داعیوں اور خدا کے مخلص بندوں نے انجام دیا۔

چنگیز خان کی سلطنت انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں بٹ گئی تھی:

۱۔ سب سے بڑے بیٹے اوکتائی بن چنگیز خان کی شاخ جو تاتاری سلطنت عظمیٰ کے مشرقی حصہ پر قابض تھی۔

۲۔ جوجی بن چنگیز خان کی شاخ جو سلطنت کے مغربی حصہ ''سیرادار'' پر حکمران تھی۔

۳۔ چغتائی بن چنگیز خان کی شاخ جو بلادِ متوسط (ماوراء النہر، خوارزم، کاشغر، بدخشاں، بلخ، غزنی وغیرہ) پر قابض تھی۔

۴۔ سب سے چھوٹے بیٹے تولی چنگیز خان کی شاخ جس کی سلطنت دولت ایلخانیہ کے نام سے موسوم تھی، (ہلاکو خان اسی کا بیٹا تھا)۔

ان چاروں شاخوں میں برق رفتاری سے اسلام کی اشاعت ہونے لگی، تیسری شاخ میں اشاعت اسلام کا سہرا بخارائی کے ایک بزرگ مولانا جمال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے، اس شاخ میں ان کے ہاتھوں اسلام کی اشاعت کا واقعہ عجیب ہے، مولانا طاہر حسن رحمۃ اللہ علیہ ناقل ہیں:

Marfat.com

''تاتاریوں کے ہلاکت خیز زمانہ میں جب خراسان، ماوراء النہر وغیرہ میں اسلامی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی اور علماء اسلام کی زندگی دوبھر کردی گئی، ایک بزرگ جن کا نام مولانا جمال الدین تھا، اپنا وطن (بخارا) چھوڑ کر کاشغر سے تین سومیل بجانب مشرق ایک آبادی میں جس کا نام ''آق سو'' تھا، داخل ہوئے، یہاں اس زمانہ میں ایک تاتاری حکمران تغلق تیمور خان حکمران تھا، ایک مرتبہ یہ شکار کے لئے نکلا، راستہ میں ایک جگہ قیام کیا، مولانا جمال الدین اوران کے ساتھیوں نے نماز کے لئے اذان دلوائی، خان کی نیند میں خلل پڑا، اس نے غضب ناک ہوکر حکم دیا اور یہ گوشہ نشین جماعت کشاں کشاں اس کے سامنے لائی گئی، خان نے غصہ کی حالت میں مولانا سے پوچھا کہ تو اچھا ہے یا یہ کتا تجھ سے اچھا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ اگر میرے اندر ایمان ہے تو میں اچھا ہوں ورنہ یہ کتا مجھ سے ہزار درجہ بہتر ہے، نہ معلوم یہ الفاظ کس دل سے نکلے تھے کہ یکا یک خان کا دل متاثر ہوا، اس نے اپنے امیر کو حکم دیا کہ ان بزرگ کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے عزت کے ساتھ میرے خیمے میں لے آؤ۔

مولانا جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ جب اس کے خیمے میں پہنچے تو اس نے پوچھا وہ چیز کیا ہے جو انسان کو کتے سے بہتر بنا سکتی ہے؟ مولانا نے فرمایا ''اسلام'' اور پھر اسلام کی حقیقت اس طرح بیان کی کہ خان بے اختیار رونے لگا، پھر تھوڑا سنبھل کر کہا ابھی میرے اختیارات محدود ہیں، جب میں بادشاہ بنوں گا تو آپ ضرور میرے پاس تشریف لائیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت مسلمان ہو جاؤں گا۔

اس ملاقات سے کچھ دن پہلے مولانا نے خواب دیکھا تھا کہ آپ اپنے ہاتھ میں چراغ لئے

Marfat.com

کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہیں جس کی روشنی سے تمام مشرق جگمگا رہا ہے، یہ خواب آپ نے اپنے بیٹے ارشد الدین کو سنایا اور کہا کہ اگر میں تغلق تیمور کی مسند نشینی سے پہلے انتقال کر جاؤں تو تم اسے قبول اسلام کا واقعہ ضرور یاد دلانا، عجب نہیں کہ وہ تمہارے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو جائے، اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مولانا جمال الدین اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۱۳۴۷ء میں اُمرائے دولت کے متفقہ فیصلہ نے تغلق تیمور خان کو مغلستان کا خاقان تجویز کیا اور وہ بڑے کروفر سے مسند آرائے حکومت ہوا، مولانا ارشد الدین یہ خبر سنتے ہی پایہ تخت کی طرف روانہ ہو گئے اور خاقان سے ملنا چاہا، مگر رسائی نہ ہوئی، تاہم مولانا اپنے عزم سے دست کش نہ ہوئے، آپ ہر روز صبح کے وقت خاقان کے خیمہ کے قریب جاتے اور اس زور سے اذان دیتے کہ تمام وادی گونج اُٹھتی، کئی دفعہ ایسا ہوا کہ خود خاقان کی نیند اُچاٹ ہو گئی، آخر ایک دن اس نے حکم دیا کہ اس بے ادب شخص کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے، مغل چوب دار اسی وقت دوڑتے ہوئے گئے اور مولانا کو پکڑے ہوئے خاقان کے سامنے لائے، پوچھا تم کون شخص ہو کہ جو ہر روز تڑکے ہی میں ہمارے خیمے کے قریب چلّانے لگتے ہو؟ مولانا نے فرمایا میں اسی شخص کا بیٹا ہوں جسے آپ نے ایک موقع پر اسلام قبول کرنے کا قول دیا تھا، میرے والد انتقال کر چکے ہیں اور ان کی وصیت کے مطابق اب میں حاضر ہوا ہوں، اس پر تغلق تیمور کو وعدہ یاد آ گیا، بستر سے اُٹھ کر مسند پر آ گیا اور مولانا کو پوری عقیدت سے اپنے پہلو میں جگہ دی، پھر کہنے لگا کہ ''میں تخت نشینی کے وقت سے آپ کا منتظر تھا اب آپ آ گئے ہیں تو فرمایئے میں کیا کروں'' مولانا نے تغلق تیمور کو غسل کا حکم دیا، پھر کلمہ پڑھایا اور اس کے ساتھ ہی مشرق کی تمام سرزمین نور اسلام کے استقبال کی تیاری

Marfat.com

کرنے لگی۔

مولانا نے خاقان کو مشورہ دیا کہ سارے مغلستان میں اسلام کی اشاعت کرنی چاہئے اور قرار پایا کہ ایک ایک امیر کو الگ الگ بلا کر دین حق کی دعوت دے اور رفتہ رفتہ سب کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے کیونکہ سارے ملک کو تبدیلی مذہب پر آمادہ کرنے میں فساد کا احتمال تھا، دوسرے دن پہلا امیر جو خاقان سے ملنے آیا امیر تلیک تھا، اس وقت مولانا ارشد الدین بھی خاقان کے پاس بیٹھے تھے، امیر تلیک نے ان پر مستفسرانہ نگاہ ڈالی تو خاقان نے ان کے تعارف کی رسم ادا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، یہ وہ بزرگ ہیں جن کے ذریعہ میں نے بت پرستی کو ترک کر دیا ہے، کیا اچھا ہو کہ آپ بھی ایک اللہ کے آستانہ پر جھک جائیں، امیر تلیک یہ الفاظ سن کر زار و قطار رونے لگا اور آنسو جب ذرا تھمے تو کہنے لگا: ''جہاں پناہ! میں پہلے ہی اس تیر کا گھائل ہوں، تین سال ہوئے جب کاشغر میں تھا تو چند باخدا بزرگوں نے مجھے بھی راستہ دکھایا تھا، میں اسی وقت سے اسلام پر قائم ہوں''۔

خاقان نے جونہی یہ ماجرا سنا جوش مسرت سے بے تاب ہو گیا، امیر تلیک کو گلے سے لگا لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے اتنے بڑے امیر کو دست راست بنا دیا، مغلستان کے تمام امیر اسی طرح ایک ایک کر کے اسلامی برادری میں داخل ہو گئے اور بالآخر ایک ہی روز میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار مغل بت پرستی سے توبہ کر کے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔[1]

[1] معارف مدنیہ، ج:۱، ص:۳۲۳، ط: مکتبہ رشیدیہ، کراچی۔

Marfat.com

فوائدِ مہمہ

فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ

فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ''اذانِ جمعہ کے بعد ذکرِالٰہی یعنی خطبہ کی طرف دوڑو'' کی تفسیر میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے پیدل بھاگنا مراد نہیں، کیونکہ نماز کے لئے سکون ووقار کے ساتھ چل کر آنے کا حکم ہے، بلکہ اس سے نیت واخلاص کی سعی وکوشش یعنی پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا مراد ہے۔[1]

وہ تین حالات جن میں آدمی کی دعا قبول نہیں ہوتی

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ تین اشخاص وہ ہیں جو اللہ عزوجل سے دعا کرتے ہیں لیکن اُن کی دعا قبول نہیں ہوتی:

ایک: وہ جس کے نکاح میں بدخلق عورت ہو اور وہ اس کو طلاق نہ دے رہا ہو (یہ شخص اُس عورت کے برخلاف جتنی بھی بددعا کرتا رہے ہرگز قبول نہ ہوگی کیونکہ اُس نے خود ہی اپنے اوپر عذاب مسلط کیا ہوا ہے کہ اس عورت کو طلاق نہیں دے رہا)۔

دوسرا: وہ جس کا کسی کے ذمہ کچھ مال ہو اور اُس نے اس پر گواہی نہ قائم کی ہو (اب اگر قرضدار اُس کے مال کا انکار کردیتا ہے اور یہ اُس کے خلاف بددعا کررہا ہے تو اس کی یہ بددعا قبول نہ ہوگی کیونکہ اُس نے گواہی قائم نہ کرکے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے)۔

تیسرا: وہ شخص جس نے کسی نامعقول آدمی کو اپنا مال کاروبار وغیرہ کے لئے دے رکھا ہو (اب اگر نقصان ہوگیا تو اُس نامعقول آدمی کے برخلاف اس شخص کی بددعا قبول نہ ہوگی کیونکہ اُس نے نامعقول کو مال دے کر خود ہی نامعقولی کا ثبوت دیا ہے)۔[2]

---

[1] فضائل ابی عبید، ص: ۱۸۶، تفسیر قرطبی۔ [2] رواہ الحاکم وغیرہ) (الکلمات، ص: ۱۴۶)۔

Marfat.com

خاموش رہنا دانائی ہے

ایک مرتبہ حضرت لقمان، حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا آپ زِرہیں بُن رہے ہیں (اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے لوہے کو مٹی کی طرح نرم کر دیا تھا) آپ نے چاہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے اُن کے بارے میں استفسار کریں، لیکن حکمت و دانائی نے آپ کو سوال کرنے سے روک دیا، لہٰذا آپ خاموش رہے، جب حضرت داؤد علیہ السلام نے زِرہ بنا لی تو اُسے پہنا اور فرمایا ''تو لڑائی کا کس قدر اچھا لباس ہے'' ،حضرت لقمان بولے ''چُپ رہنا دانائی ہے، لیکن اسے اپنانے والے بہت کم ہیں''، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ''تمہارا نام ''حکیم'' رکھا جانا حق اور سچ ہے۔ [1]

تین سیاہ فام آدمی

سیّد التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سیاہ فام شخص مسئلہ پوچھنے آیا، آپ نے اُس سے کسی قسم کی گراوٹ محسوس کرتے ہوئے فرمایا: اس بات سے رنجیدہ نہ ہو کہ تم سیاہ فام ہو کیونکہ لوگوں میں سے تین بہترین لوگ سیاہ فام ہوئے ہیں (۱) حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام مہجع رضی اللہ عنہ (۳) حضرت لقمان علیہ السلام۔

سورۂ یٰسین کی برکت

ایک مرتبہ امام ناصر بستی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے اور اس بیماری میں آپ کو مرض سکتہ ہو گیا، اعزا و اقرباء نے آپ کو مردہ تصور کر کے دفن کر دیا، رات کے وقت آپ کو ہوش آیا خود کو مدفون دیکھا، سخت متحیّر ہوئے اس حیرت و پریشانی و اضطراب میں آپ کو یاد آیا کہ جو شخص حالتِ پریشانی میں چالیس مرتبہ سورۂ یٰسین پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اضطراب کو دفع کرتا ہے اور وہ تنگی اس کی فراخی سے بدل جاتی ہے، یہ سوچ کر سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کی آپ انتالیس مرتبہ پڑھ چکے تھے کہ اثرِ کشادگی ظاہر ہوا اور وہ یہ تھا کہ ایک کفن چور نے کفن چرانے کی نیت

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج:۱۴، ص:۶۱۔

Marfat.com

سے آپ کی قبر کھودی تھی، امام نے اپنی فراست سے معلوم کیا کہ یہ کفن چور ہے، پس اس خیال سے کہ مبادا یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص زندہ مدفون ہے اور یہ اپنے ارادہ سے باز رہے چالیسویں مرتبہ آپ نے بہت دھیمی آواز سے پڑھنا شروع کیا کہ دوسرا شخص نہ سن سکے، القصہ جب آپ نے چالیسویں مرتبہ پورا کیا یہ کفن چور بھی اپنا کام پورا کر چکا تھا آپ اُٹھ کر قبر سے باہر آئے کفن چور نے جب یہ امر معائنہ کیا ہیبت سے اُس کا گردہ پھٹ گیا اور وہ اسی جگہ خوف کھا کر گر پڑا اور مر گیا۔

امام کو اس کی ہلاکت کا بہت تاسف ہوا اور اپنے دل سے کہا کہ تو نے اس قدر جلدی کی اُس کو اپنا کام کر لینے دیا ہوتا اور پھر باہر نکلتا، الغرض پشیمان ہوتے ہوئے باہر آئے اور خیال کیا کہ اگر میں فوراً شہر چلا جاؤں گا تو لوگوں کو اس محال کے وقوع سے سخت پریشانی و حیرت و ہیبت ہوگی خوف کھائیں گے، پس آپ رات کو ہی شہر میں گئے اور ہر محلہ کے دروازے کے آگے پکارتے تھے کہ میں امام ناصر بستی ہوں، تم لوگوں نے مجھے سکتہ کی حالت میں دیکھ کر غلطی سے مردہ تصور کیا اور دفن کر دیا، میں زندہ ہوں، انہوں نے اس واقعہ کے بعد قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی تھی۔

صدقہ کی برکت

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ مسلم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

> حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں ایک شخص لوگوں کو بہت ستایا کرتا تھا، لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اس کے لئے بددعا کریں، آپ نے فرمایا جاؤ اس شخص سے تمہاری کفایت کر لی گئی ہے، یعنی تم اس کے شر سے محفوظ ہو گئے ہو، مسلم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ شخص روزانہ لکڑیاں چننے جایا کرتا تھا، چنانچہ وہ اس روز بھی اس ارادے سے نکلا، اس کے پاس دو چپاتیاں تھیں جن میں سے ایک اس نے کھالی اور دوسری صدقہ کر دی، غرض وہ گیا اور

Marfat.com

لکڑیاں چن کر شام کو صحیح سالم لوٹ آیا (اسے کچھ بھی نہیں ہوا) لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ وہ شخص تو لکڑیاں چن کر صحیح وسالم لوٹ آیا، اُسے کچھ نہیں ہوا، حضرت صالح علیہ السلام نے اُسے بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے آج کیا عمل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں گھر سے چلا تو میرے پاس دو چپاتیاں تھیں جن میں سے ایک میں نے کھالی اور دوسری صدقہ کر دی، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا، اچھا لکڑیوں کا یہ گٹھر کھولو، اس نے گٹھر کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک سیاہ سانپ درخت کے تنے کی مانند پڑا ہوا ہے اور اس نے اپنے دانت ایک موٹے تنے پر گاڑے ہوئے ہیں، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا اس نے جو چپاتی صدقہ کی تھی اس کی برکت سے یہ بچ گیا۔ [1]

عطاءِ خداوندی

علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳) فرماتے ہیں:

تمام روئے عالم کی بجلی کا وزن روشنی کے پیمانے سے ایک بٹہ چار چھٹانک ہے، یعنی سوا تولہ، اور سورج کی صرف وہ روشنی جو زمین تک پہنچتی ہے اور اس سے روشنی کے علاوہ نظامِ کائنات کے بے شمار کام سرانجام ہوتے ہیں وہ ایک بٹہ دو ارب ہے، یعنی اگر اس کے دو ارب حصے کر دیئے جائیں تو صرف ایک حصہ زمین پر واقع ہوتا ہے، چنانچہ اس روشنی کا وزن چار ہزار چار سو اسی من ہے اور اگر اس کی قیمت لگائی جائے تو کرۂ ارض کے دس ہزار سال کی کل آمدنی سورج کی ایک بٹہ دو ارب (روشنی) کی قیمت پوری نہیں کر سکتی ہے۔ [2]

بادشاہوں کے القابات

فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا تھا، ترک (ترکستان) کے بادشاہ کا لقب خاقان ہوتا تھا، حبشہ (ایتھوپیا) کے بادشاہ کو نجاشی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، قبطیوں کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوتا تھا، مصر کے

---

[1] کتاب الزہد، ص: ۱۲۰۔ [2] ماہنامہ الحق، ش: ۳، ص: ۳۴۔

Marfat.com

بادشاہ کا لقب عزیز (اور فرعون) ہوتا تھا، حمیر کے بادشاہ کا لقب تبع ہوتا تھا، ہندوستان کے بادشاہ کا لقب دہمی ہوتا تھا، چین کے بادشاہ کا لقب فغفور ہوتا تھا، زنجیوں (کالوں) کے بادشاہ کا لقب غانہ ہوتا تھا، یونان کے بادشاہ کا لقب بطلیموس ہوتا تھا، یہود کے بادشاہ کا لقب قیطون یا ماتح ہوتا تھا، بربر (جو مغربی افریقہ کی ایک قوم ہے اُن) کے بادشاہ کا لقب جالوت ہوتا تھا، صابئہ کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا، یمن کے بادشاہ کا لقب تُبَّع ہوتا تھا، فرعانہ کے بادشاہ کا لقب اخشید ہوتا تھا، عرب کے بادشاہ کا لقب عجم سے پہلے نعمان ہوتا تھا، افریقہ کے بادشاہ کا لقب جرجیر ہوتا تھا، خلاط کے بادشاہ کا لقب شہرمان اور سندفور ہوتا تھا، خزر کے بادشاہ کا لقب رتبیل ہوتا تھا، نوبہ کے بادشاہ کا لقب کابل ہوتا تھا، صقالیہ کے بادشاہ کا لقب ماجد ہوتا تھا، ارمن کے بادشاہ کا لقب تقفور ہوتا تھا، اجات کے بادشاہ کا لقب خداوندکار ہوتا تھا، اشروشنہ کے بادشاہ کا لقب افشین ہوتا تھا، خوارزم کے بادشاہ کا لقب خوارزم شاہ ہوتا تھا، جرجان کے بادشاہ کا لقب صول ہوتا تھا، آذربائیجان کے بادشاہ کا لقب اصبہین ہوتا تھا۔

مسبّب الاسباب اللہ کی ذات ہے

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۹۱ھ) فرماتے ہیں:

''ایک بادشاہ کو ایسی خوفناک بیماری تھی کہ اس کا دوبارہ ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے، یونان کے حکیموں کی ایک جماعت اس پر متفق ہوگئی کہ اس تکلیف کی کوئی دوا نہیں ہے سوائے اس شخص کے پتّے کے جو ان صفتوں سے متصف ہو، بادشاہ نے تلاش کرنے کا حکم دے دیا، ایک دہقان کے لڑکے کو اس صورت پر پایا جو حکیموں نے بتلائی تھی، اس کے ماں باپ کو بلایا اور بہت سا مال دے کر راضی کرلیا، قاضی صاحب نے بھی اس بارے میں فتویٰ دے دیا کہ بادشاہ کی جان بچانے کے لیے رعیت میں سے ایک شخص کا خون بہانا جائز ہے، جلاد نے قتل کا ارادہ کیا، لڑکے نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور مسکرایا۔

Marfat.com

بادشاہ نے دریافت کیا کہ اس حالت میں ہنسنے کا کیا موقع ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ بچوں کا ناز ماں باپ پر ہوتا ہے، دعویٰ قاضی کے پاس لے جاتے ہیں، انصاف بادشاہ سے چاہتے ہیں، اب ماں باپ نے دنیا کی قلیل دولت کے باعث مجھ کو خون کے لئے سونپ دیا (یعنی میرے قتل پر راضی ہو گئے) قاضی نے میرے قتل کے جواز کا فتویٰ دے دیا، اور بادشاہ اپنی بھلائی میری ہلاکت میں دیکھتا ہے، ایسی صورت میں سوائے بزرگ و برتر کے میں کوئی پناہ نہیں دیکھتا، بادشاہ کا دل اس بات سے بھر آیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے، بادشاہ نے کہا کہ میرا ہلاک ہو جانا ایسے بے گناہ بچے کا خون بہانے سے زیادہ بہتر ہے، بادشاہ نے اس کی آنکھوں اور سر کو چوما سینے سے لگایا اور اُسے رہا کر دیا، اور اس کے ساتھ ساتھ بے اندازہ مال بھی اسے دیا، کہتے ہیں کہ اُس ہفتے میں اللہ کے فضل و کرم سے بادشاہ نے صحت پالی۔ [1]

اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر نظر رکھنی چاہئے کہ مسبّب الاسباب وہی ہے، اسی طرح یہ سبق ملتا ہے کہ کسی بڑے آدمی کو اپنے فائدے کی خاطر کسی چھوٹے آدمی کو نہیں ستانا چاہئے بلکہ چھوٹوں پر رحم کھانا چاہئے کہ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور اپنے فضل سے نوازتے ہیں۔

ملتا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہو

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ کہانی ہمارے والد صاحب مولانا یحییٰ صاحب ہمیں سنایا کرتے تھے کہ تقدیر اور تدبیر کی لڑائی ہوئی، تدبیر کہنے لگی کہ لوگ بدسلیقی سے کام کرتے ہیں اگر انتظام سے خوراک کھائیں تو بیمار نہیں ہوں گے وغیرہ وغیرہ اور تدبیر نے اپنے دیگر فوائد بھی بتلا دیئے، تقدیر خاموشی کے ساتھ سن رہی تھی، تقدیر نے آہستہ سے کہا کہ بشرطیکہ میں ساتھ ہوں۔

اب دونوں نے آپس میں یہ کہا کہ ہر ایک زور آزمائی دکھائے اور اپنے فن کا مظاہرہ کرے، تدبیر نے کہا میں

[1] گلستانِ فارسی، ص:۴۸۔

Marfat.com

بندے کو دولت مند بنا دیتی ہوں، تقدیر نے کہا کہ یہ میرا کام ہے۔ آخر تدبیر نے اپنا کام شروع کر دیا، ایک شخص کی شکل میں ایک دھوبی کے پاس آئی اور ایک قیمتی ہیرا دیا اور یہ بھی کہا کہ اسے محفوظ کرلو صرف بادشاہ ہی تم سے خرید سکے گا، اس کی بڑی قیمت ہے، دھوبی نے سوچا کہ مجھ سے بدبو آ رہی ہے بادشاہ کے پاس جانے کیلئے غسل کرلوں تو صاف ہو جاؤں، تو اس نیت سے دریا میں گھس گیا اور نہانا شروع کر دیا، ہیرے کو چادر کے اوپر رکھا، پانی کا ریلا آیا اور ہیرے کو لے گیا، بڑا افسوس کیا۔

دوسرے دن تدبیر پھر انسانی شکل میں دھوبی کے ہاں آئی اور ایک قیمتی ہار دیا اور یہ نصیحت کی کہ اسے احتیاط سے رکھنا، حماقت نہ کرنا، اس نے وہ ہار چادر پر رکھا اور سامان جب باندھنے لگا اوپر سے ایک چیل آئی اور گوشت سمجھ کر لے اڑی، پھر افسوس ہوا، تیسرے دن تدبیر پھر انسانی شکل میں آئی اور سو اشرفیاں دیں اور یہ تاکید کی کہ اس سے تجارت کریں۔ گھر آیا بیوی باہر گئی ہوئی تھی، چولہے کے اندر راکھ میں اشرفیاں چھپائیں اور بیوی کو بلانے چلا گیا، ایک پڑوسن عورت آگ کی تلاش میں آئی، جب راکھ کے اندر چمچہ مارا تو نیچے سے اشرفیاں نظر آئیں، وہ لے گئی واپس آ کر دھوبی سخت پریشان ہوا، بیوی نے برا بھلا کہا کہ آج تیسرا دن ہے تو چیزوں کو ضائع کر رہا ہے۔

تقدیر نے کہا کہ اب میرا کمال دیکھو، بیوی نے کہا کہ جاؤ کھانے کو کوئی مچھلی لے آؤ، جال اٹھایا، ایک مچھلی پکڑی، جنگل سے لکڑی کاٹنے گیا، وہاں ایک درخت پر چڑھا، ایک گھونسلہ (آشیانے) میں ہار ملا، بیوی نے مچھلی کو صاف کرنا شروع کر دیا، اندر سے وہی ہیرا نکلا، خوشی سے دونوں نے شور مچایا، پڑوسن گھبرائی کہ شاید میری چوری کا علم ہو گیا، وہ جلدی میں اشرفیاں لے آئی اور معذرت کی کہ غلطی سے راکھ میں لے گئی تھی، تقدیر نے کہا دیکھا میں تو منٹوں میں بندے کا کام بنا دیتی ہوں، اے تدبیر! تم نے دھوبی کو امیر بنانے کیلئے کتنی کوشش کی لیکن تم ناکام رہی اور میرا دیکھا کہ منٹوں میں سارے کام بن گئے، سچ کہا ہے کہ ملتا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہو۔[1]

---

[1] ملفوظات شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ

Marfat.com

تقوے کی برکت

حضرت علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۲۲ھ) کی ہمشیرہ فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں:

''بغداد میں دس نوجوان تھے جن کے ساتھ دس نوعمر لڑکے تھے، ان نوجوانوں نے ایک نوعمر لڑکے کو کسی کام کے لئے بھیجا، اس نے کافی دیر لگادی، ان کو اس لڑکے پر بڑا غصہ آیا، اچانک وہ لڑکا ایک خربوزہ ہاتھ میں لئے ہنستا ہوا آ گیا، ان نوجوانوں نے اس سے کہا کہ ایک تو تُو نے دیر لگائی اوپر سے ہنستا ہوا آرہا ہے؟ اس نے کہا کہ میں تمہارے پاس ایک انتہائی عجیب چیز لایا ہوں، دیکھو اس خربوزہ پر حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ رکھا تھا، میں یہ بیس درہم میں خرید کر لایا ہوں، ان نوجوانوں میں سے ہر ایک نے اسے بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا، اُن میں سے ایک نوجوان بولا کہ آخر حضرت بشر حافی اس مرتبہ پر کیوں کر پہنچے؟ سب نے کہا کہ تقویٰ اختیار کرنے کی وجہ سے، وہ بولا کہ اچھا پھر گواہ رہو کہ میں اللہ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں، باقی سب نے بھی یہی کیا اور اللہ کے حضور میں توبہ کی، کہا جاتا ہے کہ وہ سب یہاں سے طرطوس چلے گئے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ [1]

دعوت وتبلیغ کا ایک زرّیں اُصول

۱۹۷۷ء کی بات ہے کہ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اسلامی مشاورتی کونسل کے ایک اجلاس کے لئے کراچی سے اسلام آباد تشریف لائے، اجلاس منعقد ہوا، اجلاس کی تیسری نشست میں بعض حضرات نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائش کی کہ آپ ٹیلی ویژن پر خطاب فرمائیں، آپ نے ٹیلی ویژن پر خطاب کرنے سے یہ کہہ کر معذرت فرمادی کہ یہ میرے مزاج کے خلاف ہے، اسی دوران غیر رسمی طور پر یہ گفتگو بھی آئی کہ فلموں کو مخرب اخلاق عناصر سے پاک کر کے تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ اس بارے

---

[1] کتاب التوابین، ص: ۲۱۲۔

Marfat.com

میں مولانا نے جو کچھ فرمایا اُس کا خلاصہ یہ ہے:

اس سلسلہ میں مَیں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کو پکّا مسلمان بنا کر چھوڑیں، ہاں اس بات کے مکلّف ضرور ہیں کہ تبلیغِ دین کے لئے جتنے جائز ذرائع و وسائل ہمارے بس میں ہیں اُن کو اختیار کر کے اپنی پوری کوشش صرف کر دیں، اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے، وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب کو بجالانے کا بھی حکم دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چمگادڑ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے چمگادڑ بنوانے کی فرمائش کیوں کی؟ اس میں بڑی حکمتیں ہیں:

۱۔ اس کے پَر، گوشت اور خون کے ہوتے ہیں، اس کے پَر بالوں کے نہیں ہوتے پھر بھی اُڑتی رہتی ہے۔

۲۔ حیوان کی طرح اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں حالانکہ اُڑنے والے پرندے سب انڈے دیتے ہیں۔

۳۔ اس کے پستان بھی ہوتے ہیں حالانکہ اُڑنے والے پرندوں کے پستان نہیں ہوتے۔

۴۔ اس کے پستانوں سے دودھ بھی نکلتا ہے۔

۵۔ عورتوں کی طرح اُسے حیض (ماہواری) بھی آتا ہے۔

۶۔ نہ تو بالکل روشنی میں وہ دیکھ سکتی ہے اور نہ ہی بالکل اندھیرے میں۔ صرف دو ٹائم اسے نظر آتا ہے، غروب آفتاب کے فوراً بعد اور صبح صادق کے بعد روشنی سے پہلے پہلے۔

۷۔ انسانوں کی طرح وہ ہنستی بھی ہے۔

۸۔ اس کے دانت بھی ہوتے ہیں انسان کی طرح، حالانکہ پرندوں کی چونچ ہوتی ہے نہ کہ دانت، تو چونکہ اس میں مختلف جانوروں اور پرندوں اور انسانوں کی خصوصیات پائی جاتی ہیں، اس لئے لوگوں نے اس کے بنانے کی فرمائش کر رکھی تھی۔ ”فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ“۔

Marfat.com

حکمت :

اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق میں یہ فرق تھا کہ اللہ جل جلالہ کی مخلوق تو ایک عرصے تک زندہ رہتی ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب چمگادڑ کو مٹی سے بناتے تھے تو لوگوں کے سامنے تو وہ اُڑا کرتی لیکن جب لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی تو گر کر مرجاتی۔ [1]

عجائب تواریخ

دنیا میں جس طرح نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں، ہر بڑی نعمت سے زیادہ بڑی نعمت ہوسکتی ہے، اسی طرح مصیبتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں، ہر مصیبت سے بڑی مصیبت ہوسکتی ہے، علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المدھش سے کچھ واقعات وحوادثات نقل کئے جاتے ہیں جو عبرت اور نصیحت کیلئے کافی ہیں:

۱۔ ۱۸ھ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں بارش کا ایسا قحط پڑا کہ ہوا میں بجائے غبار کے راکھ اُڑتی نظر آتی تھی، اسی لئے اس سال کا نام "عام الرمادہ" ہوگیا، یعنی راکھ والا سال۔ وحشی جانور بھوک اور پیاس سے عاجز ہوکر انسان کے پاس آجاتے تھے، اس قحط میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ عہد کرلیا تھا کہ گھی اور دودھ اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک قحط سالی ختم نہ ہو۔

۲۔ ۲۴ھ میں بصرہ کے اندر ایسا شدید طاعون آیا کہ شہر کے گورنر کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس کا جنازہ اُٹھانے کیلئے چار آدمی بھی نہ ملے۔

۳۔ ۹۶ھ میں طاعون جارف کا واقعہ پیش آیا جس میں تین دن کے اندر ۷۰ ہزار آدمی ہلاک ہوگئے، مرنے والوں کو قبرستان تک لے جانا اور قبروں میں دفنانا ناممکن ہوگیا تھا، اس لئے جب سارے گھر والے مرجاتے تو سب کو ایک کمرے میں بند کرکے ان کا دروازہ اینٹ گارے سے بند کردیا جاتا تھا۔

۴۔ ۱۳۱ھ میں ایسا طاعون آیا کہ پہلے دن ۷۰ ہزار آدمی مرے، دوسرے دن ۷۰ ہزار سے زیادہ

---

[1] تفسیر اکلیل۔

Marfat.com

بندے مر گئے اور تیسرے دن سب آدمی ٹھنڈے ہو گئے۔

۵۔ ۲۳۸ھ میں طاہر بن عبداللہ نے خلیفہ وقت امیر المومنین متوکل باللہ کے دربار میں ایک پتھر بھیجا جو طبرستان کے اطراف میں آسمان سے گرا تھا، جس کا وزن ۸۴۰ درہم کے برابر تھا، اس کے گرنے کا دھماکہ بارہ بارہ میل تک سنا گیا، اور گر کر پانچ ہاتھ تک زمین میں گھستا ہوا چلا گیا۔

۶۔ ۲۴۰ھ میں ایک ہوا بلاد ترک سے نکلی جو مرو میں پہنچی تو ایک بڑی خلقت کو زکام کے ذریعہ ہلاک کر دیا، پھر نیشاپور اور رے میں پہنچی تو بخار اور کھانسی سے بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے۔

۷۔ ۲۴۱ھ میں دامغان میں زلزلہ آیا جس سے ۲۵۰۰۰ (پچیس ہزار) آدمی ہلاک ہو گئے اور یمن میں ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کی جگہ چلا گیا اور حلب میں ایک جانور جو کوے سے ذرا بڑا تھا ایک درخت پر آکر بیٹھ گیا اور چالیس مرتبہ یہ آواز لگائی۔ اِتَّقُوا اللہَ اِتَّقُوا اللہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ چالیس مرتبہ یہ آواز لگائی پھر وہ پرندہ اڑ گیا، پھر اگلے دن وہ دوبارہ آیا اور چالیس مرتبہ پھر وہی آواز دے کر اڑ گیا، پانچ سو بندوں نے اس پر گواہی دی اور شہر کے حاکم کو یہ بات بتائی۔

۸۔ ۳۳۴ھ میں ایسا قحط پڑا کہ لوگ اپنے بچوں کو ذبح کر کے کھانے لگے اور مردار جانور کھائے جانے لگے اور چند روٹیوں کے عوض بڑی بڑی جائیدادیں فروخت ہونے لگیں۔

۹۔ ۴۶۲ھ میں اس قدر شدید قحط پڑ گیا اور ساتھ وبا بھی پھیل گئی کہ آدمی کو آدمی کھانے لگے، اسی قحط میں وزیر مملکت ایک دوست کو ملنے اس کے گھر گئے، گھوڑے کو باہر دروازہ پر باندھ لیا، جب وزیر باہر نکلا تو تین بندوں نے گھوڑے کو ذبح کیا تھا اور گوشت کاٹ رہے تھے، وزیر نے ان تینوں بندوں کو پھانسی پر چڑھایا، صبح کو دیکھا کہ ان تینوں کی صرف ہڈیاں رہ گئیں تھیں، ان کا گوشت دوسرے بھوکے لوگ کھا گئے تھے۔

Marfat.com

انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین کے ساتھ معیت کے کیا معنی؟

سچے تاجر کا حشر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا تاجر جس کی یہ صفتیں ہوں وہ قیامت کے روز حضرات انبیاء کرام علیہم السلام حضرات صدیقین رضی اللہ عنہم اور حضرات شہداء رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہمراہی میں ہوگا، اسے اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی، اور ساتھ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ ان حضرات کے برابر رتبہ مل جائے گا بلکہ ایک خاص قسم کی بزرگی مراد ہے جو بڑوں کیساتھ رہنے سے حاصل ہوتی ہے، جیسے کہ کوئی شخص کسی بزرگ کی دنیا میں دعوت کرے اور ان کے ہمراہ ان کے خادموں کی بھی ضیافت کرے تو ظاہر ہے کہ اُن بزرگ کے کھانا کھانے کی جگہ اور اُن خدام کے کھانا کھانے کی جگہ، نیز کھانا ایک ہی ہوگا لیکن جو درجہ ان لوگوں کے نزدیک اُن بزرگ کا ہوگا وہ خادموں کا نہیں مگر ہمراہی کا شرف وعزت، نیز کھانے اور مکان میں شرکت کا میسر آنا، ایک بہت بڑا کمال ہے، جو خادموں کو حاصل ہوا ہے، خصوصاً جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی بہت بڑی دولت ہے، اگر فرض کرو کہ کھانا بھی میسر نہ ہو، ہمراہی سے کچھ عزت بھی میسر نہ ہو، فقط ہمراہی ہی میسر ہو تو آپ سے محبت کرنے والے مسلمان کیلئے فقط آپ کا دیدار اور آپ کی ہمراہی ہی بڑی دولت ہے ، بلکہ دیدار تو بڑی چیز ہے، آپ کا پڑوس ہی بڑی نعمت ہے، لہٰذا مسلمانوں کو جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس دعاء متبرک کا مستحق ہونا ضرور مناسب ہے۔

بلاضرورت قرض کی مذمت

۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے سنا:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْکُفْرِ وَالدَّیْنِ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کفر اور دَین (یعنی قرض) سے، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ قرض کو کفر کے برابر کرتے اور اس کے ساتھ ذکر کرتے ہیں؟ فرمایا، ہاں۔ [1]

---

[1] رواہ النسائی والحاکم وقال صحیح الاسناد۔

Marfat.com

۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قرض اللہ تعالیٰ کا جھنڈا ہے زمین میں، جب وہ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں اس کی گردن پر قرض کا بوجھ رکھ دیتے ہیں۔[۱]

۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کو اس طرح وصیت فرما رہے تھے کہ گناہ کم کیا کرو تم پر موت آسان ہو جائے گی اور قرض کم لیا کرو کہ آزاد ہو کر جیو گے۔[۲]

۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص لوگوں کا مال ادا کرنے کی نیت سے لے، حق تعالیٰ اس کا قرض ادا کر دیتے ہیں اور جو شخص لوگوں کا مال ضائع کرنے (اور مار لینے) کی نیت سے لے، اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔[۳]

۵: حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میری امت میں سے جو شخص قرض کے بار میں لد جائے، پھر اس کے ادا کرنے میں (پوری) کوشش کرے، پھر ادا کرنے سے پہلے مر جائے تو میں اس کا مددگار رہوں۔[۴]

۶: میمون کُردی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں (جو صحابی ہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس نے کسی عورت سے قلیل یا کثیر مقدار میں مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں عورت کا حق (مہر) ادا کرنے کی نیت نہیں (بلکہ محض) دھوکہ دیا، پھر بدون ادا کئے ہی مر بھی گیا تو وہ قیامت کے دن زنا کار بن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے جائے گا اور جس شخص نے کسی سے قرض لیا اور اس کے دل میں قرض ادا کرنے کی نیت نہیں (بلکہ محض) دھوکہ سے اس کا مال لے لیا، پھر بدون ادا کئے ہی مر بھی گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے چور بن کر جائے گا۔[۵]

---

[۱] رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم۔ [۲] رواہ البیہقی۔ [۳] اس کو بخاری و ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ [۴] رواہ احمد باسناد جید وابویعلی والطبرانی فی الاوسط۔ [۵] رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط ورواتہ ثقاۃ۔

Marfat.com

فائدہ: جو شخص قرض ادا کرنے پر قادر ہو اور پھر بھی ادا نہ کرے تو قرض خواہ اُس کی آبرو ریزی کر سکتا ہے اور برا بھلا بھی کہہ سکتا ہے، اور لوگوں میں اس کی بدمعاملگی مشتہر کر سکتا ہے، جس طریقہ سے ممکن ہو ظاہر اً یا چھپ کر اپنا حق اُس سے وصول کر سکتا ہے۔

۷: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حق تعالیٰ تین شخصوں سے بہت نفرت کرتے ہیں، ایک بوڑھا زنا کار، دوسرے مفلس تکبر کرنیوالا، تیسرے مالدار ظالم (جو قرض خواہوں پر ٹال مٹول کر کے ظلم کرتا ہے)۔[۱]

دعاء ادائے قرض

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مکاتب آیا اور کہنے لگا کہ میں کتابت کی رقم ادا کرنے سے عاجز ہو گیا ہوں، میری امداد کیجئے؟ فرمایا کہ میں تجھ کو چند کلمات (کی دعا) نہ بتلادوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی ہے، اگر تیرے اوپر کوہ ثبیر کے برابر بھی قرض ہوگا تو حق تعالیٰ ادا کر دیں گے، یوں کہا کر:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ [۲]

یہ مجرب المجرب ہے، بارہا تجربہ کیا ہے، اعتقاد اور حق تعالیٰ پر بھروسہ شرط ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تم کو ایسی دعا نہ بتاؤں کہ اگر تمہارے اوپر پہاڑ کے برابر قرض ہو تو اُس کو بھی حق تعالیٰ ادا کر دیں گے، یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُعْطِيْهِمَا مَنْ تَشَآءُ وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ اِرْحَمْنِيْ رَحْمَةً تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ [۳]

---

[۱] رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ وابوداؤد والنسائی والترمذی وابن حبان والحاکم وصححاہ۔[۲] رواہ الترمذی واللفظ لہ وقال حسن غریب والحاکم وقال صحیح الاسناد۔[۳] رواہ الطبرانی فی الصغیر باسناد جید۔

Marfat.com

یہ بھی نہایت مجرب ہے، بہت سے لوگوں نے اس کو آزمایا ہے، بحمد اللہ سب کی حاجتیں پوری ہوئیں، اس دعا اور پہلی دعا کے متعلق حدیث میں کوئی عدد یا وقت مذکور نہیں ہے، لہٰذا کم از کم ہر نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھ لیا کریں، اور اس سے زائد ہر شخص اپنی فرصت وقوت دیکھ کر مقدار و وقت مقرر کر لے۔

عمل میں کیفیت دیکھی جاتی ہے نہ کہ کمیت

حدیث میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا قَالَ رَكْعَتَانِ مقتصدتان خَيْرٌ مِّنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ وَالْقَلْبُ سَاهٍ۔[1]

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو رکعت نماز درمیانی طور پر پڑھنا بہتر ہے رات بھر نماز پڑھنے سے ایسی حالت میں کہ قلب غافل ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دو رکعت نماز پڑھے اور درمیانی طور پر ادا کرے اس طرح کہ اس کے فرائض و واجبات اور سنن کو حضور قلب کے ساتھ ادا کرے، گو طویل قرأت وغیرہ نہ ہو، ایسی دو رکعتیں نہایت عمدہ اور مقبول ہیں، رات بھر غفلتِ قلب کے ساتھ نماز پڑھنے سے۔

اس حدیث سے اہتمام قلب کی کس قدر تاکید معلوم ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ فی الحقیقت فعل کی کیفیت دیکھی جاتی ہے کہ کیسا کام کیا، اور کمیت مطلوب نہیں ہے کہ کتنا کام کیا، اگرچہ تھوڑا ہی کام ہو مگر باقاعدہ اور عمدہ ہو تو وہ حق تعالیٰ کے یہاں محبوب اور مقبول ہے۔

فائدہ

مشہور ہے کہ مٹی کھانا حرام ہے مگر اس میں یہی تفصیل ہے کہ جہاں نقصان ہو جائز نہیں ہے اور جہاں نقصان نہ ہو جائز ہے، جیسے بحالت حمل تھوڑی سی مٹی کھا لینا کہ عورت طبعاً اس پر مجبور ہوتی ہے، ہاں اتنی نہ کھائے جس سے

---

[1] رواہ ابن ابی الدنیا فی التفکر کذا فی کنز العمال۔

Marfat.com

نقصان ہو، یا روٹی میں لگی ہوئی راکھ کھالینا یا جلی ہوئی روٹی کھالینا، بعض لوگ اس میں بہت وہم کرتے ہیں اور جلن کو روٹی سے ذرا ذرا الگ کرتے ہیں، اس کی ضرورت نہیں، قدر قلیل کچھ نقصان نہیں لاتی بلکہ جو ٹکڑا روٹی کا بالکل کوئلہ نہ ہو گیا ہو اور صرف ذرا سیاہی آ گئی ہو، اس کا پھینک دینا جائز نہیں، کیونکہ وہ روٹی ہے کوئلہ نہیں ہے۔

اولاد اور ماں باپ میں سے کس کا حق مقدم ہے؟

تین آدمی غار میں پھنس گئے اُن میں سے ایک نے کہا:

اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے بچے بھی تھے، میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور شام کو جب گھر آتا تو بکریوں کا دودھ نکال کر اپنے ماں باپ کو اپنے بچوں سے پہلے پلاتا تھا، ایک دن میں بہت دُور چلا گیا اور جب شام کو آیا تو میں نے اپنے ماں باپ کو سویا ہوا پایا، میں نے حسب معمول دودھ نکالا اور دودھ کا برتن لیکر اُن کے سر کے پاس کھڑا رہا اور ان کو جگانا اچھا نہ سمجھا اور یہ بھی برا سمجھا کہ ان سے پہلے بچوں کو پلاؤں اور بچے میرے پیروں میں پڑے روتے چلاتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

یہ بچوں کا رونا چلانا ایسا ہی تھا جیسا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے مہمانوں کے قصہ میں ہے، جب انہوں نے اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کے لئے ہے؟ بیوی نے کہا نہیں، صرف بچوں کی خوراک ہے، تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سُلا دو۔ لمعات میں لکھا ہے کہ علماء نے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ وہ بچے بھوکے نہیں تھے بلکہ بلا بھوک مانگ رہے تھے، جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے، ورنہ اگر وہ بھوکے ہوتے ان کو کھلانا واجب تھا اور واجب کو وہ کیسے ترک کر سکتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کی تعریف کی، اس تاویل کی ضرورت اس سے بھی ثابت ہوئی کہ والد سے چھوٹے بچے کا حق مقدم ہے، جیسا کہ در مختار میں ہے کہ اگر کسی کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہوں تو خرچہ کے اعتبار سے بیٹا باپ سے زیادہ مستحق ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ دونوں پر تقسیم کر دے۔

Marfat.com

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاثار میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ سب سے بہتر روزی اپنی کمائی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں داخل ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب باپ محتاج ہو تو بیٹے کے مال میں سے کھانے کا مضائقہ نہیں، لیکن ضرورت کے مطابق خرچ کرے، فضول خرچی نہ کرے، اگر باپ مالدار ہے اور پھر بیٹے کا مال لیتا ہے تو وہ اُس پر قرض ہے، یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ماں باپ کا حق

درمختار میں ہے کہ ایسے نابالغ اور جوان لڑکے پر جہاد فرض نہیں ہوتا جس کے ماں باپ دونوں یا ایک موجود ہو، کیونکہ ان کی اطاعت فرض عین ہے اور کوئی ایسا سفر کرنا جائز نہیں جس میں خطرہ ہو مگر ان کی اجازت سے، اور جس میں خطرہ نہ ہو وہ بلا اجازت جائز ہے، منجملہ اس کے علم حاصل کرنے کے لئے سفر بھی ہے۔

ردالمحتار میں ہے کہ ماں باپ کو اس سفر سے روکنے کی گنجائش ہے جبکہ اس کی وجہ سے وہ سخت مشقت میں مبتلا ہوتے ہوں، اور کافر ماں باپ کا بھی یہی حکم ہے جبکہ اس کے سفر سے ان کو اندیشہ ہو۔

فائدہ

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد باری تعالیٰ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ [1] ''اے نبی! جہاد کر کفار اور منافقین سے'' کے تحت لکھتے ہیں:

> جہاد کا معنی ہے کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا، یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے، کبھی زبان سے، کبھی قلم سے، کبھی کسی اور طریق سے، منافقین جو زبان سے اسلام کا اظہار کریں اور دل سے مسلمان نہ ہوں، ان کے مقابلہ میں جہاد بالسیف جمہور امت کے نزدیک مشروع نہیں، نہ عہد نبوت میں ایسا واقع ہوا، اسی لئے جہاد کا لفظ اس آیت میں عام رکھا

---

[1] سورۃ التوبہ: ۷۳۔

Marfat.com

گیا ہے، یعنی تلوار سے، زبان سے، قلم سے، جس وقت جس کے مقابلہ میں جس طرح مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔ [۱]

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا [۲]

''سو تم کافروں کا کہنا مت مانو، اور قرآن کے ذریعہ ان کے ساتھ مقابلہ کیجئے''۔

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ اَیْ بِالْقُرْاٰنِ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ [۳]

اس آیت میں جہاد کا اطلاق جہاد باللسان پر ہوا ہے جیسے کہ تفسیر سے واضح ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ [۴]

''اور اللہ تعالیٰ کے واسطے محنت کرو جیسے کہ محنت کرنے کا حق ہے''۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِسْتَفْرِغُوْا وُسْعَكُمْ فِیْ اِحْيَاءِ دِيْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاِقَامَةِ حُقُوْقِهٖ بِالْحَرْبِ وَبِالْيَدِ وَاللِّسَانِ وَجَمِيْعِ مَا يُمْكِنُ، وَرُدُّوْا اَنْفُسَكُمْ عَنِ الْهَوٰی وَالْمَيْلِ۔ [۵]

اللہ تعالیٰ کے دین اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کو قائم کرنے کے لئے اپنی طاقت کو خرچ کر دو یا تو قتال کے ذریعہ یا زبان یا ہاتھ کے ذریعہ، یا ہر ممکن طریق سے۔

اَیْ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ [۶] ''یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے جہاد تمہارے مال، زبان اور جان، تینوں کے ذریعے ہوتا ہے''۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁

---

[۱] تفسیر عثمانی، ص: ۴۶۳۔ [۲] الفرقان: ۵۲۔ [۳] تفسیر ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۳۵۴۔ [۴] الحج: ۷۸۔ [۵] تفسیر الرازی، ج: ۱۱، ص: ۱۵۷۔ [۶] تفسیر ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۲۶۱۔

Marfat.com

عہدِ نبوّت کے چند ماہ وسال

❁ نبوت کے پہلے سال آنحضرت ﷺ کے مؤذن حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کو اسلام کا سب سے پہلا مؤذن ہونے کا شرف حاصل ہے، ان کی والدہ ماجدہ حمامہ رضی اللہ عنہا بھی مسلمان تھیں، والدہ کی نسبت سے انہیں بلال بن حمامہ بھی کہا جاتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ بنو جمح کے ایک مشرک قبیلے کے غلام تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نو اوقیہ کے عوض خرید کر فی سبیل اللہ آزاد کر دیا تھا، اس لئے آپ مولیٰ ابی بکر کہلاتے تھے۔ ایک اوقیہ 10½ تولہ، ۹۴ تولہ چاندی تفسیر عزیزی میں ۴۰ اوقیہ ہے، تقریباً ساڑھے چار کلو چاندی۔

❁ آفتابِ نبوت ﷺ پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جان نثاریوں کا صلہ اللہ رب العزت کی طرف سے یہ عطا ہوا کہ ''ان کے نام اللہ کا سلام'' لے کر جبرائیل امین غارِ حرا میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ خداوندی سلام کے ساتھ ساتھ میری طرف سے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام کہیے، آنحضرت ﷺ نے اللہ رب العزت اور کروبیاں (فرشتوں) کے امام کا سلام، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پہنچایا، انہوں نے اس سلام کا جو جواب دیا وہ ان کی وفورِ عقل اور کمالِ بلاغت کا بہترین نمونہ ہے، فرمایا:

اَللهُ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ سَمِعَ السَّلَامُ اِلَّا الشَّيْطَانُ ''اللہ پاک تو خود ہی سلامتی والے ہیں، سلامتی انہیں کی جانب سے ملتی ہے (اے نبی) آپ پر سلام، جبرائیل پر سلام اور ہر اس شخص پر جو اس واقعہ کو سنے، سلام، مگر شیطان پر نہیں''۔

❁ اور سنن الکبریٰ للنسائی میں اس طرح آیا ہے:

إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَعَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ، وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ [1]

---

[1] السنن الکبریٰ للنسائی، مَنَاقِبُ خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہَا، رقم الحدیث: ۸۳۰۱۔

Marfat.com

✿ نبوّت کے دسویں (۱۰) سال جب کہ آنحضرت ﷺ طائف سے واپسی پر مقام نخلہ میں فروکش تھے، یہ مکہ سے ایک دن کی مسافت پر مکہ اور طائف کے مابین ایک بستی تھی، تو ''نصیبین'' جو ملک شام کا ایک شہر تھا، کے جنات کا ایک سات رکنی وفد، دربارِ نبوی میں حاضر ہوا، جب آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ نماز فجر ادا کی اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت فرمائی تو جنات ہمہ تن گوش ہو گئے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے پہلی رکعت میں سورۂ رحمٰن، اور دوسری رکعت میں سورۂ جن یا سورۂ اقراء پڑھی تھی، نماز کے بعد انہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی، مشرف باسلام ہوئے اور اسلام کے داعی بن کر اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے، حق تعالیٰ نے سورۂ احقاف کی آیات وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ۔۔۔ الخ میں ان ہی کا تذکرہ فرمایا ہے، نیز سورۂ جنّ میں یہ ان ہی کا قول نقل کیا ہے:
اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا [1]

''آکام المرجان فی احکام الجان'' کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جنات کے وفد چھ مرتبہ حاضر ہوئے، بعض مکہ میں اور بعض مدینہ میں، اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں لکھا ہے: ''جنات کے وفد کی تعداد ایک مرتبہ سات یا نو، ایک مرتبہ ساٹھ، ایک مرتبہ تین سو اور ایک مرتبہ بارہ ہزار تھی''۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ جنات کا پہلا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بعثت کے کچھ عرصہ بعد آیا جبکہ جنات پر شہاب ثاقب کا سلسلہ شروع ہوا۔

✿ نبوت کے بارہویں سال شبِ معراج میں آپ ﷺ نے چار نہریں ملاحظہ فرمائیں، جو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکل رہی تھیں، دو نہریں ظاہری اور دو باطنی، باطنی نہریں جن کا نام تسنیم اور سلسبیل ہے، جنّت میں گرتی تھیں اور ظاہری نہریں جو نیل اور فرات ہیں، زمین میں (گرتی ہیں)۔

✿ اسی رات ''آپ ﷺ نے اپنے ربّ کی بڑی نشانیاں دیکھیں، جبکہ ڈھانک رہا تھا اس (سدرہ) کو جو کچھ کہ ڈھانک رہا تھا، یہ ڈھانکنے والی چیز، سنہری پروانے تھے، جو سدرہ پر گرتے ہوئے نہایت

---

[1] الجن: ۱۔

Marfat.com

حسین وجمیل لگتے تھے۔

- اسی رات آپ ﷺ نے جنت اور اس کی نعمتوں کا نیز دوزخ اور اس کے عذاب واسباب کا معائنہ فرمایا اور فرشتوں کو دیکھا۔
- اسی رات نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شراب، دودھ اور شہد کے جام پیش کئے گئے، آپ ﷺ نے دودھ کو قبول فرما کر نوش کیا، اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا آپ ﷺ کی رہنمائی اس فطرت کی طرف ہوئی جو آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کی امت کا طرّہ امتیاز ہے۔
- اسی رات آنحضرت ﷺ کو عرش سے اوپر رفعت حاصل ہوئی، اللہ ربّ العزت نے آپ ﷺ کو اپنی بارگاہ کے قُرب سے نوازا اور کلامِ قدیم ازلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے ہم کلام ہوئے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی . فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی [1] پھر قریب ہوا، پس نہایت قریب ہوا، پس درمیان کا فاصلہ، دو کمانوں کے برابر اس سے بھی قریب تھا۔

اس میں اختلاف ہے کہ آیا آپ ﷺ نے ظاہری آنکھوں سے اپنے پروردگار کی زیارت بھی کی تھی؟ علماء فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی۔

- اسی رات آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کیلئے یہ الفاظ القاء ہوئے:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ تمام قولی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں اور تمام بدنی اور مالی عبادتیں (اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں)۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ سلام ہو آپ ﷺ پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

آنحضرت ﷺ نے دوبارہ فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ سلام ہو ہم پر، اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر۔

---

[1] النجم: ۸،۹۔

Marfat.com

اس پر حضرت جبرائیل اور ملائکہ علیہم السلام نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ [1]

✿ اسی سال شب معراج کی صبح کو یہ معجزہ ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آسمانوں کی سیر کرنے اور راتوں رات واپس آنے کی خبر قریش کو ہوئی تو انہوں نے اسے مستبعد سمجھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیت المقدس کی صفات دریافت کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہایت تردّد ہوا، کیونکہ بیت المقدس کی صفات محفوظ رکھنے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال تک نہ تھا، علاوہ ازیں رات بھی تاریک تھی (ایسے میں کون اہتمام کرتا ہے کہ جس مکان میں چند لمحے کے لئے آنے کا موقع ملا ہے اس کا ایک ایک نقشہ بھی محفوظ رکھا جائے) مگر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی بیت المقدس کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر مکہ میں "دار عقیل" کے پاس رکھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے دیکھ دیکھ کر ایک ایک چیز بتاتے رہے، پس جس طرح بلقیس کے تخت کا اٹھالانا حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا، اسی طرح بیت المقدس کا اٹھالانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہوا۔

اہل بیت کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت

✿ ---آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے چند دن بعد مندرجہ ذیل خواتین نے ہجرت کی، سیدہ فاطمۃ الزاہرا اور سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ام المومنین سودہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مربیہ ام ایمن، ام المومنین عائشہ صدیقہ اور ان کی ہمشیرہ اسماء بنت ابی بکر اور سیدہ عائشہ کی والدہ ماجدہ ام رومان رضی اللہ عنہن۔

✿ ---مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع کو (یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے) حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ان خواتین کو مکہ سے مدینہ لانے

---

[1] صحیح البخاری، باب التشہد، رقم الحدیث: ۸۳۱۔

Marfat.com

کے لئے بھیجا، دو اونٹ اور پانچ سو درہم ان کو عطا فرمائے، چنانچہ یہ حضرات، آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی ان خواتین کو لے کر مدینہ پہنچے، ان کی آمد ہجرت نبوی سے سات ماہ بعد ہوئی، چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا قبا پہنچیں تو پورے دنوں کی حاملہ تھیں، قبا ہی میں ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، اوران کی پیدائش صحیح قول کے مطابق شوال ۱ھ کی ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں ذکر کیا ہے۔

رکعاتِ نماز میں اضافہ

آنحضرت ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے ایک یا دو ماہ بعد اور بقولِ بعض ایک سال بعد، رکعات نماز میں اضافہ ہوا، اور ظہر، عصر اور عشاء میں دو کے بجائے چار کر دی گئیں، قبل ازیں شب معراج میں مغرب کے علاوہ تمام نمازوں کی دو دو رکعتیں مقرر ہوئی تھیں، البتہ مغرب کی شروع ہی سے تین رکعتیں مقرر ہوئیں، بعد ازاں سنہ ۴ھ میں نماز سفر میں رکعتوں کی تخفیف کر دی گئی، اور چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتوں کا حکم دیا گیا۔

اور یہ زیادتی یعنی دو کے بجائے چار رکعتوں کا حکم منگل کے دن نازل ہوا تھا، پس پہلے قول کی بناء پر، کہ وہی راجح بھی ہے، اور اخیر قول کے مطابق بھی یہ زیادتی آئندہ سال ربیع الآخر ہی میں ہوئی، اسی بناء پر حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ ''الروض الانف'' میں فرماتے ہیں: یہ زیادتی ہجرت کے ایک سال بعد ربیع الآخر میں ہوئی۔

زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ولادت

اسی سال زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، ان کی کنیت ابوالمغیرہ ہے اور ان کا شمار عرب کے سات مشہور سیناس لوگوں میں ہوتا ہے، جن کے نام یہ ہیں: معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، عروہ بن مسعود، زیاد بن ابی سفیان، قیس بن سعد بن عبادہ، عبداللہ بن بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہم۔

Marfat.com

غزوۂ بدر

غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ ہوا کہ حضرت سلمہ بن حریس رضی اللہ عنہ اسی دن اسلام لائے، آنحضرت ﷺ نے ان کو "ابن طاب" نامی کھجور کی ایک شاخ دے کر فرمایا اس کے ساتھ لڑو، یہ ان کے ہاتھ میں آتے ہی بہترین تلوار بن گئی، اور یہ ان کے شہید ہونے تک ان کے پاس رہی، وہ ۱۴ھ میں جسر ابی عبید کے معرکہ میں شہید ہوئے۔

اسی سال غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ ہوا کہ جنگ بدر میں معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ یا معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ (موخر الذکر زیادہ راجح ہے) کا ہاتھ کٹ گیا تھا، وہ کٹا ہوا ہاتھ اٹھا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے آنحضرت ﷺ نے لعاب دہن لگا کر ہاتھ کو اس کی جگہ چپکا دیا، چنانچہ وہ پہلے کی طرح ٹھیک ہوگیا۔

غزوۂ اُحد

غزوۂ اُحد میں، صحیح تر قول کے مطابق اور بقول بعض ۲ھ میں غزوۂ بدر میں حضرت قتادہ بن نعمان الاوسی رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہوگئی تھی اور اپنی جگہ سے نکل کر رخسار پر آرہی تھی آنحضرت ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھ بند کی اور لعاب مبارک لگایا تو اسی وقت ٹھیک ہوگئی، یہاں تک کہ یہ پہچان نہیں ہوسکتی تھی کہ کون سی آنکھ زخمی ہوئی تھی۔

اسی سال آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ ہوا کہ جنگ اُحد میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی، پس یہ تلوار "العرجون" کہلاتی تھی اور یہ ایک دوسرے کے ہاتھ منتقل ہوتی رہی، یہاں تک کہ بناء ترکی نے اسے دوسو دینار میں خرید لیا۔

Marfat.com

- غزوۂ اُحد کے ایام میں اُصیرم (بصیغۂ تصغیر اور بقول بعض بصیغہ مکبّر) اسلام لائے، ان کا اسم گرامی عمرو بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ ہے اور اسلام لاتے ہی غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے، جبکہ انہیں حق تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریزی کا موقع تک نہیں ملا، یعنی اسلام لانے کے بعد ایک بھی نماز کا وقت نہیں ملا، اس سے قبل ہی شہید ہو گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت دی کہ وہ اہل جنت سے ہیں۔
- غزوۂ احد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، گھمسان کی جنگ ہوئی تو مسلمانوں نے ان کو غلطی سے کافروں کے لشکر کا آدمی سمجھا اور ان پر ٹوٹ پڑے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے رہ گئے کہ "میرے والد ہیں، میرے والد ہیں" مگر اتنے تک یہ جام شہادت نوش کر چکے تھے، جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے والد قتل کر دیئے گئے تو جن کے ہاتھ سے نادانستہ قتل ہوا ان سے صرف اتنا فرمایا: يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔[1]

شہداء احد کی نماز جنازہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی، بعد ازاں باقی شہداء اُحد کی، ایک ایک شہید کا جنازہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں لا کر رکھا جاتا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی، یہاں تک کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ستر مرتبہ ہوئی، یہ مطلب نہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ستر بار مکرر ہوئی بلکہ یہ مطلب ہے کہ ہر شہید کی الگ نماز جنازہ ہوئی اور ہر شہید کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ بھی ہوتا تھا، یوں گویا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر بار نماز جنازہ ہوئی، حنفیہ نے اسی روایت کی بناء پر کہا کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔

- ہجرت کے چھٹے (۶) سال ام رومان (راء کے ضمہ سے، اور بعض نے فتحہ ضبط کیا ہے) بنت عامر بن عویمر الفراسیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اور حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ ہیں، ان کا نام زینب یا بقول بعض دَعد تھا، قدیم الاسلام تھیں، مکہ

---

[1] صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۰۶۵۔

Marfat.com

میں اسلام لائیں اور ہجرت کی، جب ان کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ ان کے دفن میں شریک تھے خود بنفس نفیس ان کی قبر میں اُترے اور ان کے حق میں ارشاد فرمایا: ''جو شخص جنت کی کسی حورِعین کو دیکھنا چاہتا ہو وہ انہیں دیکھ لے''۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت تک بقید حیات رہیں، تذکرۃ القاری میں لکھا ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

❁ اسی سال لبید بن اعصم یہودی، خذلہ اللہ، نے، جو بنی زریق کا حلیف تھا، آنحضرت ﷺ پر سحر کیا، اس نے یہ گھناؤنی حرکت یہود کی انگیخت پر کی تھی، چنانچہ یہودیوں نے اس مقصد کے لئے اسے تین سو دینار دیئے تھے، جن چیزوں میں سحر کیا تھا وہ اس نے ذی اروان نامی، کنوئیں میں ڈال دی تھیں، اس سحر کا قصہ حدیث و سیرت کی بڑی کتابوں میں مفصل مذکور ہے، یہ آنحضرت ﷺ کی حدیبیہ سے واپسی کے بعد ذی الحجہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے۔

❁ ہجرت کے ساتویں (۷) سال مقوقس قبطی شاہِ مصر و اسکندریہ نے مندرجہ ذیل اشیاء آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بطور ہدیہ پیش کیں، ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کے حرم میں شامل ہوئیں، ان کی بہن سیرین، یعفور نامی حمار، دلدل نامی خچر، بیس عدد مصر کے نفیس ترین کتانی کپڑے، ایک ہزار مثقال (۴۰۰ سو تولہ) سونا، عمدہ شہد کا مشکیزہ، لکڑی کی شامی سرمے دانی، آئینہ، کنگھا۔ علاوہ ازیں ایک سو دینار اور پانچ کپڑے اس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو دیئے۔

❁ اسی سال یعنی سات ہجری میں غزوۂ ذات الرقاع کے ایام میں یہ معجزہ ہوا کہ علبہ بن زید الحارثی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو شترمرغ کے چند انڈے ہدیہ کئے، آنحضرت ﷺ کے حکم سے انہیں ایک بڑے پیالے میں رکھا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھانے کا حکم فرمایا، چنانچہ سب نے شکم سیر ہو کر کھایا، مگر انڈے بدستور موجود تھے، اس وقت لشکر میں تقریباً آٹھ سو آدمی تھے۔

❁ ہجرت کے آٹھویں (۸) سال فتح مکہ میں ابولہب کے دولڑکے عتبہ (بضم عین مہملہ، وسکون تائے

Marfat.com

فوقانی بصیغہ مکبّر) اور مُعَتِّب (بضم میم وفتح عین مہملہ وکسر تائے فوقانی مشدّدہ) اسلام لائے اور شرف صحابیت سے مشرف اور جنگ حنین میں شریک ہوئے، نیز ابولہب کی لڑکی درّہ بنت ابی لہب بھی اسلام اور صحابیت سے مشرف ہوئیں۔

البتہ ان کا بھائی عتیبہ (بصیغہ تصغیر) جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا فرمائی تھی: اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ [1] یا اللہ! اس پر کسی کتے کو مسلط کر دے، اس بددعا کے نتیجے میں اسے ایک شیر نے چیر ڈالا تھا، سرزمین شام میں موضع زرقا میں اپنے باپ ابولہب کی زندگی میں وہ بحالتِ کفر ہلاک ہوا تھا جیسا کہ ابولہب کی موت کفر پر ہوئی۔

❁ اسی سال غزوۂ طائف کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے تو فرمایا یہ ابورِغال کی قبر ہے (رِغال: بکسر رائے مہملہ وغین معجمہ، ولام، یہ قبیلہ ثقیف کا جد اعلیٰ اور ثمود میں سے تھا) اور اس کے ساتھ سونے کی سِل بھی دفن کی گئی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ جگہ کھودی تو اس سے سونے کی سل برآمد ہوئی، یہ آنحضرت کا معجزہ تھا، یہ سِل بیس رطل سے کچھ زیادہ تھی، تقریباً آٹھ کلو کی تھی، جو کہ ۷۰۴ تولہ سونا بنتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

❁ ہجرت کے دسویں (۱۰) سال مسیلمہ کذاب خذلہُ اللہ تعالیٰ، اپنی قوم بنوحنیفہ کے چودہ افراد کے ہمراہ یمامہ سے مدینہ آیا، اس کی قوم کے لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہو گئے، مگر مسیلمہ، اسلام لانے سے متخلف رہا، اور کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعد خلافت میرے سپرد کر دیں تو میں اسلام قبول کر کے پیروی کرلوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی اس کی جانب اشارہ کر کے فرمایا تو اگر مجھ سے کھجور کی ایسی شاخ بھی مانگے تو تجھے نہیں دوں گا، اور تو اپنی قدر سے تجاوز نہیں کرے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اسلام لاکر مرتد ہوگیا تھا، بعدازاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۱۱ھ میں قتل ہوا۔

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی، بَابُ مَا لِلْمُحْرِمِ قَتْلُهُ مِنْ دَوَابِّ الْبَرِّ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ، رقم الحدیث: ۱۰۰۵۲۔

Marfat.com

کہتے ہیں کہ مسیلمہ کے ہاتھ پر اس کے مدعا کے خلاف خوارق و استدراجات ظاہر ہوتے تھے، کسی کی درازی عمر کی دعا کرتا تو وہ فوراً مر جاتا، کسی کی بینائی کی دعا کرتا تو وہ اندھا ہو جاتا، ایک بار پانی میں برکت کے لئے کنوئیں میں تھوکا تو پانی بالکل ہی خشک ہو گیا، ایک بار ایک بینا کی آنکھ پر لعاب دہن لگایا وہ اندھا ہو گیا، بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو ان کا دودھ خشک ہو گیا، ایک بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ بری طرح گنجا ہو گیا، ایک شخص کے دو لڑکوں کے لئے عمر میں برکت کی دعا کی وہ گھر گیا تو ایک لڑکا کنوئیں میں گر کر مر گیا اور دوسرے کو بھیڑیئے نے کھا لیا۔

❀ اسی سال یمن میں اسود بن کعب اَلْعَنْسی (بفتح عین وسکون نون) کذّاب ظاہر ہوا، خذلہ اللہ تعالیٰ اور اس نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دعویٰ نبوت کیا تھا، اس کا خروج حجۃ الوداع کے بعد ہوا، اسود کا نام عبہلہ بن کعب تھا اور ذوالخمار الاسود (خائے معجمہ کے ساتھ) کے لقب سے معروف تھا، کیونکہ وہ ہمیشہ سیاہ اوڑھنی سے چہرہ ڈھانکے رہتا تھا اور بعض نے ذوالحمار (حائے) مہملہ کے ساتھ اس کا لقب بتایا ہے، اس کے پاس ایک کالا گدھا تھا اسے سدھار کھا تھا حتیٰ کہ وہ گدھا اس کے آگے سجدہ کیا کرتا تھا۔

❀ اسی سال صفر میں اسود عنسی کذاب حضرت فیروز رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے جہنم رسید ہوا، فیروز رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کی مہم پر روانہ فرمایا تھا، فیروز رضی اللہ عنہ اس کے شہر صنعاء یمن میں پہنچ کر چھپ گئے، رات کے وقت اسود کے مکان کو نقب لگائی اور اسے قتل کر دیا، جبکہ اس کے دروازے پر ایک ہزار آدمی پہرہ دے رہے تھے، فیروز رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کی خبر آنحضرت ﷺ کو بھیجی مگر قاصد کے مدینہ پہنچنے سے قبل آنحضرت ﷺ کا وصال ہو چکا تھا، تاہم آنحضرت ﷺ کو وصال سے ایک دن رات قبل بذریعہ وحی اس کا علم ہو چکا تھا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا تھا کہ آج ''اسود عنسی'' قتل کر دیا گیا، اسے مبارک آدمی نے قتل کیا ہے، جو مبارک گھرانے کا ایک فرد ہے، عرض کیا

Marfat.com

گیا: وہ کون صاحب ہیں؟ فرمایا فَازَ فَیْرُوْز فیروز کامیاب ہوگیا، گارزونی اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ اسود کے ظہور اور قتل کے مابین صرف چار ماہ کا عرصہ گزرا۔

- اسی سال غزوۂ یمامہ میں کفار میں سے مسیلمہ کذاب قتل ہوا، جس نے آنحضرت ﷺ کی حیات مبارک میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اس کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، یہ وہی وحشی ہیں جن کے ہاتھ حضور ﷺ کے عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے، مسیلمہ کی عمر اس وقت ایک سو پچاس سال تھی۔
- اسی سال اس جہاد میں مسیلمہ کذاب کی جماعت کے بیس ہزار کافر قتل ہوئے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے رفقاء میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے، جن میں مذکور الصدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے، ابوحذیفہ بن عتبہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، شجاع بن وہب، عبداللہ بن سہل، مالک بن عمرو، طفیل بن عمر والدوسی، یزید بن قیس، عامر بن بکیر، عبداللہ بن مخرمہ، سائب بن عثمان بن مظعون، معن بن عدی، ابودجانہ سماک بن خرشہ وغیرھم، رضی اللہ عنہم۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں کتاب اللہ اور سنت رسول پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور قرآن جیسی مقدس ومکرم کتاب پر عمل کرنے اور آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

قَدْ تَمَّ الْمُجَلَّدُ الرَّابِعُ، فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ

☆☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆

Marfat.com

حضرت اقدس مولانا کریم بخش صاحب کی دیگر کُتُب

تفسیر ھٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ (جلد اول)

تفسیر ھٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ قرآن مجید کی عام فہم اور آسان تفسیر ہے جس کی ابتداء میں تفسیر بالرّائے سے اجتناب وغیرہ جیسے اہم اصولِ تفسیر کے اضافہ کے ساتھ قرآنی حقائق و دلائل اور عجائباتِ قرآنی کو احسن اور بڑے سلیس انداز سے بیان کیا گیا ہے، الغرض تفسیرِ قرآن سے متعلقہ ضروری علوم کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

خلاصۃُ القرآن (تراویح کے بعد کے دروس القرآن)

خلاصۃ القرآن حضرت اقدس مولانا کریم بخش صاحب مدظلہٗ کے تراویح کے بعد کے دروسِ قرآن کا مجموعہ ہے، علما، طلبا، عوام اور ائمہ مساجد کے لئے انتہائی مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پیغام کومختصر طور پر سمجھنے کے لئے بے مثال ہے۔

سیرت سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام

یہ کتاب بھی دورِ حاضر کی ایک عظیم تصنیف ہے، جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ کے ''خاندانی حالات، صفاتِ ابراہیمی، اوّلیاتِ ابراہیمی، معجزاتِ ابراہیمی، بُت پرستی وکواکب پرستی کی تردید، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سفرِ ہجرت، ذبحِ اسماعیل علیہ السلام اور جذبہ ابراہیمی تاریخ و بنائے بیت اللہ، عشرہ ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل و مسائل'' جیسے معلومات افزاء مضامین پر مشتمل ایک اہم تصنیف ہے۔

الیواقیت الحِسان فی علوم القرآن

''اَلْیَوَاقِیْتُ الْحِسَانُ فِیْ عُلُوْمِ الْقُرْآنِ'' المعروف ''جواہرِ قرآنیہ'' علومِ قرآنیہ کی پیاس رکھنے والوں کے لئے ایک بیش قیمت خزانہ ہے، جس میں قرآن مجید کے مختلف مضامین کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے، قرآن سے متعلقہ احادیث، تاریخ اور مختلف واقعات کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ یہ مکمل چار جلدیں ہیں، چوتھی جلد اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

Marfat.com

مسنون زندگی

سلام اور مصافحہ کے آداب وسنن، اندازِ گفتگو اور وعظ ونصیحت کا مسنون طریقہ، نکاح، ولیمہ، اور تربیتِ اولاد کے آداب وسنن، میاں بیوی کے حقوق، ان کے تنازعات کی وجوہات اور اُن کا حل، کھانے پینے، سونے جاگنے، لباس اور وضع قطع کے متعلق مسنون آداب، بیماری، عیادت اور موت کے وقت اور بعد کے مسنون اعمال، اصلاحِ معاشرہ اور گھریلو معاملات کے رہنما اصول سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں سہل اور سلیس انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

خطباتِ کریم (جلد اول)

خطباتِ کریم جلد اول میں ''اللہ تعالیٰ کی شفقت ومحبت، انسانیت کے رہبر حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک، خاندانِ نبوت اور اس کی محبت کے تقاضے، معجزات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فضائل مدینہ منورہ، شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، تاریخ فقہاء ومحدثین، والدین کی ذمہ داری، ظالموں اور ظلم کا انجام'' جیسے عام فہم اور اصلاحی مضامین پر مشتمل ہے جو ہر شخص کی اصلاح کے لئے انتہائی مفید ہیں۔

خطباتِ کریم (جلد دوم)

خطباتِ کریم جلد دوم میں شب برأت سے لے کر شب قدر تک'' حضرت مدظلہ کے بیانات کا حسین مجموعہ ہے، جس میں درج ذیل مضامین ہیں: ''شبِ برأت کی حقیقت، استقبالِ رمضان، فضیلت وعظمتِ رمضان، پیغامِ رمضان (اُمتِ مسلمہ کے نام)، نیکیوں کا موسمِ بہار، جنت اور جہنم، گناہوں سے توبہ کریں، حقیقتِ تقویٰ، لوگوں سے حسنِ سلوک، قرآنِ کریم کی برکت، عظمت اور تاثیر، شبِ قدر کی برکات اور اس کے حصول کا طریقہ، رمضان المبارک کے اہم مسائل، صیام الدھر (شوال کے چھ روزے)۔

مواعظِ جمعہ (جلد اول)

جامعہ عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب، ملتان کی جامع مسجد میں حضرت مدظلہ کے بیان کردہ خطبات کا مجموعہ۔ یہ جلد ''رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات، صاحبزادوں، صاحبزادیوں اور نواسوں، نواسیوں کی پاکیزہ سیرت وکردار'' کے ذکر کا حسین گلدستہ ہے۔ نیز'' واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر'' اس میں مختلف وجوہ سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔

مواعظِ جمعہ (جلد دوم)

اس جلد میں معاشرے کے سُلگتے ہوئے مسائل کا حل انتہائی سہل وعام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں محرم الحرام کے فضائل واحکام، نوحہ کی ممانعت، اظہارِ غم کا مسنون طریقہ، مسائل زیارتِ قبور، اسلام میں نحوست کا تصور، توہم پرستی سے اِجتناب اور مشورہ واستخارہ کی اہمیت جیسے موضوعات پر مشتمل یہ جلد ایک عظیم شاہکار ہے۔

مواعظِ جمعہ (جلد سوم)

یہ جلد'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل وخصائل، اخلاق وعادات، عفوو کرم، قدرت الٰہی کے مظاہر، درود شریف کے فضائل، اذان کے فضائل، مؤذنین کا مقام ومرتبہ، اور دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت، جیسے عظیم عنوانات پر مشتمل ایک حسین گلدستہ ہے۔

مواعظِ رمضان المبارک (جلد اول)

خطباتِ جمعہ از حضرت اقدس مدظلہٗ بموقع رمضان المبارک ۳۵۔۱۴۳۴ھ جس میں'' استقبالِ رمضان، فضائل رمضان، روزوں کی فرضیت کا مقصد، روزوں کی غرض وغایت، تزکیہ وطہارت، اصلاحِ ظاہر وباطن، رمضان اور ظہورِ رحمتِ الٰہی، رمضان اور توبہ، رمضان اور نزولِ قرآن، رمضان اور شب قدر، اور جمعۃ الوداع پر مشتمل دلنشین، فکر انگیز اور ایمان افروز واقعات، روح پرور بیانات، علمی، اخلاقی اور اصلاحی مضامین سے مُزیّن انتہائی سہل وعام فہم انداز میں جمع کئے گئے ہیں۔

مواعظِ رمضان المبارک (جلد دوم)

رمضان المبارک ۳۵۔۱۴۳۴ھ نمازِ فجر کے بعد کے دروسِ احادیث کا یہ مجموعہ معتکفین کے لئے نایاب تحفہ اور عوام وخواص سب کے لئے انتہائی مفید ہے، بالخصوص ائمہ مساجد کے لئے ایک نایاب تحفہ ہے۔

Marfat.com

مواعظِ رمضان المبارک (جلد سوم)

اس جلد میں روزہ کی حقیقت، نفسِ فرضیت، مختصر فضائل ومسائل، تراویح کی فضیلت اور بیس تراویح کی مدلل تحقیق، اعتکاف کے فضائل و مسائل اور معتکفین کے لئے مسنون اعمال، زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے فضائل و مسائل مصارفِ زکوٰۃ کا بیان، عید الفطر کے فضائل واحکام اور صیام ماہِ شوال کے فضائل ومسائل کو جمع کیا گیا ہے۔

بیاناتِ رمضان المبارک

رمضان المبارک کے دس سالہ بیانات کا مجموعہ، یعنی 2008 سے لے کر 2018 تک کے بیانات کا مجموعہ، تقریباً پچاس بیانات پر مشتمل نایاب تحفہ۔

تعوذ اور تسمیہ کے فوائد و برکات

تعوذ کے معنی کی وضاحت، تلاوت سے قبل تعوذ کا حکم دینے کی حکمت، کلمہ تعوذ کی برکات اور فضائل، حضور اقدس ﷺ اور بعض انبیاء سابقین کے تعوذات کا بیان، تعوذاتِ مسنونہ، غصے پر قابو پانے کا نسخہ، یہود کا اللہ کے نبی ﷺ پر جادو کرنا، مومن کا سب سے بڑا ہتھیار، دفعِ وساوس کا علاج، بِسۡمِ اللہ کے فوائد و برکات، اور فضائل، بسم اللہ ہر زہر کا تریاق، بسم اللہ کے متعلق چند مسائل، بَسۡمَلَۃ کی تحقیق، بحث اسمِ اعظم، استدعاء رحمت، رحمت الٰہی کا غیر محدود سمندر۔

توضیح الترمذی شرح جامع الترمذی (جلد دوم)

درسِ نظامی کے درجہ عالمیہ میں پڑھائی جانے والی کتب صحاحِ ستہ میں سے جامع ترمذی ایک اہم اور معتبر حدیث کی کتاب ہے، حضرت اقدس استاجی مولانا کریم بخش صاحب نے اس کی جلد دوم کی ایک بے حد مفید شرح لکھی ہے جو درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہے:

(۱) اعراب (۲) عام فہم سلیس ترجمہ (۳) رُواۃِ حدیث کا مکمل تعارف (۴) مغلق عبارات کا آسان انداز میں حل (۵) عام فہم انداز میں حدیث کی تشریح (۶) مذاہبِ فقہاء کرام (۷) مفتی بہا اقوال کی تعیین۔

Marfat.com

تسہیل النحو (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

علوم آلیہ میں جو اہمیت علم نحو کو حاصل ہے وہ اہلِ علم پر مخفی نہیں، اس اہمیت کے پیش نظر حضرت اقدس مولانا کریم بخش صاحب مہتمم جامعہ عمرؓ بن الخطاب ملتان، نے علومِ عربیہ کے طلبا کیلئے "نحو میر" کا اُردو زبان میں سلیس ترجمہ کیا ہے، اس کے بعد قرآن وحدیث اور متقدمین کی کتابوں سے تمارین جمع کی ہیں، ابتدائی طلبا کے لئے بہت نافع ہے۔

حضرت اقدس مولانا کریم بخش صاحب مدظلہٗ

کی زیرِ طبع کتب

۱۔ فضائل حرمین شریفین اور حج وعمرہ کے اہم مسائل

اس کتاب میں حرمین شریفین یعنی مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ کے فضائل، حدود، تعمیر کعبہ، غلافِ کعبہ، تاریخی مساجد، بعض تاریخی پہاڑ، کنوؤں اور وادیوں کا تذکرہ ہے، نیز ازواجِ مطہرات کے حجرات، قبائلِ انصار کے مقامات، حج وعمرہ اور ان کے ذیل میں ہونے والی عبادات: طواف، سعی، وقوفِ منیٰ، وقوفِ عرفہ، وقوفِ مزدلفہ، اور حلق وغیرہ پر مستند حدیثوں میں منقول اجر وثواب اور ان کے آداب کا معتبر حوالہ جات، آسان، زبان اور دل آویز اسلوب کے ساتھ تفصیلی ذکر ہے۔

۲۔ سیرت سیدنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔۔۔۔۔۔ ۳۔ کتاب الاسماء۔

۴۔ اذکار و وظائف۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۔ خطباتِ کریم جلد سوم۔

۶۔ تفسیر ہذا ابلاغ للناس جلد دوم۔۔۔۔۔ ۶۔ تفسیر ہذا ابلاغ للناس جلد دوم۔

رابطہ نمبر: 061.6775251,0306.7332451

Marfat.com

ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شيء وهدى ورحمة وبشرى للمسلمين (النحل)

المعروف جواہر قرآنیہ

اليواقيت الحسان في علوم القرآن

علوم قرآنیہ کا نایاب تحفہ

جلد چہارم

حضرت مولانا کریم بخش صاحب مدظلہ

بانی جامعہ عمر بن الخطاب ملتان

مکتبہ عمر بن الخطاب

نانک چوک شاہ رکن عالم کالونی ملتان موبائل: 0301-7574977

Marfat.com